سلسلہ اشاعت العلوم حیدر آباد دکن نمبر ۲۵

ولقد جاءهم من الانباء ما فیه مزدجر

جلد اول

حکمۃ بالغۃ

فما تغن النذر

مؤلفہ

فاضل جلیل عالم نبیل عالیجناب مولانا مولوی ابو الجمال احمد مکرم صاحب عباسی چریاکوٹی

مصنف و مؤلف

النجم الثاقب - رسالہ شطرنج - حل الغنا - بارہ امام - کرامت اللطائف - الاخلاق

چراغ حکمت وغیرہ ملازم دفتر نظامت تعمیرات دولت آصفیہ رکن مجلس اشاعۃ العلوم

حسب منظوری مجلس اشاعۃ العلوم حیدر آباد دکن

باہتمام

جناب ابو الدرجات مولانا مولوی حافظ محمد ولی الدین صاحب فاروقی مہتمم مجلس اشاعۃ العلوم

مطبع دائرۃ المعارف النظامیہ واقع حیدر آباد دکن میں طبع ہوئی

(۱۰۰۰)

فہرست مضامین کتاب حکمۃ بالغہ جلد اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن مجید کی لائف یا تاریخ

پورا قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تیئیس (۲۳) یا پچیس (۲۵)* برس میں نازل ہوا جب کوئی آیت نازل ہوتی آپ اُسی وقت ارشاد فرمادیتے کہ اس کو فلاں سورہ میں فلاں مقام پر لکھو اور صحابہ اُسی طرح پر لکھ لیتے اور فوراً یاد کرلیتے تھے۔ اسی طرح آپ نے اپنی زندگی میں آخر قرآن کو مرتب کرادیا تھا۔ مگر آج ہمارے سامنے قرآن بین الدفتین جس صورت میں موجود ہے اور تیرہ سو چار برس سے متواتراً بلا کسی کمی بیشی کے چلا آتا ہے۔ رسول اللہ صلعم کی زندگی میں اسیطرح ایک جگہ مرتب نہیں تھا بلکہ متفرق چیزوں پر لکھا ہوا تھا یا مقدس سینوں میں محفوظ تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۂ عبس میں فرماتا ہے:۔

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ
فَمَنْ شَاۤءَ ذَكَرَهٗ فِيْ
صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ
مُّطَهَّرَةٍۭ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ
كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ۔

سنو جی! قرآن تو سر تا سر نصیحت ہے پس جو چاہے اسکو سوچے (اور وہ قرآن) پاکیزہ اوراق میں (لکھا ہوا ہے) جو اونچی جگہ رکھے جاتے ہیں اور جنکی عزت کیجاتی ہے (اور یہ اوراق) بزرگ نیکو کار لکھنے والوں (یعنی اصحاب رسول) کے ہاتھو ں میں (ہیں)

* کتاب اتقان للسیوطی النوع السادس عشر ۱۲

اس آیت میں حاملین اور کاتبین قرآن صحابہ کو سراہا گیا ہے۔ جن مختلف چیزوں اور ٹکڑوں
پر قرآن مجید مکتوب تھا ان کو اللہ تعالیٰ اوراق پاکیزہ فرماتا ہے جن کو اہل اسلام اسوجہ سے
کہ اُن پر قرآن لکھا ہوا تھا بہت عزیز رکھتے تھے جیساکہ آلان مابین الدفتین کی عزت کیجاتی
ہے۔ ان اوراق کے لکھنے والے محترم صحابہ رسول تھے جن کی نیکو کاری و بزرگی مسلم تھی
اور جوان چیزوں کی دل وجان سے حفاظت کرتے تھے۔

رہی یہ بات کہ رسول اللہ صلعم کے مبارک عہد میں قرآن مجید ایک جگہ مدوّن کیوں نہ کر دیا گیا
اس کا سبب یہ ہے کہ قرآن مجید تورات شریف کی طرح ایک ہی دفعہ نہیں اترا بلکہ نجماً نجماً
حسب موقع اُترتا رہا اور اسکا سلسلہ برابر بیس(۲۰) یا تیئیس(۲۳) یا پچیس(۲۵)* برس تک جاری رہا۔
رسول اللہ صلعم کے وقت وفات تک سلسلہ وحی منقطع نہیں ہوا تھا اس لئے آپ نے
قرآن کو ایک جگہ پر مرتب نہ فرمایا کہ شاید پھر کوئی آیت یا سورہ نازل ہو جائے۔ تکمیل قرآن
کا یقین اُسوقت ہوا جب خود پیغمبر خدا کے وصال کا وقت آگیا اور جب آنحضرت ؐ عالم
اجساد سے رہگرائے جنت الفردوس ہوئے تو جو ترتیب آپ نے صحابہ کو بتلائی رکھی تھی
اور جس ترتیب سے قرآن مختلف اجزاء متفرقہ پر لکھا ہوا تھا۔ اُسی کے مطابق صدیق اکبرؓ
نے ایک جگہ قرآن کو مرتب کر کے لکھوا دیا۔

قرآن کیونکر جمع و مرتب ہوا

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں بہت سے حفاظ قرآن ، جنگ یمامہ میں کام
آئے تو حضرت فاروق اعظمؓ نے مضطر ہوکر خلیفہ سے عرض کیا کہ قرآن مجید مکمل طور پر
ایک جگہ مدوّن نہیں ہے! ایسا نہ ہو کہ حفاظ قرآن کے سب غزوات میں قتل ہو جائیں تو
قرآن ضائع ہو جائے یا اُس میں کچھ کمی بیشی آجائے اسلئے مناسب ہے کہ قرآن کو مرتب و

* اتقان للسیوطی النوع السادس عشر ۱۲

مدون کرکے ایک جگہ جمع کردیا جائے تاآئندہ کسی خرابی کے واقع ہونے کا اندیشہ نہ رہے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں وہ کام نہیں کرسکتا جو رسول اللہ صلعم نے نہیں کیا۔ عمرؓ نے فرمایا سچ ہے مگر یہ نیا کام اسلام کی بہت بڑی خدمت اور کارِ خیر ہے کیونکہ قرآن ہی ہمارا ایمان اور اسلام کی جڑ ہے، اگر اس میں خدانخواستہ کوئی نقصان واقع ہوا تو اسلام تباہ ہوجائے گا۔ اور پھر قرآن کا بھی وہی حال ہوگا جو توریت وانجیل[*] کا ہوا ہے۔ آخر ابوبکرؓ نے فاروق اعظم کی صائب رائے سے اتفاق کیا اور زید بن ثابتؓ کو بلا کر اُن سے فرمایا کہ تم نے کتابتِ وحی کی اہم خدمت انجام دی ہے لھذا اس مہم کو بھی تمہیں سر کرو۔ زیدؓ نے کہا یا امیرالمومنین! آپ کیونکر ایسے کام کرنے پر جسارت کرتے ہیں جو رسول اللہ صلعم کے عہد میں نہیں ہوا! ابوبکرؓ نے فرمایا کہ دراصل یہ مشورہ عمرؓ کا ہے۔ ان کے مشورہ پر میں نے بھی وہی اعتراض کیا تھا جو اب تم نے کیا ہے لیکن سچ یہ ہے کہ عمرؓ کی قابل قدر صلاح نہایت مناسب ہے اور اسکو ماننے کے سوا چارۂ کار نہیں ہے۔ ابوبکرؓ کے سمجھانے پر زید بن ثابتؓ فوراً سمجھ گئے اور عمرؓ کی اصابتِ رائے کی تعریف وتوصیف کرنے لگے[عــہ]۔

غرض جید صحابۂ کرام کی ایک کمیٹی اس کام کے لئے قائم ہوئی اور زید بن ثابتؓ کاتب وحی ہونے کی وجہ سے کمیٹی کے میر مجلس قرار پائے[عــہ]۔

ابوبکر صدیقؓ کے حکم سے زید بن ثابت اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما مسجد نبوی کے دروازہ پر جا بیٹھے جو صحابی یا حافظ قرآن، کوئی آیت پیش کرتا اس سے باضابطہ حلفیہ قسم لیتے کہ "ہمنے رسول اللہ صلعم سے یہ آیت قرآنی سنی ہے اور فلاں فلاں صحابہ اس امر کے گواہ ہیں"[عــہ]۔

---

[*] کتاب کمپریہنسیو کمنٹری آن دی قرآن مصنفہ ای۔ یم ہویری ایم۔ اے۔

Comprehensive Commentary on the Qoran by Rev. E. M. Wherry M. A Vol I London 1882

[عــہ] اتقان النوع الثامن عشر۔ [عــہ] لائف آف محمد مصنفہ سر ولیم میور۔

اور جب آیت کا پیش کرنے والا قسم کھا لیتا تو اس کی صفائی میں دو ایسے ثقہ اور پاکباز قوی حافظہ گواہ طلب کئے جاتے جن کی ثقاہت معلوم ہو اور جن کے حافظہ پر کسی نے قدح نہ کی ہو۔[۵]
اور ان مراحل کے طے ہو جانے کے بعد وہ آیت لکھ لی جاتی تھی۔

صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے مطابق مختلف اوقات میں، درختوں کی چھالوں، باریک چوڑے چکلے پتھروں، ہڈیوں، لکڑی کے ٹکڑوں، چمڑوں اور کاغذ پر قرآن مجید کی آیتیں اور سورتیں لکھ رکھی تھیں، رسول اللہ صلعم کے انتقال کے بعد آپ کے دولتکدہ[۶] سے ان سب چیزوں کو فراہم کیا گیا اور حفاظ کے سینوں میں جو محفوظ تھا اس سے مقابلہ کرنے کے بعد قرآن کی ترتیب و تدوین کی گئی۔

سورۂ برارۃ کی آخری آیت صرف خزیمہ بن ثابت انصاریؓ کے پاس پائی گئی اور خزیمہؓ اپنی تائید میں کوئی شہادت پیش نہ کر سکے۔ لوگوں کو اس کے لکھنے میں کچھ پس و پیش ہوا مگر حضرت زیدؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم نے خزیمہ بن ثابتؓ کی شہادت کو دو شہادتوں کے مساوی فرمایا ہے اس لئے ان کی قسم اور ان کی اکیلی شہادت قابل قبول اور معتمد علیہ ہے اور اس آیت کو سورۂ برارۃ میں شامل کر لیا بخلاف اس کے جناب فاروق اعظمؓ نے آیت اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَۃُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْھُمَا کو پیش کر کے فرمایا کہ یہ بھی قرآن کی آیت ہے مگر یہ آیت قرآن میں شامل نہیں کی گئی اس لئے کہ نہ تو حضرت عمرؓ اپنی تائید میں کوئی شہادت لا سکے نہ اُن کی ایک گواہی دو گواہیوں کے مساوی سمجھی گئی اور چونکہ حسب ضابطہ ایک گواہی مستند نہیں تھی اسلئے آیت الرجم کو آیت قرآنی نہیں سمجھا جا سکا وہ آیات قرآنیہ سے خارج کی گئی اور صرف کتابوں میں باقی رہ گئی ہے[۷]

---

[۵] اتقان النوع الثامن عشر۔ [۶] اتقان النوع الثامن عشر عن اللیث بن السعد۔

[۷] اتقان النوع الثامن عشر۔ ہمنے اپنی کتاب العشرۃ کی جلد اول میں روشن دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ آیت رجم ہرگز کوئی آیت نہیں ہے جیسا کہ گروہ علماء کا خیال ہے بلکہ وہ صرف حکم توریت کا ترجمہ ہے۔

اسی ایک واقعہ سے اُن صحابۂ کرام اور جامعین قرآن کی راستبازی اور باضابطگی
کا بیّن ثبوت ملجاتا ہے۔

سورۂ توبہ کے شروع میں دوسری سورتوں کی طرح بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں ہے اسلیے
کہ سورتوں کا ٹھیراؤ پیغمبر خدا کا کیا ہوا ہے اور بسم اللہ سورتوں کی علیحدگی کی علامت ہے
مصحف بناتے وقت تحقیق نہیں ہوا کہ یہ سورہ خود مستقل ہے یا کسی دوسرے سورہ کی
جزو ہے لیکن چونکہ اس سورہ کی آیتوں کا مطلب سورۂ انفال سے ملتا ہوا تھا اس
مناسبت سے اس سورہ کو سورۂ انفال کے بعد رکھدیا مگر احتیاطاً اس کے شروع میں
بسم اللہ نہیں لکھی تاکہ دوسری سورتوں کی طرح مستقل سورت نہ سمجھی جائے۔

اللہ اللہ! اُن بزرگوں نے کلام الٰہی کی کس درجہ حفاظت کی ہے کہ سورتوں کی تقسیم
تک بھی اپنی رائے سے نہیں کی۔

حارث محاسبی نے کتاب فہم السنن میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی نے قرآن کی جمع و ترتیب
جو کی وہ کوئی نیا کام نہیں کیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ آیات قرآنی کو لکھوادیا
کرتے تھے اور صحابۂ کرام کو لکھنے کی ہدایت فرماتے تھے حضرت ابوبکر رض نے صرف اتنا ہی
کیا کہ قرآن کی سورتیں اور آیتیں جو مختلف چیزوں پر لکھی ہوئی تھیں ان سب کو ترتیب وار
ایک جگہ کتاب کی صورت میں جمع کردیا۔

یہ مصحف قرآن جب تک امیر المومنین ابوبکر صدیق رض زندہ رہے آپ کے پاس رہا
آپ کے انتقال کے بعد حضرت فاروق اعظم رض نے اپنی حفاظت میں لیا۔ آپ نے مرتے وقت
اس مصحف کو اپنی بیٹی ام المومنین حفصہ رض کے پاس امانت رکھدیا۔

امیر المومنین عثمان بن عفان رض کے عہد خلافت میں جبکہ حذیفہ بن الیمان ارمینیہ اور اذربیجان
کی فتوحات میں مشغول تھے قرأت قرآن پر شام و عراق والے اختلاف کرنے لگے

غہ اتقان النوع الثامن عشر۔ عہ اتقان النوع الثامن عشر۔
سہ اتقان النوع الثامن عشر۔

حذیفہ نے ان اختلافات سے گھبرا کر فوراً خلیفہ عثمانؓ کو اطلاع دی کہ لوگ قرآن کی قراتوں میں لا حاصل اختلاف کرنے لگ گئے ہیں۔ آپ جلدی قبل از وقت خبر لیجئے ورنہ آخر میں یہ اختلاف قرارت یہود و نصاریٰ کا سا اختلاف ہو جائے تو عجب نہیں۔ جناب عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ ابوبکرؓ کا جمع کیا ہوا مصحف قرآن جو تمہارے پاس امانت رکھا ہوا ہے وہ میرے پاس بھیجدو۔ میں اسکی چند نقلیں لیکر اس مصحف کو بجنسہ تمہارے پاس واپس بھیجدونگا۔ ام المومنین رضؓ نے فوراً خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی اور مصحف کو عثمانؓ کے پاس بھیجدیا۔

حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن الزبیرؓ، سعیدؓ بن العاصی اور عبدالرحمنؓ بن حارث بن ہشام چار نفوس کو تعین کیا کہ اس مصحف کی متعدد مگر صحیح نقلیں لیں اور پچھلے تین صاحبوں کو ہدایت دی کہ اگر تم تینوں کو کسی قرات میں زید بن ثابت سے اختلاف ہو تو قریش کی قرارت کا لحاظ رکھنا اور قریش کی جو قرارت ہو اسی کے مطابق لکھنا کیونکہ قرآن مجید قریش ہی کی زبان پر نازل ہوا ہے۔

اس مقدس کمیٹی نے ابوبکرؓ کے مرتبہ قرآن کی سات نقلیں لیں۔ حضرت عثمانؓ نے اصل نسخہ ام المومنین حفصہؓ کے پاس واپس بھیجدیا اور ان سات نسخوں میں سے ایک نسخہ خود مدینہ منورہ میں رکھ لیا دوسرا مکہ معظمہ میں بھیجا۔ تیسرا شام میں۔ چوتھا یمن میں۔ پانچواں بحرین میں چھٹواں بصرہ میں اور ساتواں کوفہ[a] میں اور ساتھ ہی ہر مقام کے گورنر کو حکم قطعی دیا کہ ان نسخوں کو رواج دو اور جو نسخے قرآن کے ان نسخوں کے خلاف ہوں اُن کو بلا تامل لیکر جلادو[b]، تاآگے چلکر یہ اختلاف قرارت کسی بڑے فساد کا باعث نہ ہو۔

عـہ کمپری ہنسو کنٹری اُون دی قرآن مصنفہ ریو ای۔ یم ہویری ایم اے۔ عـہ اتقان النوع الثامن عشر۔

سـہ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا والے نے اس مقام پر اور کوئی بات نہ پاکر اپنے دانست میں یہ ایک نہایت زبردست اعتراض صحت قرآن پر کیا ہے کہ جب قرآن کی سات نقلیں مختلف مقامات پر اشاعت کیلئے بھیجی گئیں اور انہیں پر اشاعت وصحت قرآن کا دارومدار رہا تو بہت ممکن ہے کہ نقل کرنے میں ایر پھیر ہوگیا ہو۔

اختلاف قراءت پر

بعض عیسائی علماء اور اکثر آریوں نے ناسمجھی سے عجیب عجیب اعتراضات کئے ہیں ایسے بیمعنی اعتراضات کا جواب دینا محض تضییع اوقات عزیز ہے مگر ہمارے ناظرین کو بحث اختلاف قراءت سمجھ لینی چاہئیے۔ اختلاف قراءت حقیقی اختلاف سے بالکل مغائر ہے۔ اختلاف قراءت یہ ہے کہ مثلاً قرآن میں کسی مقام پر عام طور پر یَعْلَمُوْنَ (ی سے) کے ساتھ ہے مگر کسی قراءت میں تَعْلَمُوْنَ (ت سے) بھی آیا ہے۔ کسی مقام پر وَالضُّحٰی (زیر الف ممدودہ کے ساتھ) ہے اور بعض قراءت میں وَالضحٰی (حائے حطی کے کسرۂ مجہول کے ساتھ) ہے سورۃ الفاتحہ میں مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کو بعض قراء نے مالک بروزن فاعل پڑھا ہے بعض نے مَلِک (بفتح المیم وکسر اللام) اختیار کیا ہے اور بعض قراءت میں مَلَّاک (بروزن حباب) بھی آیا ہے۔ ان سب صورتوں میں فقط اختلاف حرکات اور کلمات کی صورتوں کا پھیر ہے، معانی میں کوئی فرق یا تبدیلی نہیں ہوتی اور ان اختلافات قراءت کا بھی سبب یہ ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں تھا اور عرب کے مختلف قبائل کے سامنے پیش کیا گیا۔ قریش کی زبان میں ہونے سے قریش کو اسکو اُسی کے اصل الفاظ میں پڑھتے تھے

بقیہ حاشیہ گذشتہ کسی نے کچھ لکھدیا ہو کسی نے کچھ لکھدیا ہو پھر اسکا کیا ثبوت کہ ساتوں نقلیں بجنسہ ایک ہی طرح پر تھیں اور کسی میں کچھ فرق نہیں ہونے پایا کیونکہ نقل در اصل میں ضرور کچھ نہ کچھ فرق رہتا ہے۔

جواب اس اعتراض کے جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے آپ اپنا جواب ہے اور بدیہیات و مشاہدات کے سراسر خلاف۔ آج دنیا میں ہزاروں لاکھوں قرآن روزانہ چھپتے رہتے ہیں مگر کوئی ایک مصحف دوسرے سے مغائر نہیں ہوتا نہ حروف کلمات میں کمی بیشی پائی جاتی جس قرآن کو اٹھالو اور جس سے چاہو مقابلہ کرلو سب کو یکساں پاؤگے نہ کسی میں کلمات کم ہونگے نہ کسی میں زیادہ، آیات کا الٹ پھیر یا کم زیادہ ہونا تو بڑی بات ہے۔ پھر اگر یورپین ڈاکٹر صاحب کا یہ مقولہ درست مان لیا جائے کہ نقل کرنے میں کمی و بیشی کا ہونا ضروری ہے تو چاہیے کہ جتنی کتابیں مکرر سہ کرر چھپتی ہیں سب ناقابل اعتماد ہو جائیں حالانکہ ایسا نہیں ہے اور اسکی تسلیم سے خرق اجماع لازم آتا ہے جو بداہتہً نادرست ہے۔ علاوہ اس کے قرآن کی جمع و ترتیب میں جو کاوش اور اسکی صحت کے قائم رکھنے کیلئے جو کوشش کی گئی اسکا یہ مقتضا نہیں تھا کہ اوٹ پٹانگ نقلیں کراکر بلا مقابلہ کئے اور بغیر تصحیح ہوئے ان نقلوں کو شائع ہونے دیتا

مگر دوسرے لوگوں کو اختلاف زبان کی وجہ سے صحیح تلفظ ذرا مشکل تھا اسلئے رسول اللہ صلعم
نے شروع شروع میں عام اجازت دیدی کہ ہر قبیلہ اپنے اپنے محاورہ میں تلاوت کرلیا کرے
رفتہ رفتہ حضرت عثمان رضؓ کے عہد خلافت میں اختلاف قراءت سے جھگڑے پیدا ہونے لگے
اور معاملہ کچھ کا کچھ ہو چلا۔ قرآن کی حفاظت واجب تھی اور حفاظت بھی ایسی کہ معانی و مطالب
کے علاوہ الفاظ قرآنی بھی محفوظ رہیں کیونکہ جب تک اصل الفاظ و کلمات محفوظ نہ رہیں ،
کتاب محفوظ نہیں رہ سکتی جیسا کہ توریت و انجیل کا حال مشاہد ہے اور اختلاف کی صورت
میں نزاع کا پیدا ہونا امر لازم تھا۔ ان مشکلات پر غور کرنے کے بعد حضرت عثمان رضؓ نے حکم دیا
کہ اب لوگ قرآن کی زبان اور محاورات سے خوب واقف ہو گئے ہیں اس لئے پہلے حکم
کے باقی رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ اجازت ایک ضرورت کے لئے عارضی
تھی جب ضرورت رفع ہو گئی تو وہ حکم بھی اٹھ گیا۔ آخر آپ کے حکم کے مطابق حضرت ابو بکر رضؓ کا ترتیب
دیا ہوا قرآن جو حفصہ بنت عمر رضؓ کے گھر میں رکھا ہوا تھا شایع کیا گیا اور جا بجا اسکی نقلیں بھیجدی گئیں
قرآن کی اصلی زبان قریش کی زبان تھی اسلئے محاورہ قریش پر جمع کر کے باقی تمام قبائل کے
الفاظ کو قرآن سے چھانٹ کر الگ کر دیا گیا۔ وہ الفاظ اگرچہ قرآن مجید میں نہ رہے مگر تفسیر
اور فن قرأت کی کتابوں میں ان کی روایتیں موجود ہیں مگر ان روایات سے صحت قرآن پر
کوئی اثر مضر نہیں پڑتا۔ اسی کا نام اختلاف قرأت ہے اور اسکی ایک اور بین مثال یہ ہے
کہ مثلاً ایک ہی لفظ کو دہلی والے مذکر بولتے ہیں اور لکھنؤ والے مؤنث مگر اس اختلاف سے
اردو لٹریچر یا اسکی کسی کتاب کی صحت پر کوئی مضر اثر نہیں پڑتا بلکہ اپنی اپنی جگہ دونوں صحیح اور دونوں

بقیہ حاشیہ گذشتہ ایسی بے پروائی تو ادنیٰ ادنیٰ کتابوں کی اشاعت میں نہیں برتی جاتی۔ چہ جائیکہ قرآن کی نسبت ایسا خیال
کیا جائے جسکی نقلیں لینے والے صحابہ رسول جیسے مقدس حفاظ تھے۔ پھر نقل کیسی ہی بے پروائی سے کی جائے مقابلہ
و تصحیح کے بعد عین مطابق اصل ہو جاتی ہے۔ ہمارے معزز مخاطب نے شاید نقل کرنے والے دیکھے نہیں ورنہ ایسی
بھونڈی بات کبھی نہ فرماتے درحالیکہ اس سے بالاتر اعتراض انکی انجیلوں پر الٹ پڑتا ہے۔

فصیح سمجھے جاتے ہیں۔

حضرت عثمان رضؓ کی اشاعت قرآن کا واقعہ ۲۵ھ میں واقع ہوا، اور اسی کو شیخ ابن حجر نے صحیح بتلایا ہے۔ ان واقعات سے ظاہر ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ کو جو عام طور پر جامع القرآن کہا جاتا ہے وہ بالکل غلط ہے قرآن کی جامعیت کا سہرا جناب صدیق اکبر کے سر پر باندھا گیا۔ حضرت عثمانؓ نے صرف اتنا کیا کہ جب عوام اختلاف قرارت میں پڑکر جھگڑا کرنے لگے تو آپ نے حضرت ابو بکرؓ کے جمع کئے ہوئے قرآن کی صحیح نقلیں کراکے متعدد صوبوں میں بھیجدیں اور اسی کی اشاعت کی۔[ع]

قرآن مجید کی ایک ترتیب جناب علی بن ابو طالبؑ نے بھی دی تھی جو موجودہ ترتیب سے بالکل جداگانہ تھی حضرت علیؑ کی ترتیب نزول پر تھی یعنی جس ترتیب سے سورتیں اور آیتیں نازل ہوئیں اسی ترتیب پر آپ نے قرآن کو مرتب کیا تو آپ کے مصحف میں سب اول سورۂ اقرا تھی اسکے بعد مدثر پھر ن پھر مزمل پھر تبت پھر تکویر وعلی ہذا۔[عب]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ابی کے مصحف میں سب سے پہلے سورۃ البقرہ تھی[سب] اس کے بعد سورۃ النسا پھر آل عمران وعلی ہذا۔

یہ ترتیبیں اگرچہ بجائے خود جائز تھیں مگر چونکہ رسول اللہ صلعم کی بتائی ہوئی ترتیب[ل] ان ترتیبوں کے خلاف تھی اس لئے عبداللہ بن مسعودؓ، ابی اور علی مرتضےٰ رضؓ کے مصاحف مرتبہ مقبول و مستند نہیں ہوسکے اور ابو بکرؓ کا مرتبہ مصحف شائع اور مقبول و مستند ہوگیا اور اسی پر تمام صحابہ نے اتفاق کیا یہانتک کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے اس مہتم بالشان کار خیر کی داد تحسین[سے] دی اور تمام صحابہ نے بالاتفاق تسلیم کیا کہ یہ قرآن بین الدفتین[بعینہ]

ع ۵ لائف آف محمد مولفہ سرولیم میور ۱۲ — عب ۵ اتقان للسیوطی النوع الثامن عشر ۱۲

سب ۵ اتقان النوع الثامن عشر فصل ۱۲ — ل ۵ اتقان النوع الثامن عشر فصل (۱) ۱۲

وہی کتاب کریم ہے جو اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کریم صلعم پر نازل فرمائی اور بلا ایک حرف کی کمی بیشی کے اور بغیر کسی تقدیم و تاخیر کے اُسی ترتیب پر ہے جسکی تعلیم رسول اللہ صلعم نے دی تھی عہ۔ گویا قرآن کی یہ جمع و ترتیب بالکل لوح محفوظ کی نقل ہے عہ۔

پھر کیوں نہو، آخر اسی کا تو یہ اثر ہے کہ باوجود تیرہ سو برس گذر جانے کے اسوقت بھی قرآن مجید بلا کسی نقصان کے ویسا ہی ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔

قرآن مجید برابر کے تیس (۳۰) حصّوں پر منقسم ہے۔ ہر حصہ کو پارہ کہتے ہیں۔ ہر پارہ کا نام اسکا اول لفظ ہے جسکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱)	(۲)	(۳)		(۴)	(۵)	(۶)
الف لام میم	سیقول	تلک الرسل		لن تنالوا	والمحصنات	لایحب اللہ
(۷) واذا سمعوا	(۸) ولو اننا	(۹) قال الملاء		(۱۰) واعلموا	(۱۱) یعتذرون	(۱۲) ومامن دابۃ
(۱۳) وما ابری نفسی	(۱۴) ربما	(۱۵) سبحان الذی		(۱۶) قال الم اقل	(۱۷) اقترب للناس	(۱۸) قد افلح المومنون
(۱۹) وقال الذین	(۲۰) امن خلق	(۲۱) اتل ما اوحی		(۲۲) ومن یقنت	(۲۳) ومالی	(۲۴) فمن اظلم
(۲۵) الیہ یرد	(۲۶) حٰمٓ	(۲۷) قال فما خطبکم		(۲۸) قد سمع اللہ	(۲۹) تبارک الذی	(۳۰) عم یتساءلون

قرآن کی تلاوت اور اسکی مزاولت شرعاً مسنون و موکد اور عقلاً پسندیدہ ہے مہینے کے انتیس یا تیس دن ہوتے ہیں۔ اگر ایک پارہ روز پڑھا جائے تو مہینہ میں ایک ختم ہوجاتا ہے تلاوت کا یہی طریقہ احادیث صحیحہ میں مستحب فرمایا گیا ہے کیونکہ کم کم پڑھنے میں معانی پر بھی نظر رہتی ہے۔ طبیعت بھی نہیں اُکتاتی۔ قرآن کے علی التساوی تیس حصے کرنے

عہ شرح السنۃ بغوی رحمۃ۔ الاتقان و نسائی [illegible]

میں یہ ایک بڑی مصلحت مضمر ہے - قرآن مجید میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں اور ان تفصیل حسب ذیل ہے -

(۱) سورۃ الفاتحہ	(۲) البقرہ	(۳) آل عمران	(۴) النساء	(۵) المائدہ	(۶) الانعام
(۷) الاعراف	(۸) الانفال	(۹) التوبۃ	(۱۰) یونس	(۱۱) ہود	(۱۲) یوسف
(۱۳) الرعد	(۱۴) ابراہیم	(۱۵) الحجر	(۱۶) النحل	(۱۷) بنی اسرائیل	(۱۸) الکہف
(۱۹) مریم	(۲۰) طٰہٰ	(۲۱) الانبیاء	(۲۲) الحج	(۲۳) المومنون	(۲۴) النور
(۲۵) الفرقان	(۲۶) الشعراء	(۲۷) النمل	(۲۸) القصص	(۲۹) العنکبوت	(۳۰) الروم
(۳۱) لقمان	(۳۲) السجدہ	(۳۳) الاحزاب	(۳۴) السبا	(۳۵) الفاطر	(۳۶) یٰسٓ
(۳۷) الصافات	(۳۸) صٓ	(۳۹) الزمر	(۴۰) المومن	(۴۱) حٰمٓ السجدہ	(۴۲) الشوریٰ
(۴۳) الزخرف	(۴۴) الدخان	(۴۵) الجاثیہ	(۴۶) الاحقاف	(۴۷) محمد	(۴۸) الفتح
(۴۹) الحجرات	(۵۰) ق	(۵۱) الذاریات	(۵۲) الطور	(۵۳) النجم	(۵۴) القمر
(۵۵) الرحمٰن	(۵۶) الواقعہ	(۵۷) الحدید	(۵۸) المجادلہ	(۵۹) الحشر	(۶۰) الممتحنہ
(۶۱) الصف	(۶۲) الجمعہ	(۶۳) المنافقون	(۶۴) التغابن	(۶۵) الطلاق	(۶۶) التحریم
(۶۷) الملک	(۶۸) نٓ	(۶۹) الحاقۃ	(۷۰) المعارج	(۷۱) نوح	(۷۲) الجن

(٧٣) المزمل	(٧٤) المدثر	(٧٥) القیامۃ	(٧٦) الدھر	(٧٧) المرسلات	(٧٨) النبا
(٧٩) النازعات	(٨٠) عبس	(٨١) التکویر	(٨٢) الانفطار	(٨٣) التطفیف	(٨٤) الانشقاق
(٨٥) البروج	(٨٦) الطارق	(٨٧) الاعلیٰ	(٨٨) الغاشیہ	(٨٩) الفجر	(٩٠) البلد
(٩١) الشمس	(٩٢) اللیل	(٩٣) الضحیٰ	(٩٤) الانشراح	(٩٥) التین	(٩٦) العلق
(٩٧) القدر	(٩٨) البینہ	(٩٩) الزلزال	(١٠٠) العادیات	(١٠١) القارعہ	(١٠٢) التکاثر
(١٠٣) العصر	(١٠٤) الھمزہ	(١٠٥) الفیل	(١٠٦) القریش	(١٠٧) الماعون	(١٠٨) الکوثر
(١٠٩) الکافرون	(١١٠) النصر	(١١١) اللھب	(١١٢) الاخلاص	(١١٣) الفلق	(١١٤) الناس

سورتوں کی یہ وہ ترتیب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق مدون کی گئی اور اسوقت قرآن مجید میں ہمارے سامنے ہے اور جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے یہی ترتیب لوح محفوظ کی بھی ہے۔ مگر نزول کی وہ ترتیب نہیں ہے جس ترتیب پر مصحف بنایا گیا اور آلان موجود ہے بلکہ ترتیب نزول حسب ذیل ہے۔

(١) سورۃ العلق	(٢) الفاتحہ	(٣) نٓ	(٤) مزمل	(٥) مدثر	(٦) اللھب
(٧) التکویر	(٨) الاعلیٰ	(٩) اللیل	(١٠) الفجر	(١١) الضحیٰ	(١٢) الانشراح
(١٣) العصر	(١٤) العادیات	(١٥) الکوثر	(١٦) التکاثر	(١٧) الماعون	(١٨) الکافرون
(١٩) الفیل	(٢٠) الفلق	(٢١) الناس	(٢٢) الاخلاص	(٢٣) النجم	(٢٤) عبس

(٢٥) القدر	(٢٦) الشمس	(٢٧) البروج	(٢٨) التین	(٢٩) القریش	(٣٠) القارعہ
(٣١) القیامۃ	(٣٢) الہمزہ	(٣٣) المرسلات	(٣٤) قٓ	(٣٥) البلد	(٣٦) الطارق
(٣٧) القمر	(٣٨) صٓ	(٣٩) الاعراف	(٤٠) الجن	(٤١) یٰسٓ	(٤٢) الفرقان
(٤٣) الملائکۃ	(٤٤) مریم	(٤٥) طٰہٰ	(٤٦) الواقعہ	(٤٧) الشعرا	(٤٨) طٰسٓ
(٤٩) القصص	(٥٠) بنی اسرائیل	(٥١) یونس	(٥٢) ہود	(٥٣) یوسف	(٥٤) الحجر
(٥٥) الانعام	(٥٦) الصافات	(٥٧) لقمان	(٥٨) السبا	(٥٩) الزمر	(٦٠) المومن
(٦١) حمٓ السجدہ	(٦٢) الشوریٰ	(٦٣) الزخرف	(٦٤) الدخان	(٦٥) الجاثیہ	(٦٦) الاحقاف
(٦٧) الذاریات	(٦٨) الغاشیہ	(٦٩) الکہف	(٧٠) النحل	(٧١) نوح	(٧٢) ابراہیم
(٧٣) الانبیاء	(٧٤) المومنون	(٧٥) السجدہ	(٧٦) الطور	(٧٧) الملک	(٧٨) الحاقہ
(٧٩) سال	(٨٠) النبا	(٨١) النازعات	(٨٢) الانفطار	(٨٣) الانشقاق	(٨٤) الروم
(٨٥) العنکبوت	(٨٦) المطففین	(٨٧) البقرہ	(٨٨) الانفال	(٨٩) آل عمران	(٩٠) الاحزاب
(٩١) الممتحنہ	(٩٢) النساء	(٩٣) الزلزال	(٩٤) الحدید	(٩٥) القتال	(٩٦) الرعد
(٩٧) الرحمٰن	(٩٨) الانسان	(٩٩) الطلاق	(١٠٠) لم یکن	(١٠١) الحشر	(١٠٢) النصر
(١٠٣) النور	(١٠٤) الحج	(١٠٥) المنافقون	(١٠٦) المجادلہ	(١٠٧) الحجرات	(١٠٨) التحریم

(۱۰۹) الجمعہ	(۱۱۰) التغابن	(۱۱۱) الصف	(۱۱۲) الفتح	(۱۱۳) المائدہ	(۱۱۴) التوبہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مصحف کی یہی ترتیب تھی۔

تیسری ترتیب وہ ہے جس پر حضرت ابی بن کعب رضؓ نے اپنا مصحف (قرآن) تیار کیا تھا اور وہ حسب ذیل ہے۔

(۱) الفاتحہ	(۲) البقرہ	(۳) النساء	(۴) آل عمران	(۵) الانعام	(۶) الاعراف
(۷) المائدہ	(۸) یونس	(۹) الانفال	(۱۰) التوبہ	(۱۱) ہود	(۱۲) مریم
(۱۳) الشعراء	(۱۴) الحج	(۱۵) یوسف	(۱۶) الکہف	(۱۷) النحل	(۱۸) الاحزاب
(۱۹) بنی اسرائیل	(۲۰) الزمر	(۲۱) طٰہٰ	(۲۲) الانبیاء	(۲۳) النور	(۲۴) المومنون
(۲۵) السبا	(۲۶) العنکبوت	(۲۷) المومن	(۲۸) الرعد	(۲۹) القصص	(۳۰) النمل
(۳۱) الصافات	(۳۲) صٓ	(۳۳) یٰس	(۳۴) الحجر	(۳۵) الشوریٰ	(۳۶) الروم
(۳۷) الحدید	(۳۸) الفتح	(۳۹) القتال	(۴۰) المجادلہ	(۴۱) الملک	(۴۲) السجدہ
(۴۳) نوح	(۴۴) الاحقاف	(۴۵) قٓ	(۴۶) الرحمن	(۴۷) الواقعہ	(۴۸) الجن
(۴۹) النجم	(۵۰) سال سائل	(۵۱) المزمل	(۵۲) المدثر	(۵۳) القمر	(۵۴) الدخان
(۵۵) لقمان	(۵۶) الجاثیہ	(۵۷) الطور	(۵۸) الذاریات	(۵۹) نٓ	(۶۰) الحاقہ
(۶۱) الحشر	(۶۲) الممتحنہ	(۶۳) المرسلات	(۶۴) النبا	(۶۵) القیامہ	(۶۶) التکویر

(۶۷) الطلاق	(۶۸) النازعات	(۶۹) التغابن	(۷۰) عبس	(۷۱) المطففین	(۷۲) الانشقاق
(۷۳) التین	(۷۴) العلق	(۷۵) الحجرات	(۷۶) المنافقون	(۷۷) الجمعہ	(۷۸) التحریم
(۷۹) الفجر	(۸۰) البلد	(۸۱) اللیل	(۸۲) الانفطار	(۸۳) الشمس	(۸۴) الطارق
(۸۵) الاعلیٰ	(۸۶) الغاشیہ	(۸۷) الصف	(۸۸) لم یکن	(۸۹) الضحیٰ	(۹۰) الانشراح
(۹۱) القارعہ	(۹۲) التکاثر	(۹۳) العصر	(۹۴)	(۹۵)	(۹۶) الہمزہ
(۹۷) الزلزال	(۹۸) العادیات	(۹۹) الفیل	(۱۰۰) القریش	(۱۰۱) الماعون	(۱۰۲) الکوثر
(۱۰۳) القدر	(۱۰۴) الکافرون	(۱۰۵) النصر	(۱۰۶) اللہب	(۱۰۷) الاخلاص	(۱۰۸) الفلق
(۱۰۹) الناس					

اس کے علاوہ عبد اللہ بن مسعودرض وغیرہ کے اور بھی مصاحف مختلف ترتیبوں کے تھے مگر ان میں سے کوئی بھی مقبول و مستند نہیں ہو سکا اور سب نے اسی مصحف صدیقؓ کو مستند تسلیم کیا کیونکہ اسکی ترتیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و تعلیم اور لوح محفوظ کے مطابق ہے۔

قرآن مجید میں سات منزلیں ہیں۔ اگر ایک منزل روز پڑھی جائے تو ایک ہفتہ میں ایک قرآن ختم ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید میں (۵۵۸) پانچ سو اٹھاون رکوعات ہیں اور (۶۶۶۶) چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیتیں ہیں جن میں سے ایک ہزار (۱۰۰۰) آیتیں وعید کی ہیں۔ ایک ہزار احکام کی ہیں ایک ہزار نواہی کی ہیں۔ ایک ہزار امثال میں ہیں

ایک ہزار قصوں کے متعلق ہیں۔ پانچسو حرمت و حلت یا حرام و حلال کے متعلق ہیں۔
ایک سو دعاؤں کی اور چھیاسٹھ آیتیں ناسخ و منسوخ ہیں۔

قرآن مجید میں

(۷۷۹۳۴) ستہتر ہزار نوسو چونتیس الفاظ ہیں مگر بعض حساب لگانیوالوں نے[۵]
(۷۷۶۹۳) الفاظ گنوائے ہیں اور انہوں نے حساب میں غلطی کی ہے۔
قرآن مجید میں (۳۳۷۷۴۳) تین لاکھ سینتیس ہزار سات سو تینتالیس
حروف ہیں اور ان حروف کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

الف	ب	ت	ث	ج	ح
۴۸۸۷۲	۱۱۴۲۸	۱۰۱۹۹	۱۲۷۶	۳۲۷۳	۳۹۷۳
خ	د	ذ	ر	ز	س
۲۴۱۶	۵۶۴۲	۴۶۹۹	۱۵۷۹۳	۱۵۷۰	۵۸۹۱
ش	ص	ض	ط	ظ	ع
۲۲۵۳	۲۶۱۳	۱۶۰۷	۱۲۷۶	۸۴۲	۹۲۲۰
غ	ف	ق	ک	ل	م
۲۴۰۹	۸۴۹۹	۶۸۱۳	۹۵۲۲	۳۰۶۳۲	۲۶۵۶۰
ن	و	ہ	لا	ی	جملہ
۴۵۱۹۰	۲۵۵۳۶	۱۹۰۷۰	۴۷۲۰	۲۵۹۱۹	۳۳۷۷۴۳

[۵] کمپری ہنسو کمنٹری آف دی قرآن مصنفہ ریو۔ ای۔ ایم۔ ہیری ایم۔ اے مطبوعہ لندن ۱۲

قرآن مجید میں (۱۷۷۲۸۲) ایک لاکھ ستہتر ہزار تین سو بیاسی نقطے ہیں۔

ف

منزلوں، پاروں، سورتوں اور رکوعوں کی تعداد متفق علیہ ہے۔ آیتوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بہت سی آیتیں ایسے رخ پر واقع ہوئی ہیں کہ ایک آیت بھی ہو سکتی ہے اور دو آیتیں بھی کہی جا سکتی ہیں۔ ایسے مقامات پر جن لوگوں نے ایک ہی آیت قرار دی اُن کے نزدیک تعداد آیات کم ہو گئی اور جنہوں نے آیت کے دو حصے کر کے دو الگ آیتیں قرار دیں اُن کے نزدیک تعداد بڑھ گئی۔ بہر حال کچھ ہو یہ اختلاف لائق توجہ نہیں ہے بلکہ اس اختلاف کو اختلاف کہنا ہی غلطی ہے۔

ایسا ہی اختلاف حروف کی تعداد میں ہے۔

عربی زبان میں بعض کلمات کے ساتھ چند حروف ایسے آتے ہیں جو صرف لکھنے میں ہوتے ہیں جزو لفظ نہیں ہوتے مثلاً **فَعَلُوا** کا الف یا مثلاً قرآن مجید میں لَاۡاِلَی اللّٰہِ تُحۡشَرُوۡنَ کا پہلا الف۔ جن لوگوں نے ان حروف کو بھی شامل کر لیا انہوں نے تعداد زیادہ بتلائی اور جنہوں نے ایسے حروف کو نظر انداز کر دیا اُن کے حساب میں کمی آ گئی۔

یہی حال نقطوں کے اختلاف تعداد کا ہے۔ قرآن میں بہت ایسے الفاظ ہیں جو بعض کے نزدیک ی کے ساتھ ہیں اور بعض کے نزدیک الف کے ساتھ ہیں جیسا کہ ہم اختلاف قراءت کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں۔ اور اس صورت میں نقطوں کی تعداد کا حساب میں گھٹنا بڑھنا ظاہر ہے۔

آیات مکی و مدنی

جو آیتیں ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں ان کو اصطلاح میں مکی اور جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں ان کو مدنی کہتے ہیں عام اس سے کہ مکہ میں اُتری ہوں یا مدینہ میں یا کہیں اور۔ جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔

یحیٰ بن سلام کے نزدیک مکی وہ آیات ہیں جو پیغمبر خدا صلعم کے مدینہ جانے سے پہلے مکہ میں نازل ہوئیں اور بقیہ مدنی ہیں بعض دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ جو آیتیں مکہ معظمہ میں نازل ہوئیں وہ مکی ہیں خواہ ہجرت کے بعد ہوں یا پہلے اور جو آیتیں مدینہ منورہ میں اُتریں وہ مدنی ہیں۔ اس مسلک کی بناء پر اُن آیتوں کو جو سفر میں نازل ہوئیں نہ مکی کہہ سکتے نہ مدنی۔

یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ قرآن کی کتنی آیتیں مکی ہیں اور کتنی مدنی۔ کثرت آراء اس طرف ہے کہ چار ہزار آٹھ سو چالیس (۴۸۴۰) آیتیں مکی ہیں اور ایک ہزار آٹھ سو چھبیس (۱۸۲۶) آیتیں مدنی ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۶) المومنون	(۵) الانبیاء	(۴) طٰہٰ	(۳) الحجر	(۲) یوسف	(۱) سورۃ الفاتحہ
(۱۲) الصافات	(۱۱) الفاطر	(۱۰) السجدہ	(۹) الروم	(۸) العنکبوت	(۷) النمل
(۱۸) نٓ	(۱۷) الملک	(۱۶) الطور	(۱۵) النجم	(۱۴) الذاریات	(۱۳) حٰمٓ عٓسٓقٓ
(۲۴) القیامۃ	(۲۳) المدثر	(۲۲) الجن	(۲۱) نوح	(۲۰) المعارج	(۱۹) الحاقۃ
(۳۰) التکویر	(۲۹) عبس	(۲۸) النازعات	(۲۷) النباء	(۲۶) المرسلات	(۲۵) الدہر

(۳۱) الانفطار	(۳۲) الانشقاق	(۳۳) البروج	(۳۴) الطارق	(۳۵) الاعلیٰ	(۳۶) الغاشیہ
(۳۷) البلد	(۳۸) الشمس	(۳۹) اللیل	(۴۰) الضحیٰ	(۴۱) الانشراح	(۴۲) العلق
(۴۳) القارعۃ	(۴۴) التکاثر	(۴۵) الفیل		(۴۶) اللہب	(۴۷) حم السجدہ

یہ مذکورہ (۴۷) سینتالیس سورتیں تماماً مکی ہیں۔

(۴۸) سورۃ انعام مکی ہے مگر مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ الخ تین آیتیں مدنی ہیں اور بعضوں کے نزدیک قُلْ تَعَالَوْا الخ تین آیتیں مدنی ہیں۔

(۴۹) سورۃ الاعراف مکی ہے مگر وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الخ پانچ یا آٹھ آیتیں اس میں کی مدنی ہیں۔

(۵۰) سورۂ یونس مکی ہے مگر فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ الخ دو یا تین آیتیں مدنی ہیں۔

(۵۱) سورۂ ہود مکی ہے مگر اَقِمِ الصَّلٰوةَ ایک آیت یا فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ ایک آیت اور اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ الخ دو یا تین آیتیں مدنی ہیں۔

(۵۲) سورۂ ابراہیم مکی ہے مگر اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا ایک یا دو آیتیں مدنی ہیں۔

(۵۳) سورۃ النحل مکی ہے مگر وَاِنْ عَاقَبْتُمْ ایک آیت مدنی ہے۔

(۵۴) سورۃ الاسراء مکی ہے مگر وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ آٹھ آیتیں مدنی ہیں۔

(۵۵) سورۃ الکہف مکی ہے مگر وَاصْبِرْ نَفْسَكَ ایک آیت

مدنی ہے۔

(۵۶) سورۂ مریم مکی ہے مگر فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ دو آیتیں مدنی ہیں۔

(۵۷) سورۃ الحج مکی ہے مگر وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللهَ دو آیتیں مدنی ہیں۔ اور بعضوں کے نزدیک هٰذانِ خَصْمَانِ چھ آیتیں مدنی ہیں۔

(۵۸) سورۃ الفرقان مکی ہے مگر وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللهِ ایک آیت مدنی ہے۔

(۵۹) سورۃ الشعراء کی آخر کی دو آیتیں وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمْ مدنی ہیں۔

(۶۰) سورۃ القصص کی ایک آیت اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ مکی نہیں ہے اور ایک آیت اَلَّذِيْنَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ سے لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِيْنَ تک مدنی ہے۔

(۶۱) سورۂ لقمان کی دو آیتیں وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ الخ مدنی ہیں۔

(۶۲) سورۃ السبا کی ایک آیت وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الخ مدنی ہے۔

(۶۳) سورۃ الزمر کی ایک آیت قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا الخ مدنی ہے

(۶۴) سورۃ الغافر کی دو آیتیں اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ الخ مدنی ہیں

(۶۵) سورۃ الشوریٰ کی چار آیتیں قُلْ لَا اَسْئَلُكُمْ الخ مدنی ہیں۔

(۶۶) سورۃ الزخرف کی ایک آیت وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا الخ مدنی ہے

(۶۷) سورۃ الدخان کی ایک آیت اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ مدنی ہے

(۶۸) سورۃ الجاثیہ کی ایک آیت قُلْ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا الخ مدنی ہے۔

(۶۹) سورۃ الاحقاف کی ایک آیت قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللهِ مدنی ہے اور بعض کے نزدیک دو آیتیں وَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ

اور وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بھی مدنی ہیں۔

(۷۰) سورۃ قٓ کی ایک آیت وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ الخ مدنی ہے۔

(۷۱) سورۃ القمر کی ایک آیت سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ الخ مدنی ہے۔

(۷۲) سورۃ الرحمٰن کی ایک آیت يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ الخ مدنی ہے

(۷۳) سورۃ الواقعہ کی دو آیتیں ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ اور اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ الخ مدنی ہے۔

(۷۴) سورۃ المزمل کی ایک آیت اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ الخ مدنی ہے۔

مدنیات

(۷۵) سورۃ الانفال مدنی ہے مگر وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الخ سات آیتیں مکی ہیں۔

(۷۶) سورۃ التوبۃ کی آخر کی دو آیتیں مکی ہیں باقی سب سورہ مدنی ہے۔

(۷۷) سورۃ البقرہ	(۷۸) آل عمران	(۷۹) النسآء	(۸۰) المائدہ	(۸۱) النور	(۸۲) الاحزاب
(۸۳) الفتح	(۸۴) الحجرات	(۸۵) المجادلہ	(۸۶) الحشر	(۸۷) الممتحنہ	(۸۸) الجمعہ
(۸۹) المنافقون	(۹۰) الطلاق	(۹۱) التحریم	(۹۲) النصر	(۹۳) الفلق	(۹۴) الناس

یہ مذکورہ اٹھارہ سورتیں[۱] تمامہا مدنی ہیں۔

مختلف فیہ

(۹۵) سورۃ الرعد	(۹۶) یٰسٓ	(۹۷) القتال	(۹۸) الحدید	(۹۹) الصف	(۱۰۰) التغابن

[۱] اتقان النوع الاول ۱۲

(۱۰۱) التطفیف	(۱۰۲) الفجر	(۱۰۳) التین	(۱۰۴) القدر	(۱۰۵) لم یکن	(۱۰۶) الزلزال
(۱۰۷) العادیات	(۱۰۸) العصر	(۱۰۹) الہمزہ	(۱۱۰) القریش	(۱۱۱) الماعون	(۱۱۲) الکوثر
		(۱۱۳) الکافرون	(۱۱۴) الاخلاص		

یہ بیس سورتیں مختلف فیہ ہیں۔ بعض کے نزدیک مکی ہیں بعض کے نزدیک مدنی ہیں۔

آیتوں میں سب سے پہلے

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ اور سب سے آخر میں یَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ نازل ہوئی[۵]

سورتوں میں آخری سورۃ

سورۃ التوبہ ہے کہ اس کے بعد پھر کوئی سورت نازل نہیں ہوئی اور قرآن مکمل ہوگیا۔

قرآن مجید میں

سب سے بڑی سورت، سورۃ البقرہ ہے اور سب سے چھوٹی سورت، سورۃ الکوثر ہے۔

قرآن مجید میں سب سے بڑی آیت

آیۃ المداینہ ہے جو سورۃ البقرہ میں ہے اور جس کا شروع ہے یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا تَدَایَنْتُمْ اور قرآن بھر میں سب سے چھوٹی آیت ہے "مُدْهَآمَّتٰنِ"۔

---

[۵] اتقان النوع الثامن۔

آیات سفری و حضری

کونسی آیتیں سفر کے وقت نازل ہوئیں اور کونسی اقامت میں

(۱)

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى

سورۃ البقرہ کی یہ آیت حسب روایت جابرؓ و عمر فاروقؓ حجۃ الوداع کے سال اسوقت نازل ہوئی جبکہ پیغمبر خدا م طواف کعبہ کر رہے تھے مگر ابن الحصار کا بیان ہے کہ یہ آیت عمرۃ القضا یا غزوۃ الفتح کے وقت اُتری۔

(۲)

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

سورۃ البقرہ کی یہ آیت عمرۂ حدیبیہ میں یا حسب روایت سدی حجۃ الوداع میں نازل ہوئی

(۳)

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ

شَدِیْدُ الْعِقَابِ

سورۃ البقرہ کی یہ آیت حدیبیہ کے عمرہ میں نازل ہوئی۔ پیغمبر خدا عمرہ کی نیت سے مکۂ معظمہ تشریف لیجاتے تھے کہ حدیبیہ ایک موضع میں کافروں نے آپ کو روک دیا آپ نے وہیں قربانی کرا کے سب کے احرام اتروائے اسی کے متعلق یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(۴)

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

سورہ بقر کی یہ آیت آخر سورہ تک اس روز نازل ہوئی جب رسول اللہ صلعم مکہ فتح کر چکے تھے اور مع تمام صحابہ کے سفر کی حالت میں تھے۔*

(5)

وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْہِ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ

سورۃ البقرہ کی آیت حجۃ الوداع کے سال مقام منا میں نازل ہوئی (رواہ البیہقی فی الدلائل)

(۶)

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَھُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْھُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ

سورۃ آل عمران کی یہ آیت حسب روایت حضرت عبد اللہ بن عباس رضہ مقام حمراء الاسد میں

---

* اس کے بعد امام سیوطی اتقان میں لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک اس آیت کے فتح مکہ کے دن نازل ہونے پر کوئی برہان نہیں ہے۔

نازل ہوئی۔

(۷)

فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ الخ

سورۃ النساء کی یہ آیت تیمم سفر کی حالت میں نازل ہوئی جبکہ پانی مفقود تھا اور اس کے نزول کا باعث جناب ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں مگر وہ سفر کونسا تھا! یہ متحقق نہیں ہے۔

(۸)

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا الآیۃ

سورۃ النساء کی یہ آیت حسب روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن خاص کعبۃ اللہ کے اندر نازل ہوئی۔

(۹)

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا الآیۃ۔

سورۃ النساء کی یہ آیت حسب روایت زرقی مقام عسفان میں ظہر اور عصر کے درمیان میں نازل ہوئی۔

(۱۰)

يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ الآیۃ

سورۃ النساء کی یہ آخری آیت کلالہ سفر میں نازل ہوئی مگر یہ محقق نہیں کہ وہ سفر کونسا تھا۔

(۱۱)

سورۃ المائدہ کے شروع کی ایک آیت یا دو آیتیں یا چار آیتیں یا پانچ آیتیں حسب روایت اسماء بنت یزید منا میں بحالت سفر نازل ہوئیں اور محمد بن کعب سے

ابو عبید نے روایت کی ہے کہ سورۃ المائدہ حجۃ الوداع میں مابین مکہ و مدینہ نازل ہوئی۔

(۱۲)

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِىْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

سورۃ المائدہ کی یہ آیت حجۃ الوداع کے سال جمعہ کے روز عرفہ کی رات کو نازل ہوئی۔

(۱۳)

فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ مِّنْهُ الخ

سورۃ المائدہ کی یہ آیت تیمم حسب روایت عائشہ صدیقہ مقام بیدا یا ذات الجیش میں نازل ہوئی بیدا کا دوسرا نام ذو الحلیفہ ہے اور ذات الجیش مدینہ منورہ سے تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے۔

(۱۴)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔

سورۃ المائدہ کی آیت حسب روایت قتادہ اسوقت نازل ہوئی جب کہ بنو ثعلبہ اور بنو محارب نے پیغمبر خدا کو ایذا پہونچانے کا ارادہ کیا تھا اور آپ نخلستان کے بیچ میں تشریف فرما تھے۔

(۱۵)

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ۔

سورۃ المائدہ کی یہ آیت حسب روایت جابر رضہ غزوہ بنی انمار میں مقام ذات الرقاع میں نازل ہوئی۔

(۱۶)

سورۃ الانفال کی شروع کی تین آیتیں حسب روایت سعد بن ابی وقاص رضہ مقام بدر میں جنگ کے بعد نازل ہوئی۔

(۱۷)

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم الآیہ

سورۃ الانفال کی یہ آیت بھی مقام بدر میں واقعہ کے بعد نازل ہوئی۔

(۱۸)

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا الخ

سورۃ التوبہ کی یہ آیت حسب روایت سوبان رضہ سفر میں نازل ہوئی مگر سفر کونسا تھا اسکی تحقیق نہیں۔

(۱۹)

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ الآیہ

سورۃ التوبہ کی یہ آیت حسب روایت عبداللہ بن عباس رضہ غزوہ تبوک میں نازل ہوئی۔

(۲۰)

وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ الآیہ

سورۃ التوبہ کی یہ آیت بھی حسب روایت ابن عمر رضہ غزوہ تبوک میں نازل ہوئی۔

(۲۱)

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ الخ

سورۃ التوبہ کی یہ آیت مقام عسفان میں نازل ہوئی جب رسول خدا ﷺ نے اپنی مادر مشفقہ کی قبر پر جاکر اُن کے لئے دعائے مغفرت کی تھی۔

(۲۲)

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ۔

سورۃ النحل کی یہ آخری آیت مقام احد پر نازل ہوئی جب رسول اللہ صلعم حضرت حمزہ رضہ کی شہادت کے بعد اُن کے پاس جاکر کھڑے ہوئے تھے مگر ابی بن کعب سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن نازل ہوئی۔

(۲۳)

وَإِن كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ الآیہ

سورہ بنی اسرائیل کی یہ آیت حسب روایت عبدالرحمن بن غنم مقام تبوک میں نازل ہوئی۔

(۲۴)

سورۃ الحج کی شروع کی آیت وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ تک غزوہ بنی مصطلق کے سفر میں نازل ہوئی۔

(۲۵)

هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ فَالَّذِينَ كَفَرُوا الخ

سورۃ الحج کی یہ آیت مقام بدر میں عین جنگ کے وقت نازل ہوئی جب کہ اہل اسلام کفار کا ناطقہ بند کر رہے تھے۔

(۲۶)

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ الخ

سورۃ الحج کی یہ آیت سفر ہجرت میں نازل ہوئی۔

(۲۷)

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ الخ (سورۃ الفرقان)

یہ آیت مقام طائف میں نازل ہوئی مگر امام سیوطی کو اس روایت پر وثوق نہیں ہے۔

(۲۸)

اِنَّ الَّذِىْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَادُّكَ (سورۃ القصص)

یہ آیت سفر ہجرت میں مقام جحفہ پر نازل ہوئی۔

(۲۹)

سورۃ الروم کی شروع آیت غُلِبَتِ الرُّوْمُ الخ مقام بدر میں جنگ سے پہلے نازل ہوئی۔

نمبر	نام سورہ	آیت	مقام نزول مع کیفیت
۳۰	سورۃ الزخرف	وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ الخ	معراج کی رات بیت المقدس میں نازل ہوئی۔
۳۱	سورہ محمد	وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً الخ	سفر ہجرت میں نازل ہوئی۔
۳۲	سورۃ الفتح	سُوْرَةُ الْفَتْح	کراع الغمیم یا بروایت دیگر، درمیان مکہ و مدینہ۔
۳۳	الحجرات	يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ الخ	مکہ بعد فتح۔ جب کہ حضرت بلال رض

نمبر	نام سورہ	آیت	مقام نزول مع کیفیت
			اذان دینے کے لئے کعبہ کی چھت پر چڑھے تھے۔
۳۴	سورۃ الواقعہ	ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ الخ	سفر مدینہ۔
۳۵	"	اَفَبِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَنْتُمْ مُّدْھِنُوْنَ الخ	"
۳۶	الممتحنہ	یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ الخ	اسفل حدیبیہ
۳۷	المنافقون	سُوْرَۃُ الْمُنٰفِقِیْنَ	مقام تبوک
۳۸	المرسلات	سُوْرَۃُ الْمُرْسَلٰت	غار منا
۳۹	المطففین	سُوْرَۃُ الْمُطَفِّفِیْنَ	سفر ہجرت و قبل دخول آنحضرتؐ بمدینہ
۴۰	العلق	شروع سورہ	غار حرا
۴۱	سورۃ الکوثر	سورۃ الکوثر	حدیبیہ۔ مگر امام سیوطی اس کو غیر مستند فرماتے ہیں۔
۴۲	النصر	سورۃ النصر	منا۔ روز اوسط ایام تشریق حجۃ الوداع۔

یہ کل بیالیس نمبر کی مصرحہ بالا آیتیں سفری ہیں اور ان کے علاوہ کل آیات قرآنیہ حالت اقامت میں نازل ہوئیں۔

آیات لیلی و نہاری

کونسی آیتیں رات کے وقت نازل ہوئیں کونسی دن کے وقت

۱

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ الخ (البقرہ۔ سیقول)

بعض روایتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ سورۃ البقرہ کی یہ آیت تحویل قبلہ دن کے وقت ظہر و عصر کے درمیان میں نازل ہوی۔ مگر قاضی جلال الدین وغیرہ کا صحیح مذہب یہی ہے کہ آیت مذکورہ رات میں اتری۔

(۲)

اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ الآیہ

سورۂ آل عمران کی یہ آخر کی آیتیں رات میں عشا کے وقت یا بعد نازل ہوئیں۔

(۳)

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ الخ

جنگ اُحد میں رات کے وقت لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی کرتے تھے کہ کہیں بیخبری میں دشمنان اسلام آپ کی جان کو نقصان نہ پہونچائیں۔ اسی رات کو یہ آیت عشا کے بعد نازل ہوئی۔ آپ نے پہرہ دینے والوں سے فرمایا کہ بس اب پہرہ کی ضرورت نہیں رہی، تم لوگ آرام کرو کیونکہ خدا نے میری حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔

(۴)

سورۃ الانعام مکہ معظمہ میں اور سورۂ مریم اور سورۃ المنافقین یہ تینوں سورتیں رات کے وقت نازل ہوئیں۔

(۵)

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الآیہ

سورۃ التوبہ کی یہ آیت رات کے دو ثلث گذر جانے پر نازل ہوئی جب کہ صرف ایک تہائی رات باقی تھی۔

(۶)

سورۃ الحج کے شروع کی چار یا پانچ آیتیں رات میں نازل ہوئیں۔

(۷)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ الخ

مدینۂ منورہ میں بیت الخلاء گھروں کے اندر بنانے کا دستور نہ تھا۔ بی بیاں رات کو باہر کے میدانوں میں قضائے حاجت کیلئے جاتی تھیں۔ ایسا ہوا کہ آیت حجاب کے اترنے سے پہلے ایک روز ام المومنین سودہؓ قضائے حاجت کے لئے باہر گئی ہوئی تھیں۔ واپسی میں حضرت عمرؓ ملے اور ام المومنین سودہؓ چونکہ جسیم اور قد آور بی بی تھیں عمرؓ نے دیکھتے ہی پہچان لیا اور انکو اچھا نہ معلوم ہوا کہ پیغمبرؐ کی ازواج مطہرات عام عورتوں کی طرح باہر نکلیں۔ دیکھتے ہی حضرت سودہؓ کو للکارا کہ خدا کی قسم ہم نے تمکو پہچان لیا بھلا دیکھوں تو سہی اب تم کیونکر باہر نکلتی ہو! حضرت سودہؓ نا بیتی کانپتی گھر میں آئیں اور سارا ماجرا رسول اللہ صلعم سے عرض کیا۔ اور اسی کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

(۸)

وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رُّسُلِنَا الآیہ

سورۃ الزخرف کی یہ آیت معراج کی رات میں نازل ہوئی۔

(۹)

سورۃ الفتح کی شروع کی ایک یا دو آیتیں رات میں نازل ہوئیں

(۱۰)

امام سخاوی نے کتاب جمال القرا میں ابن مسعود رض سے روایت کی ہے کہ سورۃ المرسلات حرا میں لیلۃ الجن میں نازل ہوئی مگر امام سیوطی کا صحیح و مستند بیان یہ ہے جیسا کہ انہوں نے صحیح اسماعیلی اور بخاری کی سند سے لیا ہے کہ سورۃ المرسلات نویں ذی الحجہ کو رات کے وقت منا میں نازل ہوئی۔

(۱۱)

سورۃ الفلق اور سورۃ الناس دونوں سورتیں رات میں نازل ہوئیں۔ (رواہ عقبۃ بن العامر الجہنی)

آیاتُ الصّبح

جو آیتیں صبح کے وقت نازل ہوئیں

(۱)

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ الآیۃ

آیۃ التیمم جس کا ذکر ایک دفعہ گذر چکا ہے صبح کے وقت نازل ہوئی جب کہ پانی بالکل مفقود ہو گیا تھا۔

(۲)

لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْھِمْ الخ

سورۂ آل عمران کی یہ آیت صبح میں اُسوقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کی دوسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھ کر ابوسفیان وغیرہ کے حق میں بددعا کرنے کے ارادہ میں تھے۔

ان گیارہ اور دو مقامات کے علاوہ بقیہ سارا قرآن مجید دن کے وقت (نجماً نجماً) نازل ہوا۔

آیاتِ فراشی و نومی

کونسی آیتیں سونے کے وقت نازل ہوئیں اور کونسی نیند میں

(۱)

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ الآیۃ

سورۃ التوبۃ کی یہ آیت اسوقت نازل ہوئی جب تہائی رات باقی تھی اور پیغمبر خدا صلعم ام سلمہ رضہ کے حجرہ میں بستر راحت پر تھے۔

(۲)

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ الآیہ

سورۃ المائدہ کی یہ آیت رات کے اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلعم سونے کیلئے بستر پر لیٹ چکے تھے۔

(۳)

مسلم نے حضرت انس رضہ سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواب سے ہنستے ہوئے بیدار ہوئے۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کے تبسم کا کیا سبب ہے فرمایا! مجھپر ابھی ایک سورت نازل فرمائی گئی ہے۔ اور اس کے بعد آپ نے سورۃ الکوثر تلاوت کی۔

حضرت انس رضہ وغیرہ کے سامنے رسول اللہ صلعم خواب استراحت میں تھے اس لئے اُن حاضرین کو گمان ہوا کہ سورۃ الکوثر نیند کی حالت میں نازل ہوئی ہے مگر ممکن ہے کہ رسول اللہ صلعم کے بیدار ہوتے ہی نزول وحی شروع ہوگیا ہو، اور دیکھنے والوں نے اس حالت وحی کو بھی حالتِ خواب ہی سمجھا ہو۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بازاری اور ایک ثقہ شخص کے خوابوں میں فرق ہوتا ہے۔

اعلیٰ درجہ کے آدمی کا خواب ادنیٰ درجہ کے آدمی کے خواب سے متفاوت ہوتا ہے۔ بادشاہ کا خواب عام رعایا کے خواب سے ایسے ارفع درجہ پر ہوتا ہے کہ عامیوں کے خواب کو اس سے لگاؤ تک نہیں ہوتا۔ وعلیٰ ہذا القیاس جو لوگ نہایت متقی و پرہیزگار ہیں۔ سچے عبادت گزار ہیں۔ صاف باطن اور صاحبِ دل ہیں ان کے خواب سچے ہوتے ہیں۔ وہ خوابوں میں بہت سے واقعات اور بہت سی باتوں پر متنبہ ہو جاتے ہیں اور وہ ہرگز خواب پریشاں نہیں دیکھتے کیونکہ ایسے واہی تباہی خواب انہیں لوگوں کو نظر آتے ہیں جن کے خیالات پراگندہ ہوتے ہیں۔ جن کا باطن گندہ ہوتا ہے اور جو دن رات فسق و فجور میں مبتلا رہتے ہیں۔

اس عقل و نقل سے بدیہی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب بیہودہ نہیں بلکہ سچے اور مطابق واقع کے ہوتے ہیں اور کبھی اُن کو دربار الٰہی سے خواب ہی میں احکام عطا ہوتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رویا میں اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں فتح مکہ کی خبر دی گئی اور ہو بہو ویسا ہی واقعہ ہوا جیسا کہ خواب ملاحظہ فرمایا تھا۔ اس بنا پر ہم، علمائے اسلام علیہم الرحمتہ کے اختلافات و مباحث سے قطع نظر کر کے کہتے ہیں کہ، اگر سورۃ الکوثر نیند میں ہی نازل ہوئی تو اس میں کچھ قباحت نہیں نہ کچھ محلِ اعتراض ہو سکتا۔ جس طرح حضرت ابراہیم کو خواب میں بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا اور وہ خواب سچا تھا اسی طرح ہمارے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نیند کی حالت میں سورۃ الکوثر نازل ہوئی اور وہ برحق ہے جس نے شروع زمانہ نبوت میں نازل ہوتے ہی فصحائے عرب کے چھکے چھڑا دئے اور سب ششدر ہو کر رہ گئے

ان تین مقامات کے سوا، باقی تمام قرآن مجید بیداری میں نازل ہوا۔

آیات صیفی و شتائی

کونسی آیتیں گرمی میں نازل ہوئیں اور کونسی جاڑے میں؟ ع

(۱)

قرآن مجید میں کلالہ کے متعلق دو جگہ بیان کیا گیا ہے۔ ایک وہ آیت جو سورۃ النساء کے شروع میں ہے۔

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ

یہ آیت جاڑے میں نازل ہوئی۔

(۲)

دوسری وہ آیت جو سورۃ النساء کے آخر میں ہے:۔

يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ الآیہ

یہ آیت گرمیوں میں نازل ہوئی۔

(۳)

سورۃ المائدہ کا شروع اور

(۴)

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ۔

ع حال میں بعض نئے نادان دشمنان قرآن نے اس پر یہ انوکھا اعتراض کیا ہے کہ موسم کے اعتبار سے جو آیات کی صرف سرمائی و گرمائی دو تقسیمیں کی ہیں تو کیا عرب میں برسات کا موسم نہیں ہوتا۔ **جواب** برسات کا موسم تقریباً ہر حصہ دنیا پر ہوتا ہے مگر کہیں برسات کو جداگانہ موسم قرار نہیں دیا گیا ہے کیونکہ برسات بھی انہیں سرما گرما دو موسموں میں سے کسی ایک موسم میں ہوگا۔ افسوس! چشم بد اندیش کہ برکندہ باد + عیب نماید ہنرش در نظر

وَرَضِيتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(۵)

اور سورۃ البقرہ کی آیت۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ

یہ سب آیتیں گرمیوں میں نازل ہوئیں۔

(۶)

سورۃ النصر بھی موسم گرما میں نازل ہوئی

(۷)

سورۃ التوبہ میں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ

سے لیکر وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ تک

اور

وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ

اور اس کے پہلے کی آیتیں جو غزوہ تبوک کے متعلق ہیں نہایت سخت گرمیوں میں نازل ہوئیں۔

(۸)

سورۃ النور میں اِنَّ الَّذِیْنَ جَاءُوْ بِالْاِفْکِ عُصْبَۃٌ مِّنْکُمْ سے لیکر اُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ لَہُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ تک جو ۱۴ چودہ آیتیں جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برات و طہارت میں ہیں وہ سب جاڑوں میں نازل ہوئیں۔

(۹)

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ سے لیکر وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْہَا وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا تک اُنیس ۱۹ آیتیں جو سورۃ الاحزاب میں غزوہ خندق کے متعلق ہیں ، سب جاڑوں میں نازل ہوئیں۔

آیاتِ ارضی و سماوی

کونسی آیتیں زمین پر نازل ہوئیں اور کونسی آسمان پر

چھ آیتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر معراج کی رات میں نازل ہوئیں۔

(۱)

تین آیتیں سورۃ الصافات میں ہیں۔

وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّوْنَ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ

(۲)

چوتھی آیت سورۃ الزخرف میں ہے وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ

(۳)

دو آیتیں سورۃ البقر کے آخر کی۔ یہ چھ آیتیں رسول خدا صلعم پر اُسوقت نازل ہوئیں جب آپ معراج میں بیت المقدس سے عالم بالا کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔

اب یہاں علماء کے دو گروہ ہو گئے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ آیتیں زمین و آسمان کے درمیان میں نازل ہوئیں اور امام سیوطی اسی گروہ میں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آیات مذکورہ ما رسول اللہ صلعم کے آسمانوں پر پہونچنے کے بعد نازل ہوئیں تو اس مسلک پر یہ آیتیں سماوی ہوئیں اور پہلے مسلک پر گویا جو سمائیں میں اُتریں۔

علمائے اسلام مسئلہ معراج میں بھی مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ اسی خاکی جسد کے ساتھ

آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ بعض روحانی معراج کے قائل ہیں اور بعض کا مسلک یہ ہے کہ واقعہ معراج خواب تھا اور چونکہ رسول کا خواب بالکل سچا اور مطابق واقع کی ہوتا ہے اس لئے معراج میں جو کچھ آپ نے دیکھا وہ سب برحق اور واقعی تھا۔ قرآن مجید میں نہ تو جسمانی معراج پر کوئی برہان ہے نہ اس کا بطلان ہے۔ البتہ مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک رسول کا جانا قرآن میں مصرح ہے اور الفاظ قرآنی کا انداز یہی کہتا ہے کہ معراج جسمانی تھا بہر حال اگر ہم معراج کو روحانی یا خواب میں ہونا مانیں تو بھی کوئی ہرج نہیں ہے اور جسمانی معراج تسلیم کریں تو اس میں بھی کوئی عقلی استحالہ نہیں ہے۔

(۴)

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ الآیہ

سورۃ البقرہ کی یہ آخری آیت معراج میں قاب قوسین پر نازل ہوئی۔ اور ان چار مقامات کے سوا مابقیہ تمام قرآن زمین پر نازل ہوا۔

بحث

غیر مذہب اور فلسفی خیال والے غالباً اس کو باور نکریں گے کہ آسمان و زمین کے درمیان میں آیات کا نازل ہونا اور انسان کا زمین سے آسمان کو جانا دور از قیاس باتیں ہیں مگر اہل اسلام مجبور ہیں کہ نص اور وحی قطعی پر ضرور ایمان لائیں گو وہ محال عادی ہوں۔ وحی کے مقابلہ میں شبہات فلسفیانہ اَوْهَنُ مِنْ بَيْتِ الْعَنْكَبُوتِ ہیں۔ اگرچہ یہ موقع اس بحث کا نہیں ہے پھر بھی دلچسپی ناظرین کے لئے کچھ نہ کچھ لکھنا ضروری ہے کیونکہ مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهُ لَا يُتْرَكُ كُلُّهُ

ان اور ان جیسی باتوں سے انکار کرنے والے تین صورت سے خالی نہیں (۱) یا تو

منکر مسلمان ہے (۲) یا اسلام کے سوا کسی دوسرے مذہب کا پیرو ہے (۳) یا سرے سے مذہبی ہی نہیں بلکہ صرف فلسفی خیال کا ایک سائنٹیفک آدمی ہے۔

(۱) مسلمان اس حیثیت سے کہ وہ مسلمان ہے ایسے خلاف عادت امور سے انکار نہیں کر سکتا جو کتاب وسنت میں منصوص ہیں اس لئے کہ پیغمبروں سے خرق عادات ومعجزات کا ظہور، قیامت کا برپا ہونا۔ تمام مُردوں کا صور کی آواز پر قبروں سے اٹھ کھڑے ہونا، قبر میں مرنے کے بعد سوال وجواب ہونا وغیرہ وغیرہ اس سے زیادہ حیرت انگیز اور خلاف عادت امور ہیں تو ایسے بڑے بڑے خرق عادات کو تسلیم کر لینے کے بعد صرف حیرت خیز امور سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) دوسرے مذہب والوں کو اسلام کی خلاف عادت باتوں پر اعتراض کرنے کی گنجایش نہیں ہے کیونکہ دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس میں خلاف عادت امور نہ ہوں اور جب خود اپنے مذہب میں ویسے ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ خلاف عقل امور موجود ہیں جن پر ایمان واعتقاد رکھنا جزو مذہب ہے تو وہ اسلام پر کس منہ سے اعتراض کرنے کی جرات کر سکتے ہیں!

(۳) اگر معترض قید مذہبیت سے آزاد اور صرف سائنٹیفک آدمی ہے تو ہم اس سے ادب کے ساتھ پوچھتے ہیں کہ زمین سے آسمان کی طرف یا آسمان پر جانا اور جو ہمارے پیغمبر اسلام پر آیات قرآنی کا نازل ہونا کیوں ناقابل تسلیم اور اس میں کونسی بات خلاف عقل ہے؟ زمین سے آسمان کی طرف صعود کرنا ہرگز خلاف عقل اور محال نہیں بلکہ خلاف عادت بھی نہیں ہے ہم یہ نہیں کہتے کہ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم بلا کسی ذریعہ کے پردار پرندوں کی طرح آسمان کو پرواز کر گئے۔ بلکہ یہ کہ آپ کسی ذریعہ سے آسمان کی طرف تشریف لے گئے اور یہ محال نہیں ہے آخر سر توڑ کوششوں کے بعد یورپ والوں نے ہوائی جہاز بنا لیا کہ نہیں! جس کے ذریعہ سے زمین سے آسمان پر اڑنا آسان ہو گیا

رہی یہ بات کہ ایسی ایجادات تو عرب میں اُسوقت تھیں نہیں! تو ہم اہل اسلام محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قادر مطلق کا رسول برحق مانتے ہیں جو روحانیات میں ایسے بڑے درجہ پر تھے جہاں تک طائر وہم کا گذر بھی محال ہے اور ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جبریل فرشتہ یا ارواح فلکی کے ذریعہ سے اپنے پیغمبر کو زمین سے آسمانوں پر پہونچا کر دم کی دم میں واپس کر دیا۔ بہرحال جب زمین سے آسمان کی طرف چڑھنا خلاف عقل نہیں بلکہ مشاہد ہے تو رسول عرب پر زمین و آسمان کے بیچ میں یا قاب قوسین پر قرآن کی آیتوں کا نازل ہونا بھی خلاف عقل نہیں سکتا۔

یورپ کے فلسفۂ جدیدہ نے ثابت کر دیا ہے کہ مشتری سیارہ ایک گھنٹہ میں تیس ہزار میل کی مسافت طے کرتا ہے اور بہت سے سیارات ایک ایک منٹ بلکہ ایک ایک سکنڈ میں لاکھوں میل طے کرتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ہر حرکت کے لئے محرک کا ہونا ضروری ہے۔ بچہ بچہ جانتا ہے کہ جب تک کوئی قوت حرکت دینے والی نہو کوئی حرکت نہیں ہوسکتی اور جب یہ ثابت و مسلم ہے کہ ہر حرکت کیلئے ایک محرک کا ہونا واجب ہے تو جس محرک نے مشتری وغیرہ سیاروں کو اتنی سرعت رفتار بخشی ہے اسی قوت نے اگر محمد مصطفےٰ صلعم کو ذری سے جثہ میں ایسی تیزی اور سرعت رفتار پیدا کر دی تو کونسی دشوار بات ہے اور کیا استبعاد ہے! حالانکہ اعراض کے قبول کرنے میں اجسام سب برابر ہیں۔ حرکت کے لحاظ سے جسم کی چھوٹائی بڑائی کوئی چیز نہیں ہے بلکہ بہ نسبت بڑے جسم کے چھوٹے جسم میں ہی زیادہ تیزی ہوگی اور ہوتی ہے۔

کمالات روحانیات کا ایک ایسا درجہ ہے کہ کمال انسانی کے منازل کو طے کر کے انسان ارواح مجردہ میں شامل و رمثل ملائکہ ملاء اعلےٰ کے ہوجاتا ہے اور اُسوقت اس سے عجیب و غریب خلاف عادت حرکات ظہور پذیر ہوتے ہیں جن کو اصطلاح شرع میں معجزہ کرامت کہتے ہیں

آیات فوق الارض و تحت الارض

کونسی آیتیں زمین پر نازل ہوئیں اور کونسی زمین کے نیچے نازل ہوئیں

قرآن مجید میں صرف ایک سورۃ المرسلات ہے جو زمین کے نیچے غار (حرار یا غار منا) کے اندر نازل ہوی۔ باقی سب قرآن زمین کی سطح پر نازل ہوا (الا ما نزل فی السماء کما مر)

ہم نے قرآن مجید کی لائف پھر بھی مختصر بیان کی ہے۔ امام سیوطی کی کتاب انقان فی علوم القرآن میں یہ مباحث بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہیں اور ہماری کتاب کا یہ مقدمہ انقان کے اُن چند بابوں کا گویا خلاصہ ہے۔

اس لائف کے مطالعہ سے ناظرین پر یہ امر بخوبی روشن ہوگیا ہوگا کہ اسبارۂ خاص میں دنیا کی کوئی آسمانی یا غیر آسمانی کتاب قرآن کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

تواتر قرآن

اسلام کے تمام فرقہ ہائے مختلفہ ومتعددہ کا اس بات پر اتفاق واجماع ہے کہ قرآن شریف جو کچھ مابین الدفتین اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے (سوائے عنوانات کے) وہی کلام الٰہی اور وحی ربانی ہے۔ نہ اس میں کچھ تغیر وتبدل ہوا نہ کسی کی شرارت یا عدم محافظت سے اس میں زیادتی ونقصان یا الحاق واقع ہوا جتنا کچھ پیغمبر اسلام علیہ السلام پر نازل ہوا اتنا ہی بلا کسی کمی وبیشی کے اسوقت بھی بین الدفتین ہمارے سامنے ہے۔ بین الناس مشہور ومعروف ہے۔ مشرق سے مغرب تک شائع وذائع ہے اس کی تعظیم ضروریات دین سے ہے اور اسکا استہزاء کرنے والا خارج از اسلام ہے۔

مسلمانوں نے سلفاً عن خلفٍ ہر ایک طبقہ میں اس کی حفاظت اور ضبط وکتابت اور دل وزبانوں پر حفظ کرنے کا اہتمام تام کیا ہے کہ مطلق شک وشبہ کی گنجایش باقی نہیں ہے۔ جسطرح اسلام دنیا کے ہر گوشہ میں پھیل گیا۔ اُسی طرح لاکھوں کڑوڑ مسلمان حفاظ اسکو حفظ ونقل کرتے رہے اور یہ حفظ ونقل کا کام اتنے اعلیٰ درجہ پر رہا کہ دنیا کی کوئی مشہور سے مشہور بات اور غایت تواتر کو پہونچی ہوئی خبر بھی اسکا مقابلہ نہیں کرسکتی صحت تواتر میں قرآن آپ اپنی نظیر ہے۔

قرآن مجید خود آنحضرت صلعم کے حضور میں تلاوت کیا جاتا تھا صحابہ کرام رضنے بار بار پیغمبر کے روبرو اسکو ختم کیا آنحضرت صلعم کے عہد میں قرآن مجموع ومولف ہو گیا اور آپ کے بعد اہل اسلام ہمیشہ اس کے حفظ ونسخ اور ضبط وتلاوت وقرات میں مصروف وسرگرم رہے اور لاکھوں حفاظ وقُراء کے وسیلہ سے سینہ بہ سینہ ہم تک چلا آیا۔

پس قرآن مجید کا بعینہ محفوظ رہنا ایسے ہی تواتر سے ثابت ہے جیسے خود رسول عربیؐ کا وجود یا آلان مکہ و مدینہ اور لندن وغیرہ کا موجود ہونا۔

سنی و شیعہ دونوں فریق کے علماء اور عوام و خواص کا اسی پر اتفاق ہے کہ تواتر قرآن محل کلام نہیں ہے اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل اور کمی و بیشی نہیں ہوئی ہے۔ علمائے اثنا عشریہ میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہوا کہ قرآن مجید میں غیر قرآن داخل ہوا یا اوس میں سے کچھ کم ہو گیا۔ آئمہ اثنا عشر کا زمانہ مدت تک رہا ان بزرگان کبار کے سیرت و عمل اور قول و فعل سے بجز قرآن موجودہ کی تصدیق و تسلیم کے کوئی دوسری بات ظاہر نہیں ہوئی۔ وہ ہمیشہ کتاب اللہ کی تلاوت اور اسکی درس و تدریس کرتے رہے۔ سورتوں اور آیات کے فضائل و کرامات کا بیان کرتے رہے اور اپنے لڑکوں، لونڈیوں، عیال و اطفال اور خدام کو قرآن کی تعلیم کرتے رہے اور اسی قرآن کو نمازوں میں پڑھتے پڑھاتے رہے اور مخالفین اسلام کے مقابلہ میں اسی قرآن سے تمسک کرتے رہے۔ پس ظاہر ہے کہ اگر وہ آئمہ دین قرآن موجودہ کو کلام اللہ نہ سمجھتے تو ہرگز اس پر ان کا مدار کار اور اعتماد و احتجاج نہ ہوتا۔ حضرت امام محمد باقر کا قول ہے کہ "جو وقت فتنے تم پر ملتبس ہو جائیں تو قرآن کی طرف رجوع لاؤ کہ وہ شفاعت کرنے والا مقبول الشفاعۃ ہے جو کوئی اسکو آگے رکھیگا البتہ وہ اُسے جنت میں لیجائے گا امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ:۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ فِيْهِ اَنْوَارُ الْهُدٰى وَمَصَابِيْحُ الدُّجٰى۔	اس قرآن میں انوار ہدایت اور تاریکی ضلالت کے دور کرنے والے چراغ ہیں۔

حضرت امام علی نقی نے جو خط اپنے شیعوں کو لکھا تھا اس میں یہ کلام وارد ہے کہ "

قَدِ اجْتَمَعَتِ الْاُمَّةُ قَاطِبَةً عَلٰى اَنَّ الْقُرْآنَ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔	تمام امت محمدیہ اس امر پر متفق ہے کہ اس قرآن کے کلام اللہ ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہے۔

شیعہ اثنا عشریہ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ نقصان قرآن کے قائل ہیں اور یہ کہ ان کی بعض کتب معتبرہ میں بعض روایات تحریف فی الجملہ وارد ہیں جن سے نقصان یا ایک آدہ لفظ کا تبدل ثابت ہوتا ہے۔

پہلا جواب:۔ شیعہ اثنا عشریہ آئمہ معصومین کی حدیثوں کو خلاف واقع کہنے کی جرارت نہیں کر سکتے اور اُن کے سب آئمہ اثنا عشر اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن میں کچھ کمی وبیشی نہیں ہوی بلکہ جیسا کا ویسا محفوظ رہا ہے جیسا کہ دو تین اماموں کے قول ہم نقل کر چکے ہیں تو اب کوئی شیعہ اپنے اماموں کے خلاف قرآن کو محرف کہکر شیعہ نہیں رہ سکتا۔

دوسرا جواب:۔ مذہب شیعہ کے اکثر علمائے متقدمین ومتاخرین اس امر میں اہل سنت کے ہمزبان ہیں کہ قرآن میں کچھ نقصان نہیں ہوا۔ چنانچہ شیخ صدوق ابو جعفر محمد بن بابویہ قمیؒ رسالہ اعتقادات میں لکھتے ہیں کہ:۔

اِعتِقادنا اَنَّ القرآن الذی انزل اللّٰہ علی محمد نبیہ وھو مابین الدفتین وھو مافی ایدی الناس لیس باکثر من ذالك ومبلغ سورہ عند الناس مائۃ واربعۃ عشر سورۃ وعندنا والضحٰی والم نشرح سورۃ واحدۃ ولایلاف قریش والم ترکیف سورۃ واحدۃ ومن نسب الینا انا نقول انہ

ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ بلا شبہ وہ قرآن جو اللہ نے اپنے نبی محمد صلعم پر نازل کیا اور جو بین الدفتین موجود ہے اور جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہے وہ اس (موجودہ قرآن) سے زیادہ نہیں ہے عامۂ اہل اسلام کے نزدیک ایکسو چودہ سورتیں ہیں اور ہمارے نزدیک (ایکسو بارہ سورتیں ہیں) والضحٰی اور الم نشرح ایک سورہ ہے اور لایلاف قریش اور الفیل ایک سورہ ہے اور جس نے ہماری طرف اسبات کو منسوب کیا کہ ہم قرآن کو موجودہ قرآن سے زیادہ سمجھتے ہیں

اکثر من ذالک فهو کاذب۔ وہ محض جھوٹا ہے۔

حکیم میر باستر دا ماد حاشیہ قبسات میں لکھتے ہیں کہ:۔

الذکر الحکیم ھو القرآن الکریم قال اللہ تعالیٰ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون والمراد حفظہ عما تطرق الی الکتب السماویہ من ضلۃ من التحریف والتبدیل بان یزاد فی التنزیل ما لم ینزل اللہ سبحانہ او یبدل او یحرف شئ منہ لغیرہ اما بحسب احتمال تنزیلہ او بحسب نظمہ و ترتیبہ وھذا کلہ موضع وفاق بین الامۃ اجماعاً و بحسب الترک بان یکون سقط منہ بعض ما قد کان فی تنزیلہ فاکثر اصحابنا و بعض العامۃ یجوزون ذالک واکثر الجمہور یمنعون منہ مطلقاً والاخبار من طرقھم وطرقنا متظافرۃ الخ

شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن الحسن طوسی تفسیر تبیان میں تحریر فرماتے ہیں:۔

لان الزیادۃ فیہ مجتمع علی بطلانہ والنقصان منہ فالظاہر ایضاً من مذھب المسلمین خلافہ وھو الالیق بالصحیح من مذھبنا الخ

شیخ ابو علی طبرسی تفسیر مجمع البیان میں فرماتے ہیں:۔

ومن ذلک الکلام فی زیادۃ القرآن ونقصانہ فانہ لایلیق بالتفسیر فاما الزیادۃ فمجمع علی بطلانہ واما النقصان فیہ فقد روی جماعۃ من اصحابنا وقوع من حشویۃ العامۃ ان فی القرآن تغیراً و نقصاناً والصحیح من مذھبنا خلافہ وھو الذی اختارہ المرتضیٰ قدس اللہ سرہ۔

علی الہدیٰ سید مرتضیٰ مسائل طرابلسیات کے جواب میں لکھتے ہیں:۔

ان العلم بصحة نقل القرآن کالعلم بالبلدان والحوادث الکبار والوقائع العظام والکتب المشهورة واشعار العرب المسطورة فان الدواعی توفرت علی نقله وحراسته وبلغت الی حد لم تبلغه فیما ذکرناه لان القرآن معجزة النبوة ومأخذ العلوم الشرعیة والاحکام الدینیة وعلماء المسلمین قد بلغوا فی حفظه وحمایته الغایة حتی عرفوا کل شیء اختلف فیه من اعرابه وقراءته وحروفه وآیاته فکیف یجوز ان یکون مغیرا او منقوصاً مع العنایة الصادقة والضبط الشدید

انتهی کلامه۔

غرض ان تمام محقق اور معتبر علمائے شیعہ کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ہمارے (یعنی شیعوں کے) اعتقاد میں قرآن جیسا کا ویسا ہے۔ اس میں کچھ کمی ہوئی نہ الحاق ہوا اور جو لوگ ہم شیعوں پر یہ اتہام رکھتے ہیں کہ مذہب شیعہ نقصان قرآن کا قائل ہے وہ بالکل جھوٹے ہیں قرآن کی صحت نقل کا علم ویسا ہی ہے جیسا کہ سب کو یقین ہے کہ دنیا میں فلاں فلاں شہر کا وجود ہے اور فلاں فلاں واقعات مشہورہ وقوع پذیر ہوئے۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ کتاب سیبویہ، کتاب شاہنامہ فردوسی، گلستان سعدی الشان کی جولانی طبع کا نتیجہ ہیں اور وہ بلاغت کے کچھ ایسے بالاترین درجہ پر بھی نہیں ہیں کہ کوئی ویسا لکھ نہ سکے پھر بھی ان کتابوں میں اگرچہ چند باب لکھکر لگا دیے جائیں تو صاف کھلجائے گا کہ یہ ابواب الحاقی ہیں اور ہرگز اصل مصنف کے لکھے ہوئے نہیں ہیں چنانچہ دیکھو کہ برزو رستم وغیرہ کے دو تین داستان لکھکر لوگوں نے شاہنامہ میں الحاق کردیے جن کو بعد

والوں نے چھانٹ کر الگ کر دیا کہ یہ کلام فردوسی کا نہیں ہے۔ پھر قرآن مجید میں یہ کیونکر ممکن ہے کہ کچھ الحاق کر دیا جائے اور پتہ نہ چلے۔

بہر حال علمائے شیعہ کی ان تصریحات سے صاف روشن ہو گا کہ تواتر اور صحت نقل قرآن میں اُن کا مذہب بالکل سنیوں کے مذہب کے مطابق ہے۔ اگر چند عامیوں نے ضد و مخالفت یا حماقت و جہالت سے لکھ مارا کہ قرآن میں کمی و بیشی ہوئی ہے تو وہ کسی شمار میں نہیں ہے اور اس سے مذہب شیعہ پر کوئی مضرات نہیں پڑ سکتا کیونکہ چند عامی افراد اصولی و جمہوری ضابطہ کو نہیں توڑ سکتے بلکہ جمہور اور اصول مذہب کے خلاف کہنے والا خود غلط ہو جاتا ہے اور اسی صحیح مسلک پر دنیا کا چلن ہے۔

سید نور اللہ شوستری اپنی کتاب مصائب النواصب کے جلد رابع میں لکھتے ہیں کہ:-

مَا نُسِبَ الی الشیعة الامامیة بوقوع التغیر فی القرآن لیس مما قال بہ جمہور الامامیة انما قال بہ شرذمة قلیلة اخراهم الخ	وہ جو شیعہ امامیہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ قرآن میں تغیر واقع ہوا تو یہ مذہب ہر گز جمہور امامیہ کا نہیں ہے بلکہ تھوڑے مخذول و منکوب لوگوں کا ایسا خیال ہے۔

پس علمائے اصولین کی تصریحات اور جمہور اہل مذہب کو چھوڑ کر چند منکوب و کج فہم لوگوں کے اقوال مطرودہ و مردودہ کو سند پکڑنا بالکل نادرست اور دلیل جہالت و حماقت ہے۔

لطیفہ

شیعی صحابہ کرام کو عموماً اور خلفائے ثلاثہ (ابو بکرؓ عمرؓ عثمانؓ) کو خصوصاً نہ صرف غیر معتبر بلکہ بہت ہی برا یقین کرتے ہیں۔ وہ خلفائے ثلثہ کو غاصب، خائن، ظالم، فاسق اور اون کے سب و دشنام کو بموجب خیر و برکت اور باعث ثواب سمجھتے ہیں تا باوجود اس کے قرآن ما بین الدفتین کو وحی ربانی سمجھنا اور اس پر اعتقاد صحیح رکھنا کہ وہ

جسطرح محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ویسا ہی بلا کسی کمی و بیشی کے مؤلف و مرتب ہوا اور وہی بعینہ بین الناس دائر و سائر رہا، قرآن مجید کے محفوظ اور بجنسہ قائم رہنے کی روشن دلیل ہے۔

تیسرا جواب

قرآن مجید ہی اسلام کی جڑ اور اساس ہے اسلام کی بنیاد ہے۔ اگر کوئی مسلمان یا اسلام کا کوئی فرقہ موجودہ قرآن کو غیر معتبر سمجھتا ہے یا اسکو کلام اللہ تسلیم نہیں کرتا تو خود اسکا اسلام و ایمان کس بنیاد پر ہوگا! موجودہ قرآن، کلام اللہ نہیں اور دوسرا قرآن پیش نہیں کیا جاسکتا تو وہ اپنے کو مسلمان کس بنا پر قرار دیتا ہے!

اس دلیل سے ظاہر ہے کہ کوئی شیعہ بحیثیت (مسلمان) شیعہ ہونے کے صحت قرآن سے انکار نہیں کرسکتا بلکہ وہ اسبات کے تسلیم کرنے پر طوعاً یا کرہاً مجبور ہے کہ قرآن بین الدفتین جو تیرہ سو برس سے نسلاً بعد نسل سلفاً عن خلف سینہ بسینہ ہم تک پہونچا ہے۔ لاکھوں مسلمانوں کے سینوں میں محفوظ ہے، بلاشبہ وہی قرآن ہے جو رسول عربؐ پر نازل ہوا جسکو ابوبکر رضؓ نے ایک جگہ مرتب کیا، عثمان رضؓ نے شائع کیا اور بلا ایک جملہ کی کمی بیشی کے اسوقت بھی ہمارے ہاتھوں میں ہے پھر بھی اگر کوئی، بدنام کنندۂ نیکو نامے چند کسی خباثت یا حماقت کے سبب سے مدعی اسلام ہو کر قرآن مجید کو محرف قرار دیتے یا اس کو غیر معتبر سمجھے تو وہ خود دائرہ اسلام سے خارج ہے اور اسلام کے بعض مدیر دیرینہ دشمن خطرناک ہے اور کسی سمجھدار اہل مذہب کو لائق نہیں ہے کہ دشمن اسلام کے قول مردود کو اہل اسلام کے مقابلہ میں حجت لائے۔

چوتھا جواب

قرآن مجید کا ہر ہر لفظ متواتر ہے یعنی ہر طبقہ میں اس کے روایت کرنیوالے اس کثرت سے رہے ہیں کہ اُن پر جھوٹ کا وہم بھی نہیں ہو سکتا اور وہ روایات و اخبار جن سے نقصان و تحریف قرآن ثابت ہوتی ہے سب یا تو ضعیف موضوع ہیں یا اخبار احاد سے ہیں اور یہ مسلم ہے کہ اخبار آحاد سے دلیل قطعی کا معارضہ نہیں ہو سکتا ضعیف اور روایات احاد سے تواتر کا مقابلہ محال ہے اُن میں ہرگز اتنی طاقت و قدرت نہیں ہے کہ قرآن کے تواتر لفظی کا معارضہ کر سکیں پس ایسی اخبار احاد، ایک یا دو کیا معنی، ہزاروں لاکھوں بھی ہوں تو غیر معتبر اور اہل اصول کے قاعدہ مقررہ میں کَاَن لَم یَکُن متصور ہیں کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو مذہب در کنار تمام تواریخ عالم سے اماں اُٹھ جائے اور عالم تاریخ و اخبار زیر و زبر ہو جائے اور دنیا کی کوئی ذری سی ذری اور بڑی سی بڑی خبر بھی قابل اعتبار نہ رہے۔

پانچواں جواب

بعض روایات صحیحہ میں جو وارد ہے کہ فلاں آیت یا فلاں لفظ اس طرح ہے تو اس سے مراد تحریف نہیں ہے کہ در اصل قرآن میں کچھ تھا اور لوگوں نے کچھ لکھدیا جیسا کہ مخالفین اسلام اور بعض نادان آریوں کا خیال ہے بلکہ مقصود اس سے یہ ہے کہ اس آیت یا لفظ کے معنی یہ ہیں مثلاً قرآن میں ہے کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَت لِلنَّاسِ (تم امت محمدیہ سب سے بہتر امت ہو) شیعوں کے امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ انہوں نے خَیرَ اُمَّۃٍ کو خَیرَ اَئِمَّۃٍ پڑھا (آئمہ امام کی جمع ہے یعنی تمام اماموں سے بہترین امام ہو) پس اس سے امام صادق کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ قرآن میں لفظ آئمہ کو نکال کر امۃ لکھدیا گیا بلکہ انہوں نے آیت کی تفسیر بیان کی اور امت

کے معنی آئمہ کئے اور اُمتہ سے آئمہ اثنا عشر کو مراد لیا۔

اسی طرح سورۃ المائدہ میں ہے یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ الخ شیعوں کی کتب احادیث میں امام سے مروی ہے مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (فِیْ عَلِیٍّ) تو فِیْ عَلِیٍّ کا لفظ جو روایت میں ستزاد ہے وہ جزو قرآن نہیں ہے بلکہ آیت کی تفسیر اور شان نزول کا بیان ہے کہ یہ آیت علی رض کی شان میں ہے غرض ہم کہاں تک بیان کریں اس قسم کی ہزاروں روایتیں نہ صرف شیعوں کی روایتوں میں ہیں بلکہ اہل سنت کی کتب احادیث بھی ایسی صحیح روایتوں سے مالامال ہیں مگر حاشا و کلا اگر اُن روایتوں سے ذرہ برابر بھی تحریف الفاظ کا ثبوت ملسکتا ہو ہم نے جو دو مثالیں پیش کی ہیں وہ سنجیدہ سمجھدار کے لئے کافی ہیں اور مولوی چراغ علی شیعی المخاطب بنواب اعظم یار جنگ نے تو اپنی کتاب تواتر قرآن میں اسپر بہت مبسوط بحث کی ہے ان پانچ جوابوں کے سوا، ہمارے پاس اور بہت سے جوابات ہیں مگر کافی سے زیادہ سمجھکر بخوف طوالت ہم نے پانچ ہی جوابوں پر اکتفا کیا ہے اور وہ حق جو کے لئے کافی و شافی ہیں۔

بعض متعصبین نے اختلاف قراءت کو تحریف کا مرادف سمجھا ہے جو معترض کی کم علمی پر روشنی ڈالے بغیر نہیں رہتا اور گذشتہ صفحات میں ہم اس مسئلہ کو بھی صاف کر چکے ہیں۔

بہر حال ان بدیہی دلائل سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ قرآن متواتر ہے اور جیسا کچھ محمد مصطفےٰ صلعم پر نازل ہوا، جس طرح پر آپ نے مؤلف کیا، اسی طرح بلا کسی کمی بیشی کے صحابۂ کرام نے حضرت ابوبکر رض کے عہد میں ایک جگہ مدون و مرتب کیا اور بجنسہ ہمارے ہاتھوں میں تواتر کے ذریعہ سے پہونچا اور

لاکھوں کروڑوں مسلمان ہر دور میں اس کے حفاظ و رواۃ رہے۔ دنیا کی کوئی آسمانی و غیر آسمانی کتاب اگر تواتر، صحت و حفاظت، اشاعت عینی اور ایسی خاص شان میں قرآن کے دسویں حصہ کے برابر بھی ہو اور کوئی ثابت کر دے تو ہم قرآن کے منجانب اللہ اور اس کے کلام اللہ ہونے کے دعوے سے دست بردار ہو جائیں گے۔ ولا شک انہٗ محالٌ۔

قرآن کے اسماء و صفات

دنیا میں بہت سے مذاہب ہیں۔ ہر مذہب اپنے برحق ہونے کا مدعی ہے ہر ایک کے پاس ایک کتاب ہے اور ہر ایک اپنی کتاب کو آسمانی اور منجانب اللہ قرار دیتا ہے حق و ناحق ہونے یا من جانب اللہ ہونے نہ ہونے کا فیصلہ تم پیچھے کرنا۔ پہلے ایک ذرا سی بات یہ تو دیکھو کہ کوئی کتاب جسکو اس کے مقلدین آسمانی کہتے پھرتے ہیں اپنے لئے دو ایک سے زیادہ عمدہ اور مقدس نام پیش نہیں کرتی۔ یہ شرف صرف ایک قرآن مجید ہی کو حاصل ہے جو اپنے کو بہتر سے بہتر، پاکیزہ سے پاکیزہ، اور منتخب مگر سچے القاب اور ناموں سے ملقب کرتا ہے پھر دو ایک ہی نہیں جس صفحہ پر نظر ڈالو دو ایک نام ضرور ملیں گے۔

بناءً علیہ ہم چاہتے ہیں کہ اصل مقصود کے شروع کرنے سے پہلے قرآن مجید کے اسماء و صفات اور اس کے اسماء عالیہ کے وجوہ تسمیہ کی بقدر کافی تشریح کریں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اس مبارک کتاب کو ایک سو ناموں سے یاد فرمایا ہے جن میں سب سے زیادہ مشہور جو اصلی نام کہا جا سکتا ہے قرآن ہے چنانچہ اللہ جل شانہ سورۃ الانعام میں فرماتا ہے:۔

قُلِ اللّٰهُ شَهِيدٌۢ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ ۔	اے پیغمبر! ان کفار سے کہو کہ میرے اور تمہارے درمیان (بڑا معتبر) گواہ خدا ہے اور یہ قرآن میری طرف اسی لئے وحی کیا گیا ہے کہ میں اس کے ذریعہ سے تمکو اور جسے پہونچے ڈرا دوں۔

سورۃ البقرہ میں ارشاد فرماتا ہے:۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ۔	(روزونکا) مہینہ رمضان ہے جس میں خدا کی طرف سے قرآن نازل کیا گیا ہے جو لوگو نکا رہنما ہے اور اس میں ہدایت اور (حق و باطل کی) تمیز کے کھلے کھلے حکم ہیں

قرآن کامل ایک بار رمضان میں رسول صلعم پر اترا، اور اس کے بعد تدریجاً نازل ہوتا رہا (اتقان)، قرآن مجید میں قرآن کا لفظ پینسٹھ مقامات پر آیا ہے جن میں سینتالیس جگہ القرآن معرف باللام ہے اور بقیہ مقامات پر نکرہ لایا گیا ہے پھر ان میں بھی بارہ جگہ نکرہ موصوفہ ہے اور بقیہ چھ مقامات پر (قرآن) نکرہ محض ہے۔

وجہ تسمیہ۔ قرآن بروزن فعلان مصدر ہے اسکے معنی ہیں پڑھنا جیساکہ سورۃ القیامہ میں وارد ہوا ہے:۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ	اے پیغمبر! وحی کے (یاد کرنے کے) لئے اپنی زبان نہ چلانے لگا کرو تاکہ تمکو وحی جلدی سے یاد ہو جائے قرآن کا یاد کرادینا اور اسکا پڑھنا ہمارا کام ہے تو جب ہم (جبریل کے ذریعے سے) پڑھا کریں تو تم اس کے پڑھنے کی پیروی کیا کرو۔

مگر قرآن مصدر بمعنی مفعول ہے اور اس کے معنی ہیں پڑھا گیا۔

بلاشک دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں جو پڑھی نہ گئی ہو لیکن قرآن کا پڑھا جانا ایسا عجیب وغریب ہے جو عجائبات عالم میں شمار کیے جانے کے لائق ہے ہر مسلمان عام اس سے کہ عربی دان ہو یا جاہل، سمجھ سکتا ہو یا نہ سمجھ سکتا ہو اس کیلئے محض قرآن کی تلاوت ہی باعث ثواب اور موجب نجات ہے۔ جو لوگ بہ سبب اُمّی محض ہونے کے پڑھ نہیں سکتے وہ دوسروں سے پڑھوا کر سنتے ہیں۔

دنیا کے پڑھنے پڑھانے کا یہ طریقہ دنیا کے کسی مذہب میں پایا نہیں جاتا۔
مسلمانوں میں نماز تراویح سنت موکدہ ہے۔ یہ کل بیس رکعتیں ہیں جو رمضان شریف
کے مہینے میں روزانہ رات کے وقت پڑھی جاتی ہیں۔ رمضان بھر میں کم از کم ایک بار
تمام قرآن کا سننا ضرور ہے۔

تراویح کے لئے حافظ قرآن کا ہونا لابدی ہے اور حفاظ کا قاعدہ ہے بلکہ ان پر
واجب ہے کہ ہمیشہ قرآن کا دور کیا کریں اگر ایسا نہ کیا جائے تو بھول جانا لازمی ہے
اور قرآن کو یاد کرلنے کے بعد بھلا دینا گناہ ہے۔ ان دو مذکورہ وجہوں کے علاوہ
اور بھی وجوہ ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جس کثرت سے قرآن پڑھا پڑھایا جاتا ہے
اس کے برابر تو کیا اسکا عشر عشیر بھی کوئی دوسری آسمانی یا غیر آسمانی کتاب نہیں
پڑھی جاتی یہی سبب ہے کہ اسکا نام رکھا گیا قرآن یعنی پڑھا گیا۔

امام جلال الدین سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ قرآن قرارت سے مشتق نہیں ہے بلکہ وہ
بذاتہ مستقل لفظ اور کتاب کا عَلَم ہے۔ قرآن کے معنی ہیں اصل پڑھنے کے لائق
چیز اور یہ نام بالکل اسم بامسمیٰ ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دینیات میں قرآن کے
ہوتے ہوئے کسی دوسری کتاب کے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے نہ کسی اور کتاب سے
عرفان الٰہی معلوم کرلنے کی حاجت۔

قرآن کے حقائق، معارف دینی اور اس کے اوّل واوّل مضامین پر غور کرو تو
دنیا بھر کی کتابیں ردّی نظر آئیں۔ اسکے فلسفہ حقہ اور حکمت روحانیہ کے سامنے تمام
فلاسفۂ قدیم وحکماء جدید کی حکمت، گپ سے زیادہ باوقعت نظر نہ آئے۔ تم
دیکھتے ہو کہ ہر دور کا فلسفہ دوسرے دور میں ردّی ہو جاتا ہے۔ کل جو باتیں یقینیات
میں شمار ہوتی تھی آج اسکول کے نوآموز بچے تک مضحکے اڑاتے ہیں مگر قرآن کے
فلسفہ حقیقیہ اور حکمت الٰہیہ پر نظر کرو کہ باوجود تیرہ سو برس گذر جانے کے اور باوصف

فلسفہ کے اسقدر ترقی کر جانے کے اسکا ایک شوشہ بھی نہ بدل سکا اور نہ انشاءاللہ تعالےٰ کبھی قیامت تک بدل سکیگا۔

اللہ اکبر۔ قرآن ہی وہ سچی کتاب ہے جس نے دنیا میں پہونچتے ہی توحید و معارف کا ڈنکا بجایا جسکی صدا کرۂ ہوا میں آجتک اسی آب و تاب کے ساتھ گونج رہی ہے وہ تمام صداقتوں کی جڑ ہے۔ کوئی چھوٹی سی چھوٹی اور بڑی سی بڑی بات بھی معارف حقہ کی ایسی نہیں جو قرآن مقدس میں موجود نہ ہو۔ کوئی مفید علم دینی و دنیاوی ایسا نہیں جسپر قرآن حاوی نہ ہو۔ اسی سلئے تو یہ کتاب قرآن یعنی قراءت کے قابل اور تلاوت کی سزاوار ٹھیری بیشک جس شخص نے اس پاک کتاب کو نہیں پڑھا وہ سعادت ابدی کے اکتساب سے محروم رہا۔

(۲) قرآنِ عربی

جیسا کہ سورۂ یوسف میں ہے جہاں اللہ تعالی فرماتا ہے:۔

اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔	ہم نے اس قرآن کو زبان عربی میں اتارا تاکہ تم (عرب) لوگ سمجھ سکو۔

قرآن مجید عربی میں ہے اس کو "قرآن عربی" کہنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن بات یہ ہے کہ قرآن کی عربی خالص عربی ہے اور اس امتیاز کی وجہ سے جو کسی دوسری کتاب میں نہیں پایا جاتا قرآن عربی کہا گیا۔ یہ مرکب لفظ قرآن مجید میں چھ مقامات پر وارد ہوا ہے۔

(۳) قرآنِ مُبین

جیساکہ سورۂ یٰس میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ نے فرماتا ہے:۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ۔	یہ (قرآن) تو بس (نری) نصیحت ہے اور روشن قرآن یعنی حق کو باطل سے جدا کرنے والا اور کھول کھول کر بیان کرنیوالا

یہ لفظ قرآن مجید میں دو جگہ آیا ہے ایک سورۂ ابراہیم میں ، دوسرے سورۂ یٰس میں۔

قُرْاٰنٌ عَظِيْمٌ (۴)

جیساکہ سورۃ الحجر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ	اور ہمنے تمکو (سورۂ فاتحہ کی) سات آیتیں عطا فرمائیں جو (نماز کی ہر رکعت میں) مکرر پڑھی جاتی ہیں اور ہم نے تمکو بڑا قرآن عنایت کیا۔

چونکہ عظمت وتقدس میں قرآن ، آسمانی وغیر آسمانی تمام دوسری کتابوں سے اعلیٰ وبہتر ہے اس لئے قرآن عظیم فرمایا۔ بڑے ہونے سے ضخامت مراد نہیں ہے بلکہ علوشان مقصود ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں ایک ہی جگہ وارد ہے

قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ (۵)

جیساکہ سورۃ البروج میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ	ان کے جھٹلانے سے ہوتا ہی کیا ہے

لوحِ محفوظ — یہ کچھ ایسی ویسی باتیں تو ہیں نہیں، بلکہ یہ قرآن بڑے رتبہ کا قرآن ہے جو لوحِ محفوظ میں موجود ہے

جو قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا وہی بلاکم وکاست اسوقت بھی ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔ نہ کہیں ایک حرف کی زیادتی ہوئی ہے نہ ایک نقطہ کی کمی ہوئی ہے قرآن کی یہ صحت ایسی بدیہی اور متواتر ہے جس سے انکار کرنا بدیہیات سے انکار کرنا ہے صحت کا یہ مرتبہ دوسری کتابوں کو تو کیا، توریت وانجیل کو بھی حاصل نہیں بلکہ اس بارہ میں توریت وانجیل کو قرآن مجید سے وہی نسبت ہے جو نسبت ذرہ کو آفتاب سے ہے۔

اس مرتبۂ صحت اور دوسری صفات عالیہ وخاصہ کی وجہ سے مجید کہا گیا۔

یہ لفظ قرآن مجید میں دو ہی مقام پر آیا ہے ایک سورۂ ق میں دوسرے سورۃ البروج میں۔

(٦)
قرآنِ کریم

جیساکہ سورۃ الواقعہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِىْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔	یہ قرآن بڑی قدر ومنزلت کا قرآن ہے جو ایک پوشیدہ کتاب میں موجود ہے پاک نفوس کے سوا کوئی اسکو ہاتھ نہیں لگاتا اور اسی کی نقل یہ قرآن ہے جو پروردگار عالم کی طرف سے (پیغمبر آخر الزماں پر) نازل ہوا ہے۔

لایمسّہٗ الا المطہرون کی تفسیر میں علمار کے دو گروہ ہو گئے ہیں۔ ایک وہ جو لایمسّہٗ کی ضمیرہ کا مرجع کتاب مکنون کو قرار دیتے ہیں تو ان کے نزدیک مطہرون سے مراد فرشتے ہوں گے یعنی جس کتاب میں قرآن لکھا ہوا ہے اسکو فرشتوں کے سوا کوئی دوسرا ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ دوسرے وہ جو لایمسّہٗ کی ہا کا مرجع قرآن کریم کو ٹھیراتے ہیں تو مطہرون سے مراد صاحب طہارت مسلمان ہونگے یعنی قرآن کو اُن مسلمانوں کے سوا جو باوضو اور طہارت والے ہیں کوئی دوسرا نہیں چھوتا۔ احادیث میں بھی بلا وضو قرآن کے چھونے اور پڑھنے کو ناپسندیدہ اور نجس کو چھونے کی ممانعت کی گئی ہے ہمارے نزدیک پہلا مسلک صحیح ہے۔ لایمسّہٗ الا المطہرون کو اگر قرآن کریم کی صفت قرار دیں تو خالی از اشکال نہیں ہے۔ اس لئے کہ لایمسّہٗ اخبار ہے نہ انشار اور اخبار بلا تاویل مجہود صحیح نہیں اس لئے کہ غیر مطہر بھی قرآن کو مس کرتے ہیں حدیث کا حکم صحت اخبار کا ذریعہ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اکثر مسلمان حدیث کے خلاف عمل کرتے ہیں اور مطابع میں تو بہت ہی بے پروائی برتی جاتی ہے۔ اسکے علاوہ بعض آئمہ و علمار تو بلا طہارت پڑھنا اور چھونا جائز قرار دیتے ہیں۔

اگر لایمسّہٗ الا المطہرون کو کتاب مکنون کی صفت قرار دیں تو کوئی اشکال لازم نہیں آتا پھر وہ قریب بھی ہے اور کرامت یہ ہے کہ قرآن کتاب مکنون میں ہے جہاں سوائے فرشتوں کے کوئی نہیں پہونچ سکتا اور نہ کوئی اُس میں ردّ و بدل یا محو و اثبات کر سکتا آیت مابعد "تنزیل" "من رب العالمین" اس معنی پر واضح قرینہ ہے یعنی یہ قرآن کریم ایسی کتاب مکنون میں ہے جہاں سوائے فرشتوں کے کسی کا گذر نہیں ہے جہاں سے خداوند کریم اپنے بندوں پر نازل کرتا ہے پس ہرگاہ وہ ایک پوشیدہ کتاب میں ہے جہاں فرشتوں کے سوا کوئی نہیں جا سکتا تو اُس پر اطلاع حاصل کرنے کا سوائے اس کے کیا ذریعہ ہے کہ خدا

خود ہی اسکو بندوں پر نازل کرے یہ لفظ قرآن میں ایک ہی جگہ ہے۔

(۷) قرآنِ حکیم

جیسا کہ سورۂ یٰس میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ۔

قرآن کی قسم جس میں (سرتاسر) دانائی کی باتیں ہیں کہ (اے محمدؐ) کچھ شک نہیں کہ تم پیغمبروں میں سے ہو۔

اللہ تعالےٰ بلا شک حکیم مطلق ہے۔ قرآن۔ اُس کا کلام مقدس ہے حکیم کا کلام حکمت سے خالی ہو، یہ کیونکر ممکن ہے! اس کا سرتاسر پراز حکمت ہونا یقینی بات ہے اور اسی سے لئے قرآن کو حکیم کا ممتاز وصف دیا گیا۔ یہ لفظ قرآن میں ایک ہی جگہ ہے۔

(۸) قرآنِ عجب

جیسا کہ سورۃ الجن میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ۔

اے پیغمبر کہدو کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنات میں سے کچھ لوگوں نے (مجھے قرآن پڑھتے سنا) اور (اپنے لوگوں سے جاکر) کہا کہ ہم نے عجیب طرح کا قرآن سنا جو نیک راہ دکھاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے

قرآن کو قرآن عجب کہنے کے بہت سے وجوہ ہیں جن میں سے بخوف طوالت

ہم صرف دو عمدہ وجوہ کو اس موقع پر بالاختصار لکھتے ہیں۔

(پہلی وجہ) قرآن بوجہ اپنی غیر معمولی فصاحت و بلاغت اور خلاف عادت سلاست و روانی کے بلاشک کلام عجیب اور کتاب غریب ہے۔

کیا یہ عجیب و غریب بات نہیں ہے کہ جس زمانہ میں اہل عرب کو اپنی فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی پر غرہ و ناز تھا، عین ایسے وقت میں قرآن نے اتر کر دعوے کیا کہ میں قادر مطلق کا کلام ہوں اور اگر اے فصحائے عرب! تم کو میرے دعوے میں شبہ ہے تو تم میری جیسی ایک ہی سورت بنا لاؤ لیکن مغرور طلاقت لسانان عرب قرآن کا مقابلہ تو کیا کرتے دریائے حیرت میں غوطے کھانے اور قرآن کی فصاحت پر عش عش کرنے لگے اور آخرکار سب نے میدان مقابلہ میں ہتھیار ڈالکر اعتراف کیا کہ بے شک اے قرآن! تو اُسی ذات واحد بےمثل کا کلام ہے جو تمام عالم کا خالق ہے اور تیرے مثل ایک سورت بنانے سے بھی ہم عاجز ہیں نزول قرآن کو تیرہ سو برس گذر گئے۔ اس کا دعوے اُسی زور و شور کے ساتھ قائم ہے مگر آجتک کسی کو یہ جرأت نہ ہوی جو قرآن کے مثل ایک سورہ بھی بناکر پیش کر دیتا۔

اے منصف انسان بلا اے سرکش نفس! ذرا انصاف سے کہنا کیا یہ عجائب غرائب بات نہیں ہے کیا تو اب بھی قرآن کے قرآن عجب اور کلام الٰہی ہونے میں شک کرتا ہے!

(دوسری وجہ) نزول قرآن سے غرض صرف ہدایت خلق اللہ ہے اسلئے وہ صرف احکام ضروری اور وعد و وعید اور پند و نصائح پر جسکے پیرائے مختلف ہیں مشتمل ہیں مگر علوم و فنون حقہ کے لئے ایک عظیم الشان ذخیرہ ہے سبحانہ جلت کبریاءہ۔ قرآن کے علوم و فنون اور صنائع بدائع کی بحث انشاء اللہ تعالیٰ

کسی ثبوت میں آئے گی۔

(۹) کتاب اللہ

جیسا کہ سورۂ فاطر میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰہِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً یَّرْجُوْنَ تِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ۔

جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دے رکھا ہے اُس میں سے چھپا کر اور کھلے طور پر خرچ کرتے ہیں بیشک وہ ایسے بیوپار کی آس لگائے بیٹھے ہیں جس میں کبھی گھاٹا ہو نہیں سکتا۔

بلاشک قرآن کے کتاب اللہ ہونے میں ہم مسلمانوں کو تو ذرا بھی شبہ نہیں ہے بلکہ بہت سے انصاف پسند علمائے نصاریٰ نے بھی اسکی تعلیم اور بدیہی دلائل کو دیکھکر بیچون و چرا تسلیم کیا اور اپنی تصنیفات میں کھلے الفاظ سے اقرار کیا کہ قرآن مجید بلاشبہ کتاب اللہ ہے چنانچہ پادری رامچندر جی نے اپنی کتاب "ابطال اعجاز قرآن" میں۔ علامہ ریورنڈ سیل فیلو آف مدراس یونیورسٹی نے اپنی کتاب "ہسٹاریکل ڈیولپمنٹ آف دی قرآن دفیتھ آف اسلام" میں۔ ڈاکٹر راڈویل نے اپنے دیباچہ ترجمہ قرآن میں۔ ڈاکٹر نیکلس پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی نے اپنی کتاب "لٹری ہسٹری آف دی عریبا" قرآن چاپٹر میں۔ علامہ ڈی ٹامس فرانسیسی نے اپنی کتاب "قرآن اینڈ اسلام میں، ڈاکٹر وان کریمر جرمنی نے اپنی کتاب ہسٹری آف اسلام قرآن چاپٹر میں۔ ڈاکٹر مگسٹالی بان فرانسیسی نے اپنی کتاب "لاسیوی لیزیشن آف دی عرب قرآن چاپٹر" (تمدن عرب مترجم) میں ڈاکٹر گیلی

سے نے اپنی کتاب محمڈن اینڈ محمڈنزم میں اور علامہ نولڈیے نے اپنی کتاب "عشنختی آف دی قرآن" میں اور ان کے علاوہ اور بہت سے کثیر التعداد علمائے مخالفین اسلام نے اپنی اپنی بیش بہا تصانیف میں باوجود تعصب کے قرآن کے اعجاز اور کلام الٰہی ہونے کا اقرار کیا ہے اور میں تو کہتا ہوں کہ اگر آنکھوں سے تعصب کی پٹی دور کر کے انصاف و حق جوئی کی نظر ڈالی جائے تو دنیا کی کوئی قوم قرآن کے کتاب اللہ ہونے سے انکار نہیں کر سکتی۔

کتاب اللہ کا لفظ قرآن مجید میں پانچ مقامات پر آیا ہے۔

قرآن مجید میں کتاب اور الکتاب کے ساتھ بھی اسکا ذکر آیا ہے مثلاً شروع سورۂ بقر میں فرمایا۔ ذَالِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ کتاب کا لفظ یوں تو قرآن مجید میں بہت کثرت سے آیا ہے مگر قرآن کے معنی میں یہ لفظ اکہتر ۷۱ مقامات پر وارد ہوا ہے تینتیس (۳۳) مقامات پر الکتاب یعنی معرف باللام ہے۔ تیرہ مقامات پر صرف کتاب بغیر الف لام کے نکرہ واقع ہوا ہے۔ چھ جگہ اضافت کے ساتھ ہے اور انیس مقامات پر موصوف ہے۔

کتاب لفظ عام المعنی ہے اسلئے علی الظاہر اسکو نام قرار دینا مستبعد ہے مگر چونکہ قرآن اشرف الکتب ہے اور ہر کلی سے علی الاولیۃ والاولویۃ فرد کامل مراد لیا جاتا ہے۔ اس لئے کتاب سے قرآن مقصود ہو سکتا ہے اور اسی اعتبار سے اسکو قرآن کا نام بھی کہہ سکتے ہیں۔

(۱۰)
کتابِ رَبّ

جیسا کہ سورۃ الکہف میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاتْلُ مَا أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ۔	اور اے پیغمبر! تمھارے پروردگار کی کتاب جو وحی کے ذریعہ سے تم پر نازل ہوئی ہے اسکو پڑھتے رہو۔ کوئی اسکی باتونکو بدل نہیں سکتا۔

یہ مرکب لفظ قرآن میں اسی ایک مقام پر آیا ہے۔

(۱۱)
کتابِ حکیم

جیساکہ سورۂ یونس میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ۔	یہ ایسی کتاب کی آیتیں ہیں جس میں بڑی بڑی حکمت کی باتیں ہیں۔

حکیم کی وجہ تسمیہ قرآن حکیم کے عنوان میں گذر چکی ہے۔ کتاب حکیم کا لفظ قرآن میں دو جگہ آیا ہے۔

(۱۲)
کتابِ مُبین

جیساکہ سورۃ النمل میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

تِلْكَ آيَاتُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُّبِينٍ	یہ آیتیں ہیں قرآن اور کتاب روشن کی۔

ایسی ہی ایک آیت سورۂ یوسف کے شروع میں ہے جہاں الکتاب المبین فرمایا ہے

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ	یہ آیتیں ہیں کتاب واضح کی۔

قرآن مجید کو کتاب واضح یا روشن کہنا بہت ہی صحیح اور مطابق واقع ہے۔ قرآن

ایسی قوم میں اترا تھا جس کے اکثر افراد اُمّی یا اونٹ کے چرانے والے بدوی تھے ان کی ہدایت کے لئے ایسی ہی واضح کتاب درکار تھی جسکی روشنی سے وہ سب مستفید ہوسکیں۔ قرآن اپنی فصاحت وسلاست کی وجہ سے اعلیٰ وادنیٰ دونوں کے لئے یکساں مفید ہے۔ اُمّی وبدوی تو اسکے واضح آیات سے فائدہ اٹھاکر خوش ہوتا ہے اور اعلیٰ طبقہ کے لوگ اس کے نکات ولطائف سے جو اس میں مرموز ہیں محفوظ ہوتے ہیں۔

گو اس کا سہل ہے اور اس کے اندر دقیق مسائل منطوی ہیں۔ جسقدر اسکو باریک نظر سے دیکھا جائے نکات بدیعہ ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ کلام الٰہی ہونے کی یہ ایک کافی دلیل ہے۔ قرآن مجید میں کتاب مبین چھ جگہ اور الکتاب المبین پانچ جگہ آیا ہے۔

(۱۳) کتابٌ مبارکٌ

جیسا کہ سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

هٰذَا الْكِتَابُ اَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔	یہ کتاب (یعنی کتاب قرآن) ہم ہی نے اسکو اُتارا ہے برکت والی کتاب ہے تو اسی پر چلو اور ڈرتے رہو عجب نہیں کہ تم پر رحم کیا جائے

ف

بھلا جس کتاب کا مصنف خود اللہ تعالیٰ ہو، اس کے مبارک اور بابرکت ہونے میں کسکو کلام ہوسکتا ہے؟ اور وہ کیوں نہ مبارک ہو کہ اس پر عمل کرنا اور اس کے احکام کے مطابق چلنا موجب فلاح دنیا اور باعث نجات اُخروی ہے۔

اب اس سے بڑھکر برکت کیا ہو سکتی ہے!

کتاب مبارک کا لفظ قرآن مجید میں تین مقام پر آیا ہے۔ ایک سورۂ انعام کے ع۱۱ میں دوسرے ع۱۹ میں تیسرے سورہ ص کے ع۳ میں

(۱۴) کِتَابٌ مُّتَشَابِهٌ

جیسا کہ سورۃ الزمر میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا۔	اللہ نے بہت ہی اچھا کلام (یعنی یہ) کتاب اُتاری جسکی باتیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔

ف

قرآن کو کتاب متشابہ اس لئے فرمایا کہ اس کی آیتیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں اور اسی تشابہ کی وجہ سے حفاظ اکثر مغالطہ میں پڑتے ہیں۔ یہ لفظ قرآن میں دو جگہ آیا ہے۔ ایک سورۃ الزمر میں دوسرے شروع سورۂ آل عمران میں۔

(۱۵) کِتَابٌ عَزِیْزٌ

جیسا کہ سورہ حم السجدہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَاِنَّهٗ لَكِتَابٌ عَزِيْزٌ۔	اور یہ (قرآن) تو بڑے پایہ کی معزز کتاب ہے

قرآن مجید کی ظاہری عزت تو یہ ہے کہ کوئی مسلمان بغیر طہارت کے اسکو ہاتھ لگانیکی جراءت نہیں کرتا۔ باطنی عزت یہ ہے کہ وہ اہل اسلام کا عین دین و ایمان ہے اس میں

اب تک کوئی تحریف و تبدیل نہیں ہوئی - یہ لفظ قرآن مجید میں اسی ایک مقام پہ وارد ہوا ہے -

(١٦)
کِتَابٌ مَّسْطُوْرٌ

جیساکہ سورۃ الطور میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ -	ہمکو طور (پہاڑ) کی قسم اور کتاب (لوح محفوظ) کی قسم جو چوڑے چکلے کاغذوں پر لکھی ہوئی ہے

ف

کتاب کی ایک توجیہہ تو وہ ہے جو ہم نے ترجمہ میں اختیار کی ہے تو اسکا چوڑے چکلے کاغذوں پر لکھا ہونا اُسکی جامعیت کے اعتبار سے ہے کہ اس سے کوئی بات متروک نہیں ہوئی - بعض مفسروں نے کتاب کو لوگونکا نامہ اعمال سمجھا اور شاید عام کتاب مراد ہو جو اکثر چوڑے چکلے کاغذوں پر لکھی جاتی ہے (حاشیہ مولوی نذیر احمد دہلوی بر ترجمہ قرآن)

مولوی نذیر احمد دہلوی ''کتاب مسطور سے لوح محفوظ کو مراد لیتے ہیں جیساکہ اُنکے ترجمہ سے ظاہر ہے لیکن ہماری رائے میں یہ درست نہیں ہے -

اوّلاً :- اسوجہ سے کہ لوح محفوظ واقعی کوئی کتاب مکتوب یا زمرد و زبرجد کی تختی یا درحقیقت کوئی رجسٹر نہیں ہے جیساکہ عامی لوگونکا خیال ہے - لوح محفوظ دراصل علم الٰہی سے عبارت ہے کہ اس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے - قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے بھی ایسا ہی مستنبط ہوتا ہے اور یہی مطابق عقل ہے -

ثانیاً :- اس وجہ سے کہ لوح محفوظ کا چوڑے چکلے کاغذوں پہ مکتوب ہونا

ایسا قیاس محض ہے جو نہ قرآن شریف سے ثابت ہے نہ حدیثوں میں کہیں اسکا نشان ہے نہ عقل سلیم اس سے اتفاق کرتی ہے۔

ثالثاً:۔ اسوجہہ سے کہ مترجم نے جو توجیہہ کی ہے کہ لوح محفوظ کا چوڑے چکلے کاغذوں پر ہونا اُس کی جامعیت کے اعتبار سے ہے کہ اس سے کوئی بات متروک نہیں ہوئی" محض ایک من گھڑت قیاس ہے جسکا شریعت میں کوئی اثر نہیں اور توجیہہ بھی بہت رکیک و کمزور ہے۔ کتاب سے لوگوں کا نامۂ اعمال مراد لینا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ بھی تاویل بعید ہے۔ پھر عام کتاب بھی مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ عام کتاب مراد ہونے کے لئے کوئی شہادت عادلہ چاہیئے ایسے مواقع پر محض عقل و قیاس سے کام لینا معتبر نہیں ہو سکتا نہ عام کتابوں کی قسم کوئی ایسی موقر بات ہے۔

ہم تو ایسا سمجھتے ہیں کتاب مسطور سے یہی ہمارا قرآن مراد ہے اور اسی پُر عظمت کتاب کی اُس ذات عدیم المثال نے قسم کھائی ہے جیساکہ سورۂ لقمان وغیرہ میں کتاب حکیم اور قرآن مبین وغیرہ کی قسم کھائی گئی ہے۔ باقی رہا کتاب کا چوڑے چکلے کاغذوں کی ہونا وہ برابر مشاہد ہے۔ اب بھی ہزاروں قرآن مجید چوڑے چکلے کاغذوں پر لکھے نظر آتے ہیں منجملہ ان کے آگرہ اکبرآباد کا مطبوعہ قرآن ہم نے دیکھا ہے جو مکمل ہیں روپے میں ہدیہ ہوتا ہے اور اتنا ضخیم و عظیم القامۃ ہے کہ ایک آدمی پوری کتاب کو اٹھا نہیں سکتا۔ لغت میں "رق" کے معنی پوست کے ہیں۔ چونکہ پیغمبر خدا کے عہد میں قرآن کی سورتیں چمڑوں وغیرہ پر ہی لکھی جاتی تھیں اس لئے اسکو رق منشور کہنا بھی بہت صحیح ہوا۔

(۱۷) ھُدًی

جیساکہ شروع سورۃ البقرہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔	یہ وہ کتاب ہے جس (کے کلام آلہی ہونے) میں کچھ بھی شک نہیں ہے (اور) پرہیزگاروں کے لئے رہنما ہے۔

ف

ہدی اور ہدایت کے معنی ہیں راہ دکھانا۔ اور راہ دکھانا دو طرح پر ہے۔ ایک تو صرف راستہ بتا دینا۔ دوسرے راستہ بتاتے ہوئے منزل مقصود تک پہونچا دینا۔ اس آیت میں دوسرے معنی مراد ہیں اس لئے کہ ایسے پرہیزگار جو غیب پر ایمان لائیں، پابندی سے نماز پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کریں، کتب منزلہ پر ایمان لائیں اور قیامت کا یقین رکھیں وہ صراط مستقیم تو گویا دیکھے ہوئے ہیں۔ اب اس کے بعد اُن کے لئے حالت منتظرہ ہی کیا باقی ہے سوائے اسکے کہ وہ منزل مقصود تک پہونچ جائیں چنانچہ اسی سلسلۂ نظم کی آیۃ اُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ نے اس معنی کی صراحت کر دی ہے اس لئے کہ کامیابی منزل مقصود تک پہونچ جانے ہی میں ہے۔

اس بیان سے مبرہن ہوگا کہ مولوی نذیر احمد دہلوی کی یہ تشریح کہ "اس سے پرہیزگاروں کو زیادہ ہدایت ہوتی ہے یا جن میں پرہیزگاری کی صلاحیت ہے ان کے لئے وہ رہنما ہے" نادرست ہے اللہ تعالےٰ نے اسی سورہ میں آگے چلکر جو فرمایا ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ	رمضان کا مہینا ہے جس میں خدا کی طرف سے قرآن لوگوں کی رہنمائی کے لئے نازل کیا گیا ہے۔

وہاں ہدی سے راہ حق دکھانا مقصود ہے نہ منزل مقصود تک پہونچا دینا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ یہی راہ نمائی موصل الی المقصود ہو جائے پس چونکہ یہاں راہ حق دکھانا

مقصود تھا اس لئے للناس کہا کیونکہ تمام خلق کے لئے یہ موصل الی المطلوب نہیں ہے
ہدی مصدر ہے آیت اولیٰ میں بمعنی اسم فاعل یعنی ہادی آیا ہے مبالغۃً اور آیت
ثانیہ میں بمعنی مصدری ہے۔

قرآن مجید میں ہدیٰ کا لفظ بہت کثرت سے ہے مگر قرآن پر اس کا اطلاق
اٹھارہ مقامات پر ہوا ہے۔

(۱۸)
اَلْهُدٰی

جیسا کہ سورۃ النجم میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰی۔	اور ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس ہدایت (یعنی قرآن) بھی آچکی۔

ف

یہاں ہدیٰ بمعنی مصدری ہدایت ہے۔ چونکہ قرآن سرتاسر ہدایت ہے اسلئے
یہی اسکا وصف ہوگیا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مبالغۃً ہدیٰ سے ہادی مراد ہو۔
الہدیٰ بمعنی قرآن نو (۹) مقامات پر وارد ہوا ہے۔

(۱۹)
هُدَی اللّٰهِ

جیسا کہ سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔	یہ اللہ کی ہدایت ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتا ہے اس کے ذریعے سے ہدایت دیتا ہے۔

ف

ہدیٰ اللہ کے معنی اللہ کی ہدایت اور قرآن مجید بلاریب اللہ کی طرف سے مجسم ہدایت ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں دو جگہ وارد ہوا ہے ایک سورۃ الانعام میں دوسرے سورۃ الزمر میں۔

(۲۰)
رحمۃ

جیسا کہ سورۃ الاعراف میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَلَقَدْ جِئْنَاهُمْ بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۔	اور ہمنے اُن کو قرآن پہونچا دیا سمجھ بوجھکر اسمیں ہر طرحکی تفصیل بھی کردی (اور وہ) ایمان والوں کے حق میں ہدایت اور رحمت ہے

ف

قرآن کا رحمت ہونا تو ظاہر ہے کہ وہ ہمکو راہ مستقیم دکھا کر جنت تک پہونچانا چاہتا ہے اور ایسی باتیں سکھاتا ہے کہ اس پر عمل کریں تو حسن آخرت کے ساتھ دنیا بھی خوشی اور عزت میں گذرے قرآن کی معنی میں "رحمۃ" کا لفظ قرآن مجید میں تیرہ جگہ وارد ہوا ہے۔

(۲۱)
بشریٰ

جیسا کہ سورۃ النمل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

تِلْكَ آيَاتُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُبِينٍ هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۔	یہ آیات، قرآن اور کتاب روشن کی ایمان والوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہیں

خوشخبری یہ ہے کہ قرآن کی تبعیت کرنے والے دنیا میں حرمت اور راحت کے ساتھ رہیں اور آخرت میں داخل جنت ہوں۔ قرآن میں بشریٰ کا لفظ بمعنی قرآن سات جگہ پر آیا ہے۔

(۲۲)

شفاءٌ

جیسا کہ سورۂ یونس میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ۔

لوگو! تمھارے پروردگار کی طرف سے آئی تمھارے پاس نصیحت اور امراض قلبی کی دوا، اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے

ف

یہاں قرآن کی چار صفتیں بیان کی گئی ہیں۔ موعظت۔ شفاء الصدور۔ ہدیٰ اور رحمت موعظت یعنی نصیحت حسنات کے اختیار کرنے اور سیئات سے بچنے کے لئے ہے خواہ وہ شخص جسکو نصیحت کی گئی ہے اسکو قبول کرے یا نہ کرے۔
شفاء قلبی امراض کے دوا کرنے کے لئے ہے جیسے بغض، عداوت، حرص، طمع، نفاق، کبر، کفر، شرک وغیرہ ہے پس شفا اسی وقت متحقق ہوگی جب مرض دور ہو جائے ورنہ شفا نہیں ہے۔ ہدیٰ دین کا سیدھا رستہ دکھانا ہے جو احکام شرعیہ سے متعلق ہے اور رحمت فلاح دین و دنیا ہے۔ پس موعظت عام ہے جس میں امور دین و دنیا دونوں داخل ہیں اور شفاء خاص ہے امراض قلبی سے اور ہدیٰ دین کا سیدھا رستہ بتاتا ہے جسکا تعلق ظاہر احکام شرعیہ سے ہے مثلاً کوئی شخص ظاہر احکام شرع کا پابند ہو اور اسکے دل میں کچھ شکوک وغیرہ بھی ہوں تو بنائے

علی الظاہر اس کو مومن کہا جائے گا پھر رحمت جو فلاح دین و دنیا ہے اقصی الکمال ہے یعنی جو شخص اس رحمت سے پوری طرح مستفید ہو اوہ ظاہراً باطناً انتہائے کمال کو پہونچ گیا مومن کامل مصداق ان چاروں امور کا ہے لیکن ان چاروں کا منشار معنی مختلف ہے مثلاً قرآن کے بعض مواعظ سے کوئی بہرہ مند ہو اور بعض امراض قلبی دور نہ ہوں یا احکام شرعیہ کا پابند ہو جسکی بنار پر اسکو مومن کہا جائے مگر بعض امراض قلبی باقی ہوں یا بعض مواعظ کا وہ کسی وجہہ سے پابند نہ ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ شفار کو شفار روحانی کے معنی میں لینے سے کوئی نقصان لازم نہیں آتا اور نہ وہ قادح بلاغت ہو سکتا۔

شفار کو امراض جسمانی سے متعلق نہیں کر سکتے جیسا کہ جامع طب نبوی اور بعض دوسرے اہل علم کا خیال بھی ہے اس لئے کہ شفا مخصوص کر دی گئی ہے۔

"لما فی الصدور" سے جسکا محوی امراض قلبی ہے اور جس کا ذکر قرآن میں جابجا مختلف طور پر کیا گیا ہے (فی قلوبہم مرض وغیرہ) اور اس مرض سے وہ قلبی و روحانی امراض ہی مقصود ہیں جن کا سیاق کلام کا موقع وغیرہ مقتضی ہے۔

لما فی الصدور کا لفظ عام ہے یعنی صدر کے امراض روحانی اور جسمانی دونوں کو شامل ہو سکتا ہے لیکن امراض جسمانی مراد نہیں لئے جا سکتے اسلئے کہ اگر تمام امراض جسمانی مراد لئے جائیں تو وہ خلاف نص ہے۔ الفاظ میں جو منصوص ہے اس سے زائد معنی نہیں لیسکتے ورنہ بالبداہے زیادۃ علی القرآن لازم آئیگی۔ اور یہ بقاعدۂ اصول صحیح نہیں ہے۔ اور اگر صرف امراض جسمانی صدر مراد ہوں تو صفت قرآن ناقص رہتی ہے اسلئے کہ اطبا تو تمام امراض جسمانی کا علاج کریں اور قرآن کا اثر باوجود اپنی اس عظمت و حرمت کے صرف امراض جسمانی صدر کے لئے شفا ہو اور باقی اعضا کے علاج سے قاصر ہو اور جب کہ یہ مان لیا جائے کہ قرآن جسمانی

امراض کے لئے دوا ہی ہو تو سوائے امراض جسمانی صدر کے باقی اعضاء کے علاج سے قاصر رہنا بڑا نقص ہوگا۔

یہ خیال کہ جب قلب کے امراض روحانی وجسمانی کے لئے شفا ہو تو دوسرے امراض جسمانی کے لئے کیوں نہ شفا ہو کمزور خیال ہے کیونکہ اس صورت میں بالکل زبردستی لازم آتی ہے اور مجرد رائے وقیاس نہ صرف ناکافی بلکہ بالاثر ممنوع ہے اگر قرآن تمام امراض جسمانی وروحانی کے لئے علاج ہوتا تو البتہ نص میں اس کا کوئی منشاء ہوتا یا یہ کہا جاتا کہ "شفاء لما فی الصدور ولما دونہ" واذ لیس فلیس۔ قرآن کے نزول کی غایت کیا ہے! تعلیم توحید و اصلاح اخلاق بالمعنی الاعم۔ اگر اس سے امراض جسمانی کا علاج بھی مقصود ہوتا تو البتہ اس امر کی تصریح کی جاتی کہ کوئی آیت یا سورہ کسی مرض کے لئے مفید ہے کما قال اللہ تعالیٰ اِنَّ علینا بیانہ پھر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور ہوتا کہ اسکی تعلیم فرماتے۔ کیونکہ ہرگاہ یہ امر مقاصد قرآن میں داخل ہو تو بغیر اسکی تعلیم کے رسالت کی تکمیل نہیں ہو سکتی اگر یہ کہا جائے کہ علاج امراض جسمانی قرآن کے مقاصد میں داخل نہیں ہے بلکہ بالعرض و بالتبع یہ غرض اس سے حاصل ہوتی ہے تو اولاً اس امر کے اثبات کے لئے بینۂ شرعیہ درکار ہے، دوسرے یہ کہ اگر ایسا ہوتا تو پیغمبر صلعم ضرور نقوش قرآنیہ سے علاج فرمایا کرتے حالانکہ اس کے متعلق ایک اثر بھی موجود نہیں ہے بلکہ خیر القرون میں بھی اسکا وجود شیوع پایا نہیں جاتا۔ البتہ تین سو برس کے بعد گنڈہ تعویذ کا نشو و نما ہوا ہے پس اس سے تو اس کا بدعت ہونا ثابت ہوا "ماھو شفاء ورحمۃ للمومنین" یہ شفا ایک صلہ کو چاہتا ہے جیسا رحمت کے لئے مومنین ہے پس اگر للمومنین کو شفاء سے متعلق نکریں تو بڑے بلاغت ضرور ہے کہ اس کے بعد اس کا کوئی صلہ مثلاً للناس مذکور ہو کیونکہ ایسا نکرنے کی

صورت میں کوئی امر اس کا مانع نہیں ہے کہ اس سے للمومنین کو متعلق کریں۔ نیز دیکھیے ایسا مقصود نہ ہو کلام خلاف مقصود ہوگا جو خلاف بلاغت ہے۔

بالفرض اس کو مطلق رکھا جائے تو لازم آئیگا کہ قرآن کے نقوش ہر کافر و مسلمان کے امراض کے لیئے علاج ہوں حالانکہ اسی آیت کے آخر میں ہے وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا جس کے معنی یہ ہوئے کہ مومنین کے لئے تو شفا و رحمت ہے اور کفار کے لیے خسران پس اب سوا اس کے کوئی چارہ نہیں کہ للمومنین کو شفا و رحمت دونوں سے متعلق کریں۔

اگر شفا سے مومنین کی روحانی و جسمانی دونوں شفائیں مراد لی جائیں تو بھی خالی از اشکال نہیں کیونکہ ایک ہی حکم جب ایک جگہ مطلق اور دوسری جگہ مقید ہو تو بقاعدہ اصول، مطلق میں بھی وہی قید معتبر ہوگی جو مقید میں ہے تو اگر یہاں مومنین کے لئے شفا مطلق بھی ہو تو لما فی الصدور کی قید یہاں بھی معتبر ہوگی اور پھر اطلاق باقی نہ رہیگا۔

طب نبوی کے مولف نے نقوش قرآنیہ کے با اثر اور شفا ہونے پر ایک یہ دلیل عقلی بھی قائم کی ہے کہ گالی محرک غضب ہے اور جب گالی کے کلمات میں اثر ہے تو کلام الٰہی میں بالضرور بہت زیادہ اثر ہونا چاہیئے"۔

یہ دلیل محض ایک وسوسہ ہے اس لئے کہ اگر گالی کا کلمہ بالذات موثر ہے تو چاہیئے کہ ہر جگہ موثر ہو جیسا کہ کہیا ہر جگہ موثر ہوتی ہے مگر ایسا نہیں ہے۔ جب ایسے شخص کو گالی دیجائے جو زبان نہیں جانتا تو اس پر کچھ بھی گالی کا اثر نہیں ہوتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اثر کیلئے سمجھنا شرط ہے تو ارانل پر جو رات دن گالی کھایا کرتے ہیں کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اگر بذاتہ گالی میں اثر ہوتا تو ناممکن ہے کہ اس کا اثر ظاہر نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ گالی میں بذاتہ کچھ اثر نہیں ہے بلکہ موثر کوئی اور چیز ہے۔ گالی محض واسطہ ہے وہ بھی باتباع عرف مثلاً غیور آدمی گالی سے یہ سمجھتا ہے کہ اسکی آبرو کو جو محترم چیز ہے نقصان پونچایا گیا۔

اس لئے بغرض انتقام غضب کو التہاب ہوتا ہے اور گالی ہی پر کیا ہے کسی کی مذہبی معزز
چیز پر جو مار کہدینے کڑوی نظر سے متہور کو دیکھنے کسی کے ناموس میں دست اندازی
کرنے حتی کہ مزارع کے کھیت میں جہاں غلہ ہو گھوڑا دوڑانیسے غضب کی تحریک ہوتی
ہے حالانکہ یہ چیزیں بذاتہ موثر نہیں ہیں بلکہ یہ واسطہ ہیں توہین مذہب اذیت ہتک
ناموس اور نقصان مایہ وغیرہ کے اسی طرح اشعار جو حزن وفرح کے محرک ہوتے ہیں
وہ بھی واسطہ ہیں -

حقیقت میں وہ مضمون جس سے متعلق ہے اس کے صور قوت متخیلہ و وہمیہ میں متمثل
ہوتے ہیں اور نفس اس سے محزون یا متلذذ ہوتا ہے اور یہ آثار محض عرف کے تابع
ہیں دیکھو الو ہند میں منحوس سمجھا جاتا ہے کسی غیور آدمی کو الو کہدیا جائے تو وہ متاذی ہوتا
ہے بخلاف اس کے یورپ میں الو مسعود مبارک سمجھا جاتا ہے پس وہاں کسی کو الو کہنا
گویا اسکو مبارک و میمون کہنا ہے -

یہی حال تمام عرفی امور میں بحسب عرف دائر و سائر ہے - بہرکیف ان الفاظ میں بذاتہ کوئی
اثر نہیں ہے جیسا کہ سنکھیا ، نوشادر وانسا وغیرہ میں ہے -

ممکن ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ میں کوئی اس قسم کا معنوی اثر ہو مگر چونکہ اس بارہ میں کوئی
شرعی نص موجود نہیں ہے نہ اسکی تائید میں متواتر عمل خیر القرون پایا جاتا اس لیے مناسب
نہیں ہے کہ باتباع خواہشات نفسانی خواہ مخواہ کو کھینچ تان کر بطریق نامرضی کوئی اثر مفروض
ثابت کیا جائے یا ثابت کرنیکی کوشش کیجائے -

خواص سور جو بیان کئے جاتے ہیں انکی تمام حدیثیں موضوع ہیں الا ماشاء اللہ فلاسفہ
اور علت سے بحث کرنیوالے لوگ کلمات کی تاثیر معنوی کے قائل نہیں ہیں کیونکہ
نہ اس پر کوئی عقلی دلیل قائم ہے اور نہ ہو سکتی اور تجربیات شکوک سے خالی نہیں ہیں لیکن
بعض اوقات ہم تعویذ گنڈے اور پھونک جھاڑ کو موثر پاتے ہیں نیز اقوال سلف تو اعتبار

میں اس کثرت سے ہیں جن کا احصا اگر ناممکن نہیں تو دشوار دشوار تو بالضرور ہے
اتنے اقوال کثیرہ کو جن کے رواۃ میں بعض بعض صلحا بھی پائے جاتے ہیں ہم محض اختیار غلط
تصور نہیں کر سکتے درحالیکہ ہمارے بعض تجربیات بھی اس کے مؤید ہیں۔ علاوہ اس کے
سانپ بچھو کے منتر اور اس کے امثال دوسرے منتروں کو بھی کبھی صحیح یا با اثر دیکھا جاتا ہے
اور اس کے متعلق بھی روایات نامحصور ہیں الناس مشہور ہیں ان وجوہ سے عقل تجویز کرتی ہے
کہ کلمات میں ایک قسم کا اثر معنوی ضرور ہے خواہ یہ اثر تنہا کلمات کا ہو یا عامل کی قوت
روحانی کی مشارکت سے ہو۔

روح مجردات میں سے ہے اور بعد تزکیہ اسکی قوت بہت زبردست ہو جاتی ہے
اس لئے اسکی تاثیر معنوی میں کوئی شک نہیں ہے چنانچہ خود حکماء متقدمین میں ایک فرقہ
اشراقیین کا تھا جو قوت روحانی سے مسائل عویصہ کو حل کیا کرتے تھے اور صوفیہ کرام
اسی طاقت سے سلب امراض وغیرہ کرتے ہیں۔ مسمریزم اسی کا ایک شعبہ ہے جو فی الحال
لوگوں میں دائر و سائر ہے الحاصل جب عام کلمات میں تاثیرات معنوی مشاہد ہیں تو کوئی
وجہ نہیں کہ قرآن مجید میں جو کلام ربانی ہے اس سے مافوق تاثیرات کو باور نہ کریں مگر چونکہ
امور شرعیہ نصوص و آثار شرعیہ کے تابع ہیں اور نصوص و آثار میں اس قسم کے احکام مفصل
محکم و صاحت کیساتھ نہیں پائے جاتے اسلئے توقف کے سوا چارہ نہیں ہے۔ باقی رہا
مشاہدہ تو عامیوں کا مشاہدہ نتیجہ کلیہ کے استخراج کیلئے کافی نہیں ہے۔ مشاہدہ عارف
یا حکیم یا واقف علل و اسباب کا معتبر ہو سکتا ہے۔

(۲۳)

موعظۃ

جیسا کہ سورۃ النور میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ	مسلمانو ہم نے تمہارے پاس کھلے کھلے احکام اور حالات ان لوگوں کے جو تم سے پہلے ہو گذرے ہیں اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت بھیجی

ف

موعظة بمعنی قرآن پانچ مقامات پر وارد ہے۔ اس سے پہلے کی آیت میں بہت صاف وصریح ہے۔

(۲۴)

مُصَدِّق

جیسا کہ سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے :-

هٰذَا كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ۔	یہ قرآن کتاب (آسمانی) جسکو ہم نے اتارا ہے برکت والی (کتاب ہے اور) جو کتابیں اس سے پہلے کی ہیں ان کی تصدیق کرتی ہے

اس سے صاف وہ آیت ہے جو سورۃ النساء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ آمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ۔	ای اہل کتاب! ایمان لاؤ قرآن پر جسکو ہم نے نازل کیا ہے اور جو تصدیق کرتا ہے ان (کتابوں) کی، جو تمہارے پاس ہیں۔

ف ہم مسلمان چار فرقوں کو اہل کتاب مانتے ہیں۔ ایک داودی جن کے پیغمبر حضرت داؤد پر زبور نازل ہوئی مگر یہ فرقہ اب دنیا سے نابود ہو گیا ہے۔ دوسرے یہود کہ ان کے پیغمبر حضرت موسیٰ پر توراۃ نازل ہوئی۔ تیسرے عیسائی کہ ان کے پیغمبر حضرت عیسیٰ پر انجیل نازل ہوئی پھر آخر میں جو سب تھے ہم اہل اسلام کہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد

مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن شریف نازل ہوا اس کے بعد قیامت تک پیغمبری کا خاتمہ ہو گیا۔

ان میں سے یہودی، عیسائیوں کو نہیں مانتے۔ عیسائی ہم مسلمانوں کو نہیں مانتے اور ہم مسلمان ہیں کہ یہود اور عیسائی دونوں کو مانتے ہیں۔ کہ موسیٰ اور ان کی تورات اور عیسےٰ اور ان کی انجیل سب برحق ہیں موسیٰ اور عیسیٰ خدا کے پیغمبر۔ تورات و انجیل خدا کی منزل کتابیں ہیں۔

آیت میں جو اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اس سے اجمالی تصدیق مراد ہے مثلاً حضرت موسیٰ خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر تھے اور جیسے قرآن خدا کا کلام ہے تورات بھی منزل من اللہ ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگلی کتابیں جیسی کہ وہ اب ہیں شروع سے آخر تک بلا کم و کاست صحیح محفوظ ہیں۔ قرآن میں جا بجا اہل کتاب کو تحریف و تبدیل کا الزام بھی دیا گیا ہے تاہم جیسی اجمالی تصدیق ہے ویسا ہی ان کا اجمالی ادب بھی مسلمانوں کو ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ مصدق کا لفظ قرآن میں دس جگہ آیا ہے۔

(۲۵)

تصدیق

جیسا کہ سورۂ یونس میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ	یہ قرآن اس قسم کی کتاب نہیں کہ خدا کے سوا کوئی اسکو اپنی طرف سے بنا لایا ہے بلکہ یہ تصدیق ہے اس کتاب کی جو اس کے سامنے ہے (یعنی تورات و انجیل) اور تفصیل شریعت ہے

(کتب سابقہ) اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ (یہ) تمام عالم کے پروردگار کی طرف سے ہے	فِيهِ مِن رَّبِّ الْعَالَمِينَ

ف

یعنے قرآن مجید توراۃ و انجیل کے منزل من اللہ ہونے کی تصدیق ہے تصدیق قرآن میں دو جگہ آیا ہے۔

(۲۶) تفصیل الکتاب

یہ نام الٰہی اس سے اوپر والی آیت میں گذر چکا ہے قرآن اگلی کتابوں کے احکام کی تفصیل ہے اس سے مطلب یہ ہے کہ توراۃ و انجیل میں مجمل احکام ہیں اور نامکمل ہیں۔ قرآن نے ان احکام کی تفصیل و تکمیل کر دی۔

(۲۷) تفصیل (۱)

جیسا کہ سورۃ الرعد میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یہ (قرآن) کوئی بنائی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ وہ تصدیق کرتا ہے اس کتاب (یعنی توراۃ و انجیل) کی جو اس کے سامنے ہے اور اس میں ہر چیز کا تفصیلی بیان ہے	مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ

ف

ختم نبوت سے یہی مراد ہے کہ احکام الٰہی جو بندوں تک پہونچنے تھے پہونچ گئے۔ اور ان کی تفصیل و تکمیل ہو گئی اور چونکہ یہ امر قرآن سے اتمام کو پہونچا ہے اس لیے اسکا نام تفصیل ہوا۔ یہ نام قرآن بھر میں یہیں ایک جگہ آیا ہے۔

(۲۸) مُفَصَّل

جیساکہ سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ اِلَیْکُمُ الْکِتَابَ مُفَصَّلاً	وہ وہی (ذات پاک) ہے جس نے تم لوگوں کی طرف (یہ) کتاب بھیجی جو مفصل ہے یعنی جس مین بیان کردنی احکام کا کھلا کھلا بیان ہے۔

(۲۹) حق

جیساکہ سورۃ البقر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ	اور یہ (قرآن) سچا ہے (اور) جو کتاب ان (یہود و نصاریٰ) کے پاس ہے اسکی تصدیق بھی کرتا ہے

ف

مراد نفس الامری اور مطابق واقع ہونا حق ہے۔

قرآن مجید ابتداءً ایک بار رمضان میں حضرت سرور کائنات صلعم پر جملۃً واحدۃً نازل ہوا اس کے بعد (۲۳) سال تک نجماً نجماً نازل ہوتا رہا۔

اگر قرآن کسی انسان کا بنایا ہوا ہوتا تو عقل تجویز نہیں کرتی کہ اتنی مدت تک خیالات انسانی

یکساں رہیں۔ بچپن سے لیکر بڑھاپے تک انسانی خیالات میں بے انتہا ردوبدل ہوتا رہتا ہے پس اگر قرآن کسی انسان کا کلام ہوتا تو اس میں بھی خیالات مختلف ہوتے پر ہوتے جیسا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا۔

تو کیا یہ لوگ (قرآن کے مطالب) میں غور نہیں کرتے اور اگر قرآن خدا کے سوا کسی اور کے پاس سے آیا ہوتا تو ضرور اس میں بہت سے اختلاف پاتے۔

مگر وہ شروع سے آخر تک ایک نسق پر چلا جاتا ہے اور جو تعلیم مدنظر ہے وہ قرآن کی ہر جگہ سے یکساں جلوہ گر ہے۔ یہ اس کے کلام الہٰی ہونے اور برحق ہونیکی بڑی دلیل ہے اور اسی لیے اس کا نام حق ہے حق کا لفظ یوں تو قرآن میں ان گنت آیا ہے مگر قرآن کی صفت میں چھبیس مقامات پر واقع ہوا ہے۔

(۳۰)
آیاتُ اللہ

جیسا کہ سورہ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ۔

(اے پیغمبر!) یہ واقعی اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم (جبریل کی معرفت) تمکو پڑھ پڑھکر سناتے ہیں

ف

آیات اللہ کا لفظ قرآن مجید میں اس صفت کیساتھ سولہ جگہ آیا ہے۔

(۳۱)
آیاتٌ بیّناتٌ

جیساکہ سورۃ الحدید میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ	وہی خدا ہے جو اپنے بندے (محمدؐ) پر کھلی کھلی آیتیں نازل فرماتا ہے۔

ف یعنی قرآن کے احکام اور اوامر و نواہی بہت صاف و صریح ہیں۔ اُن میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔

(۳۲)

آیاتٌ مُبَیِّناتٌ

جیساکہ سورۃ النور میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ	اور ہم نے تمھارے پاس کھلے کھلے احکام بھیجے ہیں۔

ف

آیات بینات اور آیات مبینات دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ آیات بینات قرآن میں سات مقامات پر ہے اور آیات مبینات صرف دو جگہہ ہے۔

(۳۳)

عِلْمٌ

جیساکہ سورۃ البقرہ کے رکوع میں ہے جہان اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ	اور اگر تم اسکے بعد کہ تمھارے پاس علم یعنی قرآن آچکا ہے ان (یہود و نصاریٰ) کی خواہشوں پر چلے تو پھر تم کو خدا (کے غضب) سے

مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ | دیجانیوالا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار

ف قرآن کو علم اسواسطے کہا گیا کہ وہ بجائے خود ایک علم ہے یا اس لئے کہ وہ تمام علوم جمع کا سرچشمہ ہے یا اس لئے کہ علم کے معنی سمجھ کے بھی ہیں اور قرآن کے پڑھنے سے دنیا و آخرت کے سدھارنیکی سمجھ پیدا ہوتی ہے وغیرذلک

علم بمعنے قرآن چھ جگہ آیا ہے

۳۴

مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ

(وہ جو اللہ نے نازل فرمایا)

جیسا کہ سورہ لقمان میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:-

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَاءَنَا | اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (قرآن) جو خدا نے نازل کیا ہے اسکی پیروی کرو تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو اسی پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا۔

۳۵

مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ

(وہ جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا)

جیسا کہ سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالی فرماتا ہے:-

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا | دیہات کے لوگ کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور (جہالت کی وجہ سے) اسی لائق ہیں کہ

وَاَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوا حُدُوْدَ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ	اللہ نے جو اپنے رسول پر کتاب اتاری ہے اس کے احکام کو نہ سمجھیں۔

۳۶

مَا اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ

(وہ جو رسول کی طرف اتارا گیا)

جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰی اَعْیُنَھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ	اور جب سنا انہوں نے (قرآن کو) جو ہمارے رسول پر اتارا گیا ہے تو اے مخاطب تو انکی آنکھوں کو دیکھتا ہے کہ ان سے آنسو جاری ہیں۔

ف

جب کچھ مسلمان ہجرت کر کے مکہ معظمہ سے حبشہ چلے گئے تو کفار نے ان کی شکایت نجاشی بادشاہ سے کی جو مذہب کا عیسائی تھا۔ نجاشی نے مسلمانوں سے کچھ دریافت کیا اور جواب معقول پایا۔ پھر ان سے کچھ قرآن سنانے کی فرمایش کی اور انہوں نے سورۂ مریم سنائی تو اس پر نجاشی اور اس کے درباری سب رو پڑے۔

۳۷

مَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ

جیسا کہ سورۂ محمد میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّھُوَ الْحَقُّ	اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور ایمان لائے اس پر جو نازل کیا گیا ہے محمد پر اور وہ

مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ	برحق ہے ان کے پروردگار کی طرف سے تو خدا ان کے گناہ ان پر سے اتار دیگا۔

(۳۸)

مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ

جیساکہ سورۃ الحدید میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ	کیا مسلمانوں کیلئے ابھی تک اسکا وقت نہیں آیا کہ ذکر خدا اور تلاوت قرآن کیلئے جو خدا برحق کی طرف سے نازل ہوا ہے ان کے دل گداز ہوں

ف

قرآن مجید میں ان مرکبات کے علاوہ اور بہت سے الفاظ ہیں جو قرآن کی صفت میں وارد ہوئے ہیں مگر چونکہ ان الفاظ کو نام و علم شمار نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہم ایک جگہ سب کو بتائے دیتے ہیں

مَا اُنْزِلَتْ	صرف ایک جگہہ سورۃ البقر میں وارد ہوا ہے
مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ	تین جگہہ ہے۔
اَلَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا	دو جگہہ ہے۔
مَا نَزَّلْنَا	دو مقامات پر ہے۔
مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ	نو مقامات پر ہے۔
مَا نَزَّلَ اللّٰهُ	صرف ایک مقام پر ہے۔
مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ	چھ مقامات پر ہے۔
مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ	ایک مقام پر ہے۔

مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ	ایک مقام پر ہے۔
مَا اُوْحِیَ اِلَیْكَ	تین جگہ ہے۔
مَا یُوْحٰی اِلَیْكَ	چار مقامات پر ہے
مَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ	ایک مقام پر ہے
مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ	ایک مقام پر ہے
مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ	ایک مقام پر ہے
اَلَّذِیْ اَوْحَیْنَا	پانچ مقامات پر ہے

کسی مشہور و محترم چیز کو اشارہ کنایہ سے بیان کرنا اور نام لینے سے اعراض کرنا، یہ بھی اس کی علو شان کا ایک اظہار ہے۔ قرآن کی یہ بھی ایک قادر الکلامی اور بلاغت ہے کہ باوجود اس کے کہ بہت ساری جگہ وہ اپنا نام بالکل ظاہر نہیں کرتا نہ کوئی اشارہ کرتا پھر بھی پڑھنے والا طرز کلام اور انداز بیان سے سمجھ جاتا ہے کہ اس لفظ یا اس جملہ سے قرآن ہی مقصود ہے۔

(۳۹)

حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ

(سرتاسر دانائی)

جیسا کہ سورۃ القمر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلَقَدْ جَاءَ هُمْ مِنَ الْاَنْبَاءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ	اور ہر آئینہ ان کے پاس ایسی خبریں (یعنی حالات امم سابقہ) آچکی ہیں (جن میں کافی) تنبیہ ہے یعنی حکمت کاملہ پھر بھی ڈرانیوالی باتوں نے انہیں نفع نہ پہونچایا۔

ف

قرآن مجید کے سرتاسر دانائی وحکمت ہونے میں کوئی صاحب فہم سلیم شک نہیں کر سکتا حتیٰ کہ ہر زمانہ کے حکماء اور متعصب علمائے نصاریٰ نے بھی اتنا بیچون وچرا تسلیم کیا کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) جو قرآن کے مصنف تھے اعلیٰ درجہ کے حکیم تھے چنانچہ علامہ کارلائل یوروپین عیسائی کی کتاب ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ (یعنی مشاہیر ومشاہیر پرستی) اس امر کی شاہد عدل ہے۔ جس میں اس نے انبیاء کرام میں سے صرف محمد صلعم کو منتخب کیا ہے۔ اس موضوع پر ہم پھر بحث کریں گے۔ یہ لفظ ایک ہی جگہ آیا ہے۔

۹۴

اَلْعُرْوَةُ الْوُثْقٰی

(مضبوط رسّی)

جیسا کہ سورۃ البقر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا۔

گمراہی سے ہدایت (الگ) ظاہر ہو چکی ہے تو جو جھوٹے معبودوں کو نمانے اور اللہ پر ایمان لائے تو ہر آئینہ اس نے مضبوط رسی پکڑ رکھی ہے جو ٹوٹنے والی نہیں ہے

ف

کوئی شخص کنوئیں یا باولی میں گر پڑتا ہے تو اس کو نکالنے کے لئے رسّی لٹکاتے ہیں جسکو پکڑتا ہوا یا تو وہ خود اوپر آجاتا ہے یا لوگ کھینچ لیتے ہیں اسی طرح قرآن مجید نجات دارین یا اللہ تک پہونچنے کے لئے مضبوط رسّی ہے کہ جس نے

قرآن کو اپنا پیشوا بنایا اور اس پر عمل کیا وہ سیدھا نجات کے راستہ پر پہونچا اور آخر کار
اللہ اور ملا اعلیٰ سے جا ملا۔

یہ لفظ قرآن مجید میں دو جگہ آیا ہے۔ ایک سورۃ البقر میں جیسا کہ گذر چکا۔ دوسرے
سورۂ لقمان میں۔

۱۸۱

فُرقَانٌ

جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنْزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِلنَّاسِ وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ۔

اُسی اللہ نے تم پر یہ کتاب برحق اُتاری جو اُن آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس کے سامنے ہیں اور اسی نے اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کیلئے توراۃ اور انجیل اتاری اور اسی نے فرقان کو نازل کیا۔

ف

فرقان کے لفظی معنی فرق کے ہیں اب رہی یہ بات کہ وہ فرق کیا چیز ہے۔ بعض کہتے ہیں معجزات۔ بعض کہتے ہیں عقل سلیم۔ بعض کہتے ہیں دوسرے پیغمبروں کے صحیفے اور بعض کہتے ہیں قرآن جس کا تذکرہ تاکید کے طور پر دوسرے لفظوں میں مکرر فرمایا ہے (حاشیہ مولوی نذیر احمد دہلوی مترجم قرآن صفحہ)۔

اب ہمکو ان اقوال کی صحت پر محققانہ نظر ڈالنی چاہئیے تا ایک معنی کی تعیین ہو جائے

فرقان بمعنی معجزہ۔ اگرچہ معجزہ فارق ہے درمیان نبی صادق و کاذب کو اور درمیان نبی صادق و ساحر کے لیکن یہاں معجزہ مراد لینے کے لئے کوئی ایسی قوی وجہ موجود ہے

معانی کے مقابلہ میں ترجیح پیدا کرے نہیں پائی جاتی۔ اس کے علاوہ انزال سے تعبیر بھی درست نہیں ہے سوائے کتاب کے۔

فرقان بمعنی عقل سلیم آسمانی کتاب کے پرکھنے کا بڑا معیار حسن تعلیم وحسن بیان ہے اور اس کی تمیز کے لئے عقل سلیم درکار ہے لیکن اس کے بیان کا یہ موقع نہیں ہے۔ اس کے علاوہ، عقل کا استعمال انزال کے ساتھ نہیں ہے۔ اعطار اور اس کے مماثل الفاظ ہونے چاہئیے۔

فرقان بمعنی صحیفہ درست نہیں ہے اس لئے کہ زبان شرع میں فرقان کا اطلاق صحف انبیاء یا کسی کتاب آسمانی پر نہیں ہوا ہے اور نیز اس لئے کہ فرقان مفرد ہے اور صحیفے بہت اور مفرد جمع کا فائدہ نہیں دے سکتا۔ ہاں مفرد کا اطلاق ہر فرد کے لحاظ سے جمع پر ہو سکتا ہے لیکن ایسی تاویل اس وقت جائز ہے جب کسی وجہ سے فرقان کو صحیفے کے معنی میں لینا ناگزیر ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ پس اس کی کیا ضرورت ہے کہ بلاوجہ فرقان کو بمعنی صحیفہ لیا جائے اور پھر تاویل رکیک کی جائے بلا شبہ فرقان سے قرآن ہی مراد ہے جیسا کہ محققین علمائے اسلام کی رائے ہے اور یہ اس لئے صحیح ہے کہ خود قرآن ہی میں دوسری جگہ اس کا شاہد موجود ہے چنانچہ شروع سورۃ الفرقان میں ہے:-

تَبَارَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا	(خدا کی ذات بابرکت ہی جس نے اپنے بندے (محمد) پر فرقان یعنی قرآن اُتارا تاکہ تمام جہان کیلئے ڈرانیوالا ہو)

ف

اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ فرقان سے مراد قرآن ہے اور کسی دوسری نص سے پتا نہیں چلتا کہ فرقان کا اطلاق، قرآن کے سوا کسی اور کتاب پر بھی ہوا ہے۔ پس اس کلیہ کی بنا پر کہ اَلْقُرْاٰنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا (یعنی قرآن کا بعض حصہ بعض کا

مفسرہ ہے) یہ متعین ہوگیا کہ آیت نحن فیہ میں فرقان سے قرآن کا بیان مکرر تاکیداً واہتماماً نشان القرآن ہے۔ یہ جواب معمولی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ :- توریت اور انجیل جب لوگوں کی ہدایت کیلئے تھیں تو چاہیئے کہ اب بھی وہ اپنے منصب پر رہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اُن کتابوں کے کچھ احکام تو قرآن میں آگئے اور کچھ احکام قرآن نے منسوخ کردئے تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ توریت وانجیل کی تعلیم کی ضرورت ہی نہ رہی اور اسی معنی کے اظہار کے لئے مکرر ارشاد ہوا وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ، جو جدا کردینے والا ہے توریت وانجیل اور اُن کی تعلیم سے وفیہ نکات اُخر۔

اب رہی یہ بات کہ قرآن کا نام یا لقب فرقان کیوں ہوا ، تو لغت میں فرقان کے معنے ہیں " وہ چیز جو حق وباطل میں فرق اور تمیز کردے "، چونکہ قرآن اُترا ، اسی لئے ہے تا باطل کو حق سے الگ کرکے حق کو حق کر دکھائے اور ایسا ہی اس نے کیا کہ اسلام کو کفر سے ، حق کو ناحق سے ، طیب کو خبیث سے اور راستی کو کجی سے الگ کردکھلایا اس لئے اس کا نام فرقان ہوا - یہ لفظ قرآن میں بمعنی قرآن دو جگہ آیا ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا۔

(۴۲)

ذِکْرٌ

جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا | اور ہم نے تمکو اپنے پاس سے ذکر یعنی قرآن عطا فرمایا

ف

ذکر کے معنی ہیں نصیحت اور یاددہانی اور قرآن کریم میں یہ دونوں صفتیں موجود ہیں

(۴۳)

اَلذِّکْرُ

جیسا کہ سورۃ النحل میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ	ہمنے تمھاری طرف یہ قرآن اُتارا تاکہ جو احکام لوگوں کیلئے اُن کی طرف بھیجے گئے ہیں تم اُن کو اچھی طرح سمجھا دو۔

ذکر قرآن میں سات یا آٹھ مقامات پر اور الذکر دس مقامات پر آیا ہے۔

ذِکْرٰی

جیسا کہ سورۂ ہود میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلذّٰکِرِیْنَ	جو لوگ ذکر الٰہی کرنیوالے ہیں اُن کے حق میں یہ (قرآن) یادوہانی ہے۔

(ف)

سچ ہے، اے ہمارے پروردگار! اے وہ پاک ذات جس نے محمدؐ عربی کے مبارک سر پر نبوت کا تاج رکھکر ختم رسالت کا سہرا باندھا۔ واقعی تیرا کلام مقدس یاددہانی ہی ہے۔ ہم آدم کی سرکش اولاد ہوا پرستیوں میں پڑ کر اپنی اصلی ہستی کو بھول بیٹھتے ہیں اور تیرے ذکر سے غافل ہو جلتے ہیں۔ پھر بھی جب تیری مہربانی، تیری توفیق، رفیق طریق ہو جاتی ہے اور ہم تیرا کلام مقدس پڑھنے لگتے ہیں تو قسم ہے خلق محمدؐ کی اور قسم ہے تیرے عزت وجلال کی، کہ تھوڑی ہی دیر کے لئے

ہی مگر اپنی اصلیت سے واقف ہو کر اپنے وطن اصلی کو یاد کر کے گناہوں سے توبہ کرنے لگ جاتے ہیں اور تیری بے نہایت مہربانی اور عفو و رافت سے، اے غفار رحیم! امید رکھتے ہیں کہ بحرمتہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمارے گناہوں سے درگذر فرمائے گا اور ہمکو توفیق نیک بخشے گا۔ رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین۔
یہ لفظ قرآن میں معنی قرآن چھ مقامات پر آیا ہے۔

(۴۵)

ذِکرُ الرَّحمٰن

جیساکہ سورۃ الانبیاء میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كَافِرُوْنَ	اور وہی لوگ رحمٰن کے ذکر یعنی قرآن سے منکر ہیں

یہ لفظ قرآن میں ایک ہی جگہ ہے۔

(۴۶)

ذِکرٌ مُبَارَکٌ

جیساکہ اسی سورہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ اَنْزَلْنٰهُ	اور یہ (قرآن) نصیحت ہے بابرکت جسکو ہم ہی نے اُتارا ہے۔

(۴۷)

ذِی الذِّکرِ

جیساکہ سورۂ صٓ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَالْقُرْآنِ ذِی الذِّکْرِ	قسم ہے قرآن کی جس میں نصیحت ہی نصیحت ہے

ذکر مبارک'' اور'' ذی الذکر'' یہ دونوں لفظ ایک ہی جگہ ہیں۔

(۴۸)

اَلذِّکْرُ الْحَکِیْمُ

جیساکہ سورہ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ۔	اے پیغمبر! یہ جو ہم تم کو پڑھ کر سنا رہے ہیں آیات (الہی) ہیں اور جنچی تلی حکیمانہ نصیحت ہے

(۴۹)

اَلْقَصَصُ الْحَقُّ

سچا بیان

جیساکہ سورۂ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ	اے پیغمبر! بلاشک یہی سچا اور واقعی بیان ہے

یہ نام قرآن بھر میں اسی ایک مقام پر ہے۔

(۵۰)

اَحْسَنُ الْقَصَصِ

جیساکہ سورۂ یوسف میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغَافِلِيْنَ

اے پیغمبر! ہم تمکو سناتے ہیں ایک اچھا بیان قرآن کے ضمن میں جسکو ذریعہ وحی ہمنے تم پر اتارا ہے اور بیشک تم اس سے پہلے بیخبر تھے۔

ف

احسن القصص سے بعض لوگ قرآن کو مراد لیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ صرف سورہ یوسف ہی کو احسن القصص فرمایا گیا ہے۔

اگر احسن القصص سے قرآن ہی کو مراد لیں تو بھی کوئی قباحت نہیں ہے اس لئے کہ قرآن مجید میں بہتر سے بہتر سچے واقعات اور اس میں عمدہ سے عمدہ نصیحتیں۔ حکمت کی باتیں۔ دین و دنیا اور معاش و معاد کی اصلاح کی تدبیریں ما سیاست مدن کے قوانین اور اخلاق کے بیش بہا موتی ہیں۔ غرض ہم کہاں تک بیان کریں یہ مقدس کتاب تو دنیا بھر کے مضامین مفیدہ پر مشتمل ہے پھر ایسی کتاب احسن القصص نہ ہو۔ تو کونسی کتاب ہوگی۔

اگر سورہ یوسف پر احسن القصص کا اطلاق ہو جیسا کہ سیاق عبارت سے معلوم ہوتا ہے تو اس لئے کہ سورہ یوسف قرآن کا ایک جزء ہے قرآن کو بھی احسن القصص کہہ سکتے ہیں کیونکہ جس کتاب کا ایک جزء بہتر ہو اسکو بہتر کہا جا سکتا ہے۔

سورہ یوسف کے احسن القصص کہنے کے بہت سے وجوہ ہیں جن میں سے چند کو ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

پہلی وجہ

قرآن مجید میں بہت سے واقعات بیان کئے گئے ہیں مگر کوئی واقعہ ایک جگہ مکمل طور پر نہیں ہے بخلاف ان کے حضرت یوسف کا حال شروع سے آخر تک

سلسلہ وار ایک ہی سورہ میں ایک ہی جگہ بیان کیا گیا ہے۔

دوسری وجہ

پند و نصیحت اور ایسے اوامر و نواہی جن میں گونہ تکلیف ہو، ان کا بیان بالطبع مرغوب انسانی نہیں ہے بخلاف اُن بیانات کے جو مذکورہ بالا امور سے خالی ہیں ان کی طرف انسان بالطبع مائل ہوتا ہے بشرطیکہ طرز بیان دلچسپ ہو اور مدنیت کا پیرایہ لئے ہوئے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو قصوں اور افسانوں سے زیادہ دلبستگی ہوتی ہے خصوصاً جب اس کا پہلو عشق کا رنگ لئے ہوئے ہو۔ حضرت یوسف کا حال نہ پند و نصیحت ہے نہ امر و نہی بلکہ وہ دوسری قسم ہے جسکا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اس لئے وہ خاص دلچسپی رکھتا ہے۔ کہیں کہیں اثنائے بیان میں پند و نصیحت امر و نہی اور توحید وغیرہ کا بیان چھوٹے چھوٹے جملوں میں کر دیا گیا ہے جو بہت زیادہ موثر ہے اور اصل غرض جو تعلیم توحید و اخلاق حسنہ سے ہے وہ اس سے بدرجہ اتم حاصل ہے۔

بچپن میں حضرت یوسف کا خواب دیکھنا۔ باپ کا اس کے اظہار سے منع کرنا۔ بھائیوں کا مخالف ہونا۔ اور کوئیں میں ڈالنا۔ قافلہ والوں کا آکر نکالنا۔ بحیثیت غلام بنکر بکنا۔ عزیز مصر کا خرید کرنا۔ عزیز مصر کی عورت کا اُن پر فریفتہ اور حضرت یوسف کی پرہیزگاری پر ناخوش ہونا۔ حضرت یوسف کا قید کیا جانا۔ قید خانہ میں خوابوں کی تعبیر کا سچ اترنا۔ بادشاہ کا خواب دیکھنا۔ حضرت یوسف کا بلایا جانا اور بعد شروط ان کا جانا۔ خواب کی تعبیر کہنا اور بادشاہ کے مقربین میں داخل ہو کر مہتمم خزانہ ہونا پھر خواب کے موافق قحط پڑنا۔ بھائیوں کا غلہ کے لئے آنا۔ باہم ایک دوسرے کا پہچاننا پھر حضرت یوسف کا اپنے بھائیوں کی خطا کو معاف کرنا اور اپنے ماں باپ کو کنعان سے مصر میں طلب کرنا۔ خواب کی تعبیر کا راست اُترنا اور حضرت یوسف کا بادشاہ مصر ہونا۔ ایک ایسا

بیان ہے جو سحر کا ہمدوش اعجاز کا ہم آغوش ہے۔ جگہہ جگہہ اثنائے کلام میں مناسب مواقع پر جو توحید وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ نہایت دلکش ہے جسکو ہمنے طوالت کے خیال سے ترک کردیا۔

تیسری وجہ

اس بیان میں قرآن مجید کی تہذیب بھی ایک اعجاز ہے کہ عشقیہ مضامین کو کس متانت اور سنجیدگی سے بیان کیا ہے کہ پڑھنے والے کا ذہن کسی برائی کی طرف منتقل ہی نہیں ہوتا آخر تک کہیں زلیخا کا نام نہیں لیا گیا حالانکہ تمام بیان زیادہ تر اسی سے متعلق ہے۔ اور نام کیوں نہیں لیا؟ اس لئے کہ نام لینے کی صورت میں غیبت کی بُری نظیر قائم ہوتی جسکو خود قرآن نے بُرا کہا ہے اور یہ نہایت اعلیٰ درجہ کی تہذیب ہے یہ عجیب قادر الکلامی ہے کہ قرآن زلیخا کا نام تو نہیں لیتا مگر پڑھنے والا اس کا نام سننے سے مستغنی ہے اور اس سے بیان کی دلچسپی میں کوئی فرق نہیں آتا۔

کیا قرآن کے سوا کوئی کتاب مدعی تہذیب ایسی نظیر پیش کر سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

چوتھی وجہ

سورہ یوسف، حضرت یوسف کے واقعہ کا مختصر بیان ہے اور اس میں اُن تمام اخلاق اور جرائم کے نتائج کو جن کا اس سے تعلق ہے، جس دلچسپی و خوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس میں شبہ نہیں کہ وہ قرآن ہی کا حق تھا۔

بداخلاقی اور خوش اخلاقی دو قسم ہے۔ ایک عقلی یا طبعی جسکو انسان کی عقل و طبیعت بلا خصوصیت زمان و مکان اچھا یا بُرا سمجھے جیسے چوری خیانت کذب زنا انتقام اور ان کے مقابلہ میں راستی۔ دیانت۔ صدق۔ عفاف۔ عفو۔

دوسری قسم، عارضی یا مختص الزمان والمکان مثلاً حجاب نسوان ہند میں مہما امکن مدوح ہے اور یورپ میں مطلق العنانی۔

بہیک مانگنا براہمۂ ہند کے لئے جزو مذہب ہے اور دوسرے ممالک میں مطلقاً معیوب۔ سورۂ یوسف میں اول سے آخر تک پہلی قسم کی بد اخلاقی اور خوش اخلاقیوں کا بیان مناسب مواقع پر نہایت خوش اسلوبی سے کیا گیا ہے اور پہر ہر ایک کا نتیجہ بہی دکھا دیا گیا ہے۔

(۵۱)

حَبْلُ اللہِ

اللہ کی رسّی

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (سورۂ آل عمران)

مسلمانو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنیکا حق ہے اور تم پر موت نہ آئے مگر ایسی ہی حالت میں جب تم مسلمان ہو اور تم سب مضبوطی سے اللہ کی رسی پکڑے رہو اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہو

ف

اللہ تعالی سے اس طرح ڈرتے رہنا جیسا کہ اس سے ڈرنیکا حق ہے اور مرتے دم تک دین اسلام پر ثابت قدم رہنا، اور مسلمانوں کا ایک دوسرے سے الگ نہ ہونا یہ سب باتیں اسی وقت حاصل ہو سکتی ہیں، جب مسلمان اللہ کی رسی کو جس کا نام قرآن ہے مضبوطی سے تھامے رہیں اور اسی پر عمل کرتے رہیں۔ یہ لفظ قرآن میں بصفت قرآن اسی ایک جگہ وارد ہوا ہے

(۵۲)

بیان

جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ	یہ قرآن لوگوں کے لئے بیان ہے اور ہدایت اور نصیحت پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

یہ لفظ بمعنی قرآن اسی ایک جگہ ہے۔

(۵۳)

رِضْوَانُ اللہ

جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَن بَاءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللَّهِ	بھلا جو شخص اللہ کی مرضی (قرآن) کا تابع ہو کہیں اس جیسا ہو سکتا ہے جو خدا کے غضب میں آگیا ہو۔

قرآن کی تبعیت، عین خدا کی مرضی پر چلنا ہے اس لئے قرآن کو اللہ کی مرضی کہا گیا ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں دو جگہ اسی سورہ میں ہے۔

(۵۴)

مُنَادِی

منادی کرنے والا

جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا	اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک منادی کرنیوالے کو سنا کہ ایمان کی منادی کر رہا ہے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لے آئے

ف

منادی کرنے والے سے بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھا ہے
اور بعضوں نے جن میں امام جلال الدین سیوطی بھی ہیں قرآن مجید کو مراد لیا ہے
پچھلی صورت قوی ہے۔ بلاشک پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام ایمان کی منادی کرنیوالے
تھے مگر آپکا ظاہری تعلق صرف آپ کی حیات جسمانی تک تھا، اور وہ بھی قرآن
کے ساتھ۔ اور قرآن مجید کا مسلمانوں سے ابدی تعلق ہے جو انشاءاللہ تعالےٰ اسی طرح
قیامت تک باقی رہے گا اور قرآن قیامت تک اسلام کی منادی کرتا رہے گا۔

(۵۵)

اَلْفَوْزُ الْعَظِیْمُ

جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

ذَالِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ | یہ بڑی کامیابی ہے۔

ف

قرآن مجید کو بڑی کامیابی اس لئے کہا گیا کہ اُس کی پیروی کرنے سے انسان کو
اپنے دنیاوی مقاصد میں بہت جلد اور عمدہ کامیابی ہو جاتی ہے اور اس سے
بڑھ کر بڑی کامیابی یہ ہے کہ مرنے کے بعد اُس دوسری ہستی میں آسایش ابدی
ملتی ہے۔

قرآن مجید میں یہ لفظ قرآن کے معنی میں دو جگہہ آیا ہے۔ ایک یہاں، دوسرے
سورۃ الصافات میں۔

(۵۶)

اَلْحَدِیْثُ

بات

جیساکہ سورۃ النجم میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

أَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ	توکیا تم لوگ اس بات سے تعجب کرتے ہو اور (قیامت کا ذکر سنکر) ہنستے ہو اور تمکو رونا نہیں آتا

یہ لفظ قرآن میں بعض قرآن پانچ مقامات پر آیا ہے :-

اَحْسَنُ الْحَدِيثِ

بہت اچھا کلام

جیساکہ سورۃ الزمر میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ -	اللہ نے بہت ہی اچھا کلام (یعنی یہ) کتاب اُتاری (جسکی باتیں ایک دوسرے سے) ملتی جلتی ہیں (اور ایک ہی بات سمجھانے کیلئے) بار بار دہرائی گئی ہے (اس کتاب کی تاثیر یہ ہے کہ) جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اس کے سننے سے اُن کے بدن کانپ اُٹھتے ہیں پھر اُن کے جسم اور دل نرم ہوکر یادِ الٰہی کی طرف (راغب) ہوجاتے ہیں -

ف

اللہ کا ذکر اور اس کی عبادت جسمانی و روحانی دونوں طرح پر ہے - جسمانی عبادت جیسے نماز ، روزہ ، حج وغیرہ ارکان مفروضہ - روحانی عبادت وہ جو قلب و نفس سے متعلق ہے اس قرآن سے جلود و قلوب دونوں نرم ہوجاتے

ہیں یعنی بہ قلب شوق ، قرآن سے متاثر ہونے والا ، ذکر جسمانی و روحانی دونوں کی طرف مائل ہو جاتا ہے ۔ چونکہ جسمانی میلان کے لئے نرمی ضرور ہے اس لحاظ سے تلین جلود جسم فرمایا اور مقصد یہ ہے کہ اعضا ، جوارح اور جلود کو جسمانی اذکار مثلاً ، قعود ، رکوع ، سجود وغیرہ کا ادا کرنا فرط شوق کی وجہہ سے کچھ بار نہیں ہوتا ۔

سچ تو یہ ہے کہ درحقیقت سمجھدار کے لئے قرآن مقدس ایسا ہی کلام موثر ہے کہ اسکو سنکر خود بخود طبیعت پگھل جاتی ہے ۔ دل خدا کی طرف راغب ہو جاتا ہے اور کچھہ دیر گویا سننے والا یا پڑھنے والا دنیا سے بالکل مستغنی ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ بروایات صحیحہ ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب قرآن پڑھا جاتا تو چاہے آپ کیسے ہی غصہ و غضب میں ہوتے فوراً نرم پڑ جاتے اور سارا غصہ کافور ہو جاتا اسی لئے قرآن کا لقب احسن الحدیث ہوا ۔

قرآن مجید کی تاثیر کی بحث انشاء اللہ تعالےٰ آئندہ بہت تفصیل کے ساتھ کیجائیگی

(۵۸)

بُرْھَانٌ

حجت

جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ ۔	لوگو ! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے حجت آ چکی ۔

ف

قرآن خدا کی حجت ہے اور ایسی زبردست حجت ہے کہ تیرہ سو برس گذر گئے مگر

باوجود دنیا بھر کی سر توڑ کوششوں کے آجتک اس کا بطلان نہ ہوسکا اور نہ قیامت تک ہوسکیگا۔

یہ لفظ قرآن میں بہ صفت قرآن ایک ہی جگہ آیا ہے۔

(۵۹)

نُورٌ مُّبِینٌ

جگمگاتا ہوا نور

جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَاَنزَلنَا اِلَیکُم نُورًا مُّبِینًا	اور تمھاری طرف ہم جگمگاتا ہوا نور بھیج چکے ہیں۔

دوسری آیت سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

قَدْ جَآءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِينٌ	اللہ کی طرف سے تمھارے پاس نور اور کتاب روشن آچکی ہے۔

تیسری آیت سورۃ الاعراف میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِیْ اُنزِلَ مَعَهٗ	اور جو نور ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے اسکے پیچھے ہولئے۔

چوتھی آیت سورۃ الشوریٰ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

مَا كُنتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِن جَعَلْنٰهُ نُورًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَن نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا	اے پیغمبر! تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ ایمان (جانتے تھے) مگر ہم نے قرآن کو ایک روشنی بنا دیا ہے کہ اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتے ہیں اس کے ذریعہ سے رستہ دکھا دیتے ہیں۔

پانچویں آیت سورۃ التغابن میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا	تو (لوگو) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور (نیز) اس روشنی (قرآن) پر جسکو ہم نے اتارا ہے

ف

نور کے معنی روشنی۔ روشنی کا فائدہ یہ ہے کہ انسان اندھیرے میں اس کے ذریعہ سے سیدھا رستہ دیکھکر منزل مقصود تک پہونچے یا جو کام اندھیرے میں نہیں کر سکتا روشنی میں کر سکے۔

قرآن مجید کو روشنی اس واسطے کہا کہ وہ انسان کو کفر و بدعت کی تاریکی سے نکال کر ایمان واخلاق کی روشنی میں پہونچاتا ہے اور گویا قرآن کی روشنی میں آخرت کا سیدھا رستہ جو انسان کی منزل مقصود ہے سوجھ پڑتا ہے اور اس لئے کہ قرآن کی روشنی میں انسان کو حرام و حلال اور خبیث و طیب کی پہچان ہوتی ہے۔

اندھیرا بالطبع انسان کو ناپسندیدہ ہے اور اس لئے فطرتاً ہر حیوان روشنی کو چاہتا ہے چونکہ ہر انسان بالطبع برائی کو ناپسند اور بھلائی کو پسند کرتا ہے اس لئے ناپسندیدہ کو اندھیرا اور پسندیدہ کو روشنی کہنا مطابق مقتضائے عقل و فطرت ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں کفر و گمراہی کو ظلمات (اندھیرا) اور ایمان و ہدایت کو نور و روشنی کہا گیا اور اسی وجہ سے قرآن مجید کو نُوْرٌ مُّبِيْنٌ (جگمگاتا ہوا نور) اور روشنی کا لقب دیا گیا کہ وہ بمنزلہ روشنی کے ہے جس میں انسان حرام کو حلال سے، باطل کو حق سے، ایمان کو شرک سے، اسلام کو کفر سے، ثواب کو عذاب سے، اور برائی کو بھلائی سے تمیز کرتا ہے۔

۶۰ صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ

سیدھی راہ

جیسا کہ سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ۔ اور ہر آئینہ یہ (قرآن) ہی ہمارا سیدھا رستہ ہے تو اسی پر چلے چلو۔

دوسری آیت سورۃ المومنون میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ اور تم (اے پیغمبر!) بیشک ان کو سیدھے رستے یعنی قرآن کی طرف بلاتے ہو۔

ف

مستقیم کے معنی ہیں "سیدھا ہموار کے ساتھ" دیکھو خط مستقیم ایسے ہی خط کو کہتے ہیں جس میں یہ دونوں باتیں ہوں۔ مثلاً تلوار کی دھار ہے کہ اگرچہ وہ سیدھی ہے لیکن ناہموار ہی یعنی درمیانی انحنا کی وجہہ سے اس کو مستقیم نہیں کہہ سکتے۔

سیدھا ہموار رستہ جلد دکھائی دیتا ہے اور بہت سہولت کے ساتھ جلدی منزل مقصود تک پہونچا دیتا ہے۔ پس یہی حال قرآن مجید کا ہے جو اپنے پیرو کو سہولت کیساتھ منزل مقصود تک پہونچا دیتا ہے قرآن کا کوئی مسئلہ، کوئی تعلیم فطرت کے خلاف نہیں ہے۔ نہ پیچیدہ ہے نہ خلاف عقل نہ ایسا مشکل کہ اس پر عمل ہی نہ ہو سکے۔ مثلاً عیسائیوں میں تثلیث کا مسئلہ ہے جسمیں یہ ایک ذات اور دو صفت علم وحیات کے مانتے ہیں جن کو روح القدس اور یسوع کہتے ہیں۔ یہ مسئلہ اُن لوگوں کے مسئلہ جیسا ہے جو صفات باری کو عین باری مانتے ہیں یعنی ایک ذات اور متعدد صفات۔ یہاں تک تو عیسائیوں پر کوئی سخت الزام عائد نہیں ہوتا تھا لیکن غضب یہ کیا کہ ان دونوں صفتوں کو مجسم مان لیا اور مستقل بذاتہ جس سے تین ذوات ہو گئے اور یہ باطل محض ہے۔

دونوں صفتوں کو صفت مان کر اُن کا تعلق مجسم سے تسلیم کیا جا سکتا ہے لیکن علاوہ اس اشکال کے خود عیسائی اسکو نہیں مانتے اور اپنی نافہمی کی وجہہ سے ایک صریح البطلان

عقیدہ میں پھنسے ہوئے ہیں۔
اس کے مقابلہ میں توحید کا مسئلہ اسلام میں ایسا صاف ہے کہ ایک فلسفی اور ایک اُمّی دونوں اس کے سمجھنے میں بلا کسی خلجان کے برابر ہیں۔
موسوی شریعت کے احکام عشرہ جس کے، یہودی و نصرانی دونوں معتقد ہیں اُن میں کا ایک حکم یہ ہے کہ کل کے لئے ذخیرہ نکرو حالانکہ یہ ناممکن التعمیل ہے۔ اسکے مقابلہ میں قرآن کا یہ حکم ہے کہ "نہ تو ہاتھوں کو گلے کا ہار بناؤ اور نہ سب خرچ کر ڈالو کہ کل کے لئے کچھ باقی ہی نہ رہے" یہ تعلیم بالکل حکیمانہ ہے۔
اسی طرح انجیل کی یہ تعلیم کہ "اگر کوئی تمھارے ایک کلے پر مارے تو تم دوسرا کلہ بھی اس کے آگے کردو" بالکل ناممکن التعمیل ہے۔ اس کے مقابلہ میں قرآن کا یہ حکم کہ "برائی کا بدلہ ہے بُرائی اور اگر معاف کردو تو بہت بہتر ہے" بالکل منصفانہ اور حکیمانہ تعلیم ہے۔
اسی طرح یہودیوں کے یہاں عورتوں کو معمولی ایام کے زمانہ میں گھر سے باہر کردیا جاتا ہے گویا وہ اس درجہ نجس ہیں کہ انکا گھر میں رہنا بھی موجب نجاست ہے اور قریب قریب ایسا ہی حکم براہمہ ہنود اور مجوسیوں کے مذہب میں بھی ہے۔
ان کے مقابلہ میں قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ عورتوں کی یہ خاص حالت ایک آزار ہے، اس کے نزدیک نہ جاؤ، اور اختلاط کو منع نہیں کیا۔
اصل یہ ہے کہ معمولی ایام میں قرار نطفہ ممکن نہیں ہے۔ اور تقرب کی صورت میں مردوں کے بیمار ہوجانے کا اندیشہ ہے بس ان مصالح سے مقاربت کی ممانعت کردیگئی اور ان کے سوا باقی امور جن میں کوئی قباحت نہیں ہے وہ علیٰ حالہ مباح رہے اور ایسا حکم سراسر درست و حکیمانہ ہے۔ توراۃ و انجیل میں ایسے بہت احکام ہیں جن کی تعمیل ناممکن ہے اور ان کے مقابلہ میں قرآن کے احکام حکمت پر مبنی ہیں۔ وہ نہ خلاف

عقل ہیں نہ باعث اذیت ہیں نہ ناممکن التعمیل ہیں یہ موقع اس بحث کی تفصیل کیلئے مناسب نہیں ہے جس کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔

لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَالِكَ اَمْرًا صراط مستقیم بصفت قرآن سات مقام پر آیا ہے۔

۶۱

نِعْمَتُ اللّٰهِ

جیساکہ سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ۔	اور یاد کرو اللہ کی نعمت (قرآن) کو (جو تم پر اتاری گئی ہے)

دوسری آیت سورۃ النحل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ	تو کیا یہ لوگ خدا کی نعمت (یعنی قرآن کے کلام الٰہی ہونے سے) انکار کرتے ہیں۔

تیسری آیت بھی اسی سورہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَةَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا۔	یہ لوگ خدا کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر (جان بوجھکر اس (کے کلام الٰہی ہونے) سے انکار کرتے ہیں

ف

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ قرآن نہ صرف مسلمانوں کے حق میں بلکہ تمام عالم کے لئے رحمت اور نعمت الٰہی ہے۔ ہاں خصوصیت کے ساتھ اس لئے کہ ہم اس کے ماننے والے اور پیروی کرنے والے ہیں۔ ہم پر اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا احسان ہے کہ ہمارا مذہب علمی اور عملی کل مشکلات سے آزاد ہے۔

نعمت اللہ بمعنی قرآن چھ مقامات پر وارد ہوا ہے۔

(۶۲)

بَشِیْرٌ وَّنَذِیْرٌ

بشارت دینے والا اور ڈرانے والا

جیساکہ سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

فَقَدْ جَاءَ كُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ

تو تمہارے پاس خوشخبری سنانیوالا اور ڈرانیوالا آچکا

دوسری آیت سورۂ حٰم السجدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

یہ قرآن کتاب ہے جسکی باتیں زبان عربی میں سمجھدار لوگوں کیلئے تفصیل کے ساتھ بیان کردی گئی ہیں (اور وہ) خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا (ہے)

ف

بشیر کے معنی خوشخبری دینے والا اور نذیر کے معنی ڈرانے والا اور یہ دونوں لقب ہیں قرآن کے اس لئے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو فلاح دارین اور نعماء جنت کی خوشخبری دیتا ہے اور منکروں اور کافروں کو عذاب جہنم سے ڈراتا ہے تاکہ وہ لازوال نعمتوں کی خوشخبری سنکر صدق دل سے خدا کی طرف متوجہ ہوں۔ گناہوں سے توبہ کریں اور احکام الٰہی کو مضبوط پکڑیں۔ بشیر و نذیر قرآن میں ۱۱ جگہ ایک ساتھ اور صرف نذیر دو مقامات پر آیا ہے۔

(۶۳)

وَسِیْلَۃٌ

جیساکہ سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَیْهِ الْوَسِیلَةَ۔	مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اُس تک (پہونچنے) کے ذریعہ کی خواہش کرتے رہو۔

ف

خدا تک پہونچنے کا سب سے بڑا ذریعہ قرآن مجید ہے۔ ہاں آج سے تیرہ سو برس پہلے ایک اور بھی وسیلہ تھا ناطق یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مگر آپ عالم اجسام سے اُٹھ گئے تو آپ کے اقوال و احادیث آپ کی قائم مقامی کرتے ہیں۔

(۶۴)

مُہَیمِن (محافظ)

جیساکہ سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

وَأَنْزَلْنَا إِلَیْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ۔	اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمھاری طرف کتاب برحق اُتاری کہ جو کتابیں اُس کے (اُترنے کے وقت) پہلے سے (موجود) ہیں اُنکی تصدیق کرتی ہے اور اُنکی محافظ (بھی) ہے۔

ف

قرآن کو جو کتب سابقہ آسمانی کا محافظ فرمایا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اُن کتابوں میں کسیطرح کے ردّ و بدل کو جائز نہیں رکھتا اور اسی لئے قرآن میں اہل کتاب پر تحریف کے بارہ میں بار بار سختی کے ساتھ الزام دیا گیا ہے۔

یہ فائدہ مولوی نذیر احمد مترجم دہلوی کا ہے مگر یہ کافی نہیں ہے اسلئے کہ جائز نہ رکھنے

سے محافظت پوری نہیں ہوتی۔ محافظت اسی وقت ہے جب اس میں تصرف نہ ہو اور جب اس میں تصرف ہوا یا تحریف ہوی تو محافظت باطل ہو گئی۔

پس واضح ہو کہ لغت میں مُہَیمِن کے پانچ معنی ہیں۔

(۱) گواہ۔ (۲) نگاہبان (۳) آنکہ امین کند دیگرے را از ترس وبیم (۴) امین کہ حق کسے را ضائع نہ کند (۵) موتمن کہ بیم برا دفع کند (منتہی الارب) قرآن ان تمام صفات کے اعتبار سے مہیمن کے لقب کا مستحق ہے لیکن اس مقام پر صرف معنی اول و دوم لئے جا سکتے ہیں۔

اوّل گواہ۔ قرآن اس امر کی گواہی دیتا ہے کہ زبور اور توریت اور انجیل منزل منہ اللہ اور آسمانی کتابیں ہیں جو حضرت داؤد، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام پہ نازل ہوی تھیں۔

دوسرے۔ نگہبان یا محافظ۔ قرآن اس امر کا محافظ ہے کہ موجودہ کتب آسمانی کتب آسمانی ہیں اور جب تک قرآن باقی ہے (قیامت تک) تصدیق کے ساتھ اسی طرح محافظت کرتا رہے گا۔ اندرونی تبدیلیاں اگر کچھ ہوں بھی تو وہ مانع تصدیق و محافظت نہیں ہیں۔ پھر اس کے علاوہ قرآن مجید نے، کتب سابقہ کے جن احکام کو لے لیا ہے اُن کا وہ محافظ ہے منسوخ مسائل تو بہت قلیل ہیں وللاکثر حکم الکل۔

تیسرے، ترس و بیم سے امن میں رکھنے والا، تو ظاہر ہے کہ قرآن مجید اپنے پیروی کرنے والوں کو عذاب اور ترس و بیم قیامت سے امین رکھتا ہے اور نہایت بلند آواز سے منادی کر رہا ہے کہ جو میرے دامن تلے آئیگا وہ بیم قیامت اور عذاب دوزخ سے مامون رہے گا۔

چوتھے امین۔ اور قرآن مجید کے امین ہونے میں کیا کلام ہے کہ وہ اپنی حُسن

تعلیم سے دنیا بھر کے حقوق کو ضائع اور تلف ہونے سے بچانا چاہتا ہے یہاں تک کہ باطل معبودوں کو بُرا کہنے سے بھی اپنے پیروں کو منع کرتا ہے۔

پانچویں، مومن جو ڈر کو دفع کرے اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ یعنے بیشک اللہ والے لوگوں کو کسی قسم کا خوف ہے نہ وہ کبھی آزردہ خاطر ہوں گے۔ مطلب یہ کہ پیروان قرآن کو عقبیٰ میں نہ کوئی ڈر ہوگا نہ کوئی غم ہوگا۔

یہ تین آخر الذکر معنی اس مقام پر آیت زیر بحث سے متعلق نہیں ہیں مگر صفت قرآن ہو سکتے ہیں۔ مہیمن کا لفظ قرآن کے معنی میں ایک ہی جگہ آیا ہے۔

(۶۵)

رسالۃ

جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ۔	اے پیغمبر! جو تم پر تمھارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے (بلاکم وکاست) لوگوں کو پہونچا دو اور اگر تم نے (ایسا) نہیں کیا تو سمجھا جائیگا کہ) تم نے خدا کا پیغام نہیں پہونچایا۔

ف

قرآن سرتاسر خدا کا پیغام ہے جو اس کے بندوں تک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے پہونچا ہے۔ یہ لفظ بمعنی قرآن ایک ہی جگہ وارد ہوا ہے

(۶۶)

بصائر

دل کی بینائی

جیساکہ سورۃ الاعراف میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

هٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ	لوگو! یہ قرآن نشانیاں (بینائی دل) ہیں جو تمہارے پروردگار کی طرف سے اتری ہیں اور ایمان دار لوگوں کیلئے ہدایت و رحمت ہے

دوسری آیت سورۃ الجاثیہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

هٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ	یہ (قرآن) لوگوں کیلئے سوجھ بوجھ کی باتوں کا مجموعہ ہے اور جو لوگ یقین رکھتے ہیں اُن کیلئے ہدایت اور رحمت ہے۔

تیسری آیت سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانیاں، تو تمہارے پاس آ ہی چکیں۔

ف

آنکھ کا نور، ادراک مرئیات کا ذریعہ اور دل کا نور ادراک معقولات کا ذریعہ ہے۔ نور چشم کو بصارت اور نور دل کو بصیرت کہتے ہیں اور کبھی بصیرت، بصارت کے معنی میں بھی آتی ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی صاحب بصیرت قرآن میں تامل کرے تو درحقیقت وہی نور دل ہی جس سے معقولات اور دقائق منکشف ہوجاتے ہیں۔ یہ عام لوگوں کیلئے ہے مومنین اور موقنین کے لئے تو قرآن ہدایت و رحمت ہے۔

قرآن مجید میں یہ لفظ بمعنی قرآن تین مقامات پر وارد ہولہے۔

(۶۷)

صِدْق

سچائی

جیساکہ سورۃ الزمر میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَاۤءَهٗ

تو اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس نے خدا پر جھوٹ باندھا اور سچی بات (یعنی قرآن) جب اُس کے پاس آیا تو اُسکو جھٹلایا۔

ف

چونکہ قرآن مجید سچی باتوں کا مجموعہ ہے اور سچائی اختیار کرنے کے لئے اُس میں سخت احکام ہیں اس لئے اس کا لقب صدق ہوگیا۔
قرآن میں یہ لفظ دو ہی جگہ آیا ہے ایک وہ جو ابھی گذر چکا۔ دوسرے سورۃ الانعام میں

(۶۸)

عَدْلٌ

جیساکہ سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا

اور تمھارے پروردگار کا ارشاد سچائی اور انصاف کے ساتھ پورا ہوا۔

ف

قرآن مجید میں سیاست مدن کا مکمل اصول بتایا گیا ہے اور اس میں عدل وانصاف کے نہایت سخت احکام ہیں اس لئے عدل اسکا لقب قرار

با گیا۔ یہ لفظ بمعنی قرآن ایک ہی جگہ آیا ہے۔

(٦٩)

حُجَّةٌ بَالِغَةٌ

جیساکہ سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ	اے پیغمبر ان سے کہو کہ تمہارے اور اللہ کی حجت غالب ہے۔

ف

بالغۃ کے معنی ہیں انتہا کو پہونچنے والی اور حجت انتہا کو پہونچیگی تو کامل ہوگی اور بعد تکمیل حجت غلبہ مسلم ہے۔ یہ لفظ قرآن میں بصفت قرآن اسی ایک جگہہ آیا ہے۔

(٧٠)

بَيِّنَةٌ

ثبوت یا شاہد

جیساکہ سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔	تو اب تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس دلیل آچکی۔

ف

بلاشبہ قرآن مجید، خداوند حمید کے وجود اور اسکی توحید مطلق کا بدیہی ثبوت، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت پر برہان قاطع اور خود

اپنے منزل من اللہ ہونے کا واضح ثبوت اور بیّن دلیل ہے اور ایسی بیّن دلیل ہے کہ تیرہ سو برس سے آجتک اُس کا ایک شوشہ ایک حرف نہ بدل سکا نہ کسی سے جواب بن آیا اور انشاء اللہ تعالٰے قیامت تک ایسا ہی رہے گا۔

یہ لفظ قرآن مجید میں دو جگہ آیا ہے۔ ایک یہاں، دوسرے سورۂ ہود میں۔

(۱۷)

کَلَامُ اللّٰہِ

جیسا کہ سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالٰے فرماتا ہے:۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ

اور (اے پیغمبر!) مشرکین میں سے اگر کوئی شخص تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو (اسکو) پناہ دو یہاں تک کہ وہ (اطمینان سے) کلام آلہی کو سُنے پھر اُسکو اُس کے امن کی جگہ واپس پہونچا دو۔

ف

مشہور و متفق علیہ تو یہی ہے کہ قرآن مجید اسوجہ سے کہ وہ خدا کا کلام ہے، کلام اللہ کے محترم لقب سے ممتاز ہوا مگر امام جلال الدین سیوطی رحنے اسکے علاوہ ایک اور دلچسپ وجہ یہ لکھی ہے کہ ،، کلام مشتق ہے کلم سے، کلم کے معنی ہیں تاثیر کے اور چونکہ قرآن دلوں میں تاثیر اور کانوں میں نفوذ کرتا ہے اس لئے کلام اللہ کے لقب سے ملقب ہوا ،، اب ہم ایک اس سے عمدہ وجہ یہ مستزاد کرتے ہیں کہ لغت میں کلام کے معنی ہیں ،، مفید بات،، چونکہ قرآن اللہ کی بات اور جن وانس کے لئے مفید ہے اسلئے کلام اللہ سے

ملقب ہوا - اگرچہ ہر کلام مفید ہی ہوتا ہے مگر یہاں مفید سے فردِ کامل بکمال الافادۃ مراد ہے -

(۷۲)

كَلِمَةُ اللّٰهِ

جیساکہ سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے :-

وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا اور (سدا) اللہ ہی کا بول بالا ہے -

ف

اس کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے کہ قرآن اللہ کا بول یعنی فرمودہ ہے اور اسکا بالا ہونا مشاہد ہے یہ لفظ بمعنی قرآن ایک ہی جگہ آیا ہے -

(۷۳)

حُكْمٌ عَرَبِيٌّ

عربی فرمان

جیساکہ سورۃ الرعد میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے :-

كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ایسا ہی ہمنے اسکو فرمان عربی اتارا ہے -

(۷۴)

اَلْقَوْلُ

ارشاد

جیساکہ سورۃ المومنون میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے :-

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۔	کیا ان لوگوں نے (اس) ارشاد (یعنی قرآن) میں غور ہی نہیں کیا یا اُن کے پاس وہ بات آگئی جو اُن کے اگلے باپ دادوں کے پاس نہیں آئی تھی ۔

دوسری آیت سورۃ الزمر میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ ۔	جو (ہمارے) ارشاد کو کان لگا کر سنتے ہیں اور اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں وہ وہی لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت دی ہے

القول بمعنی قرآن پانچ مقامات پر آیا ہے :۔

(۷۵)

اَلْقَوْلُ الثَّابِتُ

پکی بات

جیساکہ سورہ ابراہیم میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	جو لوگ ایمان لائے ہیں اُن کو پکی بات (یعنی قرآن) کی برکت سے اللہ دنیا اور آخرت میں بھی (ایمان پر) ثابت قدم رکھتا ہے

ف

قرآن پکی بات ہے یعنی اُس میں کہیں کسی قسم کی خامی نہیں ہے اور اُس نے جیسا اور جو کچھ فرمادیا ہے وہی حقیقۃً ہے اور ہو کر رہے گا ۔

بعض علماء نے قول ثابت سے ایمان مراد لیا ہے اسوجہ سے کہ وہ دنیا و آخرت

میں النفع ہے اور اُسی پر قائم رہنا ضروری ہے۔

(۷۶)

بلاغ

(اطلاعنامہ یا پیام)

جیساکہ سورہ ابراہیم کے آخر میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

هٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ | یہ قرآن لوگوں کے لئے ایک پیام ہے

(۷۷)

مثانی

جو بار بار دہرائی جائے

جیساکہ سورۃ الزمر میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ | اللہ نے بہت ہی اچھا کلام (یعنی یہ کتاب) اُتاری جسکی باتیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں اور ایک ہی بات سمجھانے کیلئے بار بار دہرائی گئی ہے۔

دوسری آیت سورۃ الحجر میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ۔ | اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمکو سات آیتیں عطا فرمائیں جو مکرر پڑھی جاتی ہیں۔

ف

پہلی آیت میں قرآن کو بار بار دُہرایا جانا، یا تو اسواسطے کہا کہ وہ ہمیشہ بار بار پڑھا جاتا ہے

یا اس لئے فرمایا کہ ہر رمضان المبارک میں حافظ قرآن ؎ دہراتا ہے یا اس لئے کہا کہ ایک ہی بات قرآن مجید میں بہ انواع مختلفہ مکرر سہ کرر کہی گئی ہے۔ دوسری آیت میں سات آیتوں سے مراد سورۃ الفاتحہ ہے جو پنجوقتہ نماز کی ہر رکعت میں دُہرائی جاتی ہے۔

(۸)

اَمْرُاللّٰہِ

فرمان الٰہی

جیساکہ سورۃ الطلاق میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

ذَالِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ	(مسلمانوں!) یہ فرمان الٰہی ہے جو اس نے تمہاری طرف بھیجا ہے۔

یہ لفظ قرآن میں بمعنی قرآن دو جگہ آیا ہے ایک یہاں دوسرے ابتدائی سورۃ النحل میں۔

(۹)

تِبْیَانٌ

تمام صداقتوں کا بیان کرنیوالا

جیساکہ سورۃ النحل میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ	(اور اے پیغمبر!) ہم نے تم پر (یہ) کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کا بیان کرنے والی ہے۔

یہ لفظ قرآن میں اسی ایک مقام پر آیا ہے۔

(۸۰)

لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُبِیْنٌ

خالص عربی زبان

جیساکہ سورۃ النحل میں ہے جہاں اللہ تعالٰے فرماتا ہے:-

هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ اور یہ (قرآن) صاف عربی زبان ہے۔

ف

اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ قرآن شریف کی زبان، خالص عربی زبان ہے اس میں کسی دوسری زبان کا خلط نہیں ہے اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے کیونکہ تمام قبائل عرب میں قبیلہ قریش ہی کی زبان معتمد علیہ اور خالص عربی تھی۔

قرآن مجید میں معدودے چند الفاظ جو غیر عربی خیال کئے جاتے ہیں ہم اُن سب کو یہاں ایک جدول میں دکھاتے ہیں، بعدہ انکی تشریح کریں گے۔

آدم (۱)	ابراہیم (۲)	اسمٰعیل (۳)	اسحاق (۴)	اسرائیل (۵)	یعقوب (۶)
یوسف (۷)	داؤد (۸)	سلیمان (۹)	ادریس (۱۰)	الیاس (۱۱)	موسیٰ (۱۲)
ہارون (۱۳)	ذکریا (۱۴)	عیسیٰ (۱۵)	ایوب (۱۶)	یونس (۱۷)	الیسع (۱۸)
لقمان (۱۹)	مریم (۲۰)	جبریل (۲۱)	میکال (۲۲)	ہاروت (۲۳)	ماروت (۲۴)

طالوت (۲۵)	جالوت (۲۶)	عمران (۲۷)	ابلیس (۲۸)	فرعون (۲۹)	آزر (۳۰)
ثمود (۳۱)	یاجوج (۳۲)	ماجوج (۳۳)	ہامان (۳۴)	قارون (۳۵)	ارم (۳۶)
منات (۳۷)	یغوث (۳۸)	یعوق (۳۹)	بابل (۴۰)	مکّہ یا بکّہ (۴۱)	مدین (۴۲)
مصر (۴۳)	جہنم (۴۴)	سندس (۴۵)	استبرق (۴۶)	یاقوت (۴۷)	مرجان (۴۸)
فردوس (۴۹)		سجیل (۵۰)		جزیہ (۵۱)	

قرآن بھر میں یہی کل (۵۱) الفاظ ہیں جن کو عجمی یا غیر عربی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن حقیقت ان کی یہ ہے کہ ان اکاون میں سے شروع کے (۱۸) الفاظ تو انبیاء علیہم السلام کے اسمار گرامی ہیں۔ جبریل و میکال، دو فرشتوں کے دو عَلَم ہیں۔ لقمان ایک مشہور حکیم کا نام ہے۔ مریم حضرت عیسیٰ کی ماں کا نام ہے۔ تیئیں سے پینتیس تک تیرہ الفاظ مختلف لوگوں کے نام ہیں (۳۷) سے (۳۹) تک تین، خاص بتوں کے علم ہیں۔ چھتیسواں لفظ اور (۴۰) سے (۴۳) تک (بابل مکہ۔ مدین۔ مصر۔) پانچ شہروں کے پانچ نام ہیں۔

جہنم خالص عربی ہے جیسا کہ جمہور محققین کی رائے ہے اور اگر عجمی لفظ تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ بتانا چاہیئے کہ کس زبان کا لفظ ہے اور اسکی کافی سند پیش ہونی چاہیئے۔

اسمار و اعلام کا ایراد بجنسہ ضروری ہے اور اسکے اختلاط سے زبان پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ وہ مخل فصاحت ہے لہذا یہ (۴۴) الفاظ جو اسمار و اعلام ہیں اس بحث سے مطلقاً خارج ہو گئے۔

اب رہے سات کلمے۔

فردوس عربی لفظ ہے جسکے معنی ہیں باغ اور جنت الفردوس ایک خاص بہشت کا نام ہے جو صرف انبیا علیہم السلام اور صدیقیں و شہدار کا مقام ہوگا بعض لوگونکا اسکو رومی یا ایرانی لفظ خیال کرنا غلط اور محض بے سند ہے۔

سجیل کو سنگ گل کا معرب کہا جاتا ہے جیسا کہ مولوی نذیر احمد دہلوی نے اپنے ترجمۂ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے اور ایسا ہی بعض اور لوگوں نے بھی خیال کیا ہے سجیل اور سنگ گل ، وضع لفظی میں مشابہ اور قریب المعنی ہیں۔ اسی وجہ سے ایک گروہ کو سنگ گل کے معرب ہونے کا دھوکہ ہوا حالانکہ دراصل ایسا نہیں ہے۔ سجیل خود عربی لفظ ہے جسکے معنی ہیں۔ کنکر یلے کے اور بعض اہل تفسیر و لغت نے سجیل کو بمعنی سجل لکھا ہے۔ البتہ ایک اثر میں حضرت ابن عباس علیہ السلام کا قول نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہو سنگ گل۔ اولاً تو یہ اثر روایۃً صحیح ثابت نہیں۔ دوسرے عقلاً قابل اعتماد نہیں کیونکہ حضرت ابن عباس زبان فارسی نہیں جانتے تھے تیسرے اگر یہ روایت صحیح مان بھی لی جائے تو اسکے دو نو پہلو ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ سجیل کو سنگ گل کا معرب قرار دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ سجیل کا معنی سنگ گل ہے غرض اس سے کوئی لتعیین نہیں ہو سکتی۔

جزیہ خالص عربی لفظ ہے۔ یہ نکلا ہے جزا سے جس کے معنی ہیں بدلہ اور عوض جزیہ اسلام میں وہ محصول یا ٹیکس ہے جو ذمی یعنی غیر مسلمان رعایا سے لیا جاتا ہے تا اُن کے جان و مال کی حفاظت کی جائے اور چونکہ یہ ٹیکس حفاظت جان و مال کا بدلہ ہے اس لئے جزیہ کے نام سے موسوم ہوا۔ کافۂ اہل اسلام ، جمہور اہل لغت

اور علمائے تحقیق کا اسی پر اتفاق ہے۔

اس زمانہ میں مولوی شبلی نعمانی نے اَلجزیہ ایک رسالہ لکھا ہے جس میں صاحب برہان قاطع کی تقلید میں جزیہ کو گزیت فارسی لفظ کا معرب بتایا ہے۔ اس دعوے پر چند کمزور دلیلیں بھی قائم کی ہیں جس سے دعوی ثابت نہیں ہوتا۔

غالباً اس احداث سے مقصود یہ ہوگا کہ جزیہ قدیم زمانہ کا ٹیکس ہے نہ ایجاد کردہ اسلام لیکن جب عربی میں جزیہ کا ما بہ الاشتقاق اور اسکی کافی وجہ تسمیہ موجود ہے تو ہمکو خواہ مخواہ اس کے معرب بتانے کی کیا ضرورت ہے درحالیکہ اس پر کوئی بینہ بھی موجود نہیں ہے۔ چونکہ اس بحث پر برادر محترم احمد معظم مد اللہ ظلہ کا ایک مستقل رسالہ ہے اسلئے زیادہ لکھنا ہم مقتضائے محل کے خلاف سمجھتے ہیں۔

سندوس و استبرق۔

ان دو لفظوں کے غیر عربی ہونے پر امام سیوطی نے بہت عمدہ بحث کی ہے ہم اس موقع پر صرف اس کا ترجمہ کر دینا، کافی سمجھتے ہیں۔"

کہا جاتا ہے کہ استبرق لفظ عربی نہیں ہے اور کلام عرب میں غیر عربی لفظ کا آنا بلاغت کے درجہ کو گھٹا دیتا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر دنیا بھر کے فصحا رجمع ہو کر متفقہ کوشش کریں کہ اس لفظ کو جدا کر کے بجائے اس کے دوسرا لفظ لاجما ئیں تو ممکن نہیں ہے اور اگر ایسا کر بھی گزریں تو وہی ہوگا کہ زربفت میں ٹاٹ کا پیوند۔

اب دیکھو کہ جب اللہ تعالے نے اپنے بندوں کو اپنی اطاعت پر برانگیختہ کیا تو باعتبار فصاحت و بلاغت کے ضرور ہوا کہ برانگیختہ کرنیکے بعد عمدہ عمدہ انعامات کا وعدہ کرے اور سخت سخت عذابوں سے خوف دلائے پھر یہ اچھے وعدے ایسی چیزوں کے میں ہونے ضرور ہیں جو عقلاء کے نزدیک مرغوب ہیں اور وہ منحصر ہیں پانچ چیزوں میں

اول آراستہ اور پاکیزہ مکان۔ دوسرے مزیدار کھانے۔ تیسرے خوش گوار شراب چوتھے بھڑکیلے کپڑے۔ پانچویں شہوانی لذتیں۔

عمدہ سے عمدہ اور مزیدار سے مزیدار کھانے پینے کی چیز گنبدی جگہ بیٹھکر کھائی جائے تو

کچھ لطف نہ آئیگا اس لئے اللہ تعالے نے مزید ارکھانے پینے کے وعدوں کے ساتھ پاکیزہ جنات کا وعدہ بھی فرمایا۔ مکان کے بعد کپڑوں کا ہونا لازم ہے۔ دنیا میں ریشمی کپڑے سے عمدہ کوئی کپڑا نہیں ہے۔ سونا ضرور اس سے بہتر وگرانمایہ چیز ہے مگر وہ ایسی شے نہیں ہے جس سے کپڑا بنا جاسکے بلکہ سونے کے استعمال کی دوسری صورتیں ہیں غیر ریشمی کپڑوں میں وزن کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا۔ بہت سے ہلکے کپڑے بھاری کپڑوں سے عمدہ اور گراں بہا ہوتے ہیں۔ ریشم میں یہ بات کہاں ؟ ریشمی لباس جتنا بھاری ہوگا۔ اتنا ہی گرانبہا اور بیش قیمت ہوگا۔

لہذا، مزید اکل وشرب کے بعد ایسے ہی عمدہ کپڑوں کا وعدہ شایان فصاحت ٹھیرا جو بھاری اور بیش قیمت ہو۔

اب دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو اس بیش قیمت چیز کا اظہار و وعدہ ایک لفظ میں کیا جائے جو اسی چیز کے لئے موضوع ہو، یا متعدد لفظوں میں بیان کیا جائے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کسی چیز کو ایک ہی لفظ میں بیان کرنا بہت بڑی بلاغت اور قادر الکلامی ہے بہ نسبت اس کے کہ متعدد الفاظ میں صراحت کی جائے۔ تو اس بیان کے لئے استبرق کے سوا، دوسرا کوئی لفظ نہیں ہے اسی لئے ہمارا ادعاء ہے کہ کوئی بلیغ اور قادر الکلام اس لفظ کو چھوڑ کر دوسرا لفظ اسکا قائم مقام نہیں لاسکتا ہے نہیں لاسکتا۔

عرب میں نہ تو کوئی ریشمی کپڑا ہے نہ اس کے لئے عربی زبان میں کوئی لفظ موضوع ہے۔ استبرق سے اہل عرب واقف تھے۔ اس کا استعمال جانتے تھے۔ اپنے کلام میں اسکو برتتے تھے تو اگر ایسے لفظ کو جس سے اہل عرب اور عرب عربا مانوس تھے، اپنے اشعار وکلام میں بلا تکلف استعمال کرتے تھے، جس کا نعم البدل

خود ان کے لٹریچر میں موجود نہ تھا اور وہ لفظ بھی عربی سانچے میں ڈھلا ہوا تھا اپنے موقع اور بہترین نہج بر مطابق بلاغت استعمال کیا گیا تو یہ فصاحت کے خلاف ہوا، یا عین بلاغت۔ جو مضمون سطر کی سطریں ادا ہوتا، اگر وہ ایک ہی لفظ میں ادا کر دیا گیا تو یہ قادر الکلامی کا ثبوت اور بلاغت کی دلیل ہے یا محل اعتراض ہے؟

حاصل یہ ہے کہ یہ لفظ زمانۂ نامحدود سے عرب میں مستعمل ہو کر جزو زبان ہو چکا ہے

یاقوت اکثر لوگ اس کے معرب ہونے کے قائل ہیں لیکن عرب میں اس درجہ مستعمل تھا کہ اجنبیت باقی نہ رہی۔ تاہم یاقوت کی عجمیت مشتبہ ہے اور عنقریب ہم اس پر مشبع بحث کریں گے۔

مرجان ائمہ لغت کا ایک گروہ اسکو عربی بتاتا ہے۔

بات یہ ہے کہ ملک عرب میں کسی قسم کے پتھروں کی کان نہیں پائی جاتی اس لئے جتنے جواہرات پتھر کے قسم سے ہیں اُن کے لئے عربی میں کمتر الفاظ پائے جاتے ہیں لیکن مرجان و موتی دریا میں پیدا ہوتے ہیں چنانچہ علاوہ دوسرے دریاؤں کے بحر عمان سے موتی اور بحر احمر سے مرجان نکالتے ہیں۔

ایک دلچسپ بحث

قرآن مجید کی سورۃ الرحمن میں ارشاد ہوا ہے:۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ

اسی (اللہ) نے دو سمندر بنا نکالے کہ آپس میں ملتے ہیں (پھر بھی) دونوں کے بیچ میں ایک پردہ رہتا ہے کہ اس سے ایک دوسرے کی طرف بڑھ نہیں سکتے دونوں میں سے

وَالْمَرْجَانُ۔ موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔

دو سمندروں سے کونسی دو سمندریں مراد ہیں؟ اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں۔

پہلا قول:۔ بعض صوفیہ کا یہ ہے کہ دو سمندروں سے مراد انسان کی روح اور نفس ہے کہ روح اخلاق حمیدہ کو چاہتی ہے اور نفس صفات ذمیمہ کی طرف مائل ہوتا ہے اور ان دونوں کے بیچ میں قلب (برزخ (پردہ)) ہے جو ایک کو دوسرے کی طرف بڑھنے نہیں دیتا اور موتی مونگے سے یہ مراد ہے کہ ان روح ونفس سے دو قسم کی چیز، نیکی و برائی صادر ہوتی ہے۔

یہ توجیہہ نہ صرف غیر صحیح بلکہ تفسیر القول بالا یرضیٰ به قائلہ کی مصداق ہے۔

اوّلاً:۔ تو دو سمندروں سے روح ونفس مراد ہونے کے لئے کوئی قرینہ چاہیئے جو اس مقام پر موجود نہیں اور جب تک کوئی پسندیدہ قرینہ نہ ہو ہر لفظ کا اطلاق اپنے حقیقی معنی پر ہوتا ہے اور ایسی صورت میں تاویل نادرست ہے۔

دوسرے اس وجہ سے کہ اگر دو سمندروں سے روح ونفس اور برزخ سے قلب مراد لیا جائے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ برزخ قلب، ان دونوں (روح ونفس) میں سے کسی ایک کو دوسرے پر بڑھنے نہیں دیتا حالانکہ یہ بدیہی البطلان ہے کیونکہ روح کبھی شہوانی ونفسانی خواہشوں سے مغلوب ہو جاتی ہے اور کبھی نفس کو اپنے تابع بنا لیتی ہے۔

تیسرے اس وجہ سے کہ موتی اور مونگے سے نیکی و بدی کا مراد لینا عقلاً و نقلاً کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ نیکی و بدی میں سے نیکی ممدوح اور بدی مذموم ہے حالانکہ موتی و مونگا دونوں ممدوح چیزیں ہیں۔

دوسرا قول:۔ بعض ظرافت پسند شیعہ کا ہے کہ دو سمندروں سے مراد جناب علی مرتضے اور فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما ہیں۔ ان دونوں کے بیچ میں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم برزخ ہیں جو ایک کو دوسرے پر زیادتی نہیں کرنے دیتے اور امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما موتی و مونگے ہیں فقط یہ قول صرف ایک ظرافت کی شان رکھتا ہے۔

تیسرا قول:۔ یہ ہے کہ بحرین سے مراد بحر شور اور بحر شیریں ہے اور قدرت الٰہی ان دونوں کے درمیان میں برزخ ہے جو ایک کو دوسرے پر بڑھنے نہیں دیتی کہ شیریں پانی بحر شور میں ملکر اس کو میٹھا کر دے یا کھارا پانی میٹھے پانی سے ملکر اسکو کھارا بنا دے حالانکہ اختلاط مائین اسی کو چاہتا ہے۔

اس قول پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ آیت میں بحرین کا لفظ ہے۔ بحرین کے معنی ہیں دو سمندر اور سمندر کا پانی کھارا ہوتا ہے نہ میٹھا اور اگر بحرین سے دو دریا مراد لیں تو دریاؤں کا پانی میٹھا ہوتا ہے کھارا نہیں ہوتا مگر اس اعتراض کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ بحرین سے نہ دو سمندر مراد ہیں نہ دو دریا بلکہ کھارے اور میٹھے دو قسم کے پانی اگر اس صورت میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

چوتھا قول:۔ یہ ہے کہ بحرین سے آسمان کا سمندر اور زمین کا سمندر مراد ہے کہ یہ دونوں سال میں ایک دفعہ مل جاتے ہیں مگر اس صورت میں ،، برزخ لا یبغیان ،، کا کوئی مفاد نہیں ہوگا بلکہ اس کی مخالفت ہوگی کیونکہ ہر ایک دوسرے پر بڑھتا ہے پھر اسکے علاوہ ، آسمان کے پانی یا ابر وغیرہ پر سمندر کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

پانچواں قول:۔ یہ ہے کہ بحرین سے مراد بحر روم اور بحر ہند ہے اور ملک عرب برزخ ہے جو ان دونوں کے بیچ میں حائل ہے۔

چھٹواں قول:۔ یہ ہے کہ بحر روم اور بحر فارس بحرین (دو سمندر) ہیں اور ان کے درمیان میں جو خشکی یا جزائر ہیں وہ برزخ ہے جو ایک کو دوسرے پر بڑھنے نہیں دیتا۔

ساتواں قول:۔ ان چھ مذکورہ اقوال کے علاوہ ہم ایک لگتی ہوی صاف وصریح بات عرض کرتے ہیں کہ:۔

جزیرہ نمائے یمن کی ایک جانب بحر قلزم یعنی بحر احمر ہے اور اس کے مقابل دوسری جانب بحر عمان ہے۔ یہ دونوں دریا، جزیرہ نما سے خارج ہو کر بحر ہند میں ملجاتے ہیں اور ان دونوں کے بیچ میں وہی جزیرہ نما خشکی یمن برزخ ہے جس سے یہ دونوں دریا تجاوز نہیں کرتے پھر بحر احمر سے مرجان اور بحر عمان سے موتی نکلتا ہے پس اب کوئی شک نہیں رہا کہ مرجان کا لفظ عربی ہے۔ تمام ممالک سے زیادہ، عرب میں مرجان مستعمل ہے اور اکثر زینت کے کاموں اور زیورات میں کام آتا ہے۔

سندس۔ یا استبرق یا جو الفاظ کہ قرآن مجید میں غیر عربی کہے جاتے ہیں، اگر وہ غریب یا خلاف محاورہ ہوتے تو کفار عرب کب خاموش بیٹھتے؟ حالانکہ ایسا نہیں ہوا بلکہ انھوں نے کلام اللہ کو اعلیٰ درجہ کا فصیح و بلیغ مانا اور ایسے اعلیٰ درجہ کا بلیغ مانا کہ سحر سے تعبیر کرنے لگے اور اس کے مثل لانے سے عجز کا اعتراف کیا۔

بات یہ ہے کہ ہر زبان میں جب ایسے اجنبی الفاظ مستعمل ہوں جن کو اس زبان والے عام طور پر نہ جانتے ہوں تو وہ ضرور عیب اور خلاف فصاحت ہے لیکن جب ایسے الفاظ مستعمل ہوں جو کسی زمانہ میں غیر زبان کے رہے ہوں مگر اس زبان میں منقول ہو کر جزو زبان ہو چکے ہوں تو وہ کچھ مخل فصاحت نہیں ہے اور اس کے خلاف قرآن کا دعوی ہی نہیں ہے۔ پس اگر دو چار الفاظ غیر زبان عرب کے جو منقول ہو کر جزو زبان ہو چکے ہیں غیر زبان کے ہوں بھی تو وہ قرآن کے قادح بلاغت نہیں ہیں نہ کسی دعوے کے منافی۔

(۸۱)

قولِ ثقیل

بھاری حکم یا قول

جیسا کہ سورۃ المزمل میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا | ہم تم پر عنقریب ایک بڑے بھاری حکم کا بوجھ ڈالنے کو ہیں

ف

قولاً ثقیلاً سے کیا مراد ہے؟ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ثقیل کے معنی ہیں،، عظمت وجلالت میں بڑا اور نفع و ثواب میں بھاری ہے،، قول ثقیل سے مراد ہے رات کی نماز اور کچھ شبہ نہیں کہ رات کی نماز و عبادت انسان کے لئے بڑی مشقت اور یہی مشقت کثرت ثواب کی باعث ہے۔ امام رازی کا مختار مذہب یہی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ قول ثقیل سے خود قرآن مجید مراد ہے اور ثقیل اس لحاظ سے فرمایا کہ اس میں اوامر و نواہی ہیں جن کا بجالانا امت محمدیہ پر عموماً اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصاً تکلیف اور محنت شاقہ ہے یا اس لئے کہ نزول وحی کا وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت ثقیل ہوتا تھا حتیٰ کہ سخت جاڑا ہوتا بھی تو نزول وحی کے وقت آپ پسینے پسینے ہو جاتے تھے۔

(۸۲)

قیّم

سیدھی بات

جیسا کہ سورۃ الکہف میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا قَیِّمًا۔	ہر طرح کی تعریف خدا ہی کے لئے ہے جس نے اپنے بندے (محمدؐ) پر قرآن کو اتارا اور اس میں (کسی طرح کی) کجی (کور کسر) نہ لگی رکھی (بلکہ وہ) سیدھی بات ہے۔

(۸۳)

تَذْكِرَةٌ

جیساکہ سورۃ الدہر میں ہے اور سورۃ المزمل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ	بلاشک یہ (قرآن) نری نصیحت ہے۔

تذکرہ بمعنی قرآن چھ مقامات پر وارد ہوا ہے۔

(۸۴)

تَنْزِیْلٌ

جیساکہ سورۃ الشعراء میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ	اور کچھ شک نہیں کہ یہ (قرآن) پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے۔

یہ لفظ قرآن مجید میں تیرہ مقامات پر وارد ہوا ہے۔

(۸۵)

وَحْیٌ

جیساکہ سورۃ الانبیاء میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُم بِالْوَحْيِ	(اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو کہ میں تو بس وحی یعنی قرآن کے بموجب تمکو ڈراتا ہوں۔

(۸۶) اَحْسَنُ تَفْسِیرٌ

عمدہ توجیہ

جیساکہ سورۃ الفرقان میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا	اور یہ لوگ کیسی ہی بات تمھارے پاس سوچکر لائیں، ہم قرار واقعی جواب اور عمدہ توجیہ (تفسیر) تمکو بتادیتے ہیں۔

ف

یہ تفسیر و توجیہہ قرآن ہی میں ہے پس اسم الکل بالنسبۃ الی الجزا ہوگا۔ یہ لفظ قرآن میں ایک ہی جگہ ہے۔

(۸۷) اِمَامٌ مُّبِینٌ

جیساکہ سورۃ یٰس میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ	اور ہم نے تو سب ہی چیزوں کو کتاب واضح یعنی لوح محفوظ میں قلمبند کر رکھا ہے۔

ف

لغت میں امام کے معنی پیشوا، اور شارع عام کے ہیں اور لوح محفوظ پر دونوں باتیں صادق آتی ہیں کہ تمام واقعات گذشتہ اور آئندہ اُسی کے مطابق واقع ہوئے اور ہونگے، گویا تمام دنیا ومافیہا اُسی پر چل رہی ہے اور اسکو واضح اس لئے فرمایا کہ اُس میں سب باتیں وضاحت کے ساتھ لکھی ہوئی ہیں اور مراد علم آلہی بھی ہو سکتا ہے (حاشیہ مولوی نذیر احمد)

ف

اکثر لوگ، امام مبین سے لوح محفوظ مراد لیتے ہیں اور بعض لوگ جن میں ایک امام سیوطی ہیں قرآن کریم مراد لیتے ہیں۔ پوری آیت یوں ہے:۔

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ	ہم ہی زندہ کرتے ہیں مردوں کو اور لکھ لیتے ہیں ان کے گذشتہ اعمال کو اور اُن کے نقوش پا کو اور تمام چیزوں کو ہمنے محصور کر رکھا ہے لوح محفوظ میں

آیت میں قرآن مجید کا کچھ ذکر نہیں ہے نہ امت کے تمام اعمال وآثار قرآن میں لکھے ہوئے ہیں بلکہ سیاق ومقام دونوں لوح محفوظ ہی کی تعیین کر رہے ہیں۔ امام وہ ہے جو اپنے رتبۂ عالی کی وجہہ سے سب کے آگے ہو اور سب لوگ اس کے پیرو ہوں پیشوا بھی اسی کو کہتے ہیں۔

لوح محفوظ خواہ تختی ہو یا وہ علم آلہی سے عبارت ہو، اس میں تمام کتب منزلہ اور دوسرے سب امور داخل ہیں پس لامحالہ وہ سب سے عالی رتبہ ہوا، اور سب کتب اس کی پیرو ہیں۔ اسی طرح ہر ایسے شخص کو جس کا رتبہ کسی فن میں عالی ہو امام کہتے ہیں۔ مثلاً امام النحو، امام المتکلمین۔ امام الفقہا، امام اللغۃ، امام الحدیث وغیرہ لوح محفوظ میں قرآن داخل ہے، اور جب قرآن امام ہے تو لوح محفوظ بدرجۂ اولیٰ امام

ہوگا۔ آیت مذکورہ میں نہ قرآن کا کچھ ذکر ہے نہ قرآن میں نقوش قدم کا احصا ہے نہ سوتی اور دوسرے حالات کا اس میں احصا ہے۔ قرائن اور ربط ماسبق وما لحق لوح محفوظ ہی کی صراحت کو متعین کر رہے ہیں۔

کسی شی کی ایسی تعریف جو اس پر منطبق نہ ہو درحقیقت تعریف نہیں، نا مجوز بلیغ ہے بعض علماء کی، یہ تعریف بھی ایسی ہی ہے کہ قرآن میں تمام دنیا کی چیزیں ہیں۔

اولاً:۔ اس وجہہ سے کہ لوح محفوظ میں بھی تمام دنیا کی چیزیں ہیں اور قرآن لوح محفوظ کا جزو ہے پس کل اور جزو کا برابر ہونا لازم آتا ہے۔

ثانیاً:۔ اس وجہہ سے کہ ہم کسی فلسفی یا معترض کی تسلی نہیں کر سکتے حساب ہئیات۔ اقلیدس، موسیقی، طبعیات، سائنس اور جر ثقیل وغیرہ قرآن میں کہاں ہیں؟ کسی فن کے مناسب اگر دو ایک لفظ آ بھی گئے تو اتنی بنیاد پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ تمام فن اس میں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہر فن کا اصل اصول قرآن میں ہے حالانکہ یہ غلط ہے تو اس امر کے تسلیم کر لینے کے بعد بھی دعویٰ غیر ثابت رہتا ہے کیونکہ جب اصل اصول بلا تفصیل فروع، ہوا تو اس سے ثابت ہوگا کہ قرآن میں سب چیزیں نہیں ہیں۔ چھوٹے سے چھوٹے فن کے بھی تمام مسئلے قرآن میں نہیں ہیں۔ اس امر کو اب تک نہ کسی نے ثابت کر دکھایا نہ ثابت کر سکتا ہے پس ایسا بے بنیاد دعوے جو باعث ریشخند اغیار ہو، سوائے اپنے اور اپنے مذہب کی سبکی کے کوئی نتیجہ نہیں پیدا کر سکتا پھر اگر یہ کہا جائے کہ قرآن میں، ہے تو سب کچھ مگر ہمکو نہیں معلوم تو دعوے بے معنی ہے۔ ان امور کے علاوہ، ایک قابل غور امر یہ بھی ہے کہ اگر قرآن میں تمام باتیں ہیں تو حدیث اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ لغو ہو جاتی ہے کیونکہ جب سب کچھ ہے تو اس کو بھی ہونا چاہئے یا یوں کہا جائے کہ رسول کو قرآن کا کما ینبغی علم نہیں تھا

معاذ اللہ منہا۔ غرض ان وجوہ سے ثابت ہوا کہ امام مبین سے لوح محفوظ ہی مراد ہے۔

(۸۸)

نبأ عظیم

برا واقعہ یا بڑی خبر

جیسا کہ سورۂ صٓ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيمٌ — (اے پیغمبران لوگوں سے) کہو کہ قرآن (کا نازل ہونا بھی) ایک بہت، بڑی بات ہے۔

دوسری آیت سورۃ النبا میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ — یہ سب لوگ ایک دوسرے سے کس چیز کا حال دریافت کر رہے ہیں۔ اُس بڑے حادثہ کا جس کے بارہ میں وہ مختلف ہیں۔

ف

امام سیوطی اور اور لوگوں نے بھی النبا و العظیم سے قرآن کو مراد لیا ہے اور عامۂ مفسرین کے نزدیک اس سے مراد قیامت ہے۔

پہلی آیت میں قرآن کا مراد لینا راجح ہے اس لئے کہ اگرچہ اس کے اوپر قیامت کا ذکر ہے مگر قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ تک ذکر قیامت ہو کر رسول مقبول صلعم کا ذکر شروع ہوا ہے۔

دوسری آیت میں نبا رعظیم سے قیامت ہی مراد ہے اس لئے کہ یہاں حساب قیامت ہی کا بیان ہے جسکو عم یتساءلون اور نبا عظیم سے یعنی قیامت زیادہ

ربط ہے۔

یہ ثابت نہیں ہے کہ کفار عرب کو قرآن کے آسمانی ہونے میں فیمابین اختلاف تھا البستہ قیامت کے وقوع میں ضرور اختلاف تھا۔ تو نبا عظیم سے جب قیامت مراد ہو تو عظیم اس لئے کہ وہ دنیا کا بہت بڑا حادثہ ہے اور اگر قرآن مراد ہو تو عظیم اس لئے کہ قرآن کا اس دعوے کے ساتھ رسول عرب پر اترنا بہت بڑی بات ہے۔

یہ لفظ قرآن میں بہ صفت قرآن دو ہی جگہ ہے۔

(۸۹)

غَیۡرَ ذِیۡ عِوَجٍ

جیسا کہ سورۃ الزمر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا غَیۡرَ ذِیۡ عِوَجٍ ۔ (یہ) قرآن (صاف اور سلیس) عربی (زبان میں) ہے اس میں کسی طرح کی پیچیدگی نہیں ہے۔

ف

یہ، قرآن کا عجیب تصرف ہے کہ اہل عرب پر نازل ہوا جو اس کے نزول کے وقت تمدن اور اخلاق اور معتقدات کے اعتبار سے بلا مبالغہ چیونٹی بھرے ہوئے کباب تھے پھر قرآن کی تعلیم سے وہ ایسے ٹھیک ہوئے کہ اُن سے سارے جہان نے تہذیب اور شائستگی اور ترقی کا سبق لیا۔ اسی لئے تو قرآن کو "غیر ذی عوج" کہا کہ اس میں ذرا بھی کجی، خامی اور پیچیدگی نہیں ہے یہ لفظ قرآن میں ایک ہی جگہ وارد ہوا ہے

(۹۰)

رُوْحٌ

جان

جیسا کہ سورۃ الشوریٰ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا — اور (اے پیغمبر!) اسی طرح ہم نے وحی کے ذریعہ سے تمھارے پاس اپنے حکم سے (دین کی) جان بھیجی (یعنی یہ قرآن)

ف

مفسرین نے روح کے دو معنی لکھے ہیں۔ بعض نے روح القدس یعنی جبریل تو انہوں نے اوحینا کے معنی ارسلنا کر دئیے ہیں کہ ہم نے اپنے حکم سے روح الامین یعنی جبریل کو تمھاری طرف بھیجا ہے بعض نے روح سے قرآن کو مراد لیا ہے کہ وہ دلوں کو زندہ کرتا ہے یا حیات ابدی کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ ہم نے اس معنی کا لحاظ کر کے "دین کی جان" ترجمہ کیا کہ دین جو لوگوں کے اختلافات اور تصرفات سے گویا مردہ ہو گیا تھا قرآن نے اس میں از سر نو روح پھونکدی۔

یہ فائدہ مولوی نذیر احمد دہلوی کا ہے

ہم کہتے ہیں کہ جن مفسرین نے اس آیت میں روح کو جبریل کے معنی میں لیا ہے انہوں نے اوحینا کو ارسلنا کے معنی میں کر دیا ہے مجازاً و تجریداً، اور یہ کمزور صورت ہے۔ قرآن پر روح کا اطلاق کئی وجہ سے موزوں ہے۔

(۱) روح جوہر مجرد غیر فانی ہے اور قرآن کلام اللہ ہونے کی حیثیت سے

صفت باری اور قدیم غیر فانی ہے۔

(۲) روح انسان کے لئے باعث حیات ہے اور قرآن اپنے متمسک پیرو کے لئے باعث حیات روحانی ہے۔

(۳) روح، تزکیہ کے بعد باعث ارتقار مدارج عالیہ ہے اور قرآن بحالت تدبیر باعث تقرب بارگاہ یزدانی ہے۔

(۴) روح ارباب معرفت باعث حیات ابدی ہے اور قرآن اپنے متبعین کے لئے ذریعۂ حیات جاودانی ہے۔

(۵) حضرت سرور کائنات صلعم کی بعثت سے پہلے دین حنیفی، اختلافات اور تصرفات بیجا کی وجہ سے گویا مردہ ہو گیا تھا۔ جس کو قرآن نے از سر نو زندہ کیا۔

(۹۱)
عَلِیٌّ حَکِیْمٌ

ذی وقار پر حکمت

جیساکہ سورۃ الزخرف میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَاِنَّهٗ فِیْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِیٌّ حَكِيْمٌ	اور بیشک یہ (قرآن) ہمارے پاس اصل کتاب میں (موجود اور) بڑے پایہ کی حکمت والی کتاب ہے۔

یہ دونوں صفتیں قرآن کی ایک ہی جگہ ہیں۔

(۹۲)

دَاعِیَ اللّٰہِ

جیساکہ سورۃ الاحقاف میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

یَا قَوْمَنَا اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰہِ ۔	بھائیو! (یہ قرآن) خدا کی طرف بلانے والے کی بات مانو۔

ف

یہ جنات کا مقولہ (نقل کیا گیا) ہے۔ ایک روز وہ قرآن سنکر اپنی قوم میں گئے اور اُن سے کہنے لگے کہ ہم نے (قرآن) ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ وہ اگلی کتابوں کی تصدیق کرتی سچی بات اور سیدھے رستہ کی طرف ہدایت کرتی ہے تم سب لوگ اسکو مانو۔

(۹۳)

وَحْیٌ یُّوْحیٰ

جیساکہ سورۃ النجم میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحیٰ	(بلکہ محمدؐ جو) یہ (قرآن پڑھ کر سناتے ہیں) وحی (آسمانی) ہے جو اُن پر نازل ہوتی ہے۔

یہ نام ایک ہی مقام پر وارد ہوا ہے۔

(۹۴)

قَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ

جیساکہ سورۃ الحاقہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ۔	یہ (قرآن) بلاشبہ کلامِ (الٰہی) ہے جو ایک معزز فرشتے کا (لایا ہوا) ہے اور یہ کسی شاعر کی بات نہیں۔

دوسری آیت سورۃ التکویر میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ	یہ (قرآن) بے شک معزز فرشتہ (جبریل) کا (پہونچایا ہوا) پیام ہے جو قوت والا ہے (اور) مالک عرش کے نزدیک اسکا بڑا درجہ ہے وہاں (فرشتوںکا) مانا ہوا امانت دار ہے۔

ف

دونوں آیتوں میں رسول کریم کا لفظ واقع ہوا ہے۔ پہلی آیت میں دوسری توجیہہ ہوسکتی ہے مگر دوسری آیت میں رسول کریم سے سوائے جبریلؑ کے دوسری کوئی مراد نہیں لیجا سکتی۔

قَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ کے معنی ہیں" معزز قاصد کا قول یعنی قرآن معزز قاصد کا قول ہے اور وہ معزز قاصد ہیں حضرت جبریلؑ تو معنی یہ ہوے کہ قرآن معزز فرشتے جبریلؑ کا مقولہ یا کلام ہے۔ جبریلؑ کا کلام ہونے سے مراد یہ ہے کہ اُن کا پہونچایا ہوا ہے اور یہ کہ ہمارے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کی زبان سے قرآن سنا اور جبریلؑ کے امانت دار ہونے کا مقصود یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کو بعینہ اسی طرح پیغمبر اسلام تک پہونچاتے ہیں جتنا ان کو دربار ایزدی سے ملتا ہے یا جس قدر پہونچانے کا حکم ہوتا ہے وہ اپنی

طرف سے کچھ کمی بیشی نہیں کرتے نہ کر سکتے۔ یہ فرشتہ یعنی جبرئیلؑ قوت والا ہے
کہ چشم زدن میں وحی کو جو گراں بار چیز ہے رسول تک پہونچا دیتا ہے اور
مالک عرش یعنی خداوند کریم کے پاس اس کا بڑا درجہ ہے جو ایسے بڑے کام
پر مامور ہے اور دوسرے تمام فرشتے اس کے زیر فرمان ہیں۔

(۹۴)

حَسْرَۃٌ عَلَی الْکَافِرِیْنَ

کافروں کیلئے حسرت

جیساکہ سورۃ الحاقہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَاِنَّہٗ لَحَسْرَۃٌ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ	اور اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ (قرآن) کافروں کیلئے (موجب) حسرت ہے۔

ف

موجب حسرت سے یہ مراد ہے کہ آخرت میں کافروں کو بڑا افسوس ہوگا کہ
ہائے دنیا میں ہم نے قرآن پر عمل کیوں نہ کیا۔

(۹۵)

حَقُّ الْیَقِیْنِ

یقیناً برحق

جیساکہ اسی سورۃ الحاقہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَاِنَّہٗ لَحَقُّ الْیَقِیْنِ	اور اس میں بھی شک نہیں کہ یہ (قرآن)

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ۔	یقیناً برحق ہے تو اپنے پروردگار عالی شان کے نام کی تسبیح میں لگے ہو۔

شَاہِدٌ وَمَشْهُودٌ

گواہ اور جسکی گواہی دیجائے

جیساکہ سورۃ البروج میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ	آسمان کی قسم جس میں برج ہیں اور اس دن کی قسم جسکا وعدہ ہے (یعنی روز قیامت) اور گواہ کی قسم اور جس کے مقابلہ میں گواہی دیجائے اسکی قسم

ف

امام قفال رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شاہد کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے۔ ایک وہ جس سے دعاوی وحقوق ثابت کئے جاتے ہیں۔ دوسرے وہ جو حاضر ہو۔ شاہد ومشہود سے کیا مراد ہے؟ اس میں علمائے مفسرین کے بہت سے مختلف اقوال ہیں۔

پہلا قول:۔ یہ ہے کہ مشہود سے مراد قیامت اور شاہد سے مراد وہ سب نفوس جو اس روز حاضر ہونگے۔ ابن عباس رضا ورضحاک سے ایسا ہی روایت کیا گیا ہے۔

دوسرا قول:۔ یہ کہ روز جمعہ مشہود اور نماز جمعہ میں حاضر ہونے والے لوگ شاہد ہیں۔ یہ روایت ابن عمر اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے ہے۔

تیسرا قول:۔ یہ کہ یوم عرفہ مشہود اور حجاج جو اس روز جمع ہوتے ہیں شاہد ہیں
چوتھا قول:۔ یہ ہے کہ مشہود سے مراد یوم النحر ہے اور شاہد سے
مراد وہ لوگ جو منیٰ اور مزدلفہ میں حج کی قربانی کرنے کے لئے جمع ہوتے ہیں
پانچواں قول:۔ یہ ہے کہ مشہود سے مراد یوم جمعہ، عرفہ اور یوم النحر
تینوں ہیں اور شاہد وہ سب مسلمان جو ان روزوں میں جمع ہوں۔
چھٹواں قول:۔ یہ ہے کہ مشہود سے ہر وہ بڑا دن مراد ہے جسمیں
لوگ کثرت سے جمع ہوں اور جمع ہونے والے لوگ شاہد ہیں اور اسی نسبت سے
سے قیامت کو بھی مشہود کہا کہ وہ سب سے بڑا دن ہوگا۔
ساتواں قول:۔ یہ ہے کہ شاہد خود اللہ تعالےٰ ہے اور مشہود سے
مراد توحید ہے۔
آٹھواں قول:۔ یہ ہے کہ شاہد سے مراد محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
ہیں اور مشہود سے مراد تمام انبیار۔
نواں قول:۔ یہ ہے کہ شاہد سے مراد انبیا، اور مشہود سے مراد اُن کی امتیں۔
دسواں قول:۔ یہ ہے کہ شاہد سے مراد تمام ممکنات و محدثات ہیں اور
مشہود سے مراد واجب الوجود کیونکہ قائلین وجود باری کے نزدیک، یہ ممکنات
و محدثات ہی واجب الوجود کی ذات پر گواہی دیتے ہیں۔
گیارہواں قول:۔ یہ ہے کہ شاہد سے مراد ملک اور مشہود سے
مراد مکلفین۔
بارھواں قول:۔ یہ ہے کہ شاہد سے مراد ملک اور مشہود سے مراد
انسان ہے جس کے اعضار قیامت میں گواہی دینگے۔

ایک سے چھ قول تک شاہد بمعنی حاضر ہے اور ساتویں سے بارہویں قول تک شاہد بمعنی بینہ کے معنی میں ہے۔

تیرھواں قول:۔ یہ ہے کہ شاہد سے مراد یوم جمعہ اور مشہود سے مراد یوم عرفہ ہے۔

چودھواں قول:۔ یہ ہے کہ شاہد سے مراد یوم عرفہ اور مشہود سے مراد یوم النحر ہے۔

پندرھواں قول:۔ یہ ہے کہ شاہد سے مراد حضرت عیسیٰ اور مشہود سے مراد ، لوگ۔

سولھواں قول:۔ یہ ہے کہ شاہد خود اللہ ہے اور مشہود روز قیامت ہے

سترھواں قول:۔ یہ ہے کہ شاہد انسان اور مشہود ما توحید ہے

اٹھارھواں قول:۔ یہ ہے کہ شاہد سے مراد انسان اور مشہود سے مراد روز قیامت ہے۔

اٹھارہ مختلف گروہوں کے یہ مختلف مذاہب ہیں اور ہر جماعت نے اپنے قول پر عقلی و نقلی دلیلیں پیش کی ہیں جن کو طوالت کے خوف سے ہم نے نظر انداز کر دیا۔

تحقیق

شاہد و مشہود سے کیا مراد ہے! اس بارہ میں قرآن و حدیث سے کوئی قطعی ثبوت نہیں ملتا اور علماء کی رائیں مختلف ہیں۔

ہماری دانست میں شاہد سے مراد خود قرآن مجید اور مشہود سے مراد کتب سابقہ

آسمانی قرآن اس امر کا شاہد ہے کہ توریت، انجیل اور زبور سب منزل من اللہ ہیں جیسا کہ قرآن کی اکثر آیتوں میں مصرح ہے اور اس کتاب کے گذشتہ صفحوں میں کئی جگہ گذر چکا ہے قرآن کی شہادت ہے کہ محمد مصطفےٰ صلعم رسول برحق ہیں پس قرآن شاہد اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشہود ہوئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ قرآن اپنے اعجاز بلاغت کی رو سے خود اپنے کلام ربانی ہونے پر شاہد ہے تو خود قرآن شاہد اور خود ہی مشہود ہے۔ اور یہی توجیہ ہمارے نزدیک بہترین توجیہ ہے۔

(۹۷)
قولٌ فصلٌ

قطعی بات

جیسا کہ سورۃ الطارق میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ	بیشک قرآن ایک بات قطعی ہے اور وہ کچھ سرسری (بے بنیاد) بات نہیں ہے

ف

مطلب یہ ہے کہ قرآن ایک قطعی اور حکیمانہ بات ہے جس نے نازل ہوتے ہی حق و باطل کا فیصلہ کر دیا اور وہ حکمت سے بھرا ہوا قول ہے، ہزل یعنی ہنسی ٹھٹھا اور چھچھورے پن کی بات نہیں ہے یہ لفظ یعنی قرآن ایک ہی جگہ ہے۔

(۹۸)
حُسنیٰ

اچھی بات

جیساکہ سورۃ اللیل میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۙ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ؕ	اور جس نے (راہ خدا میں) دینے سے انکار کیا اور (آخرت کی) پروا نگی اور عمدہ بات (قرآن) کو جھٹلایا تو ہم تکلیف کی جگہ یعنی دوزخ اس کیلئے آسان کر دینگے۔

ف

قرآن کے "عمدہ بات" ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے؟ یہ لفظ بمعنی قرآن ایک ہی جگہ ہے۔

(۹۹)

صُحُفٌ مُّطَهَّرَةٌ

مقدس یا پاکیزہ اوراق

جیساکہ سورۃ البینہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِیْنَ مُنْفَكِّیْنَ حَتّٰى تَاْتِیَهُمُ الْبَیِّنَةُ ۙ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ ؕ	جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے (دین اسلام کو) نہیں مانتے وہ بے اسکے ٹلنے والے تھے نہیں کہ انکو کوئی کھلی ہوئی دلیل پہونچے (اور دلیل یہی کہ) خدا کی طرف سے کوئی پیغمبر (آئے جو کلام الٰہی کے) مقدس اوراق پڑھ کر سنائے جن میں پکی (اور معقول) باتیں لکھی ہوں۔

ف

مطلب یہ ہے کہ پیغمبر آخر الزماں کے بھیجنے کی ضرورت یوں واقع ہوئی کہ اہل کتاب اور مشرکین کو ان کی غلطیوں پر آگاہ کیا جائے کیونکہ وہ بے رسول کے سمجھائے اور کسی تدبیر سے راہ راست پر آنہیں سکتے تھے۔

صُحُف ۔ صحیفہ کی جمع ہے اور صحیفہ کے معنی ہیں ظرف مکتوب یعنی وہ چیز جس کے لکھا ہو قرآن کو صحف ، بلفظ جمع یا تو اوراق کے لحاظ سے فرمایا ، یا سورتوں کے لحاظ سے ۔ اور مطہرۃ کے دو معنی ہوسکتے ہیں ۔ ایک تو باطل سے خالی ہونا پس ظاہر ہے کہ قرآن خود اباطیل کے مٹانے کے لئے نازل ہوا ، تو اس میں باطل کا شائبہ بھی کیسے ہونا ممکن ہے ؟ دوسرا امر قبیح کا نہ ہونا یعنی قرآن ذکر قبیح سے پاک و مطہر ہے ۔

مُطَهَّرَةً اگرچہ ظاہر میں صحف کی صفت معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت وہ صفت ہے اس چیز کی جو صحف کے اندر مکتوب ہیں ۔

صحف مطہرۃ ، یعنی قرآن ایک ہی جگہ ہے ۔

(۱) کوثر

خیر کثیر

جیسا کہ سورۃ الکوثر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ	(اے پیغمبر !) ہم نے تمکو بڑی خیر و برکت (یعنی کتاب قرآن) دی ہے تو اپنے پروردگار
فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ	کی نماز پڑھو اور قربانی کرو ۔

ف

اس امر میں بھی بین العلماء بہت اختلافات ہیں کہ کوثر سے مراد کیا ہے؟

ایک قول:۔ جو سلف و خلف میں بہت مشہور رہا ہے یہ ہے کہ کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے جو قیامت میں رسول اللہ صلعم کو ملیگی اور اس کے پانی سے امت محمدیہ سیراب ہوگی احادیث میں وارد ہے کہ اس نہر کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ شیریں اور برف سے زیادہ سرد ہوگا۔

دوسرا قول:۔ یہ ہے کہ کوثر نہر نہیں ہے بلکہ ایک حوض کا نام ہے جو قیامت میں امت محمدیہ کو سیراب کریگا۔ درحقیقت یہ دونوں قول مآل المعنی متحد ہیں اور عامہ مفسرین کا یہی مسلک ہے۔

تیسرا قول:۔ یہ ہے کہ کوثر سے، آل رسول کی کثرت مراد ہے جو ایک مشاہدہ امر ہے

چوتھا قول:۔ یہ ہے کہ کوثر سے علمائے امت مراد ہیں اور اسکی تائید میں وہ حدیث پیش کیجاتی ہے۔ جس میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔

پانچواں قول:۔ یہ ہے کہ کوثر سے آپ کی نبوت مراد ہے جسکا خیر کثیر ہونا محتاج دلیل نہیں ہے۔

چھٹواں قول:۔ یہ ہے کہ کوثر سے خود مذہب اسلام مراد ہے۔

ساتواں قول:۔ یہ ہے کہ آپ کے اتباع اور پیروؤں کی کثرت مراد ہے

آٹھواں قول:۔ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کثیرہ مراد ہیں۔

نواں قول:۔ یہ ہے کہ کوثر سے آپ کا علو مرتبت اور رفع ذکر مراد ہے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔

دسواں قول:۔ یہ ہے کہ کوثر سے مراد علم ہے۔

گیارھواں قول:- یہ ہے کہ کوثر سے رسولؐ کی غایت خوش اخلاقی مراد ہے۔

بارھواں قول:- یہ ہے کہ کوثر سے مقام محمود اور رسولؐ کی شفاعت مراد ہے۔

تیرھواں قول:- یہ ہے کہ کوثر سے خود یہی سورۂ کوثر مراد ہے کیونکہ باوجود اسکے کہ وہ قرآن کی تمام سورتوں میں چھوٹی سورت ہے فصحاء عرب اس کی ایسی ایک سورت بھی نہ بنا سکے۔ اور اپنے عجز کا اعتراف کیا۔ اس کے علاوہ امام رازی نے اپنی تفسیر میں ثابت کیا ہے کہ یہ سورہ ، باوجود ، اقصر السور ہونے کے تمام دینی و دنیاوی فوائد کو شامل ہے۔

چودھواں قول:- جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے یہ ہے کہ کوثر سے وہ سب نعمتیں مقصود ہیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو عنایت فرمائی گئیں۔

پندرھواں قول:- یہ ہے کہ کوثر سے قرآن مجید مراد ہے اور یہی سب سے صحیح مذہب ہے۔ کیونکہ قرآن میں دنیا و آخرت کی ساری خیر و برکتیں جمع ہیں اور اس معنی کی تائید اسطرح بھی ہوتی ہے کہ عطائے کوثر کے بعد ہی بلاتعویق اللہ تعالٰے ، رسول اللہ صلعم کو نماز پڑھنے اور قربانی کرنے کا حکم دیتا ہے جو قرآن مجید میں تمام احکام سے زیادہ مہتم بالشان بتائے گئے ہیں تو مطلب یہ ہوا کہ ہم نے تمکو بڑی خیر و برکت کی کتاب عنایت کی ہے تم اسکے شکریہ میں نماز پڑھو اور قربانی کرو۔

قرآن کے کلام اللہ ہونیکے ثبوت

قرآن مجید کے اسماء و صفات کی تفصیلی بحث ختم ہو چکی تو اب ہم اپنا وعدہ پورا

کرنے کی کوشش کرتے ہیں ونسئل اللہ التوفیق وبہٖ نستعین۔

ہم اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے وہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا بھر کی ہدایت کے لئے نازل ہوا۔ پس جس نے اس مبارک کلام الٰہی کی تصدیق کی اور اس کے اوامر و نواہی پر کاربند ہوا ، اس نے بلاشک نجات پائی اور وہ دنیا و آخرت دونوں جگہ کامیاب ہوا۔

جس نے قرآن کو کلام الٰہی باور نہ کیا اور اسکی تکذیب کی ، اس کیلئے نجات کے تمام راستے مسدود ہو گئے اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ

ہم مسلمانوں کا یہ محض عقیدہ ہی نہیں ہے بلکہ اس پر ایسی روشن دلیلیں قائم ہیں کہ ہر حق جو ، سلیم الفطرت کے قلب کو خواستہ و ناخواستہ اسکے تسلیم پر مجبور کرتی ہیں اگرچہ اس موضوع پر بہت سی کتابیں اور رسالے لکھے گئے ہیں۔ لیکن چونکہ اُن کی زبانیں اور مناہج مختلف ہیں اس لئے عام طور پر نفع بخش نہیں ہیں بنائً علیہ یہ مناسب خیال کیا گیا کہ اردو میں ایک ایسی جامع کتاب تیار کی جائے جو تمام اگلے دلائل کو شامل ہو۔ اور ان دلائل کے ساتھ ایسے جدید و قیمتی فوائد منضم کر دئے جائیں جن کے پڑھنے اور سمجھ لینے کے بعد پھر کسی حق جو اور انصاف پسند طبیعت کو قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں انکار کی گنجائش نہ رہے۔

اب ہم اپنے دعوے کے تمام دلائل کو نمبروار لکھنا شروع کرتے ہیں اور اللہ کریم سے توفیق نیک طلب کرتے ہیں اور اس کی مقدس بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ وہ اس کام کو بخیر و خوبی انجام تک پہونچائے اور ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائے۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ۔

قرآن کے کلام اللہ ہونیکا

پہلا ثبوت

اُسکی پیشنگوئیاں

پہلا مقدمہ
منجم کا سب قول سچا نہیں

دنیا میں کوئی ایسا منجم پیدا نہیں ہوا جس کی تمام پیشنگوئیاں صحیح اُتری ہوں کسی ایسے منجم یا پنڈت یا رمال کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی جس نے دعوے کے ساتھ چند پیشنگوئیاں کی ہوں اور وہ سب یا اُن میں کی اکثر یا بعض صحیح ثابت ہوی ہوں۔ آجتک کوئی ایسا پیشنگوئی کرنے والا ظاہر نہیں ہوا جسکو اپنی پیشنگوئی کی صحت پر یقینی بھروسہ رہا ہو اور جو من جمیع الوجوہ ٹھیک اتری ہو۔

ہم اس زمانہ میں بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ اکثر مشہور و مستند ماہرین فن پیشنگوئیاں کرتے رہتے ہیں مگر باوجود اس کے کہ ان کے ساتھ قرائن بھی شامل رہتے ہیں شاذ و نادر ہی کوئی بات من وجہ صحیح اُترتی ہے۔

نجوم۔ رمل۔ جفر۔ کہانت اور اس قسم کے تمام علوم کی صحت پر نہ کوئی عقلی دلیل قائم ہے اور نہ ایسی نقلی دلیل جس کا تعلق کتب مسلمہ آسمانی سے ہو اسکے علاوہ، اسلام، ان علوم کی مذمت کرتا اور ایسے علوم والوں کو جھوٹا کہتا ہے جن کے ذریعہ سے لوگ کچھ آئندہ حالات بیان کیا کرتے ہیں اسلئے کہ اُن کی

اکثر باتیں جھوٹ ثابت ہوتی ہیں۔ سو ہیں دو ایک باتوں کے صحیح اُترنے سے عصمت لازم نہیں آتی۔

دوسرا مقدمہ

رسولخدا صلعم اُمّی تھے

قرآن مجید ناطق ہے اور تواریخ شاہد ہیں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی محض یعنی بالکل ناخواندہ تھے۔ اور اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں صراحت کے ساتھ ارشاد فرماتا ہے:۔

پہلی آیت۔ سورۃ الجمعہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ۔	وہ خدا ہی تو ہے جس نے (عرب کے) جاہلوں میں اُن ہی میں سے (محمدؐ کو) پیغمبر (بناکر) بھیجا (کہ وہ) انکو خدا کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں۔

دوسری آیت۔ سورۃ الاعراف میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ	(ان سے ہماری مراد اہل کتاب ہے) جو ہمارے اِن رسول یعنی نبی امی (محمدؐ) کی پیروی کرتے ہیں جن کی بشارت کو اپنے ہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

تیسری آیت۔ سورۃ العنکبوت میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ	اور اے پیغمبر! قرآن سے پہلے نہ تو تم کوئی کتاب ہی پڑھتے تھے اور نہ تمکو اپنے ہاتھ سے

بِيَمِيْنِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ۔ لکھنا ہی آتا تھا کہ ایسا ہوتا تو یہ بیہودہ خواہی نخواہی شبہ کرتے۔

یہ تو قرآن کا منصوص ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی محض تھے اور لکھنا پڑھنا کچھ نہیں جانتے تھے۔ لیکن مخالفین اور منکرین اسلام کے لئے پھر بھی شبہ کی کافی جگہ باقی ہے کیونکہ وہ قرآن مجید کو غیر صحیح کہینگے۔ رہی یہ بات کہ تواریخ میں آپ کو اُمّی محض کہا گیا ہے تو اس میں یہ کہنے کی گنجایش ہے کہ تواریخ بھی مسلمانوں ہی نے مرتب کی۔

ان شبہات کا جواب یہ ہے کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی نہیں تھے بلکہ پڑھے لکھے تھے، تو خیر، قرآن نے تو غلط کہا اور مسلمانوں نے قرآن کو منجانب اللہ اور کلام باری ثابت کرنے کے لئے، اپنے پیغمبر کو اُمّی محض لکھدیا، مگر یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کو کیا ہوا تھا کہ باوجود اتنی سخت مخالفت اور تکذیب رسالت و اعجاز کے اپنے مکاتیب میں اس کے متعلق ایک حرف نہ لکھا۔ اگر رسولِ خدا، امی نہ ہوتے تو یہ مخالفین ضرور لکھتے کہ قرآن اور مسلمان دونوں جھوٹے ہیں اور محمد (صلعم) امی نہیں ہیں۔ حالانکہ قرآن کے اس دعوے کے خلاف گروہ مخالف کا ایک لفظ بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔ پس اس سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ قرآن سچا ہے اور پیغمبر عرب بلاشک تعلیم یافتہ نہیں تھے آپ اگرچہ اپنی مادری زبان کے لٹریچر میں فصاحت و بلاغت کے بالاترین درجہ پر تھے مگر علوم و فنون میں آپ نے لکھنے پڑھنے کی بھی تعلیم نہیں پائی تھی نہ لکھنا پڑھنا مطلقاً جانتے تھے۔

آپ ملک عرب میں ایسے وقت پیدا ہوئے جب شائستگی نام کو نہ تھی۔ جہالت کی گرم بازاری تھی اور بڑی سے بڑی بیحیائی کا ارتکاب فخریہ کیا جاتا تھا۔ غرض اُس وقت ملک عرب میں ناقابل برداشت تاریکی چھائی ہوئی تھی جس سے تاریخ کی کتابیں لبریز ہیں۔

جب ملک میں علم وفن کا چرچا ہی نہیں تھا اور سب امی صفت تھے اور حضرت سرورِ کائنات سوائے چند روزہ تجارت کے اپنے وطن سے باہر ہی تشریف نہیں لے گئے تو آپکا تعلیم پانا کیونکر قیاس میں آسکتا ہے۔ تعلیم ایسی چیز نہیں ہے جو قوم سے چھپی رہے۔

بہرحال تاریخ سے اور نیز مخالفین کے مکتوبات سے یقینی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ الصّلوٰة والسّلام نے ہرگز کسی سے تعلیم نہیں پائی تھی۔ چند بیجی متعصب مورخین نے بہت کچھ کوشش کی، کہ آپ کا تعلیم پانا ثابت کریں لیکن اُن کو اپنے باطل خیال میں کامیابی نہیں ہوی کیونکہ دروغ کو کسیطرح فروغ نہیں ہوسکتا اگر رسولخدا صلعم تعلیم یافتہ ہوتے تو سب سے پہلے خود کفار عرب اعتراض کرتے کہ امیوں کے مقابلہ میں ایک تعلیمیافتہ کا دعوائے فصاحت وبلاغت کرنا حیرت انگیز بات نہیں ہے جو دلیل معجزہ ونبوت ہوسکے۔

اسکے علاوہ آیت مذکورہ بالا هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیِّیْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اور وَلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ پر ناقابل جواب اعتراض کرتے اور یہ تو کھلی بات ہے کہ ہر شخص کے حالات سے جتنی واقفیت اس کے گھر۔ قبیلہ۔ برادری۔ گاؤں۔ اور اپنے ملکی لوگوں کو ہوسکتی ہے دوسرے کو ہرگز نہیں ہوسکتی۔

تیسرا مقدمہ

محمد مصطفےٰ صادق تھے

حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم صادق وامین تھے چنانچہ کفار باوجود انتہائے مخالفت کے آپ کے ان صفات کے گرویدہ تھے اور آخر زمانہ تک کبھی ان کو ان صفات کی نسبت کچھ شبہ تک نہیں ہوا ۔ والفضل ما شہدت بہ الاعداء

اگر نجوم۔ رمل اور کہانت وغیرہ سچے علوم ہوتے اور رسول خدا کو ان کا علم ہوتا تو ان علوم کو بُرا، اور جھوٹ نہ فرماتے کیونکہ با وصف علم اسچے علوم کو جھوٹا کہنا خلاف صداقت ہے۔

چوتھا مقدمہ

نجوم وکہانت کا مقابلہ

اس میں شک نہیں کہ عرب میں کہانت ونجوم کا چرچا تھا اور عرب ہی کی کیا خصوصیت ہے دوسرے ملکوں میں بھی اس کا رواج تھا اور اب بھی ہے۔ لیکن اسبات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ نجوم وکہانت کوئی معتدبہ اثر رکھتا تھا یا رکھتا ہے۔ سرگشتگان وادی اوہام کے لئے جیسا اب دام فریب ہے ویسا ہی تب بھی تھا۔

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نجوم وکہانت سیکھی تھی اور اسی پر مدار کار تھا تو منجمین اور کاہنین کفار ان علوم اور ارباب علوم کی مدد سے ضرور بالضرور کلمہ بکلمہ جواب دیتے اور کم سے کم اتنا تو کرتے کہ آئندہ حالات پر اطلاع حاصل کر کے معقول چارہ کار کر لیتے؟ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ جس سے لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ در اصل رسالت کے کاموں کو نجوم وکہانت وغیرہ سے کچھ تعلق ہی نہیں ہے۔ اولاً تو سرے سے علوم ہی بے اصل ہیں اور فریب دہی کے لئے جسقدر رہے وہ خداوندی تعلیم کے آگے محض ہیچ و پوچ ہے۔

اسقدر تمہید کے بعد اب ہم یہ گذارش کرتے ہیں کہ جب رسول خدا محمد مصطفےٰ صلعم دعویٰ رسالت کے ساتھ مبعوث ہوئے تو آپ نے اپنی تائید میں کلام الٰہی (قرآن) کو پیش کیا جو واسلوب سے برہان قطعی تھا۔ ایک اسکا اعجاز جس کے مقابلہ میں باوجود تحدی کے کوئی ایک سطر بھی نہ لکھ سکا۔ دوسرے اسکی پیشنگوئیاں جو ایک ایک کر کے اپنے اپنے وقت پر

صحیح ثابت ہوئیں اور آئندہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ باقی پیشنگوئیاں تا روز قیامت اسطرح اپنی صحت کا کرشمہ دکھائینگی
الحاصل قرآن مجید نے اپنے اعجاز بلاغت۔ اپنے اعجاز اخبار عن الغیب اور اپنی
حسن تعلیم سے اپنے کو کتاب آسمانی اور کلام ربانی ثابت کردیا اور جب یہ ثابت
ہوگیا کہ وہ کلام آلہی ہے اور اس نے یہ شہادت دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول
برحق ہیں تو محمد مصطفےٰ صلعم کی رسالت و نبوت بھی ثابت ہوگئی۔ جس میں بہ روے
انصاف انکار کو مطلقاً گنجایش نہیں ہے

اب ہم سلسلہ وار قرآن مجید کی تمام پیشنگوئیوں کو ناظرین کے سامنے پیش
کرتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

قرآن کی پیشنگوئیاں

(۱)

قرآن کا مثل کوئی نہیں لاسکتا

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ۔

اور اگر تمکو شک ہو اس کتاب پر جسکو ہم نے اپنے بندہ (محمدؐ) پر اُتارا ہے تو اسکے مثل ایک ہی سورہ بنالاؤ، اور اللہ کے سوا، اپنے حمایتیوں کو بھی بلالو، اگر تم سچے ہو۔ پس اگر (اتنی بات بھی) نہ کرسکو "اور ہرگز نہ کرسکو گے" تو (دوزخ کی) آگ سے ڈرو جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہونگے (اور وہ) منکروں کے لئے تیار ہے۔

(سورۃ البقرہ ع ۳)

ف

جن دنوں قرآن نازل ہوا، عرب میں فصاحت و بلاغت کا بڑا چرچا تھا۔ شعر موزوں کردینا اُن کے نزدیک ایک معمولی سی بات تھی۔ لونڈیاں تک مختلف مضامین میں ایسے برجستہ اشعار کہدیا کرتی تھیں کہ آج اچھے سے اچھا ادیب اُنکا مثل نہیں کہہ سکتا۔

تو ایک ان پڑھ پیغمبر کا پکار پکار کر کہنا کہ اس طرح کی ایک ہی سورت بنا لاؤ یا بنوا لاؤ ایک ایسا معجزہ ہے کہ تا قیام قیامت اسی تحدی کے ساتھ قائم رہے گا مگر خیر یہ بحث آئندہ کسی ثبوت میں زیادہ شرح و بسط سے کیجائے گی۔

اس مقام پر پہلے تو قرآن نے تحدی کی ہے کہ اگر اس کے کلام اللہ ہونے میں تم کو شک ہے تو زیادہ نہیں تم ایک ہی سورت اس جیسی بنا لاؤ کیونکہ آدمی کے کلام کے مثل آدمی کلام کہہ سکتا ہے۔

اس تحدی کے بعد پھر دعوے کے ساتھ پیشینگوئی کر دی کہ تم قرآن کا مثل ہرگز نہیں لا سکتے اور کبھی نہیں لا سکتے۔ اسی مضمون کو سورۂ بنی اسرائیل میں اور زیادہ صراحت کے ساتھ ادا کیا گیا ہے جہاں ارشاد ہوا ہے:۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔	(اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ اگر آدمی اور جنات جمع (ہو کر) اس بات پر آمادہ ہوں کہ اس قرآن کی طرح کا اور کلام بنا لائیں تاہم اس جیسا نہیں لا سکتے اگرچہ اُن میں ایک دوسرے کی پشتی پر کیوں نہ ہو۔

اللہ اکبر! کیسا زبردست دعویٰ ہے اور کیسی صریح پیشینگوئی ہے جو اتنے بڑے دعوے کے ساتھ پوری ہو کر رہی۔

(نوٹ)
فردوسی کا شاہنامہ جو زبان دری کی بیش بہا کتاب سمجھی جاتی ہے اس پر بہتیری کتابیں لکھی گئیں جیسے نظامی کا سکندر نامہ، محمد بخش تورانی کی صولت فاروقی اور علامہ نجم الدین جریا کوٹی کی چار ضرب آہنی وغیرہ وغیرہ۔ اسیطرح سعدی کی گلستاں پر لوگوں نے کتنی گلستاں بنا ڈالیں۔ گلستان قاآنی۔ بہارستان جامی، خارستان

گلستاں خسرو رحم وغیرہ اگرچہ ہر ایک کتاب اکل کتاب متقدم کا جواب نہ ہو مگر اکثر مقامات پر دونوں میں مساوات کا درجہ ہے اور بعض جگہ تو جواب اصل سے بڑھ گیا ہے مثلاً فردوسی کہتا ہے۔

جہاں را بلندی وپستی توئی   ندانم چہ انچہ ہستی توئی

نظامی۔ پناہ بلندی وپستی توئی   ہمہ نیستند انچہ ہستی توئی

پہلے مصرع میں پناہ، اور دوسرے مصرع میں ،، نیستند ،، نے نظامی کے شعر کو فردوسی کے شعر سے بلیغ اور بہت صاف کر دیا ہے۔

فردوسی۔ اگر برزوے برسر آں سرفراز   بدو نیمہ گردیش با اسپ ساز

نظامی۔ بہر جا کہ شمشیر او کار کرد   یکے را دو کرد و دو را چار کرد

اگرچہ مضمون کے لحاظ سے فردوسی کا شعر بھی اچھا ہے مگر اس کے الفاظ کی نشست بہتر نہیں ہے بخلاف اس کے نظامی کے شعر میں مضمون آفرینی کی شان ہے اور الفاظ کی نشست اور بندش کی چستی نے بلاغت کو اور دوبالا کر دیا۔

فردوسی۔ زہے بارگاہ زافراسیاب   زمشرق بمغرب کشیدہ طناب

نظامی۔ زہے بارگاہے کہ چوں آفتاب   زمشرق بمغرب کشیدہ طناب

فردوسی کے شعر کے پہلے مصرع میں ،، ز ،، کا لفظ فصاحت کے درجہ کو گھٹا دیتا ہے اور دوسرا مصرع ایک مبالغہ کا دعوی محض بے ثبوت ہے۔ بخلاف اسکے نظامی نے ،، چوں آفتاب ،، کا ایسا ثبوت دیا ہے جس نے شعر کو عمدہ ہی نہیں لاجواب کر دیا ہے۔

اسی طرح فردوسی کا یہ مشہور قطعہ ہے:-

درختیکہ تلخ است ویرا سرشت   گرش در نشانی بباغ بہشت

ور از جوی خلدش بہنگام آب   بہ بیخ انگبیں ریزی و شیر ناب

سرانجام گوہر بکار آورد ہماں میوۂ تلخ بار آورد

یہ قطعہ فردوسی کے منتخب اور مستثنیٰ کلاموں میں گویا لاجواب تسلیم کیا گیا تھا، بااین ہمہ ملا ہاتفی نے اسکے جواب میں یہ قطعہ لکھا۔

اگر بیضۂ زاغ ظلمت سرشت نہی زیر طاؤس باغِ بہشت

بہنگام آں بیضہ پروردنش ز انجیر جنت دہی ارزنش

دہی آبش از کوثر و سلسبیل در آں بیضہ دم در دمد جبرئیل

شود عاقبت بیضۂ زاغ زاغ برد رنج بیہودہ طاؤس باغ

اگرچہ ہاتفی کے کلام میں یہ خفیف سا دھبہ ہے کہ ہر شعر میں بیضہ کا اعادہ کیا گیا ہی حالانکہ ضمیر کا ایراد کافی تھا، تاہم اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ ہاتفی کا قطعہ فردوسی کے قطعہ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ پھر اس قطعہ پر ایک تیسرا قطعہ ہمارے والد ماجد علامہ محمد اعظم چریاکوٹی جلالی نے تحریر فرمایا۔

مروش ار نہد پارۂ سنگ زشت میان دل کان لعل بہشت

دمد اندراں روح یاقوت ناب کند پرورش تا ابد آفتاب

نگردد خلافِ گہر تیرہ سنگ درخشندہ رو لعل عناب رنگ

یہ قطعہ بھی فردوسی کے قطعہ سے کسی بات میں کم نہیں ہے۔ ہاتفی نے حیوانات، کو اور علامہ جلالی نے جمادات کو لیا ہے جس میں مضمون کا زیر بحث پیدا کرنا بہت مشکل کام تھا۔

مذکورۂ بالا کتابوں کے علاوہ اور بھی مختلف زبانوں کی کتابیں ہر زور طرز تحریر میں ہیں اور گو ان کتابوں نے اپنے لاجواب ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ پھر بھی ان کا مقابلہ کیا گیا اور جوابات لکھے گئے۔ مگر قرآن مجید نے باوجودیکہ دنیا بھر کے مقابلہ میں اپنے لاجواب اور کلام الٰہی ہونے کا دعویٰ کیا لیکن ابتک کسی نے اسکے

مقابلہ کی جراءت نہیں کی اور قریباً تمام مذاہب نے اس امر کو تسلیم کر لیا کہ قرآن کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ کسی کتاب کے مقابلہ میں کتاب یا کچھ لکھنے لکے یہ معنی ہیں کہ دونوں، بلاغت۔ حسن معانی اور حکمت میں مساوی یا اقلاً جواب، اصل کے قریب قریب ہو اور ایسا قریب کہ بادی النظر میں فرق نہ معلوم ہو اگر ایسا نہیں ہے تو درحقیقت وہ مقابلہ نہیں ہے۔ مسیلمہ کذاب نے جب جھوٹی نبوت کا دعوی کیا تو قرآن کے مقابلہ میں کچھ عبارتیں بنا کر اسکو نزول وحی سے تعبیر کیا تھا جیسے اَلْفِیْلُ مَا الفیل وَمَا اَدْرٰكَ ما الفیل له خرطوم طویل وذالك من خلق ربنا الجلیل۔ جو فصاحت سے معرّی حسن معانی سے عاری۔ حکمت سے کوسوں دور ہیں۔ بہر وہ اس قابل بھی نہیں کہ ہم علمی طور پر اس کے نقصانات بیان کر کے وقت ضایع کریں۔

مخالفین کبھی کبھی جوش میں آکر کہہ اُٹھے کہ ہم اسکے مثل بنا سکتے ہیں۔ چنانچہ عیسیٰ بن صبیح ایک زندیق نے بھی ایسا ہی کہا تھا کہ انسان ایسا قرآن بنا سکتا ہے لیکن قرآن تو کجا آج تک اسکی تین آیتوں کے برابر ایک سورت بھی بنا کر کوئی پیش نہ کر سکا۔

یہ بھی قرآن کا ایک معجزہ ہے کہ اہل عرب جن کی مادری زبان عربی تھی اور جن کے لٹریچر کا کمال، نزول قرآن کے وقت اپنے انتہائی مرکز کو پہونچ چکا تھا وہ بھی باوجود، اپنی انتہائی کوششوں کے قرآن کا جواب لانے سے عاجز رہے تو ہرگاہ ایسے زمانہ میں جب کہ بلاغت کو انتہائی عروج تھا اور اسلام کی مخالفت بھی نہایت زوروں پر تھی، قرآن کی ادنیٰ سورت کے مقابل کوئی کلام پیش نہ کر سکا تو آئندہ کیا توقع ہو سکتی ہے۔ بہرکیف اسوقت تک تو اس پیشینگوئی کی صداقت میں کچھ کلام ہی نہیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا جیسا کہ بیان بالا سے ظاہر ہے۔

پیشنگوئی

(۲)

قرآن ہرطرح محفوظ رہیگا

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ۔ بیشک ہم ہی نے قرآن کو اُتارا ہے اور بیشک ہم ہی اس کے نگہبان ہیں (سورۃ الحجر)

ف

یہ قرآن کے حق میں ایک بڑی پیشنگوئی ہے اور کیسی عمدہ طرح پر پوری ہو رہی ہے کہ خدا نے مسلمانوں کو اس کے زبانی یاد کرنے کا شوق دیدیا ہے۔ دنیا میں اس کثرت سے حافظ قرآن ہمہ وقت موجود رہتے ہیں کہ اگر خدانخواستہ بفرض محال، مکتوبی قرآن روئے زمین پر سے معدوم ہوجائیں تو بھی قرآن کا ایک جملہ ایک لفظ ایک حرف نہ ضایع ہوسکتا ہے نہ بدلا جاسکتا ہے۔ قرآن کے سوائے کسی آسمانی کتاب کو یہ فضیلت نصیب نہیں۔

کیا قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے لئے یہ دلیل کافی نہیں؟ ہے اور ضرور ہے (مولوی نذیر احمد مترجم دہلوی بر حاشیہ ترجمہ)

ف

اللہ تعالیٰ کی نگہبانی اور قرآن کے متعلق یہ پیشنگوئی دو طرح پر پوری ہو رہی ہے ایک تو زبانی یاد کرنے سے کَمَا مَرَّ آنِفاً۔

دوسری قسم کی نگہبانی و حفاظت علمائے اسلام، قرّاء اور محدثین کے ذریعہ سے ہوئی اور ہو رہی ہے۔ قرآن مجید کا ہر ہر لفظ متواتر ہے۔ ہر طبقہ اور ہر دور میں اسکی روایت کرنیوالے اس کثرت سے رہے ہیں جن پر جھوٹ کا وہم و گمان

نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، بغیر ایک نقطہ کی کمی بیشی کے بعینہ آج بھی اسی طرح ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔

سورۃ توبہ کے اول میں " بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ " نہیں ہے۔ سبب اسکا یہ ہے کہ سورتوں کا ٹھیراؤ پیغمبر خدا صلعم کا کیا ہوا ہے اور بسم اللہ سورتوں کی علیحدگی کی علامت ہے۔

مصحف بناتے وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کو تحقیق نہیں ہوا کہ یہ سورت خود مستقل ہے یا کسی دوسری سورہ کی جزو ہے لیکن چونکہ اس سورہ کی آیتوں کا مطلب سورۂ انفال سے ملتا ہوا تھا اس مناسبت سے اس سورہ کو سورہ انفال کے بعد رکھدیا مگر احتیاطاً اس کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی تاکہ دوسری سورتوں کی طرح مستقل سورہ نہ سمجھی جائے۔

اللہ۔ اللہ! اُن بزرگوں نے کلام الٰہی کی کسدرجہ حفاظت کی ہے کہ سورتوں کی تقسیم تک بھی اپنی رائے سے نہیں کی۔

جو شخص تھوڑی دیر کے لئے مذہبی قید سے الگ ہوکر یا ایک لا مذہب بنکر انصاف کی نظر سے دیکھیگا وہ یقیناً کہہ اُٹھیگا کہ جو لوگ سورتوں کے ٹھیراؤ میں اتنی احتیاط مدنظر رکھیں وہ الفاظ اور جملوں کے کم وبیش کرنیکی جرات نہیں کرسکتے اور جس کتاب کے ٹھیراؤ میں اسقدر احتیاط کیگئی ہو اُس میں تحریف یا کمی بیشی کا ہونا ممکن نہیں۔

حفاظت قرآن مجید کے متعلق علمائے اسلام رحمہم اللہ السلام نے اپنی عمر قربانی کی اس مقدس کتاب کی ہر ہر چیز پر بحث اور غور کرکے اسکو ایسا ضابطہ کے اندر لیلیا ہے کہ اب کوئی شخص کمی بیشی کرنا بھی چاہے تو نہیں کرسکتا۔

ف

ہمارے مقدمۂ کتاب کے پڑھنے سے ناظرین پر ثابت ہوگا کہ علمائے اسلام علیہم الرحمہ نے قرآن مجید کی حفاظت و پاسبانی میں کسقدر کاوشیں اور کتنی جان فشانیاں کی ہیں؟ ہے کسی کی مجال جو قرآن میں ایک حرف ایک نقطہ کی کمی بیشی کر سکے! دنیا میں ہے کوئی ایسی کتاب جو اپنے محفوظ رہنے میں قرآن مجید کی برابری کر سکے؟

وید مقدس تو مردہ زبان اور مردہ قوم کی ایک کتاب ہے جو کبھی بنارس کی چار دیواری اور برہمنوں کی سبھا سے باہر نہیں نکلی۔

توریت وانجیل تو دنیا میں پھیلی ہوئی کتابیں ہیں جن کو اُن کے ماننے والے آسمانی کتاب کہتے ہیں۔ لیکن کیا صحت و حفاظت میں وہ قرآن کی صحت و حفاظت کے دسویں حصہ کی برابری بھی کر سکتے ہیں؟

قرآن مجید کی شان تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کی جمع و تنقید میں علمائے اسلام نے حیرت انگیز کام کیا۔ صحت کی جانچ پرتال کے لئے مضبوط اصول قائم کئے۔ کمزور سے کمزور ضعیف سے ضعیف بلکہ موضوع و مفتری حدیث بھی سلسلۂ رُواۃ کے ساتھ بیان کی جاتی ہے۔

حدیث میں ذرا سا نقص بھی ہو تو وہ چھپا نہیں رہ سکتا۔

توریت وانجیل جو آسمانی کتابیں کہی جاتی ہیں وہ صحت کے اتنے درجہ پر بھی تو نہیں ہیں قرآن مجید جس طرح پر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، اُسی طرح بلا ایک حرف کی کمی بیشی کے آج بھی ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے اور اسکا ثبوت ایسا بدیہی ہے کہ باوجود انتہا درجہ کے تعصب کے، عیسائی علما بھی تحریف و تنقیص کا الزام لگانے کی جرات نہ کر سکے اور آخر قرآن کے کامل و مکمل ہونے کا طوعاً و کرہاً اقرار ہی کرنا پڑا۔

میور صاحب کو تعصب اور عیسائیت میں جسقدر غلو ہے وہ کون نہیں جانتا مگر واقعات سے مجبور ہو کر ان کو بھی قرآن مجید کی نسبت اپنے تعصب کے خلاف لکھنا پڑا کہ :-

"حضرت عثمان کا نظر ثانی کیا ہوا قرآن ہمارے پاس بلا تغیر و تبدل و تحریف موجود ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کی اس خوبی و عمدگی سے حفاظت ہوئی کہ ایک حرف کی بھی اس میں کمی بیشی نہیں ہوئی ان بے انتہا اور بے تعداد قرآن کے نسخوں میں جو اسلامی سلطنتوں میں رائج ہیں ذرہ برابر بھی فرق نہیں پایا جاتا"

"باوجودیکہ نبی (صلعم) کے ½ صدی کے بعد حضرت عثمانؓ کی شہادت پر بڑے بڑے بلوے اور خونریزیاں ہوتی رہیں لیکن قرآن جوں کا توں باقی رہا۔ مقتول خلیفہ کے حکم سے جو نسخہ قرآن کا نظر ثانی کیا گیا وہی ہر زمانہ اور ہر عہد میں ویسا ہی رائج رہا اور ابتک اسی طرح موجود ہے دنیا میں غالباً یہ کہا جا سکتا ہے کہ کوئی کتاب ایسی نہیں معلوم ہوتی جو بارہ سو برس سے یکساں بغیر کسی قسم کے تغیر کے چلی آتی ہو بے شبہ ہمارے پاس قرآن عثمانی ہے پھر بھی یہ سوال رہ جاتا ہے کہ آیا حضرت ابوبکر کے جمع کئے ہوئے قرآن سے یہ ہو بہو ملتا ہے اور دیانت و امانت سے نقل کیا گیا ہے اور اس میں سادی غلطیاں اور معمولی اختلافات قرات کے سوا کچھ تغیر نہیں ہوا۔ صاف صاف وجہیں اور دلیلیں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ یہ جوں کا توں وہی قرآن ہے جو حضرت ابوبکر نے جمع کیا تھا۔ نہ کوئی ابتدائی روایت نہ صحیح حدیثیں اس بات میں شبہ پیدا کرتی ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی

"طرفداری کے لئے اس میں کچھ گھٹا بڑھا دیا ہو۔ آخری زمانہ کے شیعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے وہ آیتیں نکال ڈالیں جو حضرت علیؓ کی شان میں تھیں لیکن یہ باتیں خلاف قیاس اور نا قابل اعتبار ہیں۔ حضرت عثمان کبھی ایسی تحریف نکر سکتے تھے جو اسوقت دیکھی نہ جاتی اور نہ خیال کیا جا سکتا کہ حضرت علی اور ان کے ساتھی اور کل مسلمان جو قرآن کا ہر ہر لفظ خدا کا لفظ سمجھتے تھے حضرت عثمان کو ایسا کرنے دیتے"

ہم آخر میں اپنی اس بحث کو ون ہیم کے فیصلہ پر ختم کرتے ہیں۔ وہ فیصلہ کرتا ہے "ہمارے پاس جو قرآن ہے ہم کامل طور پر اس میں ہر لفظ محمد صلعم کا سمجھتے ہیں جیسا کہ مسلمان اس کے ہر لفظ کو خدا کا لفظ خیال کرتے ہیں"

میور صاحب وغیرہ کے علاوہ اور بہت سارے عیسائی علماء ہیں جنہوں نے قرآن عظیم کے اس معجزہ سے موقع سرتابی نہ پاکر اس کے کامل و مکمل ہونے کا اقرار کیا ہے باوجود اس کے کہ مسلمانوں کی طرف سے ان کی انجیلوں کو محرف کہا جاتا ہے تو بھی وہ اس کا انتقام نہیں لے سکے اور نہیں لے سکتے۔

یہ خدا کی قدرت ہے اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔ مشاہدہ بھی ایسے ثبوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

پیشگوئی

(۳ و ۴ و ۵ و ٦)

یہود کا ہمیشہ ذلیل رہنا۔ ہمیشہ کے لئے ان سے سلطنت کا سلب ہونا
الا ما بعض اہل مذہب کی مہربانی سے پناہ ملنا۔ ہمیشہ خدا کے غضب میں گرفتار رہنا۔

یہ پیشینگوئیاں قرآن مجید میں دو جگہ ہیں۔ ایک سورۃ البقر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاؤُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللهِ۔

اور اُن (یہود) پر ذلت اور محتاجی لیس دی گئی اور وہ خدا کے غضب میں آ گئے۔

دوسری آیت سورۂ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاؤُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ

جہاں دیکھو ذلت ان (یہود) کے سر پر سوار ہے مگر اللہ کے (عہد و پیمان کے) ذریعہ سے اور نیز لوگوں کے (عہد و پیمان کے ذریعہ سے (کہیں انکو پناہ مل گئی تو دوسری بات ہے) اور خدا کی غضب میں گرفتار اور محتاجی ہے کہ الگ اُن کے پیچھے پڑی ہے۔

ف

ان آیتوں میں چار پیشینگوئیاں ہیں جن کی تصدیق تاریخوں اور موجودہ حالت دونوں سے ہوتی ہے:-

ف

(۱) یہود کا ہمیشہ ذلیل و خوار رہنا چنانچہ یہود کی پہلی ذلت تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور آپ کے صحابہ کرام کے مسعود زمانوں میں ہوئی کہ مسلمانوں نے ان کی شرارتوں سے تنگ آ کر تلوار کے زور سے انکو مغلوب کیا اور ان کے مال و دولت پر قبضہ کر کے ملک سے باہر نکالدیا۔ مگر آیت میں یہ پیشینگوئی مراد نہیں ہے بلکہ یہ کہ وہ دنیا میں ہمیشہ ذلیل و خوار رہیں گے۔

یہودیوں کا دنیا کے ہر گوشہ میں باوجود مالدار ہونے کے ذلیل و خوار ہونا، ظاہر ہے۔ کسی سلطنت میں نہ ان کی کچھ عزت ہے نہ وقار ہے۔ جہاں ہیں غیروں کے کفش بردار ہیں اور کوئی ان کا پرسان حال نہیں۔ یہودیوں کی یہ ایک ایسی مدامی ذلت و رسوائی ہے جسکے سچ ہونے میں کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ پھر اس بدیہی اور ظاہری ذلت کے علاوہ جو ان کے مقسوم میں لکھدی گئی ہے ایک اور روحانی اور اصلی ذلت یہ ہے کہ جسقدر بیحیائی ان لوگوں میں عام ہے دنیا کی کسی قوم میں نہیں ہے قرآن کی یہ پیشینگوئی عہد پیغمبر سے اسوقت تک پوری ہوتی رہی اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا۔

(۲)

مسکنۃ، سلطنت کا ضد ہے یعنی یہود سے ہمیشہ کے لئے سلطنت کا سلب ہو جانا۔ اللہ کا ملک اسقدر وسیع اور ان یہود کے قبضہ میں مالکانہ حیثیت سے اینچ برابر زمین بھی نہیں یہی ان کی مسکنت ہے کہ انگل بھر زمین کے بھی یہ مالک نہیں، شاہی کا تو کیا ذکر۔

(۳)

جہاں جہاں یہ سکونت پذیر و پناہ گزین ہیں، وہ وہاں کے بادشاہ کی مہربانی کا مقتضا ہے

اور یہ ہمیشہ ہوتا رہتا ہے کہ جب یہود اپنے بدکرداریوں کی بدولت کسی ملک سے نکالے جاتے ہیں تو دوسرے ملک کے فرماں روا، اپنی رحمدلی اور مہربانی سے جگہ دیدیتے ہیں چنانچہ حال میں بھی ایسا ہی ہوا کہ جب روسیوں نے ان کو نکالدیا یا نکلنے پر مجبور کیا تو سلطنت روم اور امریکا میں ان کو پناہ ملی۔

(۴)

جو قوم ذلت و رسوائی کے اتنے عمیق گڑھے میں گری ہوئی ہو۔ جسکا دنیا میں کوئی والی وارث اور پرسان حال نہ ہو۔ جس کے ہاتھ میں باوصف اللہ کا ملک وسیع ہونے کے پاؤں رکھنے بھر کی جگہ نہ ہو، جو ہمیشہ دوسری قوموں کی دست نگر بلکہ ان کی غلامی میں بسر کرنے کی عادی ہو، ایسی قوم کو خدا کے غضب میں مبتلا نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے۔

پھر یہ نہیں ہے کہ یہودیوں پر بلا وجہ ظلم وستم ہوتا رہتا ہے بلکہ یہ نہایت ہی سرکش مفسد بمبیا اور حد درجہ کی قسی القلب قوم ہے۔ شرارت ان کی جبلت ہے۔ بیرحمی ان کا پیشہ ہے۔ انہوں نے ہمیشہ پیشوایان مذہب سے بغض وعناد رکھا۔ انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنا اور ان کو ایذا پہونچانا ہمیشہ ان کا وتیرہ رہا۔ بغاوت وفساد کے پھیلانے میں ہمیشہ سرگرم رہے۔ پھر انہیں بداعمالیوں کی تو یہ کچھ سزا بھگت رہے ہیں اب بھی یہ شریر قوم جہاں آباد ہے اپنی اُسی آبائی اور قدیمی جبلت پر قائم ہے اور کبھی شرارت سے باز نہیں آتی۔ موقع ملا اور فساد کھڑا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کے ہر گوشہ میں مار کھاتے اور ہر جگہ سے جلاوطن ہوتے رہتے ہیں اور کہیں بھی عزت یا ٹھکانے سے نہیں رہ سکتے۔

پیشینگوئی

(۷)

یہود موت کی تمنا ہرگز نکریںگے

یہ پیشینگوئی قرآن مجید میں دو مقام پر ہے۔ ایک سورۃ البقر میں جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۔

(اے پیغمبران یہود) سے کہو کہ اگر دار آخرت (دوسری جگہ) خاص کر تمھارے ہی لئے ہے دوسرے لوگوں کے لئے نہیں ہے تو تم اپنی مرنیکی آرزو کرو اگر تم سچے ہو (تاکہ جلد بہشت میں جا داخل ہو) مگر اُن (اعمال بد) کی وجہ سے جنکو اُن کے ہاتھوں نے پہلے سے (زاد آخرت بناکر) بھیجا ہے یہ کبھی موت کی آرزو نکریںگے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے اور (اے پیغمبر) البتہ تم پاؤگے کہ یہ لوگ زندگی پر سب لوگوں یہاں تک کہ مشرکوں سے بھی کہیں زیادہ ریجھے ہوئے ہیں۔

دوسری آیت سورۃ الجمعہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ

(اے پیغمبر! ان یہود سے) کہو کہ اے یہود اگر تم کو اس بات کا گھمنڈ ہے کہ اور تمام آدمیوں کو چھوڑ کر تم ہی خدا کے چہیتے ہو تو تم موت کی تمنا کرو، اگر سچے ہو مگر یہ اُن (اعمال بد) کی ڈر

صٰدِقِیْنَ وَلَا یَتَمَنَّوْنَهٗ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِالظّٰلِمِیْنَ	سے جن کے مرتکب ہو چکے ہیں کبھی موت کی تمنا کرنے والے نہیں اور اللہ بے انصاف لوگوں کو خوب جانتا ہے۔

ف

یہود کا ہمیشہ سے یہ باطل دعوی رہا کہ ہم ہی خدا کے چہیتے ہیں۔ اس کے فرزند ہیں۔ اس کے خالص دوست ہیں اور جنت کا وارث ہمارے سوا نہ کوئی ہے نہ کبھی ہو سکتا۔ ہماری شریعت موسوی برحق اور اس کے علاوہ تمام ادیان باطل و مردود ہیں۔

قرآن مجید میں یہود کے اس ادّعا کا یہ جواب دیا گیا کہ اگر واقعی تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ تم ہی اللہ کے چہیتے اور بہشت تمہارے ہی لئے ہے تو پھر موت کی آرزو کیونکہ مرنے کے بعد تم اپنے ادعا کے مطابق اس سے بہت بہتر جگہ پہونچوگے اور جب تمکو مرنے کے بعد جنت میں پہونچنا یقینی امر ہے تو موت کی آرزو کرنے سے کونسا امر مانع ہو سکتا ہے ؟

اس جواب کے بعد اللہ تعالی اپنے پیغمبر سے یہ پیشنگوئی کرتا ہے کہ یہود زنہار کبھی موت کی آرزو نہیں کرینگے کیونکہ وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ منہ سے کچھ کہیں لیکن دل میں وہ اپنے کو ضرور برسر ناحق سمجھتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ تم حق پر ہو اور تمہاری تکذیب کی وجہ سے وہ بعد الموت ضرور عذاب میں پڑینگے۔ یہود بلکہ تمام اہل مذاہب کے نزدیک، دنیا کی نعمتیں کم اور نعماء آخرت کے مقابلہ میں بہت ذلیل ہیں۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور اہل اسلام علیہم السلام کی مخالفت و منازعت سے یہ چند روزہ عیش بھی اُن کا منغص ہو گیا تو جو عاقبت ایسی قلیل نعمت میں ہو اور وہ قلیل نعمت بھی منغص ہو گئی ہو

اور اسکو یقین ہو کہ ہم مرنے کے بعد بالضرور آخرت کی بہترین نعمتوں تک پہونچ جائینگے
جو ہمارے ہی ساتھ مخصوص ہیں وہ لامحالہ موت کی آرزو کریگا اس لئے کہ نعماء
آخرت مطلوب ہیں اور موت کے سوا، ان تک پہونچنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے
پس ضرور ہوا کہ انسان موت سے راضی اور اس کا متمنی ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ اگر دار آخرت یہود ہی کے لئے مخصوص ہوتی تو وہ ضرور موت
کی تمنا کرتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کی پیشنگوئی صحیح اتری۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام
یہود کو جمع فرمایا اُن کے روبرو ان آیات کریمہ کی تلاوت کی اور اُن سے کہا
کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس مجمع میں علی رؤس الاشہاد موت کی آرزو
کرو، مگر یاد رکھو کہ اگر تم جھوٹے ہو اور یقینی جھوٹے ہو تو مسلم کھائی اور موت کی
مصیبت آئی۔

مثل مشہور ہے کہ چور اپنے سایہ سے ڈرتا ہے۔ وہی حال یہود کا ہوا کہ مباہلہ سے
ڈر گئے اور صاف انکار کر دیا کہ ہم موت کی آرزو نہیں کرینگے۔ اور یہود کے اس
انکار کرنے سے ایک چھوٹی سی دوسری پیشینگوئی بھی صحیح ثابت ہو گئی کہ وہ
تمام لوگوں سے زیادہ زندگی پر حریص ہیں ایسی زبردست پیشینگوئی کرنی اور
اس کے پورا ہونے میں سر مو فرق نہ آنا، سوائے خالق مطلق کے یہ
طاقت کس میں ہو سکتی ہے؟

اب اس مقام پر چند اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں جن کی صراحت کرنی ضرور ہے

پہلا اعتراض

جو الزام یہود پر دیا گیا ہے وہی پیغمبر عرب اور ان کی امت پر بھی قائم ہو سکتا ہے

کیونکہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ محمدؐ اور تمام انبیاء اور ان کی صالح امتیں جنتی اور نعماء جنت کی وارث ہیں اور ان کے دشمن کفار و مشرکین جہنمی ہیں بس چاہیئے تھا کہ وہ بھی موت کی آرزو کرتے بلکہ اسباب پر راضی ہوتے کہ یہود وغیرہ پیغمبر اور ان کے اصحاب کو قتل کر ڈالتے تا موجودہ مصائب سے چھوٹ کر ابدی نعمتوں میں جا پہونچتے درحالیکہ کفار وغیرہ ان کے لئے موجب عذاب بھی تھے

پہلا جواب

یہود، ایسا الزام پیغمبر پر نہیں الٹ سکتے تھے کیونکہ ان کے اور پیغمبر کے درمیان میں بہت بڑا فرق ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تو اس بات کے مدعی تھے کہ ہم دنیا کی اصلاح کے لئے آئے ہیں اور ہمارا کام یہ ہے کہ اللہ کے احکام اسکے بندوں تک پہونچا دیں" اگر پیغمبر قتل ہو جانے پر راضی ہوتے اور موت کی آرزو کرتے تو ان کا کام کیسے سر انجام پاتا اور وہ جس منصب تبلیغ رسالت کیلئے مبعوث ہوئے تھے وہ کون پورا کرتا؟ یہود کی تو یہ حالت نہیں تھی۔

دوسرا جواب

پیغمبر خدا، مدعی رسالت تھے کہ ان کو خدا نے اپنا رسول بنا کر خلق کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ پس اُن کا جینا مرنا سب اللہ کی مرضی پر منحصر تھا اور انہیں موت کی آرزو کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی جب انھوں نے اپنا منصب پورا کر دیا، اللہ نے خود دنیا سے اٹھا کر اپنے آغوش رحمت میں لیلیا۔ یہود کی یہ صورت نہیں تھی کیونکہ وہ نبوت و رسالت کے مدعی نہ تھے۔

تیسرا جواب

قتل ہو جانے کی رضامندی اور موت کی آرزو میں فرق ہے۔ قرآن نے یہ نہیں فرمایا کہ تم قتل ہو جانے پر راضی ہو جاؤ تاکہ سب کے سب قتل کر دئے جاؤ۔ یہ تو پیغمبر کی اختیاری بات تھی اور آخر میں جب یہود کی شرارتیں حد اعتدال سے بہت بڑھ گئیں تو تلوار ہی سے اُن کی اصلاح کر دی گئی۔ یہود سے صرف یہ کہا گیا کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ تم اللہ کے چھیتے ہو اور بہشت آخرت تمھارے ہی لئے ہیں تو تم خود موت کی آرزو کرو، اور انہوں نے موت کی آرزو نہیں کی۔

چوتھا جواب

بلاشک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خدا سے موت کی تمنا نہیں کی اسلئے کہ آپ کا مرنا جینا خدا ہی کی مرضی پر تھا۔ خدا نے تبلیغ احکام کے لئے آپ کو مبعوث الی الخلق کیا۔ پس خدمت مفوضہ کی انجام دہی کے قبل موت کا چاہنا انا در سنت ہی نہیں بلکہ ایک قسم کا جرم تھا پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا و مافیہا سے مستغنی تھے۔ آپ نے دنیا کی کسی چیز سے ضرورت کے سوا، دل نہیں لگایا اور آخرت ہی کو دنیا پر ترجیح دیتے رہے جس سے حدیث کی کتابیں لبریز ہیں۔ مرتے وقت بھی آپ کے زبان پر یہی جاری رہا کہ الی الرفیق الاعلیٰ۔

پانچواں جواب

اصحاب رسول پر یہ الزام قائم نہیں ہو سکتا کیونکہ نہ تو خود صحابۂ کرام نے کبھی دعویٰ کیا

کہ ہم خدا کے چہیتے ہیں نہ پیغمبر نے ارشاد فرمایا کہ جنت اصحاب محمد ہی کے لئے خاص ہے
اور نہ قرآن نے کہیں اشارۃً یہ بیان کیا کہ امت محمدیہ عام اس سے کہ کیسا ہی عمل کرے
مرنے کے بعد سیدھی جنت میں چلی جائیگی۔ قرآن مجید میں تو صاف صاف کہدیا
گیا ہے کہ جنت اور نعمائے آخرت نیکو کاروں کے لئے ہے۔ اور جہنم بدکاروں کے
لئے ہے۔ عام اس سے کہ کوئی ہو یہاں تک کہ پیغمبر کی ازواج مطہرات سے
بھی یہی کہدیا گیا اور جناب سرور کائنات نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ سے بھی
یہی فرمایا کہ بیٹی! تم عمل کرو، اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ میرا باپ پیغمبر ہے ؎
ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا،

دوسرا اعتراض

جو چیز مطلوب تک پہونچنے کا ذریعہ ہے اسکو مطلوب کہہ سکتے ہیں مگر وہ
مطلوب ہے اس اعتبار سے کہ اصل مطلوب تک پہونچنے کا وسیلہ ہے، اور
ذات پر نظر کرتے ہوئے اس کا مکروہ ہونا ممکن ہے اس میں کوئی شبہ نہیں
کہ موت بڑے غم والم کے بعد حاصل ہوتی ہے پس اس تکلیف مالایطاق
کی وجہ سے یہود نے موت کی آرزو نہیں کی ہوگی۔

جواب

موت کی آرزو نہ کرنے کی یہ توجیہ صحیح نہیں ہے۔ پچھنی لگانے اور ترش وتلخ دوا
کھانے سے اذیت ہوتی ہے مگر یہ اذیت برداشت کیجاتی ہے کیونکہ اس اذیت
کے برداشت کر لینے سے بہت بڑی منفعت حاصل ہوتی ہے پس جب یہ امر
متحقق و متیقن ہو کہ اس تکلیف کے بعد ایک ایسی منفعت اور نعمت حاصل ہوگی۔

جس کے مقابلہ میں یہ تکلیف کمتر درجہ میں ہے تو سمجھدار پر واجب ہے کہ اس تکلیف کو برداشت کرے تا وہ بڑی نعمت حاصل ہوجائے یہود کو یقین تھا جیسا کہ وہ بظاہر کہتے تھے کہ تمام جنت انہیں کے لئے ہیں اور یہ بھی جانتے تھے کہ جنت کی نعمتوں میں جو لذت ومنفعت ہے اس کے آگے موت کی تکلیف کوئی رتبہ نہیں رکھتی پس ایسی صورت میں اُن پر فرض تھا کہ موت کی آرزو کرتے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا جو ان کے دعوے کے بطلان اور قرآن کی صحت کی کافی دلیل ہے۔

تیسرا اعتراض

ممکن ہے کہ یہود کا دعوےٰ عام نہ رہا ہو کہ ہر یہودی عام اس سے کہ کیسا ہی بدکار ہو جنت کا وارث ہے۔ بلکہ وہ اُن نفوس کو خدا کے چہیتے اور وارثان جنت سمجھتے ہوں جو گناہ کبیرہ کے مرتکب نہ ہوے ہوں۔ اور چونکہ وہ ارتکاب کبائر سے معصوم نہیں تھے اس لئے عذاب کے خوف سے موت کی آرزو نہیں کی۔

پہلا جواب

جسوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوی، ہزاروں لاکھوں یہودی ہر طرف پھیلے ہوے تھے کیا اتنے کثیر التعداد لوگوں میں دس پانچ لوگ بھی ایسے نہ تھے جو کبیرہ گناہوں سے معصوم اور موت کی آرزو کرلینے کے قابل ہوتے۔

دوسرا جواب

یہود اس بات کے مدعی تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور چہیتے ہیں اور جنت میں سوائے یہود کے دوسرا کوئی داخل نہیں ہوسکتا۔ پھر اس عام دعوے کے ساتھ خوف

عذاب کیا معنی ؟

چوتھا اعتراض

اگر فرض کرلیا جائے کہ یہود، دار آخرت کو عموماً اپنے ہی لئے سمجھتے تھے اور اپنے سوا کسی دوسرے کو نعمار جنت کا مستحق نہیں جانتے تھے اور اس لئے موت کی آرزو کرنی ان پر واجب تھی تاکہ وہ اپنے دعوے میں سچے ثابت ہوں تو یہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے کہ انہوں نے موت کی تمنا نہیں کی۔ رہی قرآن کی شہادت، وہ مفید نہیں ہو سکتی کیونکہ قرآن کی صحت اور اس کا کلام اللہ ہونا ہی محل نزاع میں ہے۔

پہلا جواب

رسول اللہ صلعم باتفاق امم حکیم و دانشمند تھے۔ باوجود اس عقل و حزم کے آپ جیسے دور اندیش سے یہ بہت مستبعد تھا کہ وہ اپنے مخالفین سے ایسی بات کی تحدی کریں جس سے خود مغلوب ہو جائیں اور ان کی دلیل و حجت خود انہیں کے لئے مضرت بخش ہو جائے۔

سمجھدار آدمی جب تک کسی امر کا تجربہ نہیں کرلیتا، دعویٰ کرنے کی جرات نہیں کرتا پھر محمد مصطفےٰ صلعم جیسے متین حکیم ایسی نادور اندیشانہ کارروائی کیسے کرسکتے تھے؟ اس لئے ضرور ہے کہ آپ کو وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ یہود موت کی تمنا نہ کریں گے اور اسی جرات پر آپ نے ان آیات کو علی رؤس الاشہاد سنا یا چنانچہ ویسا ہی ہوا کہ یہود نے موت کی تمنا نہیں کی۔

دوسرا جواب

یہ ایک ایسا واقعہ عظیم تھا کہ اگر یہودی موت کی تمنا کئے ہوتے تو عرب میں ہر طرف تہلکہ مچ جاتا اور قرآن کی تکذیب میں ہزاروں متواتر خبریں مشہور ہو جاتیں یہود و نصاریٰ دونوں بلکہ تمام مخالفین اپنی اپنی کتابوں اور نوشتوں میں اس واقعہ کو لکھتے اور قرآن کے واقعہ کو غلط بتا دیتے کیونکہ قرآن کی غلطی کے ثبوت سے محمد مصطفیٰؐ کی نبوت باطل ہو جاتی جو مخالفین کی بڑی کامیابی کا باعث ہوتا۔ اور یہ تو نا ممکن ہے کہ اتنی سخت مخالفت کے ہوتے ہوئے ایسا زبردست دعویٰ غلط ہو کر یونہیں رہ جاتا یا شور و غل ہوتا اور مخالفین لکھنے سے باز رہ جاتے۔ پس چونکہ قرآن کے اس دعوے کے خلاف خبر متواتر تو کیا، ایک موضوع نقل بھی نہیں پیش کی جا سکتی جس سے یہود کے آرزوئے موت کرنے کا پتہ چلے، اس لئے قرآن کی پیشینگوئی کو صحیح ماننے کے سوا چارہ کار نہیں ہے۔

پیشنگوئی

(۸)

نصاریٰ کی باہمی مدامی دشمنی

وَمِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓی اَخَذْنَا مِیْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَسَوْفَ یُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ۔

اور جو لوگ اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں ہم نے اُن سے (بھی) عہد لیا تھا تو جو کچھ اُن کو نصیحت کی گئی تھی اس میں سے بڑا حصہ (یعنی پیغمبر اسلام پر ایمان لانا) بھلا بیٹھے تو اسکی سزا میں) ہم نے اُن میں عداوت اور کینہ کو روز قیامت تک بھڑکا دیا اور آخر کار خدا ان کو بتا دیگا کہ وہ کیا کرتے رہے۔

ف

اس آیت میں کھلے طور پر پیشنگوئی کی گئی ہے کہ نصرانیوں کے فیما بین روز قیامت تک بغض و عداوت رہے گی۔

کیا تاریخ کیا مشاہدہ ، دونوں سے ثابت ہے کہ نصرانیوں میں باہم راسخ عداوت ہے نصرانیوں میں بہ لحاظ اختلاف حکومت۔ بلحاظ اختلاف ملت اور بلحاظ خصوصیات ملکی و قومی قدیم سے عداوت چلی آتی ہے۔ روس۔ جرمنی فرانس۔ امریکہ۔ انگلینڈ ہر ایک دوسرے کی بربادی کا خواہاں ہے۔ اسی طرح

رومن کیتھلک - پراٹسٹنٹ گریک - یونی ٹیرین ہر ایک اپنے فروغ اور دوسرے کے زوال کا متمنی ہے -

عداوت تو ظاہری مخالفت کو کہتے ہیں اور بغضا دلی عداوت کا نام ہے اور یہ دونوں قسم کی عداوتیں متحقق ہیں - ایک کو دوسرے پر اتنا رشک ہے کہ ہرگز کوئی ایک ، دوسرے کی ادنیٰ ترقی کو بھی محبت کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا - ایک نے ترقی کی اور دوسرے اس کے پیچھے پڑ گئے -

اعتراض

معترض کہہ سکتا ہے کہ یہ باہمی بغض و عداوت تو خود مسلمانوں میں بھی دائر و سائر ہے بلکہ جتنی عداوت مسلمانوں میں باہم راسخ ہے اتنی نصاری میں نہیں ہے پھر نصاری کے لئے عیب کیوں ؟

پہلا جواب

اگر مسلمانوں کے درمیان نزاع و مخالفت ہے تو نہ ہمیں اس سے انکار ہے نہ قرآن کی مذکورہ پیشنگوئی پر اس کا کوئی اثر پڑ سکتا - یہ تو جب ہوتا کہ قرآن بغضا و عداوت کو نصاری ہی کے ساتھ خاص کر دیتا کہ ان کے سوا ، کسی دوسرے مذہب یا اسلام کے ماننے والوں میں باہم بغض و عداوت نہیں ہوگی قرآن نے صرف نصاری کی نسبت پیشینگوئی فرمائی ہے کہ اُن میں آپس میں قیامت تک بغض و عداوت رہے گی -

چنانچہ یہ پیشنگوئی پوری ہوئی اور انشاء اللہ قیامت تک یونہیں پوری ہوتی رہے گی -

دوسرا جواب

مسلمانوں میں اسوقت باہمی بغض و عداوت کہاں تھی جب یہ آیت نازل ہوئی باہمی مخالفت تو وفات رسول خدا صلعم کے تقریباً سو برس کے بعد شروع ہوئی ہے۔ علی مرتضیٰ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی لڑائیاں بغض و عداوت پر محمول نہیں کیجاسکتیں۔ ان جنگوں کی بنا صرف ذاتی اختلاف اور رائے کی غلطی تھی۔ ورنہ مذہب و معاشرت میں دونوں گروہ متحد ہی رہے۔

بہرحال زمانۂ رسول خدا صلعم میں اہل اسلام باہمی بغض و عداوت کے عیب سے پاک تھے اور نصاریٰ اس میں مبتلا تھے۔

تیسرا جواب

اسلام کے فرقوں میں زیادہ تر اختلافات ہیں یا زیادہ سے زیادہ عداوت یعنی ظاہری مخالفت ہو مگر بغضا اور دلی عداوت کبھی کسی فرقہ کو دوسرے فرقہ کے ساتھ نہ تھی نہ اب ہے۔

مسلمانوں میں اسوقت دو ہی فرقہ شیعہ و سنی ایسے ہیں جن کے درمیان زیادہ عداوت یا مخالفت دیکھی جاتی ہے مگر یہ عداوت مذہبی حیثیت سے نہیں ہے بلکہ پولٹیکل امور اور خواہش سلطنت نے اس مخالفت کا بیج بویا ہے۔

چوتھا جواب

قرآن نے یہ پیشینگوئی کی ہے کہ نصاریٰ کے درمیان مذہبی اور غیر مذہبی دونوں قسم کی عداوتیں قیامت تک باقی رہینگی چنانچہ نصاریٰ کے اور فرقوں کو

چھوڑ کر صرف رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ دو فریق پر نظر ڈالی جائے تو صاف
معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام کیا معنی دنیا کے کسی مذہب کے دو گروہوں میں
ایسی عداوت نہ کبھی تھی نہ اب ہے نہ ہو سکتی۔

خود انگلستان میں جارج سوم کے زمانہ میں تعصب اور مذہبی عدم آزادی گورنمنٹ
کے اصول مسلمہ میں داخل تھی اور یہ تعصب اور مذہب کی عدم آزادی جن شکلوں
میں ظاہر ہوتی تھی وہ صرف وحشیانہ ہی نہیں بلکہ تکلیف دہ ہوتی تھیں۔ ایک صدی
نہیں گذری کہ فرانس میں ٹنٹیس (مقام) کے شاہی فرمان کی تنسیخ کے بعد بیشمار
مظالم ٹوٹ پڑے اور "ریوولوشن" کے زمانہ تک ہر وقت ان مظالم کے اعادہ
کا امکان تھا۔ یورپ کے دوسرے حصوں میں رومن کیتھولک، پراٹسٹوں پر ظلم و
ستم کرتے تھے اور پراٹسٹنٹ رومن کیتھولکوں پر اور روس کا گریک چرچ تو ان
دونوں کا جانی دشمن تھا۔ پھر ظلم و ستم بھی ایسے جنکو سنکر سنگدل آدمی کے بدن پر
بھی رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ ہر ایک فریق دوسرے فریق پر جب قابو پاتا، قتل
کر ڈالتا۔ پھانسی پر لٹکا دیتا اور طرح طرح کی ناگفتہ بہ ایذائیں پہونچاتا تھا۔

۲۲؍ اکتوبر ۱۶۸۵ء کو فرانس کے تنگدل بادشاہ لوئی چہار دہم نے ایک فرمان شاہی
شائع کیا جس کی رو سے پراٹسٹوں کی رہی سہی آزادی کا بھی بالکل خاتمہ ہو گیا اور
آخر اس کا یہ تباہی بخش نتیجہ نکلا کہ اس فرمان کی اشاعت کے بعد فرانس کے
تین لاکھ باشندے اپنا عزیز وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور ہالینڈ پرشیا۔ انگلینڈ
سوئٹزرلینڈ اور امریکہ میں جا کر پناہ گزیں ہوئے جن میں عالم، فاضل اور صناع
ہر قسم کے باکمال لوگ شریک تھے۔ یہ فرمان تاریخوں میں ناسخ فرمان ٹنٹس کے
نام سے مشہور ہے۔

کوئی تاریخ دان دنیا کے کسی قوم اور کسی مذہب کے دو فرقوں میں ایسی عداوت نہیں

دکھا سکتا اور مسلمانوں کا تو ذکر ہی فضول ہے کیونکہ اسلام کے کسی فرقہ میں مذہبی عداوت سرے سے ہے ہی نہیں اور جسقدر بھی ہے اس کی بنا محض ملکی ہوس اور پالٹیکس ہے۔

بہرکیف قرآن کی یہ پیشگوئی کہ نصاریٰ کے فیمابین قیامت تک بغض و عداوت رھیگی، اسوقت تک بالکل پوری اترتی رہی اور آئندہ بھی انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔

پیشنگوئی

(۹)

یہود میں یا یہود و نصاریٰ میں قیامت تک باہمی عداوت رہیگی

قَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوْطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

یہودی کہتے ہیں کہ خدا کا ہاتھ تنگ ہے۔ انہیں کے ہاتھ تنگ ہیں اور ان کے (اس) کہنے پر ان کو (خدا کی) پھٹکار (خدا کا ہاتھ تنگ نہیں) بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور جو تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے ضرور ان میں سے بہتیروں کی شرکشی اور کفر کے زیادہ ہونے کا باعث ہوگا اور (اسی حسد کی سزا ہے کہ) ہم نے ان کے آپس میں عداوتیں اور کینے ڈالدیئے ہیں (کہ وہ) قیامت تک (نکلنے والے نہیں)

ف

اس آیت کی تفسیر میں بین العلما اختلاف ہے۔
حضرت حسن اور مجاہد رحمہا اللہ کا یہ مذہب ہے کہ "بینہم" سے یہود و نصاریٰ

مراد ہیں یعنی یہود و نصاریٰ میں قیامت تک بغض و عداوت قائم رہے گی۔ اور یہود و نصاریٰ کو اسلئے مراد لیتے ہیں کہ اس سے پہلے ارشاد ہوا ہے:۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰی اَوْلِیَاءَ	مسلمانو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔

حسن اور مجاہد کے سوا تمام مفسرین متفق ہیں کہ اس آیت میں صرف یہودیوں کی باہمی عداوت مقصود ہے اور یہی مسلک درست ہے کیونکہ اس آیت میں صرف یہود ہی کا بیان ہوا ہے اور نصاریٰ کا ذکر اس آیت سے بہت پہلے ہے جس کو آیت مذکورہ سے کسی طرح پیوند نہیں ہو سکتا۔

بہرحال ہمارا مقصود ہر طرح حاصل ہے۔ اگر یہود و نصاریٰ کی باہمی عداوت مراد لیں تو اس پیشگوئی کی صحت مشاہد ہے کہ یہود و نصاریٰ میں جیسی کچھ بغض و عداوت ہے مسلمان و نصاریٰ یا یہود و مسلمان میں نہیں ہے حالانکہ نصاریٰ بہ نسبت مسلمانوں کے یہود سے بہت قریب ہیں۔ نصاریٰ ملت موسوی کو منسوخ نہیں سمجھتے بخلاف ان کے مسلمان، توراۃ و انجیل دونوں کو منسوخ و نا قابل عمل قرار دیتے ہیں۔

اور اگر صرف یہود کی باہمی عداوت مراد لیں تو بھی پیشگوئی صحیح اترتی ہے۔ یہودیوں میں حکومت نہیں ہے اور مذہب میں بھی ایسا اہم اختلاف نہیں ہے جس سے نمایاں طور پر باہمی عداوت معلوم ہو۔ پھر بھی جہانتک معلوم و مشہور رہے وہ یہی ہے کہ ان کے فیما بین مخالفت ہے۔

اگر یہودیوں میں اختلاف نہ ہوتا تو ضرور اتفاق ہوتا جیسا کہ ایک شکستہ قوم کیلئے درکار ہے اور اتفاق کی صورت میں وہ ضرور مجموعی قوت سے کوئی کام کرتے جو فلاح کا ذریعہ ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے اور یہ اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ یہود کے فیما بین عداوت اور راسخ عداوت ہے۔

چھوٹی جماعت میں ہمیشہ عادۃً عصبیت اور اتفاق ہوا کرتا ہے جیساکہ پارسیوں میں مشاہد ہے - یہود میں یہ بات بھی نہیں ہے جس سے آپس میں عداوت کا ہونا ظاہر ہے -

اسکے علاوہ یہودیوں میں بیحیائی اور حرص حد درجہ کی ہے اور یہ دونوں صفتیں بلاشبہ کینہ - دشمنی - حسد کی مورث اور قاطع اتحاد و یک جہتی ہیں -



پیشنگوئی

(۱۰)

یہود کی جلاوطنی

سورۃ الحشر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ

وہ (خدا) ہی تو تھا جس نے کفار اہل کتاب کو اُن کے گھروں سے نکال باہر کیا (اور یہ اُن کی تعدیر کا) پہلا حشر (تھا) جس کے لئے نکالے گئے۔

ف

مدینہ کے چار پانچ کوس کے فاصلہ پر یہودیوں کی ایک قوم آباد تھی جو بنی نضیر کھلاتی تھی۔ مسلمانوں سے اُن کی صلح تھی مگر وہ لوگ در پردہ کفار مکہ سے سازش رکھتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے پیغمبر خدا کے مار ڈالنے کا ارادہ بھی کیا تھا۔ ایک روز آپ دیوار کے تلے بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ یہودیوں نے تاک کر اوپر سے چکی گرانی چاہی۔ یہاں تک نوبت پہونچی تو پیغمبر خدا نے ان کو جا گھیرا وہ بہت سٹ پٹائے اور آخر یہ بات ٹھہری کہ سب یہودی گھر بار چھوڑ کر ملک شام میں چلے جائیں۔ چنانچہ مال و متاع وغیرہ جو کچھ لیجاتے بن پڑا لیگئے۔ دو قبیلے آل ابی الحقیق اور آل حی بن اخطب خیبر میں رہ گئے اور ایک گروہ حیرہ میں رہ پڑا۔ باقی سارے یہودی جلاوطن ہو کر شام کی طرف چلے گئے۔

یہود کی اس جلاوطنی کو "پہلی جلاوطنی" سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے یہ پیشگوئی نکلی کہ اہل کتاب دو بارہ بھی جلاوطن ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت عمر اعظم رضؓ نے اپنی خلافت میں تمام یہودیوں کو اُن کے فسادات کی وجہ سے جزیرۂ عرب سے جلاوطن کر دیا اور یہ مقدس سرزمین ہمیشہ کے لئے ان شریروں کے منحوس وجود سے پاک ہو گئی۔



پیشنگوئی

(۱۱) (۱۲)

کفار کا ذلیل ہونا اور کعبہ میں جاتے ہوئے ڈرنا

جیساکہ سورۃ البقر میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَا اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔

اور اس سے بڑھکر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام لینے سے منع لینے سے منع کرے اور اُن کی بے رونقی کے درپے رہے - یہ لوگ خود اس لائق نہیں کہ مسجدوں میں آنے پائیں مگر ڈرتے ڈرتے - ان کے لئے دنیا میں (بھی) رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں (بھی) بڑا (بھاری) عذاب ہے۔

ف

کفار قریش ابتدائے اسلام میں پیغمبر خدا، اور آپ کے اتباع کو خانہ کعبہ میں اذان دینے اور نماز پڑھنے سے مانع ہوتے تھے - پیغمبر خدا کے رستہ میں کانٹے بچھا دیتے تھے - ایک روز آپ نماز پڑھ رہے تھے زبردستی آکر لپٹ پڑے اور گلا دبایا

ایک دفعہ سجدہ میں تھے کہ اونٹ کی اوجھڑی گردن پر رکھدی اور معمولی تکالیف کا تو کیا ذکر جو ہر روز ہوا کرتی تھیں یہاں تک کہ پیغمبر خدا مسلمانوں کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ جا بسے تو بھی کفار مکہ اپنی دشمنی سے باز نہ آئے اور اقسام کے فتنے کرتے رہے۔

جب پیغمبر خدا نے ہجرت کے چھٹے برس عمرہ کرنے کے لئے مکہ جانا چاہا تو مکہ والوں نے نہ آنے دیا۔ اِن آیات میں کفار کے ان ہی ظلموں کی طرف اشارہ ہے اور صاف الفاظ میں یہ پیشینگوئی ہے کہ کفار دنیا میں ذلیل ہوں گے اور اس لائق نہ رہینگے کہ علانیہ کعبہ میں آسکیں چنانچہ یہ پیشینگوئی پوری ہو کر رہی کہ آخر کار مکہ فتح ہوا۔ خانۂ خدا پر مسلمان قابض ہوگئے۔ کفار ذلیل وخوار ہو کر مارے ڈر کے بھاگے بھاگے پھرنے لگے اور مسلمانوں کو روکنا تو کجا خود ہی خانۂ کعبہ میں آتے ہوئے ڈرتے تھے۔ یہاں تک کہ حج کے سال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام منادی کردی کہ اب اس کے بعد سے مشرکین بیت اللہ کا حج نکرنے پائینگے۔

کفار کی دنیاوی ذلت سے یہی مراد ہے کہ جس بات سے وہ مسلمانوں کو روکتے تھے وہ خود ہی روکدئے گئے اور ان کا کعبہ میں جانا ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا اس سے بڑھ کر کونسی ذلت ہوگی؟ - یہ ایک ایسی کھلی ہوئی پیشینگوئی ہے جس کی صحت آج بھی مشاہدہ کی جاتی ہے۔

ف

اب ہمارے وقتوں میں سنی شیعہ۔ مقلد غیر مقلد۔ اپنی مسجد میں دوسرے فرقہ کے لوگوں کو نماز نہیں پڑھنے دیتے۔ ان کو اس آیت سے عبرت پکڑنی چاہیئے

اور جناب پیغمبر خدا صلعم کا تو یہ حال تھا کہ نجران کے عیسائی آپ کی خدمت میں حاضر ہوے تو آپ نے اُن کو مسجد نبوی میں ٹھیرایا اور وہیں اونکو اُن کے طور پر عبادت کرنے کی اجازت بھی دی۔



پیشینگوئی

(۱۳)

یہودیوں میں سے کم ایمان لائینگے اور زیادہ کفر پہ ثابت رہینگے

جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَوْ آمَنَ اَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُوْنَ

اور اگر اہل کتاب (بھی سب کے سب) ایمان لے آتے تو اُن کے حق میں بہتر تھا (مگر) اُن میں سے تھوڑے ایمان لے آئے اور اُن میں کے اکثر نافرمان ہیں۔

ف

اس آیت میں اہل کتاب سے بعض لوگ یہود و نصاریٰ دونوں کو مراد لیتے ہیں اور اکثر مفسرین صرف یہود کو مراد لیتے ہیں کیونکہ بعد والی آیت اور شان نزول اسی کی مؤید ہیں - بہر حال اس آیت میں یہ پیشینگوئی کی گئی ہے کہ اہل کتاب میں سے بعض ہی لوگ ایمان لائینگے اور اکثر اپنی گمراہی پر قائم رہیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نصاریٰ میں سے نجاشی والی حبش اور اس کے چند اصحاب اور یہود میں سے عبد اللہ بن سلام چند نفوس تو مسلمان ہو گئے - باقی سب کے سب اہل کتاب اپنے مذہب پر قائم اور اسلام کی بیخکنی کی فکر میں لگے رہے -

پیشنگوئی

(۱۴)

یہود معمولی ایذادہی کے سوا مسلمانوں کو نقصان نہ پہونچا سکینگے

جیساکہ سورۂ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

لَنْ یَّضُرُّوْکُمْ اِلَّا اَذًی | (مسلمانو! معمولی) ایذادہی کے سوا یہود تمکو ہرگز (بڑا) نقصان نہ پہونچا سکینگے -

ف

یہ بہت صریح پیشنگوئی ہے -

یہود باوصف اتنی سخت دشمنی کے جو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ تھی بجز معمولی ایذادہی اور سخت کلامیوں کے کوئی بڑا نقصان نہ پہونچا سکے - حالانکہ وہ مالدار لوگ تھے اور پیغمبر خدا اور آپ کے اصحاب کی مالی حالت بالکل درست نہیں تھی -

پیشنگوئی

(۱۵)

یہود اگر جنگ کرینگے تو بھاگیں گے اور پھر اُن کی شوکت باقی نہ رہیگی

جیسا کہ اسی آیت کے بعد ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

وَاِنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ یُوَلُّوْکُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ۔

اور اگر (یہود) تم سے لڑینگے تو ان کو تم سے پیٹھ پھیرتے ہی بن پڑے گی پھر (یہ بھی اطمینان رکھو کہ) ان کو (کہیں سے) مدد بھی نہیں ملے گی۔

ف

یہ ایک ایسی زبردست پیشنگوئی ہے جسکو پوری ہوتے ہوئے تمام دنیا نے دیکھا اور تاریخی اوراق آج تک اس کی صداقت کے شاہد ہیں۔

یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی جب کفار اور اہل اسلام میں قتال کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اور جب نوبت آگئی تو یہودیوں نے شکست کھائی اور ایسی شکست کھائی کہ پھر مقابلہ کرنے کے لائق ہی نہ رہے اور نہ کہیں سے انہیں مدد ملی یہاں تک کہ مسلمانوں نے ان کو اکھاڑ ہی

پھینکا۔ اور جزیرۂ عرب سے نکال باہر کیا۔ اس کے بعد سے جس بے شوکتی کی حالت میں وہ رہنے لگے آج ہی دنیا والے دیکھ رہے ہیں۔



پیشنگوئی

(۱۶)

ہم کفار کے دلوں میں رعب بٹھا دینگے

جیسا کہ اسی سورہ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَرُدُّوْکُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ بَلِ اللّٰہُ مَوْلٰکُمْ وَھُوَ خَیْرُ النّٰصِرِیْنَ سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَکُوْا بِاللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا وَمَاْوٰھُمُ النَّارُ۔

(مسلمانو!) اگر تم کافروں کے کہنے میں آجاؤ گے تو تمکو اُلٹے پیروں (کفر کی طرف) لوٹا لیجائینگے۔ پھر تم ہی اُلٹے گھاٹے میں آجاؤ گے (کافر تمھارے خیر خواہ نہیں) بلکہ تمھارا (سچا) خیر خواہ اللہ ہے اور وہ سب مددگاروں سے بہتر ہے (گھبراؤ نہیں) ہم عنقریب تمھاری ہیبت کافروں کے دلوں میں بٹھا دینگے کیونکہ انہوں نے اُن چیزوں کو خدا کا شریک بنایا ہے جن کی خدا نے کوئی سند نہیں بھیجی اور (آخر) ان لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

ف

جنگ احد میں مسلمانوں کو اپنے افسر اعلیٰ (محمد صلعم) کے حکم نہ ماننے کی وجہ

سے فتح کے بعد شکست اٹھانی پڑی تھی اور واپس ہوتے وقت ابوسفیان
کہتا گیا تھا کہ سال آئندہ ہم پھر قتال کریں گے اور اسوقت تم (مسلمانوں)
کو پورا مزا چکھاوینگے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی تسلی کرتا اور
ان کی ڈھارس بندھاتا ہے کہ ایک بار کی شکست کھانے سے بزدل
نہ بنو اور ہمت نہ ہارو، ہم تمھارے دشمنوں کو خود تم سے مرعوب اور ہیبت زدہ
کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کے
وعدے کے مطابق ہزار پانچ سو کا لشکر لیکر بغرض قتال مدینہ سے باہر
نکلے۔ ابوسفیان بھی اپنا لشکر سنبھالتا ہوا ظہران یا عسفان تک آیا
مگر وہ بہادران اسلام سے ڈر گیا اور قحط کا بہانہ کر کے چلتا پھرتا نظر آیا۔
رسول اللہ صلعم نے آٹھ دن تک انتظار کیا اور اس کے بعد واپس چلے آئے
بعض مفسرین نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ تمام کفار عرب کو مسلمانوں
سے مرعوب اور پسپا کر دیا جائیگا اور ایسا ہی واقعہ ہوا کما سنبین
انشاء اللہ تعالےٰ۔

بحوالہ سیرت ابن ہشام۔

پیشگوئی

(۱۷)

منافقوں کا دنیا میں کوئی یار و مددگار نہ ہوگا

جیسا کہ سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ۔	اور روئے زمین پر نہ کوئی ان منافقوں کا حامی ہوگا اور نہ مددگار۔

ف

تاریخوں سے ثابت ہے کہ منافقوں کا راز فاش ہو جانے کے بعد کسی نے اُن کی مدد نہیں کی۔ منافقین نے جب کفار کا دامن پکڑا اور کفار کو ہزیمت ہوی تو پھر اُنکو کہیں سے کوئی مدد نہ مل سکی اور آخر دونوں بے یار و مددگار تباہ و برباد ہو گئے۔

پیشنگوئی

(۱۸)

منافقوں پر دہری مار پڑیگی

جیسا کہ سورۃ التوبۃ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ۔

اور (مسلمانو!) تمھارے آس پاس کے دیہاتیوں میں سے (بعض) منافق ہیں اور خود مدینہ کے رہنے والوں میں سے (بھی) جو نفاق پر اڑے بیٹھے ہیں (اے پیغمبر!) تم ان کو نہیں جانتے ہم ان کو (خوب) جانتے ہیں سو ابھی تو ہم (دنیا میں) ان کو دہری مار دینگے پھر (آخر) بڑے عذاب کی جانب لوٹائے جائینگے۔

ف

دہری مار سے دنیا و آخرت کے دو عذاب مراد نہیں ہوسکتے جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے کیونکہ "ثم یردون" میں خود عذاب آخرت کی وضاحت کردی گئی ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ منافق پر دنیا میں دہری مار

پڑے گی پھر مرنے کے بعد عذاب عظیم ہوگا ۔ منافقین وہ لوگ تھے جو
دراصل مذہب اسلام کے مخالف تھے مگر ظاہرا اپنے کو مسلمان کہتے
تھے ۔ تا اگر مسلمانوں کو غلبہ ہو تو اپنا جان و مال محفوظ رہے لیکن آخر اُن کا
راز فاش ہوا ۔ وہ پہلے مسلمانوں کی نظر میں بے اعتبار ہوئے پھر دربدرہ
کافروں کا ساتھ دیا اور وہ ہوے مغلوب ازیں سو راندہ وزاں سو ماندہ
اسلام ظاہری کی وجہ سے مسلمان ان کا پاس کرتے اور ان کی جان و مال
کے محافظ تھے ۔ کفر و نفاق ظاہر ہو پڑنے کے بعد منافقین کے جان و مال
اور جورو بچے سب معرض خطر میں پڑ گئے یہ ہے دُہری مار کی پیشینگوئی ۔



پیشنگوئی

(۱۹)

کفار اسلام کو ہرا نہیں سکتے بلکہ وہ خود ہار ینگے

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ہے۔ پہلی آیت سورہ ہود میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اَلَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كَافِرُوْنَ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ۔

جو خدا کے رستے سے (لوگوں کو) روکتے اور اُس میں کجی (پیدا کرنی) چاہتے ہیں اور یہی ہیں جو آخرت سے (بھی) منکر ہیں (تو) یہ لوگ نہ دنیا ہی میں (خدا کو) ہرا سکتے اور نہ خدا کے سوا کوئی ان کا حمایتی ہی کھڑا ہو سکتا ہے

دوسری آیت سورۃ العنکبوت میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ۔

کیا جو لوگ بُرے عمل کرتے ہیں انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہمارے قابو سے باہر ہو جائینگے (ایسا سمجھتے ہیں تو) یہ لوگ کیا ہی بُری تجویزیں کرتے ہیں۔

تیسری آیت بھی اسی سورہ میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ۔	اور تم نہ تو زمین میں (چھپ کر خدا کو) ہرا سکتے ہو اور نہ آسمان میں (اڑ کر) اور خدا کے سوا نہ تو کوئی تمہارا کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار ہے۔

چوتھی آیت سورۃ الشوریٰ میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ	اور تم (روئے) زمین پر (کسی طرف بھاگ کر خدا کو) ہرا سکتے ہی نہیں اور خدا کے سوا نہ کوئی تمہارا کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار ہے۔

ف

یہ سب آیتیں مکی ہیں اور یہ پیشگوئی اسوقت کی گئی ہے جب کہ مسلمان بالکل بیدست و پا اور بے یار و مددگار تھے۔

ایسی سخت مخالفت میں اور ایسے بیدست و پائی کے زمانہ میں یہ پیشگوئی کرنی کہ کفار اسلام اور مسلمانوں کو ہرا نہیں سکتے! اور اس کا بالکل پورا اترنا انسانی طاقت کا کام نہیں ہے۔

پانچویں آیت شروع سورۂ توبہ میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا	جن مشرکوں کے ساتھ تم (مسلمانوں) نے (صلح) کا عہد کر رکھا تھا اللہ اور اوس کے رسول کی طرف سے ان کو صاف جواب ہے تو (اے مشرکو!)

اَنَّکُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰہِ	چار مہینے (ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور
وَاَنَّ اللّٰہَ مُخْزِی الْکٰفِرِیْنَ	رجب) ملک میں چلو پھر و اور جانے
وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖٓ	رہو کہ تم اللہ کو ہرا نہیں سکو گے اور
اِلَی النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ	اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے
اَنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ	اور حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے
وَرَسُوْلُہٗ فَاِنْ تُبْتُمْ	رسول کی طرف سے لوگوں کو منادی
فَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ	کی جاتی ہے کہ اللہ اور اس کا رسول
وَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا	مشرکین سے دست بردار ہیں۔ پس
اَنَّکُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰہِ۔	(اے مشرکین) اگر تم توبہ کرو تو یہ تمہارے
	حق میں بہتر ہے اور اگر (اب بھی خدا و
	رسول سے) پھرے رہو تو جان رکھو
	کہ تم اللہ کو ہرا نہیں سکو گے۔

ف

ابتدا میں مسلمانوں کو بالکل کمزوری تھی یہاں تک کہ انھوں نے اپنا دیس چھوڑ چھوڑ حبشہ میں جا پناہ لی اور پیغمبر خدا بھی مکہ میں نہ ٹھیر سکے اور مجبور ہو کر مدینہ تشریف لائے۔ پھر یہاں لڑائیاں چھڑ گئیں۔ ہجرت کے چھٹویں برس آپ نے عمرے کے لئے مکہ جانا چاہا تو قریش نے حدیبیہ سے آگے بڑھنے نہیں دیا۔ آخر کار بڑی مشکل سے صلح ہوئی اور صلح ہوئی بھی تو مغلوبانہ کہ پیغمبر خدا کو بے عمرہ کئے واپس آنا پڑا اور یہ ٹھیری کہ مسلمان اگلے سال عمرہ کی قضا کریں اور تین دن سے زیادہ نہ ٹھیریں اور لڑائی دس برس تک موقوف رہے۔ لیکن قبائل قریش کینے سے

باز آنے والے نہ تھے اور آخر تین برس کے بعد قریش نے عہد شکنی کی پیغمبر خدا نے ہجرت کے نویں برس حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ کو بھیج کر یہ منادی کرا دی کہ اب آئندہ مشرکین سے مسلمانوں کا کوئی تعلق نہیں۔ جن سے صلح ہے اور انہوں نے شرائط صلح کو نہیں توڑا اُن کے ساتھ مدت صلح تک صلح برقرار اور اُن کے سوا جنھوں نے صلح کے شرائط کو توڑ دیا ہے یا جن کے ساتھ صلح نہیں ہے اُن کو چار مہینے کی مہلت ہے اس مدت میں مسلمانوں کی اطاعت اختیار کریں یا لڑنے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

اس آیت میں اللہ تعالٰی یہ پیشینگوئی کرتا ہے کہ مشرکین یہ نہ سمجھیں کہ اُن کو چار مہینے کی مہلت اُن کے خوف یا اپنے عجز کی وجہ سے دی گئی ہے وہ خدا کو کسی طرح ہرا نہیں سکتے۔ پس اگر اس مدت میں وہ اپنے کئے سے تائب ہوں اور پیغمبر کی اطاعت اختیار کرلیں تو بہتر ہے ورنہ جنگ کے لئے آمادہ ہو جائیں مگر جانے رکھیں کہ وہ مسلمانوں کو ہرگز ہرا نہیں سکینگے۔

قرآن نے اس دعوے کے ساتھ چار مہینے کی مہلت دیکر ان کے عاجز ہو نیکی پیشینگوئی فرمائی اور وہ حرف بحرف ٹھیک اتری۔ ابو بکر صدیقؓ اور علی مرتضیٰؓ نے ایام حج میں برملا اور عام طور پر منادی کردی کہ اب کوئی مشرک کعبہ کا حج نکرنے پائیگا۔ کوئی مرد و عورت برہنہ طواف کعبہ نکر سکیگا اور مرنے کے بعد کوئی غیر مسلمان جنت میں نجائے گا۔ کفار و مشرکین نے یہ سب کچھ اپنے کانوں سنا پھر بھی وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں زرد روئی ہی رہے۔ کیا یہ بات انسانی طاقت سے باہر نہیں ہے؟۔

پیشگوئی

(۲۰)

کفار ہارینگے اور مغلوب ہونگے

پہلی آیت سورۃ النور میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ۔ (اے پیغمبر!) ایسا خیال نہ کرو کہ یہ کافر زمین پر (اسلام کو) ہرا دینے والے ہیں۔

دوسری آیت سورۃ المجادلہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ۔ یہ شیطانی گروہ ہے۔ سو جی! شیطانی گروہ ہے (آخرکار برباد ہوگا۔

ف

یہ پیشینگوئی جس طرح پوری ہوئی وہ تاریخ جاننے والوں پر آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہے۔ جس میں مخالفین کو نہ شک کرنے کی گنجائش ہے نہ انکار کا یارا ہے۔ بلاشک، کافروں نے خدائے وحدہٗ لاشریک لہ کے سچے بندوں کو چند دن تک خوب ستایا۔ ایذادہی کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ پھر آخر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کا جتھہ رفتہ رفتہ مضبوط ہوا۔ انہوں نے چند ہی دنوں میں اپر و پرزے درست کر کے اپنی جگہ سے جنبش کی اور

کافروں کو ایسا تنگ پکڑا کہ انہیں مسلمانوں کے ہیبت و رعب سے چھپنے کو جگہ نہیں ملتی تھی۔ دنیا اُن پر تنگ ہو گئی۔ خدا کی پیشینگوئی پوری ہوئی اور آخر اللہ کا ہی بول بالا رہا۔



پیشنگوئی

(۲۱)

مسلمان ہی غالب ہونگے

پہلی آیت سورۃ المجادلہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

یہ خدائی گروہ ہے۔ سنو جی! خدا کا گروہ ہی آخرکار فلاح پانیوالا ہے۔

دوسری آیت سورۃ الصافات میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ وَّ اَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ

بے شک ہمارا لشکر (اسلام) ضرور غالب آکر رہے گا تو (اے پیغمبر!) چند روز ان منکروں سے تعرض نکرو اور ان کو دیکھتے رہو آگے چلکر یہ خود (اپنا نتیجہ) دیکھ لینگے۔

ف

یہ آیت مکی ہے اور ہجرت سے پہلے نازل ہوی۔ اس میں بطور یقینی امر کے پیشنگوئی کی گئی ہے کہ کفار سے چند روز اور تعرض نکرو۔ کوئی دن جاتا ہے کہ یہ لوگ اپنے کئے کا نتیجہ دیکھیں گے اور لشکر اسلام ضرور ان پر غالب آکر رہے گا

تیسری آیت سورۃ المجادلہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔

خدا تو لکھ چکا ہے کہ ہم اور ہمارے پیغمبر ضرور (کافروں پر) غالب آکر رہیں گے۔ بے شک اللہ زور آور (اور) زبردست ہے

چوتھی آیت سورہ محمدؐ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) خدا کے رستہ سے روکا پھر کفر ہی کی حالت میں مر گئے۔ خدا انکو ہرگز نہیں بخشیگا تو (مسلمانو!) تم بودے نہ بنو اور (خود پیام دیکر دشمنوں کو) صلح کی طرف نہ بلاؤ اور (جانتے رہو کہ آخرکار) تم ہی غالب رہوگے اور اللہ تمھارے ساتھ ہے اور تمھارے عملوں (کے ثواب) میں کسی طرح کی کمی نہیں کرے گا۔

ف

اس آیت میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ تم کافروں سے دب کر صلح نہ کرو نہ ان کو خود صلح کی طرف بلاؤ کیونکہ ہم تمھارے ساتھ ہیں اور تمکو کافروں پر غالب کرکے رہیں گے۔

کیسی زبردست پشنگوئی ہے کہ پشینگوئی کرنے والا صرف غیب کی ایک خبر ہی نہیں دیتا بلکہ یقین و صراحت کے ساتھ یہ بھی کہدیتا ہے کہ چونکہ تمھارا غلبہ یقینی ہے اس لئے بودے بنکر اور دشمنوں سے دب کر صلح

کی طرف نہ لپکو۔

کفار عرب اور دشمنان اسلام، مسلمانوں سے جیسا کچھ مغلوب ہوکر رہے اسکی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کی مغلوبیت اور مسلمانوں کے غلبہ کے کھلے آثار موجود ہیں۔ ادنیٰ یہ ہے کہ ملک عرب میں سوائے اسلام کے دوسرا کوئی مذہب ہی باقی نہ رہا۔

ایسی بیچارگی کے وقت کہ مسلمانوں کے پاس نہ کھانے کو روٹی تھی نہ پہننے کو کپڑا نہ رہنے کو مکان اور پھر شمار میں اتنے کہ انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے قرآن کی یہ پیشینگوئی کہ تمہارے دشمن تم سے مغلوب ہوکر ہار جائینگے۔ اُن کے دلوں میں تمہاری ہیبت بیٹھ جائے گی اور تم ہی غالب رہوگے۔ اور پھر اس پیشینگوئی کا پورا ہوکر رہنا، اسلام کی حقانیت اور قرآن کے کلام اللہ ہونے کی بڑی زبردست دلیل ہے۔

تو اے بصیرت والے مخالفین! تعصب چھوڑو۔ دل کے آئینے سے دشمنی وجہالت کے زنگ کو دور کرو۔ قرآن کی مافوق العادت خوبیوں کو غور سے دیکھو اور صدق دل سے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں ہمارے ساتھ شریک ہوجاؤ۔ البتہ دو جنگوں میں مسلمانوں کو ایک طرح کی ناکامی ہوئی تھی لیکن اولاً تو وہ ناکامی خود مسلمانوں ہی کی غلطی سے ہوئی کہ اپنے سردار (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام کی پوری پابندی نہیں کی اور ظاہر ہے کہ جو فوج اپنے افسر کے حکم پر نہ چلیگی وہ ضرور نقصان اوٹھائیگی۔ دوسرے یہ کہ یہ جنگیں درمیانی تھیں۔ انجام کار کفار ہی کو شکست ہوئی اور اعتبار انجام کا ہے۔

پیشگوئی

(۲۴)

جو لوگ پیغمبر کے قتل کی فکریں کر رہے ہیں انکی سب تدبیریں اور مکّاریاں ملیامیٹ ہو جائینگی

یہ زبردست پیشگوئی قرآن مجید میں چار مقامات پر کیگئی ہے۔

پہلی آیت سورۃ النحل میں ہے جہاں اللہ فرماتا ہے:۔

وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ

اور یہ لوگ جو (تمھاری مخالفت میں) تدبیریں کر رہے ہیں تم اس سے تنگدل نہ ہو (کیونکہ) جو لوگ پرہیزگاری کیا کرتے ہیں اور جو (لوگوں کے ساتھ) حسن سلوک سے پیش آتے ہیں اللہ اُن کا ساتھی ہے۔

دوسری آیت اسی طرح کی سورۃ النحل میں ہے۔

تیسری آیت سورۃ ابراہیم میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِندَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ وَإِن كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ

اور ان لوگوں نے بھی اپنا مکر کیا اور ان کی (سب) چالیں خدا کی نظر میں ہیں اور اگرچہ اُن کی چالیں (اس بلاکی

الْجِبَالَ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ

ہیں کہ پہاڑوں کو جگہ سے ٹال دیں تو (اے پیغمبر!) ایسا خیال نکرنا کہ خدا جو اپنے پیغمبروں سے وعدہ کرچکا ہے اس کے خلاف کرے گا بے شک اللہ زبردست بدلہ لینے والا ہے۔

چوتھی آیت سورۃ الفاطر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ

اور (اے پیغمبر!) جو لوگ (تمہارے قتل وایذا کے لئے) بڑی بڑی تدبیریں کرتے ہیں اُن کو سخت سزا ہونی ہے اور اُن کی (سب) تدبیریں وہی (آخرکار) ملیامیٹ ہوجائیگی

یہ سب آیتیں مکی ہیں۔

ف

کفار عرب نے ہر طرح کوشش کی کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعوی رسالت سے باز آجائیں۔ آپ کو اور آپ کے پیروں کو طرحطرح کی تکلیفیں پہونچائیں تا پریشان ہوکر اسلام چھوڑ بیٹھیں اور دوسرے لوگ اس ڈر سے اسلام قبول کرنیکی جرات نہ کریں مگر جب کوئی کوشش کارگر نہیں ہوئی اور انہوں نے دیکھا کہ مذہب اسلام قوت ہی پکڑتا جاتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کردینے کی فکر میں سوچنے لگے چنانچہ ایک روز دار الندوہ میں مجلس شوریٰ مرتب ہوئی اور اس میں یہ طے پایا کہ ہر ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی منتخب ہو اور سب ملکر محمد (علیہ السلام) کو مار ڈالیں اور اسطرح قتل کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ اگر بنوہاشم قصاص لینا چاہیں گے تو نہ لے سکینگے

کیونکہ ایک آدمی کے عوض میں بہت سے لوگ قتل نہیں ہو سکتے۔ لامحالہ وہ خون بہا (دیت) لینے پر مجبور ہوں گے اور دیت کا انتظام نہایت آسانی سے ہو سکتا ہے دیت سب لوگ ملکر دیدیں گے کسی پر گراں بھی نہ گذرے گا اور سب بکھیڑا بھی ہمیشہ کے لئے مٹ جائے گا۔ اسی واقعہ کو اللہ تعالے نے بعد میں یوں ارشاد فرمایا:-

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ

اور اے پیغمبر وہ وقت یاد کرو۔ جب کافر تم پر داؤ چلانا چاہتے تھے تاکہ تم کو گرفتار کر رکھیں یا تم کو مار ڈالیں یا تمکو جلاوطن کر دیں اور (حال یہ تھا کہ) کافر اپنا داؤ کر رہے تھے اور اللہ اپنا داؤ کر رہا تھا اور اللہ سب داؤ کرنیوالوں سے بہتر (داؤ کرنے والا) ہے۔

یہ آیت مدنی ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی اور اس میں اللہ تعالے نے پیغمبر پر اپنا احسان جتلا رہا ہے کہ باوجود کفار کی سر توڑ کوششوں کے ہم نے تمہیں کیونکر بچا لیا؟

غرض ان آیات مذکورۂ بالا میں اللہ تعالے نے رسول حق کو واقعہ کی خبر دیکر تسلی و تشفی کرتا ہے کہ دشمنوں کے ان فریبوں سے تم آزردہ خاطر نہو۔ ان کی سب تدبیریں ملیامیٹ ہونگی اور اس ایذادہی کی پاداش میں ان کو سخت سزا دیجائیگی اور ایسا ہی ہوا کہ اللہ تعالے نے پیغمبر خدا کو ان پوشیدہ سازشوں سے خبردار کر دیا۔ آپ ان سب کی آنکھوں میں خاک ڈالکر مدینہ منورہ چلے گئے۔ کوئی آپ کا ایک بال بھی بیکا نکر سکا اور اسلام اسی طرح روز افزوں ترقی کرتا رہا جیساکہ سب کو

معلوم ہے۔

وقت معینہ پر جب کفار قتل کرنے کی غرض سے پیغمبر کے خوابگاہ میں گھسے تو بستر پر بجائے محمد مصطفیٰؐ کے علی بن ابی طالب کو پایا۔ پریشان ہو کر پوچھنے لگے کہ محمدؐ کہاں ہیں؟ علیؓ نے جواب دیا کہ وہ تو تمھارے سامنے سے ہو کر مدینہ کی طرف گئے۔

پھر تو ان دشمنوں نے ہر طرف جاسوس دوڑائے کہ محمد (صلعم) جہاں ملیں گرفتار کر لو مگر ع

بیت

دشمن اگر قوی است نگہباں قوی تر است

پیغمبر خدا اور ابو بکر صدیقؓ جس غار میں چھپے ہوئے تھے اس پر سے دشمنوں اور تلاش کرنے والوں کا بارہا گذر ہوا لیکن پیغمبر کے سایہ تک کا کسی کو نشان نہ ملا اور سب ہاتھ ملکر رہ گئے[۱]

بہرحال کفار کی تدبیروں کی ملیامیٹ ہونے کی یہ پیشنگوئی ہے ان کی سب تدبیریں بیکار گئیں پیغمبر خدا صلعم اور مومنین فیروزمند رہے اور پیشنگوئی صحیح اتری۔

---

[۱] ابن کثیر ۱۲

پیشنگوئی

(۲۳)

پیغمبر اسلام ہر طرح محفوظ رہیں گے

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں تین مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ البقر میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

فَاِنْ آمَنُوْا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ فَسَیَكْفِیْكَهُمُ اللّٰهُ	تو اگر تمھاری طرح یہ لوگ بھی اُن ہی چیزوں پر ایمان لائیں جن پر تم ایمان لائے ہو تو بس راہ راست پر آگئے اور اگر انحراف کریں تو (سمجھو کہ) بس وہ (تمھاری) ضد پر ہیں (اور قابو پائیں تو ستائیں) تو (اے پیغمبر!) ان سے خدا (کا حفظ) تمہارے لئے کافی ہوگا

دوسری آیت سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ	اور اللہ تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھیگا کیونکہ اللہ ان لوگوں کو جو کفر کرتے ہیں (ایسا رستہ) دیہی نہیں دکھائیگا۔

دوسری آیت سورۃ الطور میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ	اور (اے پیغمبر!) اپنے پروردگار کے

فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا۔ | حکم کے انتظار میں صبر سے بیٹھے رہو کہ تم ہماری نگرانی دو حفاظت میں ہو

ف

کافران عرب، حضرت سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تو تھے ہی۔ دن رات نت نئی ایذار پہونچاتے رہتے تھے یہاں تک کہ ایذا دہی پر بھی صبر نہ آیا تو قتل کرنے پر آمادہ ہوگئے ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ شانہٗ رسول اللہ صلعم کو ایک یقینی پیشنگوئی کے ساتھ تسکین دیتا ہے کہ تم کفار کی ان چالوں سے گھبرانا نہیں، ہم خود تمھارے حافظ و نگہبان اور نگران حال ہیں۔ تم بال بال ان کے شر سے محفوظ رہوگے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ دشمنان اسلام باوجود اپنی سخت مخالفتوں اور سرتوڑ کوششوں کے خود ذلیل وبرباد ہوئے اور پیغمبر کا ایک بال تک بیکانہ ہوا۔

لطیفہ

امیرالمومنین خلیفہ ہارون رشید عباسی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک منجم آیا۔ اس نے چند غیبی باتیں کہیں جو پوری ہوگئیں۔ خلیفہ کو اس امر پر اعتماد آگیا۔ پوچھا کہ بھلا یہ تو بتاؤ ہماری عمر کتنی ہے۔ منجم نے زائچہ وغیرہ کھینچکر غور وخوض کے بعد بتایا کہ یہ سال آپ پر نہیں گذرے گا۔ چند باتوں کے پورا ہونے سے خلیفہ کو تو اس کی باتوں کی تصدیق ہو چکی تھی اس نے کمی عمر کی جو خبر دی حواس جاتے رہے۔ جب دانشمند وزیر کو حقیقت سے آگاہی ہوئی خلیفہ کے حضور میں حاضر ہوا۔ دیر تک گفتگو ہوتی رہی مگر منجم کی بات کا خیال نہ گیا۔

وزیر نے عرض کیا کہ امیرالمومنین اجازت دیں تو میں منجم کا صدق وکذب ابھی

معلوم کر لوں۔ خلیفہ نے اسکو منظور فرمایا۔ منجم خلیفہ کے روبرو حاضر کیا گیا۔ وزیر نے پوچھا کہ تم نے ہمارے خلیفہ کی جو عمر بتائی ہے کیا وہ صحیح ہے منجم نے کہا بیشک اور یہ بات اٹل ہے جو جھوٹ ہو نہیں سکتی۔

وزیر نے پوچھا بھلا تم دنیا میں کتنے دنوں زندہ رہو گے۔ منجم نے دیر تک غور و خوض کرنے کے بعد جواب دیا کہ میں بیس برس کے اندر کسی طرح مر نہیں سکتا۔ وزیر نے دوبارہ کہا کہ دیکھو خوب سوچکر جواب دو بولا ابس یہ غلط ہو نہیں سکتا۔ اتنا سنتے ہی وزیر نے تلوار کھینچکر ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ منجم کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ اس کے بعد خلیفہ سے دست بستہ عرض کیا کہ امیر المومنین! اس جھوٹے غیب دان کا کذب ظاہر ہو گیا۔ جب اس کاذب کو اپنی صحیح عمر معلوم نہ ہو تو دوسروں کی صحیح عمر کیا بتا سکتا تھا۔ یہ واقعہ صحیح ہو یا غلط ہم کو اس سے بحث نہیں۔ اس ایراد سے ہماری غرض یہ ہے کہ کفار مکہ کو جس حد تک پیغمبر اسلام علیہ السلام سے عداوت تھی وہ تاریخ جاننے والوں پر مخفی نہیں ہے یہاں تک کہ جان ہی لینے پر تل گئے۔ اور بلاشبہ اگر قادر مطلق اللہ تعالے کی نگرانی اور غیبی حفاظت نہ ہوتی تو وہ اپنے ارادوں میں کامیاب بھی ہو جاتے پس ایسی حالت میں کہ عرب کا سارا خونخوار ملک انتہائے مخالفت اور اہلاک پر تلا ہوا تھا اور حضرت سرور کائنات اور مسلمانوں کی جماعت کو کفار عرب کے ساتھ وہی نسبت تھی جو رائی کے دانہ کو پہاڑ کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ قرآن کی یہ پیشینگوئی کہ تم بالکل محفوظ رہو گے اور پھر اس پیشینگوئی کا پورا اترنا قرآن کے کلام اللہ ہونے کی روشن دلیل ہے۔

پیشنگوئی

(۲۴)

مخالفین تحویل قبلہ پر اعتراض کرینگے

جیسا کہ سورۃ البقر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

جن لوگوں کی عقل ماری گئی ہے وہ عنقریب کہیں گے کہ مسلمان جس قبلہ پر (پہلے) تھے (یعنی بیت المقدس) اس سے اُن کے (کعبہ کی طرف کو) مڑجانے کی کیا وجہ ہوئی (اے پیغمبر تم یہ) جواب دو کہ مشرق اور مغرب (سب اللہ ہی کا ہے- جسکو چاہتا ہے (دین کا) سیدھا رستہ دکھاتا ہے۔

ف

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم شروع شروع میں بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھا کرتے تھے یہاں تک کہ مدینہ میں آنے کے بعد بھی کوئی ڈیڑھ برس تک بیت المقدس ہی کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے۔ اس کے بعد حکم ہوا کہ خانۂ کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھا کرو

اس حکم کے ساتھ ہی اللہ تعالےٰ نے یہ پیشینگوئی بھی فرمادی کہ دشمنان اسلام اس تحویل قبلہ پر ضرور اعتراض کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

یہود تو بات بات پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے اُن کو یہ ایک نیا شگوفہ ہاتھ آیا کہ پیغمبر کی رائے کو بھی کچھ ثبات نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اس کا جواب پہلے ہی بتادیا کہ اللہ کے علم میں پائدار قبلہ یہی) خانۂ کعبہ تھا اور مسلمانوں سے مصلحتہً چندروز کے لئے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھوائی چنانچہ یہ مصلحت اسی پارہ میں آگے مذکور ہے۔

یہ پیشینگوئی، کوئی بہتم بالشان اور ما فوق العادت بات نہیں ہے۔ موجودہ واقعات پر نظر کرکے ایسی رائے قائم ہوسکتی ہے۔ لیکن چونکہ فی نفسہٖ یہ پیشینگوئی ہے گو ادنیٰ درجہ کی ہو اس لئے اس کو بھی لکھ دینا ضروری معلوم ہوا۔

پیشنگوئی

(۲۵)

منافقوں کا بھانڈا پھوٹا

سَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ
لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ
أَنْفُسَهُمْ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ إِنَّهُمْ
لَكَاذِبُونَ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ
لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ
حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ
الَّذِينَ صَدَقُوا
وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ
لَا يَسْتَأْذِنُكَ
الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا
بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ
وَاللّٰهُ عَلِيمٌ

(تم پیچھے رہ جانے کا سبب پوچھو گے تو)
وہ خدا کی قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ
اگر ہم سے بن پڑتا تو ہم ضرور تم لوگوں
کے ساتھ نکل کھڑے ہوتے یہ
لوگ (جھوٹی قسمیں کھا کر) آپ اپنے
کو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ کو معلوم
ہے کہ یہ لوگ ضرور جھوٹے ہیں
(اے پیغمبر!) خدا تمھارا قصور
معاف کرے تم نے ان کو (پیچھے
رہنے کی) اجازت ہی کیوں دی۔
اس وقت تک کہ تم پر سچے (علیحدہ)
ظاہر ہو جاتے اور جھوٹوں کو
معلوم کر لیتے (اے پیغمبر!) جو
لوگ خدا کا اور روز آخرت کا
یقین رکھتے ہیں وہ تو تم سے

بِالْمُتَّقِيْنَ إِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ۔

اس بات کی رخصت مانگتے نہیں کہ اپنے جان و مال سے شریک جہاد نہوں۔ اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے (پیچھے رہ جانے کے لئے) تم سے خواہان اجازت وہی لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کا اور روز آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہیں تو وہ اپنے شک (کی حالت) میں حیران ہیں (کہ کیا کریں کیا نہ کریں) سورۃ التوبہ ع ۷

(۲)

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ۔

(یہ منافق تمہارے سامنے) قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ بھی تم ہی میں کے ہیں حالانکہ وہ تم میں کے نہیں ہیں بلکہ وہ بزدل لوگ ہیں اگر کہیں پناہ پائیں یا (چھپ رہنے کے قابل) غار یا گھس بیٹھنے کی (کوئی اور) جگہ تو رسی تڑا تڑا کر اس کی طرف دوڑ پڑیں (سورۃ التوبہ ع ۷ ۱۳)

(۳)

وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ -

ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ خیرات (کی تقسیم) میں تم پر (بے انصافی کا) الزام لگاتے ہیں ان کو اس میں سے (خواہش بھر) دیا جائے تو خوش رہتے ہیں اور اگر ان کو اس میں سے (خواہش بھر) نہ دیا جائے تو بس وہ فوراً بگڑ جاتے ہیں (التوبہ ۵۸ ع ۷)

(۴)

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ -

(مسلمانو) یہ لوگ تمہارے سامنے خدا کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم کو راضی کر لیں -

(۵)

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ -

اور (مسلمانو!) تمہارے آس پاس کے دیہاتیوں میں سے (بعض) منافق ہیں اور خود مدینہ کے رہنے والوں میں سے جو نفاق پر اڑے بیٹھے ہیں (اے پیغمبر!) تم انکو نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں (التوبہ ۱۰۱ ع ۱۳)

(۶)

وَاِذَا مَا اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖ اِيْمَانًا۔

اور جس وقت کوئی سورۃ نازل کی جاتی ہے تو منافقوں میں سے بعض لوگ (ایک دوسرے) پوچھنے لگتے ہیں کہ بھلا اس سورہ نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھا دیا۔

(۷)

وَاِذَا مَا اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا

اور جب کوئی سورۃ نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے ایک کی طرف ایک دیکھنے لگتا ہے پھر (یہ کہکر کہیں تم کو کوئی دیکھتا تو نہیں (اٹھ کر) چلدیتے ہیں (سورۃ التوبۃ ع ۱۶)

(۸)

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ۔

اور ان (منافقوں) میں سے بعض ایسے ہیں جو پیغمبر کو ایذا دیتے اور کہتے ہیں کہ یہ شخص کان (کا بڑا کچا) ہے۔

ف

یہ غزوہ تبوک کا واقعہ ہے جو بڑے امتحان کا معرکہ تھا۔ گرمی کا موسم۔ دور کا سفر۔ اپنی بے سروسامانی اور نخلستان پھلے ہوئے کہ یہی اہل مدینہ

کی معاش کا ذریعہ تھا تو اس لڑائی میں پانچ فریق ہو گئے۔

اوّل پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین اور انصار کہ انہوں نے مشکلات کی مطلق پروا نہ کی اور بے پس و پیش چل کھڑے ہوئے۔

دوسرا فریق ان ہی مہاجرین اور انصار میں وہ تھا جو نکلتے ہوئے ہچکچاتے تھے مگر آخر کار چل کھڑے ہوئے۔

تیسرا فریق خاص تین آدمی تھے۔ کعب بن مالک۔ ہلال بن اُمیہ اور مرارہ بن ربیع کہ یہ لوگ کاہلی کے مارے بچھڑ رہے۔ پیغمبر خدا مدینہ میں واپس آئے تو یہ لوگ بھی حاضر خدمت ہوئے اور جب ان سے بچھڑ جانے کی وجہ پوچھی تو جو سچ بات تھی وہ کہدی کہ قصور ہوا۔ ان ہی تینوں کی نسبت پیغمبر خدا نے حکم دیا تھا کہ وحی کا انتظار کرو خدا کا جیسا حکم ہوگا کیا جائے گا چوتھا وہ فریق جو کسی واقعی عذر سے نہ جا سکے۔ پانچواں فریق منافقین کا ہے کہ اس تمام سورۃ میں ان پر سخت ملامت کی گئی ہے۔ انہیں لوگوں نے حیلے اور بہانے بنائے۔ اور وہ جو تین آدمیوں کی نسبت پیغمبر خدا نے وحی کا انتظار کرنے کے لئے فرمایا تھا ان کا قصور معاف کر دیا گیا کہ اسی سورۃ التوبہ میں بصراحت مذکور ہے۔

غزوۂ تبوک کی اجمالی کیفیت ہم عنقریب بیان کریں گے۔ ان آیتوں میں اللہ تعالےٰ نے منافقوں کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے جو اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں اور قسمیں کھا کر اپنے کو مسلمانوں کا طرفدار بتاتے تھے تا پیغمبر خدا، اور دوسرے اہل اسلام دھوکے میں رہیں اور اس دھوکے سے انہیں کوئی نقصان نہ پہونچے۔

پہلے تو اللہ تعالےٰ نے چند بدویوں، مدینہ کے اردگرد کے رہنے والوں اور خود مدینہ کے بعض لوگوں کو منافق فرمایا۔ پھر ان کی چند شناخت

بتا دی کہ وہ سب منافقین سچے مسلمانوں سے ممتاز ہو گئے۔ پیغمبر خدا، اور مسلمان ان کو سمجھ گئے۔

پہلی شناخت یہ کہ وہ ساتھ چلنے کے لئے عذر و بہانہ کرتے ہیں اور مدینہ میں رہنے کی اجازت مانگتے ہیں حالانکہ سچے مسلمانوں کو اس کی ضرورت ہی نہیں جبکہ پیغمبر ان میں موجود ہے۔

دوسری شناخت یہ ہے کہ وہ بلا ضرورت مسلمانوں سے قسمیں کھاکھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہارے طرفدار اور تمھارے جیسے مسلمان ہیں اور یہی ان کے جھوٹے اور منافق ہونے کی دلیل ہے۔

تیسری شناخت یہ ہے کہ وہ پیغمبر خدا پر بے انصافی کا الزام لگاتے ہیں کہ خیرات انصاف سے تقسیم نہیں کرتے۔ مطلب یہ کہ بہت سی خیرات ہمیں کو دیدیں تو جن کو خواہش مطابق ملی وہ خوش ہو گئے اور جن کو انصاف سے حصہ بقدر ملے وہ بگڑ بیٹھے۔

چوتھی شناخت یہ ہے کہ جب قرآن کی کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے تو بعض منافقین بعض سے پوچھتے ہیں کہ بھلا اس سورہ کے سننے سے کس کا ایمان بڑھا اور یہ پوچھنا دراصل اسلام کا استہزا ہوتا ہے۔

پانچویں شناخت یہ ہے کہ جب کوئی سورہ نازل ہوتی ہے تو ایک دوسرے کی طرف کن انکھیوں سے دیکھنے لگتا ہے اور موقع ملا تو کانا پھوسی کرکے دوسروں کی آنکھیں بچائے ہوئے نکل جاتے ہیں۔

چھٹویں شناخت یہ ہے کہ وہ پیغمبر خدا کو کان کا کچا کہتے ہیں۔

منافقین کی ان شرارتوں پر پہلے کسی کی نظر نہیں پڑتی تھی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور مسلمانوں کو اُن کی پہچان بتلا کر اُن سے خبردار کر دیا تو

ان کی ہر ہر ادا کو مسلمانوں نے جانچنا شروع کیا اور سارے منافقین کو کو پہچان کر الگ کرلیا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے ان منافقوں کے نام نہیں بتلائے اور اس نام کی صراحت نکرنے کی دو وجہہ ہیں،

اوّل یہ کہ جب ان کی شناخت پوری پوری بتلا دی گئی تو ناموں کے صراحت کی کچھ ضرورت ہی نہیں رہی اور یہ طریقہ زیادہ ابلغ ہے بہ نسبت اس کے کہ نام بنام بتایا جاتا۔

دوسری وجہ یہ کہ ناموں کی صراحت کرنے سے غیبت کی بری نظیر قائم ہوتی۔ پس گویا تنبیہ کے ساتھ یہ تعلیم بھی دیدی کہ ایسے مواقع پر اظہار کا کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔؟ جو تہذیب کے خلاف بھی نہو اور اصلاح و اظہار بھی ہوجائے۔

قرآن میں فرعون، ہامان اور ابولہب وغیرہ کے ناموں کی صراحت جو کردی گئی ہے اُس کی یہ صورت نہیں ہے۔ فرعون وغیرہ کے قصے اگلی کتابوں میں موجود تھے اور ان کا اخفار علاوہ عبث ہونے کے بیان قصہ میں خلل انداز ہوتا اور بیان کی دلچسپی اور اثر جاتا رہتا۔ قطع نظر اس کے فرعون و ابولہب وغیرہ اس درجہ کے سرکش و مفسد لوگ تھے اور اسلام کو اس درجہ اُن سے ایذائیں پہونچیں کہ ان نالائقوں کا بدنام کرنا ہی عین تہذیب اور اصلاح خلق ہے۔ علمائے مفسرین اور مورخین نے اُن منافقین کے نام صراحت سے اپنی کتابوں میں درج کئے ہیں جنھوں نے غزوۂ تبوک میں پیغمبر خدا کا ساتھ نہیں دیا اور درپردہ ان پاک نفوس کی ہلاکت کے درپے رہے۔ علامہ ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ کاتب

دینوری ایک ایسا ثقہ اور بہتر مورخ گذرا ہے جسکو ہر زمانہ کے ہر طبقہ نے مسلم اور معتبر تسلیم کیا ہے۔ اس نے اپنی کتاب معارف میں منافقین کے ناموں کی جو صراحت کی ہے ہم بلفظہٖ یہاں نقل کرتے ہیں:۔

اسمار منافقین

۱ عبد اللہ بن اُبی ابن سلول
۲ سعد بن ابی سرح
۳ ابو حاضر الاعرابی
۴ جلاس بن سوید بن صامت
۵ مجمع بن حارثہ
۶ ملیح التیمی۔

اور یہ وہ شخص ہے جس نے کعبہ کی خوشبو چرائی تھی اور مسلمان ہو کر اسلام سے منحرف اور مرتد ہو گیا۔

۷ حصین بن نمیر
۸ طعیمہ بن اُبیرق
۹ مرہ بن ربیع
۱۰ ابو عامر

اور یہ تمام منافقوں کا سردار تھا۔

پیشنگوئی

(۲۶)

جب تم جنگ سے لوٹو گے تو منافقین عذر کریں گے

یَعْتَذِرُوْنَ اِلَیْکُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَیْهِمْ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِکُمْ وَسَیَرَی اللّٰهُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عَالِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ سَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَکُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَیْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ فَاَعْرِضُوْا

(مسلمانو!) جب تم منافقوں کے پاس واپس جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے عذر پیش کریں گے۔

(تو اے پیغمبر!) تم ان سے کہدو کہ باتیں نہ بناؤ ہم کسی طرح تمہارا اعتبار کرنے والے نہیں اللہ تمہارے حالات ہمکو بتا چکا ہے اور ابھی تو اللہ اور اس کا رسول تمہارے کردار کو دیکھینگے پھر تم کو اس (قادر مطلق) کی طرف لوٹایا جائے گا جو حاضر و غائب کو جانتا ہے پھر جو کچھ تم دنیا میں کرتے رہے ہو وہ تمکو بتا دیگا۔

(مسلمانو!) جب تم (جہاد سے) لوٹ کر ان کے پاس واپس جاؤ گے

عَنۡهُمۡ ۚ اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ ۫ وَّمَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ۞ يَحۡلِفُوۡنَ لَـكُمۡ لِتَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ ۚ فَاِنۡ تَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرۡضٰى عَنِ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِيۡنَ

تو یہ لوگ ضرور تمھارے آگے خدا کی قسمیں کھائینگے تاکہ تم اُن سے درگذر کرو تو ان کو منہ نہ لگانا کیونکہ یہ لوگ گندے ہیں اور (آخرکار) ان کا ٹھکانا دوزخ ہے (اور یہ) اس کا بدلہ (ہوگا) جو (دنیا میں) وہ کرتے تھے۔ یہ تمھارے آگے قسمیں کھائینگے تاکہ تم اُن سے راضی ہوجاؤ پس اگر تم اُن سے راضی (بھی) ہوجاؤ تو اللہ ان نافرمان لوگوں سے راضی ہونے والا نہیں۔ (سورۃ التوبۃ ع ۱۲ پ ۱۱)

ف

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سی لڑائیاں لڑنی پڑیں جن میں سب سے اخیر لڑائی تبوک کی تھی۔ تبوک ملک شام کا ایک شہر ہے جہاں روم کی عملداری تھی اور وہ لوگ نصاریٰ تھے۔ مشہور یہ ہوا کہ عرب میں قحط پڑا ہے اور پیغمبر خدا کی نسبت دشمنوں نے اڑا دیا کہ اُن کا انتقال ہوگیا۔ بادشاہ روم کو ملک عرب کے زیر کرنے کا حوصلہ ہوا۔ اس نے کچھ لشکر اس طرف کو متوجہ کئے۔ جب پیغمبر خدا کو معلوم ہوا تو ملک گیری کی غرض سے نہیں۔ لڑنے کے لئے نہیں بلکہ صرف رومیوں کے حوصلے پست کرنے کے ارادے سے آپ نے چڑھائی کی۔ موسم موافق نہ تھا کیں

سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ ادہر نخلستان کی فصل تیار تھی کہ اُسی پر مدینہ والوں کی گذران تھی۔ بے سامانی کا یہ حال تھا کہ ہتھیار اور باربرداری بقدر ضرورت موجود نہیں مگر پیغمبر خدا کو تو صرف یہ منظور تھا کہ ادہر سے سبقت ہو اور رومی دھمکی میں آجائیں چنانچہ لڑائی بھڑائی کچھ ہوئی بھی نہیں۔ مگر بعض دودلے مسلمانوں نے پیغمبر صلعم کا ساتھ دینے میں مضائقہ کیا۔ اور اس کے لئے طرح طرح کے حیلے بنائے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی پر تشریف لے گئے تو منافقین نے جو ظاہر میں اپنے کو مسلمان کہتے اور دراصل اسلام کے دشمن تھے آپ کا ساتھ نہیں دیا اور آلا بالا بتا کر گھر و ہیں بیٹھ رہے۔

غزوہ تبوک سے فراغت ہونے کے بعد اللہ تعالے نے ان آیتوں کے ذریعہ سے منافقوں کا راز افشا کر دیا۔ ان آیتوں میں دو پیشینگوئیاں ہیں۔

اوّل یہ کہ جب تم واپس جاؤگے تو وہ لوگ آکر اپنے شریک نہ ہونے کی حجت بیان کریں گے اور عذر و معذرت کریں گے مگر تم اون کا عذر نہ سننا اور کہدینا کہ اللہ تعالے نے تمھارے کفر و نفاق سے ہم کو خبردار کر دیا ہے اب باتیں نہ بناؤ۔

دوسری پیشینگوئی یہ کہ جب تم مدینہ پہونچوگے تو یہ منافقین قسمیں کھائیں گے تا ان پر اعتماد کرکے اُن کی خطاؤں سے درگذر

کیا جائے۔

یہ دونوں پیشنگوئیاں پوری ہوئیں اور بعینہٖ ویسا ہی ہوا جیسا کہ ان آیات کریمہ میں فرمایا گیا ہے اور مسلمان منافقین سے بالکل علٰحدہ ہو گئے۔

پیشنگوئی

(۲۷)

جد بن قیس منافق ہے اور کافر ہی مریگا

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِي وَلَا تَفْتِنِّي أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ۔

اور ان ہی (منافقوں) میں ایک وہ (نابکار بھی) ہے جو (تم سے درخواست کرتا ہے کہ مجکو (پیچھے رہ جانے کی) اجازت دیجئے اور مجکو (حسینان روم کی) بلا میں نہ پھنسائیے سنو جی! یہ لوگ بلا میں گرے ہیں اور بے شک جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے

ف

غزوۂ تبوک کی تیاری کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جد بن قیس سے پوچھا کہ کیا ارادہ ہے؟ وہ تو پکا منافق تھا، کہنے لگا یا رسول اللہ! سب لوگ جانتے ہیں کہ میں عورتوں سے بہت مانوس ہوں اور عورتوں کی محبت سے میں بدنامی کی حد کو پہونچ گیا ہوں، خوبان روم کا حسن مشہور ہے ایسا نہ ہو کہ وہاں جاکر میں وہیں کا ہو رہوں تو حسن روم کی بلا میں مجکو نہ پھنسائیے اور مجکو یہیں رہ جانے کی

اجازت دیجیے۔ مگر جد بن قیس کا یہ فریب زیادہ عرصہ تک چھپا نہ رہ سکا۔ اللہ تعالیٰ نے بہت جلد بتا دیا کہ یہ کمبخت منافق ہے۔ ساتھ جانے سے جی چراتا ہے اور خود فتنۂ نفاق میں مبتلا ہے اور اسی حالت میں مریگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جد بن قیس کا نفاق بعد کو سب پر آشکار ہو گیا اور اسی کفر و نفاق کی حالت میں وہ دار البوار کو سدھارا



پیشگوئی

(۲۸)

ثعلبہ انصاری منافق ہوگا

وَمِنْهُمْ مَنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ فَلَمَّا آتَاهُمْ مِنْ فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوهُ -

اور ان (منافقوں) میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنھوں نے خدا کے سامنے قول کیا تھا کہ اگر وہ اپنے فضل سے ہم کو (مال) دیگا تو ہم ضرور خیرات کیا کریں گے اور ضرور نیک بندے ہوکر رہیں گے پھر جب خدا نے ان کو اپنے فضل سے (مال) عطا فرمایا تو لگے اُس میں بخل کرنے اور سرتابی کرکے (اپنے قول سے) پھر بیٹھے تو نتیجہ یہ ہوا کہ اس دن تک کہ خدا سے ملینگے (یعنی قیامت تک) خدا نے ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا اس لئے کہ انہوں نے جو خدا سے وعدہ کیا تھا اسکو پورا نہیں کیا۔

ف

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ایک شخص تھا ثعلبہ بن حاطب انصاری اس نے رسول اللہ صلعم سے درخواست کی کہ آپ اللہ تعالےٰ سے میری کشایش رزق اور مال و دولت کے لئے دعا کیجئے۔ آپ نے اس کو سمجھایا کہ بہت فارغ البالی سے غفلت پیدا ہوتی ہے۔ تھوڑے پر قناعت کرو۔ اس نے عہد کیا کہ مجھکو زیادہ دولت ملیگی تو میں غفلت نہیں بلکہ خدا کا شکر کرتا رہونگا۔ اور اس کی راہ میں خیرات کرتا رہونگا۔

غرض آنحضرت نے دعا کی اور رفتہ رفتہ ثعلبہ کے مویشیوں میں برکت ہونے لگی تو یہاں تک نوبت پہونچی کہ اس کا ریوڑ مدینہ کے جنگل میں نہ سماتا تھا ثعلبہ مدینہ چھوڑکر باہر کسی گاؤں میں جا بسا۔

پہلے تو پانچوں وقت کی نماز آنحضرت کے ساتھ پڑھا کرتا تھا پھر مویشیوں کی کثرت ہوی تو ظہر و عصر کی نماز آپ کے ساتھ ادا کرتا اور بقیہ نمازیں گھر پر پڑھتا۔ جب مدینہ کے باہر گاؤں میں جا بسا تو پنجوقتہ نماز اور دو وقتہ نماز چھوٹ کر جمعہ پر آلگی۔ آخر میں جب مویشی بہت بڑھ گئے تو بالکل آنا ہی چھوڑ دیا۔

حکم زکات ہونے کے بعد رسول اللہ صلعم نے دو شخصوں کو متعین کیا کہ ثعلبہ سے زکات کی رقم کا مطالبہ کریں اور وصول کرکے بیت المال میں داخل کریں۔

یہ دونوں فرستادے ثعلبہ کے پاس پہونچے۔ زکات کا مطالبہ کیا۔ اس نے زکات کی آیت سنکر جواب دیا کہ یہ تو جزیہ ہے۔ جزیہ کی بہن ہے غرض وہ بڑبڑاتا اور ٹالے بالے بتاتا رہا اور وہ دونوں مسلمان ناکام واپس آگئے

اور پیغمبر خدا سے سارا ماجرا کہدیا اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی جس میں اللہ تعالے نے ثعلبہ کے بخل و بدعہدی کی مذمت کرنے کے بعد یہ پیشگوئی فرمائی کہ اس کے دل میں نفاق رچگیا ہے اور وہ منافق ہی مرے گا۔ ایک مرتبہ وہ پیغمبر خدا کی خدمت میں زکات لایا بھی مگر آپ نے منظور نہ فرمائی اور اسکو صاف انکار دیا۔ آپ کے انتقال کے بعد جناب صدیق اکبرؓ کے عہد میں دوبارہ زکات لایا آپ نے منظور نہیں فرمائی تیسری دفعہ حضرت فارق اعظمؓ کے عہد میں بھی حاضر دربار خلافت ہوا، اور فاروقی دربار میں بھی اس منافق کی دال نہیں گلی اور اسیطرح عثمان ذوالنورینؓ نے بھی اسکو منہ نہیں لگایا اور بالآخر حضرت عثمان رضؓ کے عہد خلافت میں اس منافق نے بلا توبہ کے دنیا کو خیرباد کہا[۱]۔

---

[۱] تفسیر کبیر جلد (۴)

پیشگوئی

(۲۹)

مسجد ضرار والے سب منافق اور مفسد ہیں

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ

اور (وہ بھی منافق ہیں) جنھوں نے اس غرض سے ایک مسجد بنا کھڑی کی کہ (مسلمانوں کو) نقصان پہونچائیں اور کفر کریں اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالیں اور ان لوگوں کو پناہ دیں جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ پہلے لڑ چکے ہیں اور (پوچھا جائیگا تو) قسمیں کھانے لگینگے کہ ہم نے تو بھلائی کے سوا اور کسی قسم کا ارادہ کیا نہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں (سو اے پیغمبر!) تم اس (مسجد) میں کبھی کھڑے بھی نہ ہونا۔ ہاں وہ مسجد جس کی بنیاد شروع دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے اسکا

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ
يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ
يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ
اَفَمَنْ اَسَّسَ
بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى
مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ
خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ
بُنْيَانَهٗ عَلٰى
شَفَا جُرُفٍ
هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ
فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ وَاللّٰهُ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظّٰلِمِيْنَ لَا
يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ
الَّذِيْ بَنَوْا
رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ
اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ
قُلُوْبُهُمْ ۔

البتہ حق ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو
(کیونکہ) اس میں ایسے لوگ ہیں
جو خوب صاف ستھرے رہنے
کو پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب
صاف ستھرے رہنے والوں کو
دوست رکھتا ہے بھلا جو شخص خدا
کے خوف اور اس کی خوشنودی
پر اپنی عمارت کی بنیاد رکھے وہ
بہتر یا وہ جو پھٹے کھوکھلے کگارے
کے کنارہ پر اپنی عمارت کی بنیاد
رکھے پھر وہ اس کو جہنم کی آگ
میں لے گرے اور اللہ ظالم لوگوں کو
ہدایت نہیں دیا کرتا ۔ یہ عمارت
جو ان لوگوں نے بنائی ہے اس کی
وجہ سے ان لوگوں کے دلوں
میں ہمیشہ دھڑ پکڑ رہے گی یہاں تک
کہ (آخرکار اس عمارت کے گرادئے
جانے سے) ان کے دلوں کے
ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں (سورۃ التوبہ
ع ۱۳ پ ۱۱)

ف

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ معظمہ سے ہجرت کی تو مدینہ پہونچکر شہر سے باہر اُترے اور چند روز بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں ٹھیرے رہے پھر جب رفتہ رفتہ قوت ہوگئی تو شہر کے اندر آئے اور مسجد نبوی کی تعمیر ہوی۔

بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں جہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے آپ کے وہاں سے اُٹھ جانے کے بعد وہاں کے لوگوں نے اس کو مسجد بنا دیا اور جماعت جیسی کی ویسی قائم رہ گئی۔ اسی مسجد کا نام مسجد قبا مشہور ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر، ہفتہ کے روز وہاں تشریف لے جاتے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔

اس محلہ میں بارہ منافق تھے۔ ودیعتہ بن ثابت۔ خذام بن خالد۔ ثعلبہ بن حاطب۔ جاریہ بن عمرو۔ مجمع بن جاریہ۔ زید بن جاریہ۔ معتب بن قشیر۔ عباد بن حنیف۔ ابو حبیبہ بن الاذعر۔ نبتل بن الحرث۔ بجاد بن عثمان اور بحزج۔

ان منافقین کو مسجد کی آبادی اور مسلمانوں کی یکجہتی پسند نہ آئی تو آپس میں مشورہ کرکے متفق ہوے کہ مسجد قبا والوں کی ضد میں ایک دوسری مسجد بناویں اور اپنی جماعت الگ قائم کرکے اسلام میں پھوٹ ڈالیں۔ (مدارج النبوۃ)

ابو عامر ایک شخص تھا جو ایام جاہلیت میں راہبانہ زندگی بسر کرتا تھا بعد کو نصرانی ہوگیا اور لوگوں کا رئیس و مرجع بنا رہا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو رفتہ رفتہ اس کا بازار فسق والحاد

سرد پڑگیا اور اپنا بازار سرد پاکر وہ پیغمبر خدا کا دشمن بنگیا کیونکہ آپ ہی کی وجہہ سے اس کی ریاست کو زوال ہوا۔

جنگ احد میں اس نے رسول اللہ صلعم سے کہا کہ جو قوم تم سے لڑے گی میں اس کا ساتھ دونگا چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور ہمیشہ اسلام کی مخالفت و بیخکنی میں ساعی رہا یہانتک کہ جب جنگ حنین میں ہوازن کو شکست فاش ہوئی تو ابو عامر مایوس ہوکر شام کی طرف بھاگا اور پوشیدہ طور پر منافقین کے پاس پیام بھیجا کہ تم لوگوں سے جہانتک ہوسکے قوت بہم پہونچاؤ اور ہتھیار وغیرہ سے تیار رہو۔ میں قیصر روم کے پاس جاتا ہوں تا رومیوں کا ایک کوہ شکن لشکر لاکر محمد (صلعم) اور اُن کے ساتھیوں کا قلع قمع کردوں۔

اسی ابو عامر کے پیام کی بنا پر منافقین نے مسجد بنائی اور درپردہ یہ لوگ لگائے تھے کہ ابو عامر آئیگا تو اس کو امام بنائیں گے یا نفاق سے بلاکر اپنا سردار وامام کر لینگے۔

مسجد تیار ہو چکنے کے بعد منافقین نے پیغمبر خدا سے آکر عرض کیا کہ پہلے آپ چلکر ایک دفعہ نماز پڑھ لیں تو ہم جماعت قائم کریں۔ آنحضرت کو یہ دغا معلوم نہ تھی۔ آپ نے وعدہ فرمایا کہ جنگ تبوک سے واپس ہونگے تو پہلے وہاں نماز پڑھکر شہر میں داخل ہوں گے۔

جب رسول اللہ صلعم تبوک سے پھر کر ذی آوان میں پہونچے جو مدینہ سے قریب ہی ایک گاؤں ہے تو منافقوں نے حاضر ہوکر وہ وعدہ یاد دلایا کہ اب چلکر نماز پڑھیں۔ آنحضرت نے اپنی قمیص طلب فرمائی تا اوسکو پہنکر ان کے محلہ میں جائیں اور نماز پڑھیں کہ اتنے میں اللہ تعالے نے ان آیات مذکورہ کے ذریعہ سے آپ کو تمام واقعات سے مطلع فرمادیا اور منافقین کے

راز کو افشا کر دیا کہ یہ سب جھوٹے دغاباز ہیں۔ نہ ان کو اسلام سے کچھ تعلق ہے نہ عبادت اور نیک نیتی سے مسجد بنائی گئی ہے۔ مسجد بنانے سے صرف ان کی یہ غرض ہے کہ مسجد قبا والوں کو نقصان پہونچے۔ مسلمانوں میں پھوٹ پڑے۔ اور ابو عامر جو خدا و رسول کا جانی دشمن رہا ہے۔ اس کو فریب سے بلا کر پناہ دیں تو اے پیغمبر! تم ان منافقوں کی مسجد میں ہرگز نہ ٹھیرنا۔ ان آیات قدسیہ کے نازل ہونے کے بعد پیغمبر خدا نے مالکؓ بن دخشم۔ معنؓ بن عدی۔ عامر بن سکن۔ اور وحشیؓ چار آدمیوں کو متعین کیا جنھوں نے موقع پر پہونچکر مسجد ضرار کو منہدم کر دیا۔ مسجد والوں کو متفرق کر دیا۔ اور پیغمبر کے حکم سے اس جگہ کو مزبل بنایا گیا۔

ابو عامر فاسق راہب شام میں اسی حالت نفاق اور کس مپرسی میں دنیا سے رخصت ہوا۔ اور اللہ کی یہ پیشینگوئی بھی پوری ہو گئی کہ وہ مسجد کی عمارت جس فاسق کے لئے بنی تھی اس کو لیکر جہنم واصل ہوئی۔



پیشنگوئی

(۳۰)

جنگ حدیبیہ سے پیچھے ہٹ جانے والے
عدم شرکت کا عذر لنگ کرینگے

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ
مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا
أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا
فَاسْتَغْفِرْ لَنَا يَقُولُونَ
بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ
فِي قُلُوبِهِمْ قُلْ
فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ
شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ
ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ
نَفْعًا بَلْ كَانَ اللَّهُ
بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا
بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ
الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ

(اے پیغمبر!) دیہاتی لوگ جو پیچھے رہ گئے (اور اس سفر حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئے) اب تمھارے روبرو عذر پیش کریں گے۔ کہ ہم اپنے مال اور اہل (و عیال) کی پرداخت میں لگے رہے تو آپ ہمارا (یہ) قصور (خدا سے) معاف کرا دیجئے (یہ لوگ) اپنی زبان سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں (اے پیغمبر تم ان سے) کہو کہ اگر خدا تم کو نقصان پہونچانا چاہے یا تم کو فائدہ پہونچانا چاہے تو کون ہے جو خدا کے مقابلہ میں تمہارا (نفع یا نقصان) کچھ بھی

إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنتُمْ قَوْمًا بُورًا۔

کر سکے (مال و اولاد کا حیلہ ہی ہے بلکہ (بات یہ ہے کہ) تم لوگ جو کچھ بھی کرتے ہو خدا اس سے واقف ہے۔ (تم مال و اولاد کی وجہ سے نہیں) بلکہ (مارے ڈر کے پیچھے رہے اور) تم نے سمجھا کہ پیغمبر اور مسلمان اپنے بال بچوں میں کبھی واپس آنے ہی کے نہیں اور یہی بات) تمھارے دلوں میں کھب گئی تھی اور تم (طرح طرح کی) بدگمانیاں کرنے لگے تھے اور (ایسے خیالات سے) تم لوگ آپ برباد ہوئے۔ سورۃ الفتح (ع ۲)۔

ف

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ۶ھ میں مدینۂ منورہ سے حج کا ارادہ کرکے مکہ معظمہ کی طرف چلے اکثر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہمراہ رکاب تھے۔ مدینہ کے اردگرد کے قبائل غفار۔ مزینہ۔ جہنیہ۔ اسلم۔ اشجع اور دئل میں بہت سے منافق تھے جو مسلمانوں کا بھلا نہ چاہتے تھے اور حتی المقدور ان کا ساتھ دینے سے پرہیز کرتے تھے۔ ان بدخواہوں کو یقین تھا کہ پیغمبر خدا اور آپ کے یاروں کو مکہ والے گھسنے نہ دینگے۔ آپس میں مشورہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب تواب لوٹتے نہیں کیونکہ مکہ والے ان لوگوں کے سخت دشمن ہیں آخر

لڑائی ہوگی اور یہ سب کے سب قتل کر دیئے جائینگے۔ ایسی حالت میں ہمکو کیا ضرور ہے کہ خواہ مخواہ اپنے تئیں جان بوجھ کر ہلاکت میں ڈالیں غرض آپس میں یہی کچھ مشورہ صلاح کرکے سب کے سب گھروں میں بیٹھ رہے ادھر پیغمبر خدا اور اہل مکہ میں صلح ہوگئی اور مسلمان اپنے برحق رہنما کے ساتھ بخیر و عافیت واپس ہوئے اور اللہ تعالےٰ نے آپکو مطلع فرمایا کہ جب تم مدینہ واپس پہونچو گے تو جن منافقین نے ساتھ نہیں دیا وہ حاضر ہوکر یہ عذر کریں گے کہ ہم مال و اولاد کے خوف سے ساتھ نہ چل سکے کہ ہمارے پیچھے کوئی ان کی حفاظت و نگرانی کرنے والا نہیں تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب پیغمبر خدا مدینہ میں تشریف لائے تو اُن ظاہری دو دلے مسلمانوں نے یہی عذر کیا اور آپ نے ان کا یہی جواب دیا جو ان آیات میں اللہ تعالےٰ نے پہلے سے بتا دیا تھا کہ تم سب جھوٹ کہتے ہو، تم نے سمجھا تھا کہ ہم لوگ جان سلامت لیکر نہیں لوٹینگے۔ اور اس یقین پر جان چرا کر عورتوں میں بیٹھ رہے خیر دنیا میں تو ظاہری اسلام نے تمکو بچا ہی لیا، آخرت میں اللہ کے عذاب سے کہاں اور کیونکر بچوگے؟

جنگ حدیبیہ کا مفصل واقعہ انشاء اللہ تعالےٰ آئندہ ہم لکھیں گے۔

پیشنگوئی

(۳۱) و (۳۲) و (۳۳) و (۳۴)

مسلمان (صحابہ) صاحب سلطنت ہون گے۔ وہ دین کو جما کر رھینگے۔ خوف و خطر سے محفوظ ہوں گے اور کوئی ان میں کا شرک نکریگا۔

جیسا کہ سورۃ النور میں جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے :-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنْكُمْ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اُن سے خدا کا وعدہ ہے کہ (ایک نہ ایک دن) ان کو ملک کی خلافت (سلطنت) ضرور عطا کرے گا جیسے ان لوگوں کو خلافت عطا کی جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں اور جس دین (اسلام) کو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے اسکو ان کے لئے جما کر رہیگا اور خوف (وخطر) جو اں کو ہے اس کے بعد

اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا۔	ان کو (اس کے) بدلہ میں امن دیگا کہ (باطمینان) ہماری عبادت کیا کریں گے (اور) کسی چیز کو ہمارا شریک نہ گردانیں گے۔

اس آیت میں چار پیشنگوئیاں ہیں۔

پہلی پیشنگوئی

مسلمانوں کو اس امر کی خوشخبری اور بشارت دی گئی ہے کہ جسطرح تم سے اگلی امت کے لوگوں کو خلافت وسلطنت عنایت کی گئی تھی اسی طرح ہم تم کو بھی نعمتِ بادشاہت سے سرفراز اور ممتاز فرمائینگے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بڑی قوی دلیلوں میں سے یہ ایک ایسی صاف اور مستحکم پیشنگوئی ہے جس کو پورا ہوتے ہوئے بھی ساری دنیا نے دیکھ لیا۔

نکتہ

آیت میں خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام سے ہے یعنی تم صحابہ رسول میں سے بعض ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو ہم بادشاہت اور ملک کی خلافت سے سرفراز فرمائینگے۔ تو اس آیت سے حضرت ابوبکر صدیق اکبر خلیفۂ اول، حضرت عمر فاروق اعظم خلیفۂ ثانی۔ حضرت عثمان خلیفۂ ثالث، حضرت علی خلیفۂ رابع، حضرت امام حسن خلیفۂ خامس اور حضرت امیر معاویہ خلیفۂ سادس۔ ان چھ نفوس مطہرہ

کی خلافت کی بشارت خاص طور پر مستنبط ہوتی ہے کیونکہ پوری تمکین مسلمانوں کو امیر معاویہ ہی کے زمانۂ خلافت میں نصیب ہوئی۔ پس یہ چھٹوں خلافتیں خلافت راشدہ اور برحق ثابت ہوئیں جن کی حقیقت قرآن سے منصوص ہے

خلفائے راشدین کی خلافت

یہ آیت خلفائے راشدین یعنی ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی۔ حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہم کی امامت و خلافت کے صحیح و برحق ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

اولاً:۔ اس وجہ سے کہ زمانۂ محمد مصطفےٰ صلعم میں جو مسلمان اور نیک عمل والے تھے اُن میں سے بعض کے استخلاف کا وعدہ فرمایا۔ استخلاف کے معنی جانشین کرنے کے ہیں۔ پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح اگلے انبیاء کے بعد اون کی امت کے بعض اچھے افراد کو اون کا جانشین و خلیفہ کیا گیا اسی طرح محمد صلعم کے بعد اُن کی امت کے اچھے لوگوں میں سے بعض کو محمد کا جانشین و خلیفہ کیا جائے گا۔

چونکہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ استخلاف سے استخلاف فی النبوت مراد نہیں ہے بلکہ امامت اور خلافت علی منہاج النبوت مقصود ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرام میں سے جن نفوس کے مبارک سروں پر خلافت کا تاج رکھا گیا وہی اس بشارت کے مصداق ہونگے اور کچھ شبہ نہیں کہ بعثت رسول سے جو منشا تھا اور خلیفہ رسول کا جو منصب رہا ہے اس کو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بدرجۂ اتم پورا کیا اور بقیہ چار نفوس بھی اس کے پورا کرنے میں حتی الامکان ساعی رہے۔

دوسرا۔ اس وجہ سے کہ آیت میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس نے مسلمانوں میں سے بعض ایماندار اور اچھے عمل کرنے والوں کے استخلاف کا وعدہ کیا ہے۔ اس سے بدیہی طور پر ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے صحابہ میں سے جو پاک نفوس آپ کے جانشین و خلیفہ ہوئے وہ ایماندار اور اچھے عمل والے تھے اور انہیں کی خلافت و سلطنت کی بشارت تھی۔ خلفائے اربعہ کی صحت امامت کا اس سے بہتر ثبوت کیا ہو سکتا ہے؟

بعض مفسرین نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ یہ آیت عام ہے اور اس میں تمام مسلمانوں کو بشارت دی گئی ہے کہ جو ایمان دار اور اچھے عمل والا ہوگا اس کو سلطنت و خلافت سے ممتاز کیا جائے گا۔ لیکن یہ معنی صحیح نہیں ہو سکتے کیونکہ اولاً تو خود آیت میں "منکم" کا لفظ ہے یعنی تم (صحابہ) میں سے جو ایماندار اور نیک عمل والے ہیں ان میں سے بعض کو استخلاف کا وعدہ دیا گیا ہے۔ پس تبعیضیہ "من" کے ہوتے ہوئے تمام مسلمانوں کو بشارت کے تحت میں لانا بالکل غیر صحیح ہے۔

دوسرے:۔ یہ کہ تمام مسلمانوں کو مراد لینا خلاف عقل و مشاہدہ بھی ہے کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ جو مسلمان، صاحب ایمان اور اچھے عمل والا ہوگا۔ اسکو خلافت دی جائے گی حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ خلافت و سلطنت تو بعض ہی مسلمانوں کے حصہ میں آئی۔

تیسرے:۔ یہ کہ آیت میں ضمیر خطاب ہے جو صاف دلالت کرتی ہے کہ یہ پیشنگوئی حاضرین وقت کے بارہ میں کی جارہی ہے اور ہوا بھی ایسا ہی کہ حاضرین صحابہ میں سے بعض اچھے افراد کو اللہ تعالیٰ نے خلافت و حکومت عطا فرمائی

چوتھے:۔ یہ کہ استخلاف کی بشارت کو اگر تمام مسلمانوں کے لئے عام کر بھی دیجائے تو اس کا مفاد صرف اس قدر ہوگا کہ مسلمانوں میں سے بعض ایمان دار اور اچھے عمل کرنے والوں کو خلافت ملے گی پھر بھی یہ بشارت بعض ہی افراد کیلئے ٹھیری۔ البتہ اس صورت میں مذکورہ چھ بادشاہوں کے علاوہ اور خلفاء و سلاطین بھی بشارت کے تحت میں آجائیں گے۔ لیکن بہرکیف شروع کے چھ خلفائے صحابہ تو اس بشارت میں خاص طور پر مقصود ہیں اور اس آیت سے بہر طور ان کی امامت کا برحق ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اسلام کے ایک فرقہ نے اس آیت کو صرف حضرت علیؓ کی امامت پر اور بعض نے اپنے مفروضہ بارہ اماموں کی حقیقت پر محمول کیا ہے۔ مگر یہ دعویٰ صریح البطلان ہے۔

آیت میں صرف حضرت علیؓ کی امامت مقصود نہیں ہے بلکہ ان کی امامت بھی مقصود ہے۔ کیونکہ پیشینگوئی بہتوں کے لئے کی گئی ہے اور واحد کا اطلاق جمع پر نہیں کیا جاسکتا۔ درحالیکہ حضرت علیؓ سے پہلے خلفائے ثلاثہ نے نہایت عمدگی و خوبی سے امرِ خلافت کو انجام دیا۔ اور ائمہ اثنا عشر کا مراد لینا تو کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ حضرت علیؓ اور امام حسنؓ کے سوا، ان بارہ نفوس میں سے نہ کوئی خلیفہ ہوا۔ نہ کسی کی شوکت قائم ہوی بلکہ ہر ایک اپنے وقت میں مغلوب و محروم رہا۔

اقسام خلافت

حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے خلافت کی چار تقسیمیں کی ہیں۔

پہلی قسم، خلافت اجماعی ہے یعنی تمام مسلمان اور اہل حل وعقد اتفاق کر کے

اپنے میں سے ایک شخص کو خلافت کے لئے منتخب کرلیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت اجماعی تھی کیونکہ تمام صحابہ نے آپ کی خلافت پر اجماع کرکے بلا چون وچرا بیعت کرلی۔ بعض بنو ہاشم کچھ دنوں خود خلیفہ بننے کی امید میں اڑے رہے لیکن پھر انہوں نے بھی مان لیا۔

دوسری قسم:۔ استخلاف ہے یعنی ایک جائز خلیفہ اپنی زندگی میں کسی شخص کو نامزد کردے کہ یہ میرے بعد خلیفہ ہوگا۔ حضرت عمر فاروق اعظمؓ کی خلافت اسی قسم کی تھی شاہ صاحب انہی دونوں خلافتوں کو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ سے لکھتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی خلافت شان نبوت لئے ہوئے تھی اور یہ بات تو گویا مسلمات سے ہوگئی ہے کہ فاروق اعظمؓ کا سا مدبر، منتظم، عادل، اور بہمہ صفت موصوف بادشاہ نہ ان سے پہلے کبھی آیا نہ امید ہے کہ پھر کبھی دنیا کے اسٹیج پر ایسا باجبروت عادل بادشاہ نظر آئے۔ آپ سیاست مدن سے ایسا واقف تھے کہ آج اتنی ترقی کرجانے پر بھی یورپ ان کے قوانین وانتظامات کی پیروی پر نازاں ہے اور ان کی استادی کا معترف ہے۔

تیسری قسم:۔ خلافت اہل شوریٰ ہے یعنی خلافت کے لئے چند اہل شوریٰ کی ایک مجلس ہو اور کثرت آراء جس پر ہو، وہ خلیفہ گردانا جائے۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت اسی رنگ کی تھی۔

چوتھی قسم:۔ استیلاء ہے ع ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند۔
امیر معاویہ کی خلافت اسی قسم کی تھی۔

اگر منکم کے خطاب سے عام مسلمان مراد لئے جائیں تو اس سے اسلامی سلطنتوں کی بشارت عموماً اور خلافت راشدہ کی پیشگوئی خصوصاً نکلتی ہے۔

بہرحال اوائل اسلام میں اہل اسلام بقدر مفلس۔ تنگدست۔ بے بس۔ محتاج۔ بیدست وپا

اور کس مپرسی کی حالت میں تھے اور تعداد میں اتنے کہ انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے ان کے حق میں یہ پیشنگوئی کرنا کہ وہ بادشاہت حاصل کر لیں گے اور قوت پکڑ کے دنیا کی سلطنت پر قبضہ کر بیٹھیں گے اور اس پیشنگوئی کا بعینہٖ پورا ہو جانا، کبھی انسانی قوت سے نہیں ہو سکتا۔ یہی ایک مضبوط دلیل، قرآن کے کلام اللہ ہونے پر کافی ہے۔

دوسری پیشنگوئی

دین اسلام کو مسلمانوں کے لئے جما کر رہنا اور یہ امر زیادہ توضیح کا محتاج نہیں ہے کیونکہ اسلام کی بنیاد انہیں صحابۂ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دم قدم سے ایسی مضبوط ہو گئی کہ آج تمام روئے زمین پر وہ پھیلا ہوا ہے اور اس مضبوطی کے ساتھ پھیلا ہے کہ تمام دنیا کے جن و انس مل کر بھی زور لگائیں تو نیست و نابود کرنا تو بڑی بات ہے۔ اس کی بنیاد کو متزلزل بھی نہیں کر سکتے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مکہ۔ خیبر۔ بحرین۔ ارض یمن اور جزیرۂ عرب پورے طور پر فتح ہو چکے تھے۔ آپ نے ہی مجوس پر جزیہ قائم کیا اور ان سے رقم بھی وصول کر لی۔

ہرقل قیصر روم۔ مقوقس بادشاہ مصر و اسکندریہ اور شاہان عمان و حبش نے دربار رسالت میں تحفہ و ہدایا کے ساتھ سفارت بھیجی جو پیغمبر اسلام کی سطوت کے قائم ہو جانے کی دلیل ہے۔

پیغمبر خدا کے انتقال کے بعد صدیق اکبرؓ آپ کے خلیفہ اور مسلمانوں کے امام ہوئے انہوں نے مرتدوں سے قتال کر کے دوبارہ جزیرۂ عرب کو فتح کیا اور دوسرے بلاد و ممالک پر لشکر کشی کی چنانچہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو لشکر جرار کے ساتھ فارس

پر دوڑایا۔ دوسرا لشکر ابو عبیدہ بن الجراح رضؓ کی سرداری میں ارض شام کی طرف بھیجا۔ تیسرا لشکر بہ سرکردگی عمرو بن عاص رضؓ مصر کی طرف بھیجا اور ان افواج نے بصریٰ۔ دمشق۔ بلاد حران۔ حیرہ۔ انبار۔ عین التمر اور شام وغیرہ کے بہت سے مقامات کو فتح کر لیا ابوبکر رضؓ نے اپنی زندگی میں حضرت عمرؓ کو خلافت کے لئے نامزد کر دیا تھا کہ یہ میرے جانشین اور میرے بعد خلیفہ ہوں گے اور واقعی یہ ایک ایسا لاجواب انتخاب تھا جو صدیق اکبرؓ کی مردم شناسی۔ قوت تمیزی اور آپ کے جوہر انسانی و روحانی پر کافی روشنی ڈالتا ہے کیونکہ فاروق اعظمؓ کے اصول حکمرانی نے ثابت کر دیا کہ پیغمبر اسلام صلعم کی جانشینی کے لئے ان سے بہتر کوئی فرد نہیں مل سکتا تھا۔ قوت سیرت۔ فضائل انسانی اور صفات سلطانی میں آج تک مادر گیتی نے اس جیسا فرزند رشید نہیں پیدا کیا۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد عدالت مہد میں، دمشق، بلاد ساحل دمشق بیسان۔ طبریہ۔ حمص۔ بعلبک۔ قنسرین۔ حلب۔ انطاکیہ۔ قیساریہ۔ بیت المقدس مدائن غربیہ۔ مدائن ایوان کسریٰ۔ حلوان۔ تکریت۔ موصل۔ ماسندان قرقیسیا۔ الجزیرہ۔ ارمینیا۔ اہواز۔ مناذر۔ نہر تیری۔ رامہرمز۔ تستر سوس۔ مصر۔ دینور صیمرہ۔ ہمدان۔ ماہین۔ اصفہان۔ قزوین۔ زنجان رے۔ قومس۔ جرجان۔ طبرستان۔ طرابلس الغرب۔ برقہ۔ آذربیجان۔ الباب۔ موقان۔ الترک۔ خراسان۔ شہرزور۔ صامغان۔ اصطخر۔ جور۔ فسا۔ دارابجرد۔ کرمان۔ سجستان۔ اور مکران وغیرہ سب مقبوضات اسلام میں داخل ہو گئے۔ ہر طرف پرچم اسلام لہرانے لگا اور دشمنان اسلام کو ہر طرح ذلت و ناکامی نصیب ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ فاروق اعظمؓ کے مغتنم اور عدل مجسم وجود سے دنیا خالی ہو گئی اور حضرت

عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے تخت خلافت پر جلوس فرمایا۔
آپ کے عہد ہمایون میں اسکندریہ۔ سابور۔ افریقیہ۔ بلاد قبرس۔ سواحل روم فارس۔ حوز۔ طبرستان۔ کرمان۔ قلعہ ہائے قبرس۔ ساحل اردن۔ مرو نیشاپور۔ ہرات۔ خراسان کابل۔ بزرعہ۔ اصطخر بکرر۔ زالق۔ شاش۔ طوس سرخس۔ طخارستان۔ جرجان۔ بلخ۔ خوارزم۔ کابل۔ بلاد قیروان۔ بحر محیط تک بلاد سبتہ اور مشرقی نواحی سے ممالک چین تک اکثر حصۂ اقلیم اسلام کے زیر نگین ہو گیا۔ آپ ہی کے عہد میں کسریٰ مخذول دربدر ہوا۔ اور مسلمانوں نے ترکوں کو جنگ عظیم کے بعد مغلوب کیا اور خاقان کو روز بد دکھایا۔*
حضرت عثمان رضہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد جناب علی مرتضیٰ رضہ نے اپنے سر پر کلاہ امامت رکھی لیکن آپ کے زمانۂ خلافت میں کچھ ایسے حوادث ظہور پذیر ہوئے جن سے خانہ جنگیوں کا بازار گرم ہو گیا۔ مسلمانوں میں باہم کشت و خون ہونے لگا ہر طرف طوفان بے تمیزی کی گھنگھور گھٹا چھا گئی اور حضرت علی مرتضیٰ رضہ کی شہادت تک یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔ جس کی وجہ سے آپ کی خلافت میں کوئی مزید ترقی اسلام و ممالک اسلام میں نہ ہونے پائی حضرت علی ابن ابی طالب رضی کے بعد حضرت امام حسن نے خلافت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی لیکن یہ مہم انسے سر ہونیوالی نہ تھی اس لئے اس مقدس ذات نے اپنی کمزوری کو آپ سمجھکر کاروبار خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا اور خود اُن کی بیعت کر کے گوشۂ عزلت میں جا بیٹھے تدبر، انتظام مملکت، سیاست مدن اور عدل و انصاف میں جناب معاویہ فاروق اعظم رضہ کے قدم بقدم تھے۔ محققین اہل تاریخ مثل ابن خلدون وغیرہ کے سب متفق ہیں کہ اسلام میں حضرت عمر فاروق رضہ کے بعد امیر معاویہ جیسا

---

* ابن اثیر ۱۲

پرتدبیر اور صاحب حکمت وجبروت بادشاہ نہیں ہوا - اگرچہ پرہیزگاری میں وہ درجۂ عالی پرنہ تھے -

امیر معاویہ کے عہد میں جزیرۂ ارواد - جزبہ - رودس - جزیرۃ البحر - جناوہ - سوریہ - اور طرسوس - اور قبرس وغیرہ پورے طور پر فتح ہو گئے - رومیوں سے جنگ ہوی اور اُن کو شکست فاش دیکر مرعوب و مغلوب کرلیا آپ ہی کے عہد میں یزید بن معاویہ جانبازان اسلام کا کوہ شکن لشکر لیکر یلغار کرتا ہوا، سلطنت روم میں گھسا اور دندناتا ہوا دار السلطنت قسطنطنیہ پر جا دھمکا اور بہادران روم کے چھکے چھڑا دیے یزید کے ساتھ اس جنگ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رض - عبد اللہ بن عمر اور ابوایوب انصاری کبرای صحابہ شریک تھے چنانچہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی جنگ میں شہید ہوے - یزید بن معاویہ رض سردار لشکر نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قسطنطنیہ کی دیوار کی جڑ کے پاس مدفون ہوے - امیر معاویہ کے عہد میں اسلام کی بنیاد اچھی طرح مضبوط ہوگئی اور مسلمانوں کو پوری تمکین نصیب ہوی - کفار اور اردگرد کے تمام سلاطین ان سے مرعوب و خائف ہو گئے اور سب کے دلوں پر اسلام کی ھیبت چھاگئی - غرض تمکین کی پیشنگوئی خلفائے اربعہ اور امیر معاویہ کے عہد میں پوری ہوی -

تیسری پیشنگوئی

مسلمانوں کو خوف وخطر سے امن دئے جانے کی ہے - یہ بشارت رسول خدا کے وقت سے پوری ہونا شروع ہوی اور امیر معاویہ رض کے عہد میں پیشنگوئی کی اچھی طرح تکمیل ہوگئی -

چوتھی پیشنگوئی

کسی مسلمان کا شرک نہ کرنا اور ظاہر ہے کہ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم میں کا کوئی فرد شرک کے قریب پھٹکا تک نہیں۔ بلکہ ہمیشہ شرک کے مٹانے میں سرگرم رہے۔

پیشنگوئی
۳۵
کفر کا گھٹنا اور اسلام کا پھیلنا

جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ۔

تو کیا یہ لوگ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ ہم ملک کو چاروں طرف سے گھٹاتے چلے آتے ہیں (کفر کم ہوتا جاتا ہے) تو (اس صورت میں) یہ لوگ غالب ہیں (یا مسلمان غالب ہیں)

ف

ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کا گروہ بہت ہی ضعیف تھا اور اسوقت اون کو غلبے اور فتوحات کی بشارت دی جاتی تھی یعنی منجلہ اور دلائل کے اسلام کی صداقت کی ایک دلیل یہ پیشنگوئی بھی تھی کہ مسلمانوں کی سلطنت قائم ہوگی تو کفار کو چاہیئے تھا کہ اسلام کے فتوحات دیکھکر اس کی صداقت کے قائل ہوتے۔

یہ فائدہ مولوی نذیر احمد دہلوی کا ہے جو انہوں نے اپنے حاشیۂ ترجمہ پر

لکھا ہے اور دراصل عامۂ مفسرین کی یہ رائے ہے مگر ہمارے نزدیک یہ توجیہہ مخدوش ہے کیونکہ آیت مذکورہ مکی ہے۔ اور اوسوقت تک جہاد کا حکم نہ تھا جو فتوحات کی بشارت دی جاتی۔ اس کے علاوہ، اَفَلَا یَرَوْنَ (کیا نہیں دیکھتے وہ) کا مقتضی یہ ہے کہ وہ چیز فی الحال موجود ہو جس کو دکھا کر استدلال کیا جاتا ہے ورنہ اسوقت استدلال بے معنی ہے۔

حقیقت میں یہاں سے کفر کا گھٹنا مراد ہے۔ جب ہر طرف سے کفار دائرۂ اسلام میں داخل ہوں گے تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں ہی کو غلبہ ہے۔

یہ پیشنگوئی جس طرح پوری ہوئی اس کی شہادت کے لئے تاریخی اوراق کے علاوہ خود ملک عرب موجود ہے۔

پیشنگوئی

(۳۶)

منافقین کے مال و اولاد اُن کیلئے عذاب ہونگے

جیسا کہ سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ	تو (اے پیغمبر!) نہ تو ان کے مال تمہارے لئے موجب حیرت ہوں اور نہ ان کی اولاد (کہ پھر خدا نے انکو دنیوی برکتیں کیوں دی ہیں۔ یہ برکتیں نہیں ہیں بلکہ) خدا چاہتا ہے کہ دنیا

وَھُمْ کَافِرُوْنَ ۔ کی زندگی میں ان کو مال اور اولاد کی وجہ سے مبتلائے عذاب ہی رکھے اور (یہ کہ) ان کی جان نکلے اور (اسوقت بھی) یہ کافر (ہی) ہوں۔

ف

محققین کے ایک گروہ کا بیان ہے کہ بحسب عقل، موجودات کی چار قسمیں ہیں:

پہلی قسم:۔ وہ جو ابدی اور ازلی دونوں ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اور یہ ذات باری ہے۔

دوسری قسم:۔ وہ کہ نہ ازلی ہے نہ ابدی ہے جیسے دنیا وامثالہا۔

تیسری قسم:۔ وہ کہ ابدی نہیں ہے مگر ازلی ہے اور یہ محال الوجود ہے اس لئے کہ قدیم معدوم نہیں ہو سکتا۔

چوتھی قسم:۔ وہ کہ ابدی ہو مگر ازلی نہیں ہے اور یہ آخرت اس کی نعمتیں ہیں۔

اس آیت پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ مال واولاد، دنیا میں خدا کی نعمتیں ہیں تو وہ عذاب یا موجب عذاب کیونکر ہو سکتی ہیں۔

جواب

اس کا یہ ہے کہ مال واولاد دنیا وآخرت دونوں جگہ موجب عذاب ہو سکتی ہیں آخرت میں ان کا موجب عذاب ہونا تو ظاہر ہے اور دنیا میں انکا موجب عذاب ہونا کئی وجوہ سے ہے

پہلی وجہ:۔ جو چیز جتنا ہی محبوب ہوتی ہے اتنا ہی اس کے جدا اور زائل ہونیکا غم ہوتا ہے تو جن لوگوں کے پاس مال واولاد بہت ہو اور وہ اسکو عزیز نہ رکھتے ہوں، وہ دو

صورتوں میں سے کسی ایک کے تحت میں ضرور ہوں گے۔ یا تو ان کے مال واولاد کی زندگی تک باقی رہیں یا ان کی زندگی ہی میں تلف ہو جائیں۔ اگر زندگی بھر باقی رہیں (حالانکہ یہ صورت بہت کم ہوتی ہے) تو ضائع ہونیکا غم واندیشہ ہر وقت لگا رہتا ہے اور اپنی زندگی میں تلف ہو جائیں تو وہ غم اس سے سخت ہے بہر حال مال واولاد کی کثرت کسی حالت میں قلب کو آرام نہیں دیتی۔

دوسری وجہ:۔ مال ودولت کی کثرت یا اسکا حاصل ہونا محتاج کسب واکتساب ہے اور اکتساب مال ودولت میں جن مشقتوں اور تکلیفوں کا سامنا ناگزیر ہوتا ہے وہ خود ظاہر ہے پھر دولت حاصل ہو جانیکے بعد اس کی حفاظت ضروری ہے اور اسکی تکلیف، کمانیکی مشقت سے بھی بالاتر ہے اولاد کی پرورش اور حفاظت میں، والدین کو جو زحمت وفکر اٹھانی پڑتی ہے وہ دولت کے اکتساب وتحفظ سے بہت زیادہ ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو لوگ مال واولاد کی محبت میں منہمک ہوں وہ لازماً ان کی حفاظت وغیرہ کی زحمتوں اور فکروں میں ہمیشہ پڑے رہینگے حالانکہ ان کی ذات کو بہت ہی کم فائدہ مال واولاد سے پہونچتا ہے۔

تیسری وجہ:۔ ضروریات عالم کے لحاظ سے انسان فطرۃً مال ودولت کا طالب پیدا ہوا ہے اور مال کی کثرت ہونے پر انسان ہمہ تن دنیا داری میں مستغرق اور یاد الٰہی سے غافل ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بہ نسبت غریبوں کے دولتمندوں میں سنگدلی زیادہ ہوتی ہے اور انسان جتنا زیادہ مالدار ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ قسی القلب ہوتا ہے مال سے زیادہ اولاد کی محبت ہوتی ہے اور اولاد، بہ نسبت مال کے زیادہ تر مانع حب اللہ ہے مرنے کے وقت انسان سمجھتا ہے کہ اب وہ باغ سے قیدخانہ کو چلتا ہے عزیزوں اور اولاد سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوتا ہے تو جس شخص کو جتنا زیادہ مال واولاد سے لگاؤ ہوگا اتنا ہی زیادہ مال واولاد اس کے لئے موجب حسرت وعذاب ہونگے۔

اب رہی یہہ بات کہ مال واولاد کے موجب حسرت وعذاب ہونیکی جو وجہیں ہیں وہ ہر انسان کیلئے ہیں۔ پہر اس میں منافقین کی خصوصیت کیا ہے؟۔

پہلا جواب:۔

مسلمان اس حیثیت سے کہ وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکہتا ہے جب دنیا میں ہمہ تن مشغوف نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ خوب سمجہتا ہے کہ انسان آخرت کے لئے پیدا کیا گیا ہے نہ دنیا کے لئے۔

منافقین کا یہہ حال نہیں ہے۔ انکا تو یہہ اعتقاد تہا کہ سعادت وخیرات جو کچہہ ہے اسی دنیا میں ہے اور اس خیال نے ان کے حب دنیا کو بہت بڑہا دیا تہا اور وہ ہر طرح لذائذ دنیاوی کے حاصل کرنے میں منہمک رہتے تہے اور یہی سبب ہے کہ ان کے مال واولاد اُن کیلئے اور موجب عذاب ہوگئے۔

دوسرا جواب:۔

منافقین دراصل تو کافر تہے مگر ظاہر میں زبان سے اپنے کو مسلمان کہتے تہے اور ظاہر حال پر حکم کرکے جو حال تمام مسلمانوں کا تہا وہی انکا بہی تہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے ساتہہ ان منافقین سے بہی صدقات وخیرات کی رقم وصول کرتے تہے اور اس رقم کو جہاد کفار اور سامان جہاد میں صرف فرماتے تہے اس کے علاوہ منافقین کو اظہار اسلام نے مجبور کردیا تہا کہ وہ اور ان کی اولاد جہاد میں مسلمانوں کے رفیق ہوکر کافروں سے لڑائی کریں۔

منافقین رسولخدا کو جہوٹا سمجہتے تہے، اسلام کو مٹانا چاہتے تہے۔ صدقات وخیرات کو فضول اور بربادی کا سبب خیال کرتے تہے۔ باوجود ان باتوں کے انہیں اسلام کی جنبہ داری کرنی پڑتی تہی اسلام کی امداد میں مال خرچ کرنا پڑتا تہا اور اسلام پر اولاد کو بہینٹ چڑہانے پر مجبور ہوتے تہے اسی کی پیشینگوئی اللہ تعالی اپنے

فرمائی کہ "منافقین کے مال و اولاد ان کے حق میں موجب عذاب ہوں گے تم ان کی دولت پر اور کوئی خیال نہ کرو۔ اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ یہ پیشنگوئی منافقوں ہی کے ساتھ خاص تھی اور انہیں پر پوری ہو گئی عہد پیغمبر خدا کے مسلمان تو یقیناً اس عیب سے مبرا تھے کیونکہ اکثر صحابہ نادار و مفلس تھے۔ ابوبکر و عثمان جیسے دو ایک نفوس جو مالدار تھے انہوں نے اپنی ساری دولت کو اسلام پر وقف کر رکھا تھا۔ ان کے مقدس دلوں میں دنیا کے کسی چیز کی کوئی عزت و حرمت نہ تھی نہ مال و اولاد کی بیجا محبت کو ان کے دلوں میں جگہ تھی ایسی صورت میں نہیں کہا جا سکتا کہ مال و اولاد صحابہ کے حق میں موجب عذاب تھے یا ہوں گے کفار و مشرکین جو علانیہ اسلام اور مسلمانوں کی عداوت پر تلے رہتے تھے وہ بھی اس کے مصداق نہیں ہو سکتے پس یہ پیشنگوئی منافقوں ہی کے لئے تھی کہ جنگی جان کے لاگو تھے اجس چپکے منافقین اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہتے تھے اسی کے تحفظ میں ان کے مال و اولاد کام آتے تھے اور اسی کام آنے سے ان کے مال و اولاد ان کے لئے موجب عذاب ہو گئے تھے۔

تیسرا جواب:۔

منافقین کے دل میں چور تھا۔ وہ ہمہ وقت ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو ہمارا بھانڈا پھوٹ پڑے تو ہماری جان اور مال و اولاد سب کی کھنچی آجائے۔ اس ہر وقت کے خوف نے ان کی زندگی اور سارے عیش و خوشی کو تلخ کر دیا تھا اور مال و اولاد بجائے نفع دینے کے اور موجب عذاب تھے۔

چوتھا جواب:۔

بہت ایسے منافقین تھے جنکی اولاد سچے مسلمان اور اسلام کے سچے خیر خواہ تھے مثلاً ابو عامر تمام منافقین کا پیشوا تھا اور اس کا بیٹا حنظلہ اسلام کا جانباز رفیق تھا۔ عبداللہ بن ابی لکا منافق رسول اللہ صلعم کی جان کا لاگو تھا اور اسکا بیٹا عبداللہ رضی اللہ عنہ

مجاہدین جنگ بدر سے تہا ابوسفیان اپنے قوم کے رئیس اور امیر المنافقین تھے۔ انہیں کے فرزند امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تہے جنکی مقتنم ذات بعد کو اسلام کے لئے رحمت الٰہی ثابت ہوئی۔

منافقین کے لئے ،، ان اولاد کا وجود وسوہان روح تہا اور آیت کریمہ میں درحقیقت یہی پیشینگوئی ہے کہ منافقین اپنے مال و اولاد کی کثرت پر خوش نہوں یہ مال اولاد آخر میں ان کے لئے موجب عذاب ہوجاینگے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ لوگ راہ راست پر آگئے۔ باپ کے عقائد باطلہ کو چہوڑ کر اس دین کو برا بہلا کہنے لگے اور اسلام کے خیر خواہ رفقاء میں شامل ہو گئے۔

کسی شخص کے لئے اس سے زیادہ فکر و مصیبت کیا ہوگی کہ اس کی اولاد اس کے مذہب کو صرف چہوڑ ہی دینے پر کفایت نہ کرے بلکہ اسکی مذمت کرے اور اس کے دشمنوں کی خیرخواہ و حمایتی ہی ہوجائے؟

اس آیت میں دو پیشینگوئیاں ہیں

پہلی پیشینگوئی

یہہ کہ منافقین کے مال و اولاد ان کے حق میں موجب عذاب ہوں گے جیسا کہ اوپر ثابت ہو چکا۔

دوسری پیشینگوئی

یہہ کہ منافقین کبہی مسلمان نہ ہوں گے اور وہ کفر ہی کی حالت میں مرینگے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عبداللہ بن ابی، ابو عامر، ثعلبہ وغیرہ جو درحقیقت منافق تھے نفاق ہی کی حالت میں دار البوار کو سدہارے۔

پیشنگوئی

(۳۷)

ابوبکرؓ و عمرؓ کی خلافت کی بشارت

جیسا کہ سورۃ الفتح میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا

(اے پیغمبر ان منافقوں سے) کہو کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چلنے پاؤ گے اللہ نے پہلے ہی سے ایسا فرما دیا ہے یہ سنکر (یہ لوگ) کہینگے کہ بلکہ تم ہم سے رکھتے ہو حسد (نہیں) بلکہ یہ لوگ بہت ہی کم سمجھتیں (اے پیغمبر) دیہاتی جو (سفر حدیبیہ سے) پیچھے رہ گئے ان سے کہدو کہ کوئی دن جاتا ہے کہ تم بڑے لڑنیوالوں (یعنی فارس و روم) کے مقابلے کے لئے بلائے جاؤ گے کہ تم ان سے لڑتے رہو گے یا وہ مسلمان ہی ہو جائینگے تو اگر (اس وقت) خدا کا حکم مانو گے تو خدا تمکو اچھا اجر دیگا اور اگر (کہیں) سرتابی کی جیسے تم پہلے (سفر حدیبیہ میں) سرتابی کر چکے ہو تو وہ تم کو عذاب دردناک کی سزا دیگا

ف

سفر حدیبیہ میں جن لوگوں نے رسول اللہ صلعم کا ساتھہ نہیں دیا ان میں بہت سے متفرق قبائل کے لوگ تھے۔ ان بزدلوں میں بعض تو پکے منافق تھے جن کا راز افشا ہوگیا، مسلمانوں نے ان سے ملنا جلنا چھوڑ دیا اور وہ مرتے دم تک اپنے نفاق پر اڑے بیٹھے رہے بہت سے ڈرپوک تھے جو بعد کو اپنی اس حرکت پر نادم و شرمندہ ہوئے۔ انہیں لوگوں کی نسبت اللہ تعالی اس آیت میں یہہ پیشنگوئی کرتا ہے کہ کچھہ دنوں کے بعد ایک بڑی لڑنیوالی قوم سے لڑنیکے لئے تم سب بلائے جاؤگے تو اس وقت اگر تم نے خدا کا حکم مان کر حاکم کی اطاعت کر لی تو اللہ تمکو اچھا بدلہ دیگا اور تمہاری توبہ قبول ہوجائیگی یعنے اس وقت کی اطاعت توبہ کے قبول ہونیکی علامت ہے اور اگر اسوقت بہی تم نے ایسی ہی سرکشی کی تو اللہ تم کو سخت سزا دیگا

بڑے لڑنیوالوں " سے کون لوگ مراد ہیں۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے

(۱) سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ "بڑی لڑنیوالی قوم" سے ہوازن و ثقیف کے لوگ مراد ہیں۔

(۲) حضرت قتادہ کا مسلک یہہ ہے کہ ہوازن و غطفان مراد ہیں جن سے جنگ حنین میں مقابلہ ہوا تھا۔

تفسیر خازن والے نے اسی مسلک کو اختیار کرکے اس پر بڑا زور دیا ہے کہ بڑے لڑنیوالوں سے ہوازن و غطفان مراد ہیں جن سے جنگ کرنیکے لئے خود رسول اللہ صلعم نے دیہاتیوں کو اور ان لوگوں کو جو سفر حدیبیہ میں پیچھے رہ گئے تھے طلب فرمایا تھا۔

مگر یہہ مسلک صحیح نہیں ہے اور اس کا غلط ہونا اسی آیت سے ثابت ہوتا ہے

جو شروع عنوان میں ہے قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا ترجمہ، کہدو اے محمدؐ کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چلنے پاؤ گے۔

اللہ نے آپ ہی انکار کر دیا کہ سفر حدیبیہ سے پیچھے رہجانیوالے لوگ اب رسول خدا کیساتھ ہرگز کہیں چلنے نہ پاینگے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان بڑے لڑنیوالوں سے مقابلہ کرنیکے لیئے جو حاکم ان دیہاتیوں کو بلائیگا وہ رسول اللہ نہ ہونگے بلکہ آپ کے سوا، کوئی دوسرا ہوگا۔

پس اُولی بَاسٍ شَدِیْدٍ سے ہوازن و ثقیف یا ہوازن و غطفان مراد نہیں ہو سکتے۔

(۳) زہری اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ اور مفسرین کا ایک جم غفیر اس طرف ہے کہ بڑے لڑنیوالوں سے بنو حنیفہ مراد ہیں جو مسیلمہ کذاب کے توابع و رفقاء تھے یہ لوگ مرتد ہو گئے تھے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان پر جہاد کر کے انکا قلع قمع کر دیا۔

مشرکین عرب اور مرتدین کے ساتھ یہ خاص سختی ہے کہ ان سے بجز اسلام یا شمشیر کے دوسری چیز قبول نہیں کیجاتی۔ آیت میں تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ اسی مسلک کے طرف اشارہ ہے رافع بن خدیج کا قول روایت کیا گیا ہے* کہ وہ فرماتے تھے ہم ہمیشہ تلاوت قرآن میں یہ آیت پڑھا کرتے مگر سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر اولی باسٍ شدید سے کون لوگ مراد ہیں یہانتک کہ جب خلیفہ اول نے بنو حنیفہ سے جنگ کی تو اسوقت معلوم ہو گیا کہ اولی باس سے یہی مرتدین مراد تھے یہ سب صحیح ہے لیکن اُولی بَاسٍ شَدِیْدٍ کا ہیبتناک اور شاندار لفظ مسیلمہ کذاب والوں پر چسپاں نہیں ہوتا۔

(۴) جمہور مفسرین کے نزدیک قوم اُولی بَاسٍ شَدِیْدٍ سے روم و فارس کے لوگ مراد ہیں جیسا کہ عطا بن رباح، مجاہد، ابن ابی لیلے، عطاء خراسانی، کعب، حسن اور

* تفسیر کبیر ۱۲

ابن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم کی متحقق رائے ہے۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے روم وفارس سے قتال کرنے کے لئے بدوؤں اور ان دیہاتیوں کو طلب فرمایا تھا جو سفر حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی سے بچھڑ گئے تھے۔

فارس کی سلطنت ہمیشہ سے زبردست رہی ہے۔ اس کی ھیبت ایک عرصۂ دراز سے اہل عرب کے دلوں پر چھائی ہوئی تھی آخر حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں فتح ہوگئی اور اس کے شاندار قلعہ پر اسلام کا پر رعب جھنڈا لہرانے لگا۔

ہمارے نزدیک یہی آخری مسلک درست ہے اور اسی پر جمہور کا اتفاق ہے اور اس صورت میں یُسْلِمُوْنَ کے معنی مطیع ہونے کے لئے جائینگے۔ کیونکہ روم وفارس والے مجوس ونصاری تھے اور ان سے جزیہ قبول کیا جاسکتا ہے۔

نکتہ

فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا یعنی ان بڑے لڑنے والوں سے مقابلہ کے لئے جو حاکم وقت تم کو بلائے گا اگر تم اس کی اطاعت کروگے تو اللہ تم کو اس کا اچھا بدلہ دے گا۔ اور اگر سرکشی کروگے تو سخت عذاب (دوزخ) کی سزا دیجائیگی۔

یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ حاکم جو لوگوں کو بڑے لڑنے والوں کے مقابلے کے لئے بلائیگا شرعی حاکم اور امام مفترض الطاعۃ ہوگا جس کی اطاعت کی رغبت دیجاتی ہے اور جس سے سرتابی کرنے کی ممانعت فرمائی جاتی ہے۔

أُولِی بَأْسٍ شَدِیدٍ سے خواہ مسیلمہ کذاب کے اتباع مراد ہوں یا روم و
فارس والے مراد ہوں دونوں صورت میں حضرت ابوبکر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہم
کی خلافت منصوص بالقرآن اور صحیح ثابت ہوتی ہے۔
اگر مسیلمہ کذاب اور اس کے اتباع کو مراد لیں تو اس جنگ کی طرف بلانیوالے
حضرت صدیق اکبر رض تھے وہ لامحالہ حاکم شرعی، خلیفہ، برحق اور امام مفترض
الطاعۃ ثابت ہوں گے کیونکہ شرعی امام کی سرتابی ہی موجب عذاب ہوتی
ہے اور جب صدیق اکبر کی خلافت منصوص و درست ہوی تو فاروق اعظم کا
امام برحق ہونا یقینی ہے کیونکہ اُن کو صدیق اکبر نے اپنا جانشین منتخب کیا
تھا اور امام برحق کا انتخاب واجب التسلیم ہے۔
اگر أُولِی بَأْسٍ شَدِیدٍ سے بہادران روم وفارس کو مراد لیں تو یہ لڑائیاں
حضرت فاروق اعظم کے عہد میں ہوی تھیں پس فاروق اعظم کو امام برحق ماننے
کے سوا چارہ کار نہیں ہے غرض أُولِی بَأْسٍ شَدِیدٍ سے چاہے
مسیلمہ کذاب مراد ہو یا روم وفارس والے مراد ہوں خدا کی پیشنگوئی صحیح
نکلی اور ابوبکر و عمر رض کی حقیت امامت ثابت۔

پیشنگوئی

(۳۸)

روم غالب ہونگے اور پارسی شکست کھائینگے

(۳۹)

غلبۂ روم کیوقت مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہونگے

(۴۰)

روم والے فارس پر غالب ہونیکے بعد مسلمانوں سے مغلوب ہونگے

جیساکہ سورۃ الروم میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِي اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِي بِضْعِ سِنِيْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ۔

قریب کے ملک میں رومی (یعنی نصاری اہل فارس سے) مغلوب ہو گئے ہیں لیکن یہ لوگ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب چند سال میں (پھر اہل فارس پر) غالب آجاینگے (اس سے پہلے بھی اور فتح وشکست کا) اختیار اللہ ہی کو تھا اور اسکے بعد بھی اور اُسدن (جب کہ رومی غالب ہونگے) مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہو جاینگے وہ جسکی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ زبردست رحم والا ہے۔

ف

پیغمبر خدا کے وقت میں مملکت روم نصاری کے قبضہ میں تھی اور فارس پر آتش پرست

مسلّط تھے۔

اس وقت خسرو پرویز فارس کا بادشاہ تھا۔ شہر یار اور فرخان اس کے بڑے معتمد علیہ ارکان دولت اور مشاہیر دربار سے تھے۔ اس نے انہیں دونوں کو ایک بڑی جرّار لشکر کا سپہ سالار بناکر روم کی طرف روانہ کیا۔

ان دونوں بہادروں نے روم پر لشکر کشی کی اور کچھ مقامات فتح بھی کر لئے چونکہ رومی لوگ اس ناگہانی حملہ سے غافل تھے تاب مقاومت نہ لا سکے اور نہایت بے سرو سامانی کے ساتھ شکست کھا کر بھاگے۔

یہ واقعہ عہد نبوت کے نویں سال کا ہے۔ اگرچہ اہل عرب کو اس جنگ سے کچھ تعلق نہ تھا۔ تاہم مسلمان چاہتے تھے کہ رومیوں کا غلبہ ہو کیونکہ وہ اہل کتاب تھے۔ اور مشرکین عرب، اہل فارس کی خیر مناتے تھے کیونکہ وہ بھی ان کی طرح بت پرست تھے۔

اتفاق سے اہل فارس کی فتح ہوئی تو مشرکین بہت خوش ہوئے اور مسلمانوں پر آوازے کسنے لگے کہ تم اور عیسائی اہل فارس ہم مذہب ہیں اس لئے فارس ہم مذہب ہیں اس لئے فارس والوں کی فتح سے ہم یہ شگون لیتے ہیں کہ اسیطرح ایک دن ہم بھی تم پر غالب ہوں گے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پہلے سے بتا دیا کہ اگرچہ رومی نصاریٰ اس وقت مغلوب ہو گئے ہیں مگر وہ چند سالوں میں اہل پر فتح پائینگے چنانچہ ایسا ہی ہوا جب یہ آیت نازل ہوئی حضرت صدیق اکبرؓ نے مشرکوں سے فرمایا کہ بد بختو تم خوش نہ ہو۔ خدا کی قسم عنقریب رومی فارس والوں پر غالب ہوں گے ابی بن خلف منافق نے کہا، ہرگز نہیں ہو سکتا مغلوب بھی کہیں غالب ہو سکتے ہیں اور اگر تم اپنے قرآن کے دعوے میں ایسا ہی یقین ہے تو آؤ ہم سے شرط لگاؤ

صدیق اکبرؓ نے تین سال کی مدت مقرر کرکے دس دس جوان اونٹوں کی شرط باندھی۔ جب صدیق اکبرؓ نے یہ سارا واقعہ جناب رسول خدا صلعم سے آکر عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ بِضْع کا اطلاق تین اور نو کے درمیانی اعداد پر ہوتا ہے تم سے غلطی ہوئی جو تین برس کی مدت محدود کر دی جو منشاء قرآن کے خلاف ہے اب جاؤ مال و مدت دونوں بڑھاؤ۔

حضرت ابوبکرؓ واپس آئے اور نو برس کی مدت متعین کرکے سو سو اونٹوں کی شرط لگائی اور وثوق کے لئے ہر ایک نے دوسرے کی ضمانت لے لی۔

اب ادہر کا حال سنو کہ جب شہریار و فرخان دونوں بھائیوں نے روم کے بعض شہروں کو فتح کر لیا اور رومی شکست کھاکر بھاگ گئے تو وہ چند روزہ قیام کیلئے انہیں مفتوحہ بلاد میں ٹھہر گئے۔ بعض خود غرض نماموں نے خسرو پرویز بادشاہ کو ان دونوں بھائیوں کی طرف سے بدظن کر دیا اور بادشاہ ان سے یہاں تک ناراض ہوا کہ آخر ہلاک کرنے کے درپے ہو گیا۔

شہریار و فرخان کو بادشاہ کی برافروختگی کی اطلاع ہوی تو وہ عتاب سلطانی سے ڈر کر قیصر روم کی پناہ میں چلے گئے۔ قیصر نے ان کو اپنے الطاف واکرام سے یہاں تک زیر بار کیا کہ یہ دونوں گرویدۂ الطاف ہو کر عیسائی بن گئے۔

اب قیصر روم نے فارس پر لشکر کشی کی اور یہی دونوں بھائی لشکر روم کے سپہ سالار مقرر ہوئے اور انہیں کی جانفشانیوں سے نو برس کے اندر فارس والوں کو شکست فاش ملی۔

یہ واقعہ تاریخی پیشگوئی کا بڑا زبردست معجزہ ہے۔ دو زبردست سلطنتوں کے بارہ میں برسوں پہلے ایک قطعی فیصلہ وثوق کے ساتھ کر دینا کسی بشر کا کام نہیں ہے اور پیغمبر خدا کو تو ان سلطنتوں کی فوجی طاقت اور انتظام کے جانچنے کا

کبھی موقع ہی نہیں ملا اور نہ اس وقت عرب جیسے ملک میں روم و فارس کی زبردست سلطنتوں کی طاقت و انتظامات اور باہمی پالٹیکس کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ تھا۔

یہ جو آیت کے آخر میں فرمایا کہ اکثر لوگ نہیں سمجھتے اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے۔ اسباب ظاہر کے دھوکے میں آکر لوگ اصلی سبب یعنی خدا سے غافل ہو جاتے ہیں حالانکہ ہر ایک چھوٹے بڑے واقعہ کا اصلی سبب خدا کا ارادہ ہوتا ہے۔ لوگ غلط فہمی سے اس کو دوسرے سبب کی طرف منسوب کر دیتے اور ان ہی پر بھروسا کر بیٹھتے ہیں۔

غرض اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے دو پیشینگوئیاں کی ہیں۔ اول یہ کہ روم والے اپنی اس شکست کے بعد نو برس کے اندر پھر فارس والوں پر غالب ہو جائیں گے جیسا کہ مفصلاً اوپر گذر چکا۔

دوسری پیشینگوئی

یہ فرمائی کہ اسدن جب کہ رومی غالب ہوں گے مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہو جائیں گے۔ اور اللہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے۔

عامۂ مفسرین نے اس کے یہ معنی لئے ہیں کہ جب اہل روم کو فارسیوں پر غلبہ ہوگا تو مسلمان فارسیوں کی شکست سے خوش ہوں گے کہ خدا نے اہل کتاب کو اُن لوگوں پر فتح دی جو کتاب نہیں رکھتے مگر میرے نزدیک یہ قرآن کی ایک دوسری پیشینگوئی مسلمانوں کی کامیابی کے متعلق ہے ورنہ رومیوں کا فارس والوں پر غالب ہونا مسلمانوں کے حق میں کوئی مدد نہیں ہو سکتی یہ بات ہوتی تو اتنا ہی کہنا بس کرتا تھا کہ رومیوں کے غلبہ سے مسلمان خوش ہونگے۔

آیت کے الفاظ سے صاف یہ مطلب نکلتا ہے کہ چند برسوں کے بعد رومی فارس والوں پر غالب ہوں گے اور ان کے غلبہ کے وقت ادہر مسلمانوں کو اللہ کی مدد سے کامیابی ہوگی جس سے وہ خوش ہوجائیں گے بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ جب معرکہ بدر پیش آیا تو ادہر اہل اسلام کفار قریش پر غالب آئے ادہر فارسیوں پر رومیوں کے غلبہ کی خبر پہونچی اور بعض مورخین کا بیان ہے کہ مسلمانوں کو رومیوں کے غلبہ کی خبر اُس وقت ملی جب وہ جنگ حدیبیہ میں کامیاب ہو چکے تھے اور اس طرح اُن کو خوشی پر خوشی نصیب ہوئی۔ ایک خوشی اپنی فتح کی جو کفار و مشرکین کے مقابلہ میں ہوئی۔ دوسری خوشی رومیوں کے غلبہ کی فارس والوں پر۔

بہرحال رومیوں کے غلبہ کی خبر مسلمانوں کو خواہ جنگ بدر میں ہو یا جنگ حدیبیہ کے دن دونوں حالتوں میں ہمارا مدعا ثابت ہوتا ہے کہ آیت میں مسلمانوں کے خوش ہوجانے سے یہی ایک دوسری پیشینگوئی مراد ہے پس آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس وقت رومی فارس والوں پر غالب ہوں گے اسی وقت مسلمانوں کو کفار و مشرکین پر فتح حاصل ہوگی اور اس فتح اور اللہ کی مدد سے وہ خوش ہوجائیں گے بلکہ خوشی پر خوشی ہوگی اس پیشینگوئی کے پورا ہونے سے مسلمانوں کی سرخروئی ہوئی جس کا انہیں پہلے سے یقین تھا اور اس کے علاوہ ایک دوسری فتح انہیں کو اپنے دشمنوں نے مقابلہ میں ہوئی۔ یَوْمَئِذٍ یَفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ کا یہی مفاد ہے۔

تیسری پیشینگوئی

امام جلال الدین سیوطیؒ نے اس آیت سے ایک تیسری پیشینگوئی ثابت کی ہے

جو غرابت مگر دلچسپی سے خالی نہیں ۔

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ۔

روم فارس سے قریب کی زمین پر مغلوب ہو گئے اور وہ عنقریب اپنے مغلوب ہونیکے بعد چند سالوں میں (فارس والوں پر) غالب آجائیں گے ۔

یہ ترجمہ جمہور علمار مفسرین کا متفق علیہ ہے مگر امام سیوطیؒ کی جدت پسند اور ذکی طبیعت نے ایک اور لگتے ہوئے معنی بیان کر کے اپنی ذکات کا جائز ثبوت دیا ہے عکرمہ اور یحیٰی بن یعمر اور قتادہ رضی اللہ عنہم کی روایت میں سَیَغْلِبُوْنَ کی دو قرائتیں ہیں۔ ایک مضارع معروف جسکو اکثر مفسرین نے اختیار کیا ہے دوسرے سَیُغْلَبُوْنَ مضارع مجہول کا صیغہ جسکو امام سیوطیؒ نے اختیار کیا ہے اور اس وقت آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ روم فارس والوں سے مغلوب ہوئے وہ عنقریب چند سال کے اندر فارس والوں پر غالب ہوکر پھر (مسلمانوں سے) مغلوب ہوں گے ۔

اس صورت میں " فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ " کا تعلق " مِنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سے ہوگا اور غَلَبِھِمْ میں " ہم " کی ضمیر سے اہل فارس مراد ہوں گے اگر غُلِبَ مبنی للمفعول ہو جیسا کہ ہم نے ترجمہ میں کھولدیا ہے اور اگر مبنی للفاعل ہو تو مرجع ضمیر" روم ہوگا یہ درحقیقت ایک بعید تاویل ہے بہر حال اگر اس کو مان لیا جائے جو مستبعد نہیں ہے بلکہ یہ معنی الفاظ آیت سے بتکلف پیدا ہوتا ہے تو آیت کی تین پیشینگوئیاں ہوجائیں گی ۔

اول :- نو برس کے اندر روم والوں کا اہل فارس پر غالب ہونا ۔

دوسرا :- روم کے غلبہ کے وقت مسلمانوں کا قریش پر فتح ہونا ۔

تیسرے :- روم والوں کا فارس پر غالب ہونے کے بعد پھر مسلمانوں سے مغلوب ہونا۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ یہ تینوں پیشنگوئیاں پوری ہو کر رہیں۔

پہلی پیشنگوئی :- نزول آیت کے ساتوں برس ظاہر ہو گئی۔ کما مر آنفا۔

دوسری پیشنگوئی :- اسی کے ساتھ ظاہر ہوئی یعنی جس وقت مسلمانوں کو سفر حدیبیہ یا جنگ بدر میں کفار پر غلبہ حاصل ہوا ہے عین اسی وقت خبر پہونچی کہ روم والوں نے فارس والوں کو شکست فاش دی۔

تیسری پیشنگوئی :- حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت میں پوری ہوئی کہ مسلمانوں نے رومیوں کو شکست پر شکست دیکر ان کے بہت سے ممالک فتح کر لئے جیسا کہ تواریخ میں اس کی تفصیل موجود ہے

پیشنگوئی

(۴۱)

کفار و منافقین اسلام کی ضد میں اپنا مال خرچ کرتے رہینگے

(۴۲)

یہ مال کا خرچ کرنا ان کیلئے موجب حسرت ہوگا

جیسا کہ سورۃ الانفال میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ۔

اس میں شک نہیں کہ یہ کافر اپنے مال اس لئے خرچ کرتے ہیں تاکہ (لوگوں کو) راہ خدا سے روکیں سو یہ لوگ تو (مال کو (اسی طرح) خرچ کرتے رہیں گے (مگر) پھر (آخر وہی مال) ان کے حق میں موجب حسرت ہوگا (مال بھی خرچ کریں گے) پھر مغلوب (بھی) ہوں گے

ف

آیت میں دو پیشنگوئیاں ہیں۔

پہلی پیشنگوئی ۔ یہ ہے کہ کفار پیغمبر اور اسلام کی ضد میں اپنا مال خرچ کرینگے اور ایسا ہی ہوا اگرچہ کفار و مشرکین اس ضد میں کہ اسلام مٹ جائے اور پیغمبر خدا کو اپنے مقصد عظمیٰ میں کامیابی نہ ہو ہمیشہ اپنا مال خرچ کرتے ہی رہتے تھے لیکن جنگ بدر، جنگ احزاب اور جنگ احد میں ان کافروں نے اپنی خاص ہمت سے کام لیا اور جی توڑ کر بے دریغ روپئے صرف کئے اور اس میں شبہ نہیں کہ اگر خود مالک عرش عظیم کی مدد نہ ہوتی تو اسلام کی عمارت کبھی بیخ و بنیاد سے اکھڑ گئی ہوتی۔

جنگ احد میں اکیلے ابوسفیان بن حرب نے اسلام کی مخالفت میں چالیس اوقیہ سونے کا چندہ دیا تھا۔ ایک اوقیہ بیالیس مثقال کا اور ایک مثقال ساڑھے چار ماسہ کا ہوتا ہے۔

اس حساب سے چالیس اوقیہ کا (۷۵۶۰) ماسہ اور (۶۳۰) تولہ سونا ہوتا ہے جس کا کم و بیش آٹھ من سونا ہوا اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جب ایک آدمی نے

اس قدر چندہ دیا تو مجموعی طور پر اسلام کے مٹانے کے لئے کیا کچھ نہ چندہ ہوا ہوگا اور کیسی کچھ نہ کوششیں ہوی ہونگی۔

دوسری پیشنگوئی:۔ یہ ہے کہ کافروں کا یہ سب مال کا خرچ کرنا ان کے حق میں موجب حسرت ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ باوجود ان سرتوڑ کوششوں کے اور مال ودولت خرچ کرنے کے کچھ کامیابی نہیں ہوئی اور جب مقابلہ پر آئے منہ کی کھائی درحالیکہ اسلام کو اسی طرح روز افزوں ترقی ہوتی گئی ۵

زر دادن وسر خریدن ۵ مال بھی خرچ ہوا۔ جس کام کے لئے مال خرچ کیا گیا وہ کام بھی نہ ہوا۔ الٹے شکست بھی کھائی۔ انفاق مال کے موجب حسرت ہونے کی اس سے بہتر مثال نہیں مل سکتی۔

پیشنگوئی

(۴۳)

(جنگ بدر میں) کافر شکست کھائینگے اور پیٹھ پھیر کر بھاگینگے

اس پیشنگوئی کے متعلق قرآن مجید میں دو آیتیں ہیں۔

پہلی آیت سورۂ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ	(اے پیغمبر!) جو لوگ (دین اسلام سے) منکر ہیں اُن سے کہدو کہ کوئی دن جاتا ہے کہ تم (مسلمانوں سے) مغلوب

اِلٰی جَهَنَّمَ۔ ہو گے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے

دوسری آیت سورۃ القمر میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ بَلِ السَّاعَۃُ مَوْعِدُھُمْ وَالسَّاعَۃُ اَدْھٰی وَاَمَرُّ۔

کیا یہ (کافر) لوگ کہتے ہیں کہ ہماری بڑی قوی جماعت ہے سو کوئی دن جاتا ہے کہ (ان کا) گروہ شکست کھائیگا اور (مسلمانوں کے مقابلہ میں) پیٹھ پھیر پھیر کر بھاگیں گے بلکہ (اصل) وعدہ تو ان کے ساتھ قیامت کا ہے اور وہ وقت بڑی آفت اور ٹیڑھی کھیر ہے۔

ف

شروع شروع میں قوت مسلمانوں میں تھی نہیں اور جتھا اُن کا بہت کمزور تھا اسی بنا پر اور اپنی مالی و قومی طاقت کے گھمنڈ پر دشمنان اسلام یہ بڑا بول بولا کرتے تھے کہ ہماری جماعت بہت قوی ہے اور ہم مسلمانوں کو آٹے دال کی طرح پیسکر رکھدیں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کفار کا مقولہ نقل کر کے پیشینگوئی کرتا ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ خود کفار ہی کو مسلمانوں کے مقابلہ میں عنقریب ایسی شکست فاش ملیگی کہ سوائے پیٹھ پھیر کر بھاگنے کے کوئی چارہ کار ہی نہو گا۔ اس پیشینگوئی پر دشمنوں کی زبردست جماعت ٹھٹھے مارتی تھی مگر چند ہی دنوں میں جنگ بدر واقع ہوی تو ان کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا معلوم ہوگیا کہ قرآن کی پیشینگوئی کیسی حق تھی؟

جنگ بدر سنہ ۲ ہجری میں واقع ہوی۔ کفار و اہل اسلام میں یہ پہلی لڑائی تھی جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود شریک تھے۔

اس جنگ میں آپ کے آگے دو سیاہ علم تھے اور ساتھ میں صرف تین سو تیرہ[۳۱۳] بہادر صحابہ کا لشکر تھا۔ جن میں (۷۷) مہاجرین اور (۲۳۶) انصار تھے۔ لشکر بھر میں فقط آٹھ تلواریں تھیں تین گھوڑے تھے۔ اس کے مقابلہ میں کفار و مشرکین کی ایک ہزار کی جمعیت ساز و سامان کے ساتھ تھی مسلمانوں کی تھوڑی جمعیت اور اپنی کثرت تعداد پر دشمنان اسلام اترا اترا کر کہتے پھرتے تھے کہ بھلا ہماری ایسی زبردست فوج کے مقابلہ میں لشکر اسلام کیا ٹھہر سکتا ہے؟

بخاری نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس روز اپنے قبہ میں تشریف فرما تھے چادر پہنے ہوئے فتح اسلام کی دعا کی اور آخر میں یہ آیت پڑھی "سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ" اس کے بعد اسلام و کفر کی مٹھ بھیڑ ہوئی اور مسلمان باوجود قلت تعداد کے کثیر التعداد دشمنوں پر غالب ہوئے صرف (۱۴) مسلمانوں نے جام شہادت پیا اور پچاس یا ستر کفار جہنم واصل ہوئے۔ بقیہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

بخاری نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہم قرآن مجید میں آیت سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ کی تلاوت کیا کرتے تھے مگر سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس جماعت سے کون سی جماعت مراد ہے جو ہم سے شکست کھائیگی یہاں تک کہ جب غزوۂ بدر واقع ہوا تو آیت کے معنی حل ہوگئے اور ہم سمجھ گئے کہ اس سے کفار قریش کی جماعت مراد تھی جس نے جنگ بدر میں ہم مسلمانوں سے شکست کھائی اور پھر اس کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا۔

تیسری آیت سورۃ العنکبوت میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

(اے پیغمبر یہ لوگ) تم سے عذاب کیلئے جلدی مچا رہے ہیں حالانکہ بلا شبہ دوزخ کافروں کا احاطہ کئے ہوئے ہے جب کہ عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے پیروں کے تلے سے ان کافروں کو ڈھانک لیگا۔	یَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكَافِرِيْنَ يَوْمَ يَغْشَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ۔

اس آیت میں فتح بدر اور فتح مکہ دونوں کی بشارت ہے۔ فتح مکہ کے وقت مسلمانوں کا لشکر خود مکہ والوں پر چڑھ کر گیا تھا اور کفار مکہ سے سوائے ہتھیار ڈالدینے کے کچھ بن نہ پڑا تھا اس لئے یہ عذاب تو گویا کافروں کے اوپر سے اُن پر آیا اور جنگ بدر میں جب مسلمانوں اور کافروں میں میدان کارزار گرم ہوا تو اسوقت لشکر اسلام پست زمین پر تھا اور لشکر کفار بلندی پر تھا۔ باوجود اس کے دشمنان اسلام کو شرمناک شکست اُٹھانی پڑی تو گویا یہ عذاب کافروں پر ان کے پاؤں کے نیچے سے آیا۔

تیسری آیت سورۂ یٰس میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اور (کفار مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ (عذاب) کب (پورا) ہوگا (بس) یہ لوگ اسی کی منتظر ہیں کہ یہ لوگ آپس میں (ایک دوسرے سے معمولی طور پر) لڑ جھگڑ رہے ہوں اور ایک زور کی آواز ان کو آن پکڑے پھر نہ توصیت ہی کر سکیں گے اور نہ	وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَا

اِلٰی اَھْلِھِمْ یَرْجِعُوْنَ	اپنے بال بچوں میں لوٹ کر جاسکیں گے

ف

جنگ بدر میں کفار عرب کا یہی حال ہوا کہ وہ شکست کھا کر پھر کہیں کے نہ رہے اور مرنے والوں کا وصیت کرنا تو بڑی بات تھی۔

پیشنگوئی

(۴۴)

جنگ بدر تک کفار قریش کو تھوڑی سی مہلت ہے

جیساکہ سورۃ المزمل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاھْجُرْھُمْ ھَجْرًا جَمِیْلًا وَ ذَرْنِیْ وَالْمُکَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَۃِ وَمَھِّلْھُمْ قَلِیْلًا	اور (کافر) جیسی جیسی باتیں (تمہاری نسبت) کہتے ہیں اُن پر صبر کرو، اور وضعداری کے ساتھ ان سے الگ تھلگ رہو اور (یہ) جو جھٹلانے والے خوشحال لوگ ہیں ہم کو اور ان کو (اپنے اپنے حال پر) چھوڑ دو اور انکو تھوڑی سی مہلت دو۔

ف

جب سرداران قریش کی ایذا دہی حد اعتدال سے تجاوز کر گئی اور بات برداشت سے باہر ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پیغمبر کی تشفی و دلدہی

یوں فرمائی کہ تم ذرا صبر کرو اور ان کافروں کو ذرا سی مہلت دو ، پھر دیکھو ہم انکا انجام کیسا کرتے ہیں۔

اس کے چند ہی دنوں کے بعد جنگ بدر واقع ہوئی جس میں اہل اسلام اور غیران خدا نے تمام سرداران قریش کو چن چن کر مارا - اور سب دنوں کی کسر نکال لی - دوسری آیت اسی کی ہم معنی سورۃ الطارق میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا وَأَكِيدُ كَيْدًا فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا۔

بے شک یہ (کافر تو اپنے) داؤ کر رہے ہیں اور ہم (اپنے) داؤ کر رہے ہیں تو (اے پیغمبر!) ان کافروں کو مہلت دو (اور زیادہ نہیں بلکہ) ان کو تھوڑی سی ہی مہلت دو۔

ف

یہ دونوں آیتیں مکی ہیں جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں اور جنگ بدر ۲ھ میں واقع ہوئی تو یہ پیشنگوئی کم سے کم دو برس پہلے کی گئی اور درحقیقت جنگ بدر ہی پہلی جنگ ہے جس میں مسلمانوں نے اپنے دشمنوں سے بدلا لیا۔

پیشنگوئی

(۴۵)

اگر کافر صلح کے بعد دغا کرینگے تو اللہ تم کو بس کریگا

جیسا کہ سورۃ الانفال میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ

اور (اے پیغمبر!) اگر کافر صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کی طرف جھکو اور اللہ پر بھروسا رکھو کیونکہ وہی (سب کی) سنتا (اور سب کچھ) جانتا ہے۔ اور اگر ان کا ارادہ تم سے دغا کرنے کا ہوگا تاہم (تم کچھ پروا نہ کرو) اللہ تم کو بس کرتا ہے (اے پیغمبر!) وہی قادر مطلق ہے جس نے اپنی امداد سے اور مسلمانوں سے تم کو قوت دی۔

ف

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر برحق کو یہ تعلیم فرمائی کہ اگر تمھارے دشمن تم سے بظاہر صلح کرنا چاہیں تو ظاہر حال پر نظر کرکے تم بھی آشتی کی طرف جھکو اور کچھ خوف نہ کرکے اللہ پر بھروسا رکھو اس ہدایت کے ساتھ اشارۃً یہ پیشینگوئی بھی فرمائی کہ تمھارے دشمن فریب اور بدعہدی کریں گے لیکن جب ایسا وقت آئیگا تو اللہ اپنی امداد اور مسلمانوں کی جمعیت سے تمھاری حفاظت کو کافی ہوگا۔ ہجرت کے چھٹویں برس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف عمرہ کرنے کی غرض سے مدینۂ منورہ سے مکۂ معظمہ کو روانہ ہوئے۔ جب مکہ کے قریب پہونچے تو کفار قریش جنگ کے ارادہ سے باہر نکلے۔ آنحضرت کو جنگ منظور نہ تھی۔ دشمنوں کو آمادہ جنگ دیکھا تو آپ نے حُدَیبیہ میں قیام کیا اور فریقین میں گفت و شنید ہونے لگی۔ آنحضرت نے اللہ کی اسی تعلیم مذکورہ کی بنا پر کفار سے صلح کی اور بڑی مشکل سے یہ صلح ٹھہری کہ دس برس

تک مسلمانوں میں اور قریش میں جنگ موقوف رہے اور پیغمبر خدا اس وقت بلا عمرہ کیئے لوٹ جائیں۔ اگلے سال عمرہ کریں مگر کوئی مسلمان تلوار میان سے باہر نہ نکالے۔ زمانہ صلح میں اگر کوئی مسلمان مرتد ہوکر قریش سے جا ملے تو قریش اسکو واپس ندیں اور قریش کا کوئی آدمی مسلمانوں میں چلا آئے تو وہ قریش کو واپس دیدیا جائے۔

یہ صلح پیغمبر خدا کے دب کر کے اور مسلمانوں کی بڑی دلشکنی کا باعث ہوی لیکن دراصل یہ صلح مسلمانوں کی بڑی جیت تھی۔

پیغمبر خدا کو الفاظ آیت سے معلوم ہوچکا تھا کہ قریش کی طرف سے ضرور بد عہدی ہوگی اور ہوی بھی بنی خزاعہ اور بنی بکر دو قبیلے تھے۔ بنی خزاعہ مسلمانوں کے طرفدار اور بنو بکر قریش کے طرفدار تھے تو صلح کے روسے ان دو قبیلوں کو بھی شرائط صلح کی پابندی لازم تھی مگر آخر یہ دونوں قبیلے آپس میں لڑے اور قریش نے درپردہ بنی بکر کی مدد کی اور حدیبیہ کی صلح ٹوٹ گئی۔ مسلمانوں کو حجت ہاتھ آئی اور فوراً مکہ پر چڑھ دوڑے۔ خدا کی پیشنگوئی اور وعدۂ مدد دونوں باتیں پوری ہوگئیں۔

پیشنگوئی

(۴۹)

جو منافقین حدیبیہ میں ساتھ نہیں ہوے وہ غنیمت کی لالچ سے خیبر میں مسلمانوں کے ساتھ جانا چاہینگے

جیسا کہ سورۃ الفتح میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

سَیَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ
اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰی مَغَانِمَ
لِتَاْخُذُوْھَا ذَرُوْنَا
نَتَّبِعْکُمْ یُرِیْدُوْنَ
اَنْ یُّبَدِّلُوْا کَلَامَ
اللّٰہِ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا
کَذٰلِکُمْ
قَالَ اللّٰہُ مِنْ قَبْلُ
فَسَیَقُوْلُوْنَ بَلْ
تَحْسُدُوْنَنَا
بَلْ کَانُوْا لَا یَفْقَهُوْنَ
اِلَّا قَلِیْلًا

(مسلمانو!) اب جو تم (خیبر کی) غنیمتوں
کے لینے کیلئے جانے لگو گے تو جو لوگ
(سفر حدیبیہ سے) پیچھے رہ گئے تھے
وہ کہیں گے کہ ہمکو بھی اپنے ساتھ
چلنے دو (اس سے) ان کا مطلب
یہ ہے کہ فرمودۂ خدا کو بدل دیں (یعنی
نہ ہونے دیں) اے پیغمبر ان لوگوں سے)
کہو کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چلنے
پاؤ گے اللہ نے پہلے ہی سے ایسا
فرما دیا ہے (یہ سنکر یہ لوگ کہینگے کہ (خدا نے
تو کیا فرمایا ہوگا) بلکہ تم ہی حسد کرتے ہو
ہم سے (حسد نہیں) بلکہ یہ لوگ (اصل
مطلب) بہت ہی کم سمجھتے ہیں۔

ف

صلح حدیبیہ سے فارغ ہو کر پیغمبر خدا صلعم خیبر کی طرف متوجہ ہوئے کہ وہاں کے
یہودی بھی مسلمانوں کو بہت پریشان کئے رہتے تھے۔ خیبر فتح ہو گیا اور بہت سا
مال غنیمت ہاتھ آیا۔ غنیمت خیبر کے بارہ میں خدا کا حکم یہ تھا کہ اس غنیمت کے
مستحق وہی لوگ ہیں جو سفر حدیبیہ میں بھی ساتھ تھے۔

منافقین جو سفر حدیبیہ میں ساتھ دینے سے پیچھے رہ گئے تھے خیبر کی چڑھائی میں
انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ چلنا چاہا۔ اس سے اُن کا مطلب یہ تھا کہ خیبر کی

غنیمت میں سے حصہ لیں مگر پیغمبر خدا نے ساتھ چلنے کی اجازت نہ دی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے ذریعہ سے آپ کو پہلے ہی حقیقت حال سے متنبہ کر دیا تھا۔ منافقین نے اپنے دال گلتے نہ دیکھکر جواب دیا کہ خدا نے کیا منع کیا ہوگا، تم مسلمان لوگ ہم سے حسد رکھتے ہو۔
غرض اللہ تعالیٰ کی پیشنگوئی حرف بہ حرف پوری ہو کر رہی۔

پیشنگوئی

(۴۷)

منافقین یہود کی نافت میں اپنے گھروں کو نہ چھوڑینگے

(۴۸)

منافقین وقت پڑے پر کفار اہل کتاب کا ساتھ نہ دینگے

(۴۹)

منافقین اور یہود کو بجز کہیں سے کوئی کمک نہیں پہونچیگی

جیسا کہ سورۃ الحشر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ	(اے پیغمبر!) کیا تم نے منافقوں (کے حال) پر نظر نہیں کی جو اپنے

اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتَابِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَکُمْ وَلَا نُطِیْعُ فِیْکُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّکُمْ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَکَاذِبُوْنَ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا یَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا یَنْصُرُوْنَهُمْ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَیُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ۔

(یہ) ہمجنس (بھائیوں) کفار اہل کتاب سے کہا کرتے ہیں کہ اگر تم (اپنے گھروں سے) نکالے جاؤ گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور تمہارے بارہ میں ہم کبھی کسی کی ماننے ہی کے نہیں اور اگر تم سے (مسلمانوں سے) لڑائی ہوگی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور (مسلمانو) اللہ (تمکو) بتائے دیتا ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں اگر اہل کتاب نکالے جائینگے تو یہ اُن کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر اہل کتاب سے (اور مسلمانوں سے) لڑائی ہو پڑیگی تو یہ منافق، اہل کتاب کی مدد نہیں کرینگے اور اگر ان کی مدد کرینگے (بھی) تو ضرور دم دبا کر بھاگتے نظر آئینگے پھر (کسی طرف سے) ان کو کمک بھی نہیں پہونچیگی۔

ف

جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو یہود بنی نضیر نے آپ سے اس امر پر صلح کا معاہدہ کیا کہ نہ ہم آپ سے جنگ کریں گے نہ آپ کے مقابلہ میں دشمنوں کا ساتھ دیں گے رسول اللہ صلعم نے اس عہد و پیمان کو قبول کر لیا اور معاہدہ پکا ہو گیا۔

جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو یہود بنی نضیر نے یہ سمجھکر کہ اب قریش مسلمانوں کو پنپنے نہیں دیں گے معاہدہ کو توڑ دیا اور اپنے عہد و پیمان سے پھر گئے کعب بن اشرف جو رسول اللہ صلعم کا جانی دشمن تھا ساٹھ سواروں کو لیکر مکہ معظمہ پہونچا اور کفار قریش سے مل کر انکو اس بات پر آمادہ کیا کہ سب مل کر مجتمعہ قوت سے محمد (صلعم) کا مقابلہ کریں چنانچہ کعب بن اشرف مع اپنے ساٹھ سواروں کے اور ابوسفیان اپنے چالیس جانباز بہادروں کو لیکر کعبہ کے پاس جمع ہوئے اور مسلمانوں کی بیخکنی پر سب نے مضبوط معاہدہ کیا - اس کے بعد کعب بن اشرف مدینہ کی طرف روانہ ہوگیا -

ادہر رسول اللہ صلعم کو وحی کے ذریعہ سے کعب و ابوسفیان اور قریش و یہود کی باہمی مشورہ بازی کی خبر دیگئی - آپ نے محمد بن مسلمہ کو جو کعب بن اشرف کا رضاعی بھائی تھا، کعب کے قتل پر متعین کیا جس نے اپنے کار مفوضہ کو اچھی طرح سے انجام دیا اور اس دشمن خدا کو تلوار کے گھاٹ اُتارا -

اسی اثناء میں بئر معونہ سے لوٹتے وقت عمرو بن امیۃ الضمیری نے نادانستگی سے دو مسلمانوں کو قتل کر دیا تھا - آپ مقتول کے ورثہ کو دیت دینے دلانے کے لئے اس قبیلہ میں تشریف لائے - یہود نے موقع پاکر چاہا کہ جہاں رسول خدا صلعم تشریف فرما تھے، پہونچکر اوپر سے پتھر لڑھکا دیں تا آپ کا وہیں خاتمہ ہو جائے مگر رسول اللہ کو اللہ نے پہلے ہی مطلع کر دیا اور آپ وہاں سے ہٹ گئے -

کعب بن اشرف کے قتل ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلعم بہادران اسلام کو ساتھ لئے ہوئے بنو نضیر کے سر پر جا پہونچے جو اس وقت ایک قریہ زہرۃ میں ٹھیرے ہوئے کعب کا ماتم کر رہے تھے - پیغمبر خدا نے یہود سے فرمایا کہ تم سب مدینہ سے نکل جاؤ، انہوں نے ذرا مردانگی سے جواب دیا

کہ ہمارے نزدیک مدینہ چھوڑنے سے موت زیادہ بہتر ہے اور لگے جنگ کی تیاری کرنے۔

ادھر یہود بنی نضیر مسلمانوں سے جدال وقتال کرنے کی تیاری کر رہے تھے ادھر عبداللہ بن ابی رفاعہ بن تابوت، عبد اللہ بن نتبل اور اوس بن قیظی وغیرہ منافقوں نے یہود کے پاس خفیہ پیام بھیجا کہ تم لوگ ہرگز قلعہ سے باہر نہ نکلنا اگر مسلمان تم سے قتال کریں گے تو ہم تمھارا ساتھ دیں گے، اور تم کو ذلیل نہ ہونے دیں گے اور بفرض محال اگر تم کو گھروں سے نکلنا پڑا تو ہم بھی تمھارے ساتھ اپنے گھروں سے نکل پڑیں گے۔

اس پیام سے یہود بنی نضیر کو فی الجملہ قوت وتسکین ہوگئی اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے اثنائے محاصرہ میں یہود نے پیغمبر خدا سے خوب خوب مکاریاں کیں لیکن ہمیشہ خاسر و ناکام رہے۔ تنگ آکر مسلمانوں نے محاصرہ میں سختی کی۔ جب محاصرہ کو اکیس دن گذر گئے اور یہود نے دیکھا کہ نہ منافقین نے کوئی مدد کی نہ اور کسی طرف سے کوئی کمک آتی اور ہمارا حال روز بروز بتلا ہوتا جاتا ہے تو گھبرا اٹھتے اور تاب نہ لاکر رسول خدا صلعم کی خدمت میں صلح کی درخواست بھیجی۔ آپ نے جواب دیا کہ جب تک تم ہمارے حکم کی تعمیل میں باہر نہ نکلو گے تمہاری کوئی درخواست منظور نہ کیجائے گی۔ مجبور ہو کر یہود نے جانوں کی امان مانگی اور قلعہ سے باہر نکلے رسول اللہ صلعم نے اس امر پر مصالحت کی کہ یہود اپنے تمام ہتھیار گھروں میں چھوڑ دیں اور مال اور اونٹ وغیرہ جس قدر ساتھ لیجاسکیں، لاد پھاند کر سرزمین عرب سے باہر نکل جائیں۔ ان کے جلا وطن ہونے کے بعد، ان کے گھر، اونٹ، زمین، مال، اناج وغیرہ جتنی چیزیں رہ جائینگی سب پر اہل اسلام قابض ہوں گے۔

یہود نے یہ صلح منظور کی اور جس قدر سامان اور مال اسباب لیجا سکے، لاد پھاند کر ارض شام کی طرف روانہ ہو گئے اور ان کے بقیہ مال و اسباب کو مسلمانوں نے اپنے قبضہ میں لے لیا اکثر یہود بنی نضیر تو جلا وطن ہو کر ارض شام ہی کو گئے۔ صرف ایک گروہ حیرہ میں رہا اور دو قبیلے آل ابی الحقیق اور آل حی بن اخطب کے خیبر میں جا کر بسگئے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چار پیشنگوئیاں کی ہیں اور چاروں پوری ہوئیں۔

پہلی پیشنگوئی

منافقین یہود سے کہتے تھے کہ اگر تم اپنے گھروں سے نکالے جاؤ گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے تکذیب فرمائی کہ یہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں، یہ ہرگز یہود کے ساتھ اپنے گھروں کو نہ چھوڑینگے اور ایسا ہی ہوا کہ یہود ملک عرب سے جلا وطن کر کے ذلت و خواری کے ساتھ نکالے گئے اور ان زبانی دوستوں نے ساتھ تک ندیا، چوکھٹ سے باہر قدم تک نہیں رکھا، بات تک نہ پوچھی۔

دوسری پیشنگوئی

منافقین یہود سے کہتے تھے کہ مسلمان تم سے جنگ کرینگے تو ہم تمہاری امداد کریں گے۔ خدا نے اس کی تکذیب فرمائی کہ وہ ایسا ہرگز نکرینگے۔ یہ تو صرف لڑا کر تماشا دیکھنے والے ہیں اور مسلمانوں کو فتنہ و فساد میں ڈال کر برباد کرنا چاہتے ہیں اور ایسا ہی ہوا کہ مسلمانوں نے اکیس دنوں تک ان کا محاصرہ کیا، رسد وغیرہ بند کی اور منافقین نے ان کی مدد کے لئے جگہ سے حرکت تک نہیں کی۔

تیسری پیشنگوئی

یہ کہ پھر ان کو کسی طرف سے کسی قسم کی کمک نہیں پہونچے گی۔

لَا یُنْصَرُوْنَ کے معنی کی تعین میں مفسرین کے دو گروہ ہیں۔

بعض لَا یُنْصَرُوْنَ سے منافقین کو مراد لیتے ہیں کہ جب ان کا راز فاش ہوگیا مسلمان سمجھ گئے کہ یہ لوگ درحقیقت ہمارے دشمن ہیں تو یکلخت منافقوں سے کنارہ کش ہو گئے۔ اُدھر کفار کو ہوی شکست نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے ہوے، اب مدد کہاں سے آئی؟

بعض مفسرین لَا یُنْصَرُوْنَ سے یہود کو مراد لیتے ہیں کہ جلا وطن ہونے کے وقت کوئی اُن کا پشت و پناہ نہ ہوا نہ کسی نے ان کی امداد پر جرأت کی۔

ہمارے نزدیک لَا یُنْصَرُوْنَ سے یہود و منافقین دونوں مراد ہیں جیسا کہ ظاہر ہے

چوتھی پیشنگوئی

یہ کہ جو باتیں منافقین کہنے والے تھے اللہ تعالےٰ نے پہلے ہی سے بتا کر ہر ایک کی تکذیب فرمادی اور حرف بحرف ویسا ہی ہوا۔

پیشنگوئی

(۵۰)

اللہ اپنے نور (اسلام) کو پورا کر کے رہیگا

یہ پیشگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔	(کفار) چاہتے ہیں کہ خدا کے نور (یعنی اسلام) کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھادیں اور خدا کو منظور ہے کہ ہر طرح اپنے نور (کی روشنی) کو پورا کرے اگرچہ کافروں کو بُرا ہی کیوں نہ) لگے۔

دوسری آیت سورۃ الصف میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ	کفار چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھادیں اور اللہ تو اپنے نور کو (کامل طور پر) پھیلا کر رہے گا۔ گو کافروں کو برا ہی کیوں (نہ) لگے۔

ف

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ قطعی طور پر پیشگوئی کرتا ہے کہ اگرچہ کفار، نور اسلام کو مٹانا اور اپنے اباطیل کی ہوا سے بجھانا چاہتے ہیں لیکن اُن کی یہ سب کوششیں رائگاں جائنگی اور ہم نور اسلام کو تمام عالم میں چمکا کر اور اسکی روشنی کو ہر طرف پھیلا کر رہینگے۔

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں ایک حدیث روایت کی ہے جو اس پیشگوئی کو اور واضح کر دیتی ہے۔

حدثنا الولید رحؔ بن مسلم حدثنی بن جابرؔ سمعت سلیم بن عامرؓ قال سمعت المقدادؓ بن الاسودؓ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یبقی علیٰ وجہ الارض بیت مدر و لا وبر الا دخلتہ کلمۃ الاسلام

حدیث بیان کی ہم سے ولید بن مسلمؒ نے حدیث بیان کی مجھ سے ابن جابرؒ نے کہ سنا میں نے سلیم بن عامرؓ سے کہا انہوں نے سنا میں نے مقدادؓ بن اسودؓ کو کہتے ہوئے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے کہ روئے زمین پر دیہات اور صحرا میں کوئی گھر ایسا باقی نہ رہے گا جہاں اسلام کا کلمہ نہ پہونچے

ف

حدیث کا یہ منشا نہیں ہے کہ دنیا بھر کے ہر ہر مکان میں اسلام پھیل جائیگا کیونکہ ایسا ہونا محال عقلی ہے۔ یہ ایک محاورہ کا جملہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کو خوب ترقی ہوگی اور وہ دنیا کے ہر گوشہ میں ہر طرف پھیلے گا۔
یہ ایک ایسی پیشینگوئی ہے کہ اسلام کا سخت سے سخت دشمن بھی اس کی تصدیق کرنے پر مجبور ہے اور اس وقت بھی اس کی حقیت کے بدیہی آثار موجود ہیں۔
پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تمام جزیرہ نمائے عرب مسلمان ہو چکا تھا۔ خلفائے ثلاثہ (ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ) رضی اللہ عنہم کے زمانۂ خلافت میں ترک۔ ایران۔ مصر۔ شام وغیرہ کے بہت سے بلاد و اقطاع میں اسلام

عام ہو گیا اور اسی طرح بادشاہان اسلام کے وقتوں میں علمائے اسلام اور واعظوں کے مساعی جمیلہ سے روز افزوں ترقی کرتا رہا۔

چین میں کبھی اسلامی حکومت نہیں ہوئی مگر اس وقت وہاں سات کروڑ مسلمانوں کی آبادی ہے۔ سوائے اسلام کی حقانیت اور اس کی خوبیوں کے اشاعت اسلام کی اور کونسی دوسری وجہ ہو سکتی ہے۔ ایشیا، یورپ، افریقہ کے کم و بیش تمام حصوں میں ہر طرف اسلام پھیلا ہوا ہے اور باوجود اس کے کہ اب مسلمانوں میں کوئی زور نہیں رہا نہ اسلام کوئی خاص دنیاوی سرپرست رکھتا پھر بھی وہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔

یورپ کے اقطاع میں جیسا کہ چاہیئے اسلام نہیں پھیلا اور امریکہ جو نئی دنیا کہلاتی ہے وہاں تو گویا ابھی اسلام کا قدم ہی نہیں جما مگر خدا کے فضل سے وہ دن بھی کچھ بہت دور نہیں ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ دنیا دیکھیگی کہ ایک دن ان اقطاع میں بھی اسلام عام ہو گا اور پھل پھول کر رہے گا۔

مخالفین اسلام کو قرآن مجید کی اس زبردست پیشنگوئی پر انصاف کی نظر کرنی چاہیئے۔

پیشنگوئی

(۵۱)

اسلام تمام دینوں پر غالب ہو گا

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ

وہ ہی (ذات پاک) ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرکوں کو برا (ہی کیوں نہ) لگے۔

دوسری آیت سورۃ الفتح میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا

وہ (خدا) ہی (تو) ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب رکھے اور (دین اسلام کی صداقت کے لئے) خدا گواہ بس کرتا ہے۔

ف

ملک عرب میں ہر طرف، بت پرستی، جہالت اور فحش کی گھنگھور گھٹا چھائی تھی یورپ کا وحشیانہ زندگی پر گذارہ تھا۔ روم کی سلطنت جس کا ڈنکا تمام کرۂ عالم میں بج رہا تھا عیسائیت کے تصرف میں تھی ایران جو دولت و تمدن میں آپ ہی اپنا نظیر تھا، اس پر مجوسیت اور آتش پرستی مسلط تھی ہندوستان اوہام پرستی و بت پرستی میں گرفتار تھا۔ غرض ساری دنیا اسی تاریکی میں گھری ہوئی تھی کہ یکایک حجاز عرب کے شہر مکہ کے افق سے ایک نور چمکا اور وہ رفتہ رفتہ آفتاب اسلام بن کر تمام عالم پر محیط ہو گیا یعنی تمام دنیا کو اس آفتاب نے روشن کر دیا۔

اسلام کی ابتدا ضعف، پستی، تنگدستی، اور بیچارگی سے ہوئی لیکن آخر میں وہی سب سے زیادہ زبردست ہو گیا اور اس نے تمام ادیان کو اپنی حجت وبراہین اور قوت وشوکت سے نیچا دکھایا۔

جو ناظرین، عرب کی تاریخ وجغرافیہ سے واقف ہیں ان پر خوب روشن ہے کہ عرب ایک اجاڑ ملک ہے۔ اکثر زمین ریگستانی ہے۔ آبادی بہت کم ہے۔ زراعت شاذ ونادر ہے جس وقت اسلام کا ظہور ہوا ہے اسکی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ خود ملک میں ہزاروں فرقے گھر گھر کا نیا خدا۔ ہر جگہ بدامنی۔ نہ کوئی قانون نہ آئین۔ نہ معاش کی درستی نہ معاد کی خبر ایسی قوم اور ایسے ملک میں اسلام نے ظہور کیا اور چند سالوں میں وہی ملک عرب کیا سے کیا ہو گیا کہ تمام دنیا کو اس نے تہذیب سکھائی اور ہر گوشۂ عالم میں اس کے فضل کی روشنی جا پہنچی یہ تھی محمد عربی (روحی فداہ) کی روحانی قوت اور یہ تھی اسلام کی صداقت۔

اُس زمانہ میں روم وایران سے زیادہ کوئی سلطنت زبردست نہ تھی۔ عالم پر ان کی دھاک بیٹھی تھی اور دنیا میں ان کی شوکت کا سکہ چل رہا تھا۔

پس کیا یہ خدائی طاقت نہ تھی؟ کیا یہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے برحق ہونے کی دلیل نہیں ہے کہ اتنی بڑی بڑی زبردست پُرشوکت سلطنتیں عرب جیسے بے بضاعت ملک سے ٹکرا کر پرزے پرزے ہو گئیں اور اجڑیں تو ایسی اُجڑیں کہ پھر آباد ہی نہ ہوئیں ایک زمانہ دراز تک اسلام کو دنیاوی حکومت اور دینی حجت دونوں اعتبار سے غلبہ رہا۔ جب مسلمانوں نے خود گرنا شروع کیا اور قرآن کے حبل المتین کو چھوڑ دیا تو غلبہ دنیاوی جاتا رہا ہاں دینی حجت کا غلبہ باقی ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک رہیگا۔

اس پیشینگوئی کا دینی و دنیاوی دونوں اعتبار سے عہد رسالت، عہد خیر القرون اور خلفائے اسلام کے زمانوں میں پورا ہونا تو ظاہر و مسلم ہے۔ تماشا تو یہ ہے کہ تیرہ سو برس کے بعد اب بھی اس پیشینگوئی کی تصدیق اُسی آب و تاب کے ساتھ جاری ہے اور اسلام کو آج بھی تمام ادیان پر ویسا ہی غلبہ حاصل ہے جیسا کہ پہلے تھا۔

پیشینگوئی

(۵۲)

کفار مکہ قحط کی مصیبت میں گرفتار رہوں گے

(۵۳)

تب مجبور ہو کر اللہ کی طرف رجوع ہوں گے

(۵۴)

قحط دور ہونیکے بعد پھر وہی شرارت کرینگے اور اُسوقت ہم سخت پکڑ پکڑینگے

جیسا کہ سورۃ الدخان میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ	تو (اے پیغمبر!) اُس دن کا انتظار کر

بِدُخَانٍ مُّبِينٍ
يَغْشَى النَّاسَ هٰذَا
عَذَابٌ أَلِيمٌ
رَبَّنَا اكْشِفْ
عَنَّا الْعَذَابَ
إِنَّا مُؤْمِنُونَ
أَنَّىٰ لَهُمُ الذِّكْرَىٰ
وَقَدْ جَاءَهُمْ
رَسُولٌ مُّبِينٌ
ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ
وَقَالُوا مُعَلَّمٌ
مَّجْنُونٌ إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ
قَلِيلًا إِنَّكُمْ
عَائِدُونَ يَوْمَ نَبْطِشُ
الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ
إِنَّا مُنْتَقِمُونَ ۔

کہ دیکھ سب دیکھتے) آسمان سے
ایک دھواں ظاہر ہو (اور وہ) سب
لوگوں پر چھا جائے۔ یہ ہے عذاب
دردناک۔ جسکو دیکھکر یہ منکر بھی دعائیں
مانگنے لگیں گے کہ) اے ہمارے
پروردگار ہم پر سے اس آفت کو ٹال
کہ اب) ہم (تجھپر) ایمان لائینگے
(لیکن اس دھوئیں سے) ان کو
کیا نصیحت ہوگی اور حال یہ ہے
کہ ان کے پاس پیغمبر آیا (اور) اس نے
ہندی کی چندی کرکے انکو سمجھایا (اس پر
بھی) یہ لوگ اس سے بدکتے رہے
اور یہی کہا کئے کہ (یہ تو کسی کا) سکھایا
پڑھایا باؤلا ہے (لوگو! حجت تمام کرنے
کے لئے) ہم (تم پر سے اس) عذاب
کو چند روز کیلئے ہٹا دینگے مگر تم پھر (وہی کفر)
کروگے (اور) ہم (ان لوگوں سے پورا بدلہ
تو اس دن لینگے) جسدن بڑی سخت پکڑ
پکڑینگے (کیونکہ جہاں) ہم (رحم کرتے ہیں)
بدلہ (بھی) لیا کرتے ہیں۔

ف

پیغمبر اسلام علیہ التحیتہ والسلام کے عہد میں کفار مکہ کے کفر کی شامت سے متواتر سات برس تک قحط رہا۔ عرب میں یوں بھی پیداوار بہت کم ہوتی ہے اور پانی بھی کم برستا ہے اُس پر قحط اور قحط بھی سات برس کا، لوگ بلبلا اٹھے۔ جب پانی نہیں برستا اور سخت گرمی پڑتی ہے تو ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ جیسے آسمان و زمین سے دھوئیں اُٹھ رہے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب گرمی سخت پڑتی ہے اور خشک سالی عام ہو جاتی ہے تو انقطاع بارش کی وجہ سے زمین کی خشکی بہت بڑھ جاتی ہے زمین سے اوپر کی طرف غبار کثرت سے اٹھتا ہے۔ ہوا میں ظلمت آجاتی ہے۔ اور زمین و آسمان (خصوصاً) قحط زدوں کے نظروں میں سب دھواں دھار معلوم ہوتا ہے۔ اسی سبب سے اہل عرب قحط کے سال کو غبرا کہتے ہیں۔

ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ بھوک اور خوف کی زیادتی کے وقت آنکھوں تلے اندھیرا آجاتا ہے اور ہر طرف دھواں دھواں سا نظر آنے لگتا ہے غرض یہاں دھوئیں سے وہی دھواں مراد ہے۔ یہ ایک مسلم محاورہ ہے اور مشہور بات مسلم الثبوت ہے

صحیح بخاری میں واقعہ قحط کو اس طرح روایت کیا گیا ہے:۔

حدثنا محمد بن کثیرؒ عن سفیانؒ قال حدثنا منصورؒ والاعمشؒ عن ابی الضحیؒ عن مسروقؒ قال اتیت ابن مسعودؓ	حدیث بیان کی ہم سے محمد بن کثیرؒ نے سفیانؒ سے، انہوں نے کہا کہ ہم سے حدیث بیان کی منصورؒ اور اعمشؒ نے ابوضحیؒ سے اُنہوں نے مسروقؒ سے انہوں نے کہا (ایک دن

فقال ان قریشا ابطؤوا عن الاسلام فدعا علیھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخذتھم سنۃ حتی ھلکوا فیھا واکلوا المیتۃ والعظام فجاء ابوسفیان فقال یا محمد جئت تامر بصلۃ الرحم وان قومک ھلکوا فادع اللہ تعالی فقرء فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین فدعا رسول اللہ فسقوا الغیث فاطبقت علیھم سبعا وشکا الناس کثرۃ المطر قال اللھم حوالینا ولا علینا فانحدرت السحابۃ عن راسہ فسقوا الناس حولھم

میں ابن مسعودؓ پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ البتہ قریش نے اسلام میں دیر لگائی (اور رسول اللہ کو ایذا پہونچائی) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں بددعا فرمائی پھر تو اُن کو قحط نے آلیا اور ایسا) پکڑا کہ وہ اس میں ہلاک ہوگئے اور لگے مردار اور ہڈیاں کھانے پھر آیا ابوسفیان (آپ کے پاس) اور عرض کیا کہ اے محمد! تم صلۂ رحم کا حکم کرنے آئے ہو اور بے شک تمہاری قوم ہلاک ہوگئی۔ پس اللہ تعالی سے (دفع بلا کی) دعا کرو پھر اس آیت کو پڑھا فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین پس دعا کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو لوگ پانی سے سیراب ہوگئے پھر سات دن برابر بارش ہوتی رہی اور لوگوں نے کثرت بارش کی شکایت کی (تب) آپ نے فرمایا اے ہمارے اللہ! ہمپر نہیں ہمارے گرد پس ابر آپ کے سر سے نیچے ہٹ کر چھٹ گیا اور ارد گرد پر برسنے لگا پھر اس کے

ثم عادوا الی کفرھم فذلک قولہ تعالیٰ یوم نبطش البطشۃ الکبریٰ یوم بدر	بعد اہل مکہ اپنی اسی سرکشی پر آ گئے اور اسی بارہ میں ہے قول اللہ تعالیٰ کا یوم نبطش البطشۃ الکبریٰ۔

ف

اس قحط کا ہونا تو مسلم ہے۔ رہا یہ امر کہ یہ قحط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا سے ہوا جیسا کہ مسلمانوں کا اعتقاد حق ہے یا ہمیشہ جیسی ایک ہونے والی بات تھی؟ یہاں اس سے بحث کرنی ضرور نہیں ہے آیت میں تین پیشینگوئیاں ہیں۔

(۱) کفار مکہ کا آفت قحط میں گرفتار ہونا جیسا کہ اوپر گذر چکا۔

(۲) قحط زدگی سے مجبور ہو کر منکروں کا خدا کی طرف رجوع کرنا۔ دشمنان اسلام اور کفار قریش رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا سمجھتے اور کہتے تھے۔ باوجود اس کے ابوسفیان جیسے سخت متعصب دشمنوں کا خدمت رسول میں حاضر ہونا اور عرض کرنا کہ آپ خدا سے قحط کے دور ہونے کی دعا فرمائیے در اصل خدا کی طرف رجوع ہونا تھا اور آیت میں اسی کی پیشینگوئی کی گئی ہے کہ کفار پر قحط کی مصیبت آئیگی اور وہ خدا کی طرف رجوع ہو کر اپنی سرکشی سے کنارہ کرینگے (گو تھوڑے دن کے لئے سہی)

(۳) قحط کے دور ہو جانے کے بعد کفار کا پھر شرارت کرنا اور اس پیشینگوئی کا پورا ہونا ظاہر ہے کہ کفار مرتے دم تک اپنی ایذا اور شرارت سے باز نہیں آئے۔

(۴) چوتھی پیشینگوئی یہ فرمائی کہ کفار اپنی سرکشی پر عود کرینگے تو ہم جس روز سخت پکڑ پکڑیں گے اس دن سب کا بدلہ نکال لینگے۔

اس سخت پکڑ سے جنگ بدر مراد ہے کہ اس دن کفار کو سخت سے سخت شکست

اٹھانی پڑی کا مر۔

نکتہ

جنگ بدر دو مرتبہ ہوئی۔ ایک سنہ۲ ہجری میں جو بدر کبریٰ کے نام سے مشہور ہے اور اس میں مسلمان کم اور کفار بہت زیادہ کام آئے اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ دوسری جنگ بدر سنہ۴ ہجری میں واقع ہوئی۔ عرب میں ایک بازار تھا جہاں ایام جاہلیت میں ہر سال آٹھ دن اہل عرب آکر مجتمع ہوتے تھے ذی قعدہ کی پہلی تاریخ سے آٹھویں تاریخ تک بازار گرم رہتا تھا۔ سنہ۴ ہجری میں ابوسفیان کی وجہ سے دوبارہ جنگ کی نوبت آئی اور رسول خداؐ ایک ہزار پانچ سو بہادروں کا لشکر لیکر مقابلہ کو نکلے۔ آٹھ دن تک ابوسفیان کا انتظار کرتے رہے لیکن کفار، بہادران اسلام سے ایسا مرعوب ہوئے کہ اس طرف کسی نے قدم تک نہ اٹھایا۔ مسلمانوں نے بھی بازار والوں سے کچھ تعرض نہیں کیا اور آٹھ دن کے بعد واپس چلے آئے۔ چونکہ اس جنگ میں لڑائی کی نوبت نہیں آئی اس لئے اس کا نام جنگ بدر صغریٰ ہوا آیت میں بھی "البطشۃ الکبریٰ" فرمایا گیا ہے جو اس بات کی صراحت ہے کہ بطشہ دو ہوں گے ایک صغریٰ۔ دوسرے کبریٰ مگر اللہ کا انتقام بطشۂ کبریٰ یعنی جنگ بدر کبریٰ میں پورا ہو جائے گا۔

پیشنگوئی

(۵۵)

ان ظالموں کو عذاب قیامت کے علاوہ دنیا میں بھی عذاب ہوگا

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے :-

پہلی آیت سورۃ الطور میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

تو (اے پیغمبر!) ان کو (ان ہی کی حالت پر) رہنے دو یہاں تک کہ وہ دن ان کے سامنے آموجود ہو جب کہ (ہمارے صدمہ سے) ان کو غش آجائے (اور) اسدن ان کے مکر (و فریب) ان کے کچھ بھی کام نہ آئیں اور نہ (کہیں سے) انکو مدد ملے اور (ان) ظالموں کو عذاب قیامت کے علاوہ (دنیا میں اور بھی) عذاب (ہونے والا) ہے مگر ان میں سے اکثر کو معلوم نہیں۔

دوسری آیت سورۃ السجدہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ

اور (قیامت کے) بڑے عذاب سے پہلے ہم ان (کفار) کو (ایک ایسے) عذاب کا مزہ بھی ضرور چکھا دینگے جو (اسی دنیا میں ان پر) عنقریب نازل ہوگا تاکہ

یَرْجِعُوْنَ ۔	یہ لوگ ہماری طرف رجوع کریں ۔

ف

اس امر میں بین العلماء اختلاف ہے کہ عذاب آخرت کے سوا، دنیا کا وہ کون سا عذاب مراد ہے جس کی اس آیت میں پیشنگوئی کی گئی ہے ۔

(۱) فریابی ۔ ابن منیع ۔ ابن جریر ۔ ابن منذر ۔ ابن ابی حاتم ۔ طبرانی ۔ حاکم ۔ ابن مردویہ خطیب اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ دنیا کے عذاب سے جنگ بدر مراد ہے جیسا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے ۔

(۲) عبد اللہ بن احمد ۔ ابو عوانہ ۔ براء بن عازب ۔ مسلم اور نسائی نے ابی بن کعب اور عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اس عذاب سے وہی سات برس والا قحط مراد ہے جو اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ہی واقع ہوا ۔

(۳) ابو العالیہ ۔ حسن ۔ ابراہیم نخعی ۔ ضحاک ۔ علقمہ ۔ عطیہ ۔ مجاہد ۔ قتادہ ۔ عبد الکریم جزری اور حضیف نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ عذاب دنیا سے دنیا کی مصیبتیں اور بیماریاں مراد ہیں جو انسان پر وارد ہوتی رہتی ہیں تاکہ انسان مصائب میں پڑ کر خدا کو یاد کرے اور اپنے افعال ناشائستہ سے توبہ کرے ۔

مگر یہ مسلک پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ اس قسم کے مصائب تو سب پر نازل ہوتے ہی رہتے ہیں ۔ کفار مکہ کی اس میں کون سی خصوصیت ہے اور یہ پیشنگوئی کیونکر قرار پاسکیگی ۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت عبد بن حمید، اور ابن ابی حاتم وغیرہ نے اخراج کی ہے کہ عذاب مذکورہ سے حدود و احکام کا قائم کیا جانا مراد ہے مگر یہ مذہب ہرگز قابل پذیرائی نہیں ہے کیونکہ اقامت

حدود مسلمانوں اور ماننے والوں کے لئے ہے۔ کفار پر حدود اسلام کہاں قائم ہو سکتے تھے۔

دوسرے یہ کہ جن کفار کے حق میں یہ پیشنگوئی کی گئی اُن پر حدود کا کوئی اثر بھی نہ پڑا۔

تیسرے یہ کہ اقامت حدود ، اگر عذاب ہے تو مسلمانوں کے حق میں اور زیادہ عذاب ہو جائے گا اس لئے کہ اقامت حدود مسلمانوں ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ تاویل مستبعد ہے۔

(۵) براء بن عازب اور مجاہد رضؓ نے ایک روایت کی بنا پر عذاب قبر مراد لیا ہے اور اس کی غلطی ظاہر ہے۔

(۶) امام مسلم نے شعبہ سے اور امام بخاریؒ ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ اس عذاب ادنیٰ سے جنگ بدر اور قحط ہفت سالہ دونوں مراد ہیں۔

(۷) عبد اللہ بن مسعود رضؓ سے ایک اور روایت ہے جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ عذاب دنیا سے کفار و مشرکین کا قتل ہونا۔ قید ہونا اور ان کا لونڈی غلام بننا مراد ہے جیسا کہ بارہا وقوع پذیر ہوا۔

مالک زید بن اسلمؓ سے روایت کرتے ہیں کہ سدی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جنگ بدر کے دن مکہ میں کوئی گھر ایسا نہیں تھا جس میں رنج و غم اور ماتم نہ ہوتا ہو۔ ہم اس بارہ میں کوئی تصفیہ نہیں کر سکتے کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے اپنی پیشنگوئی میں کس عذاب کو مراد لیا ہے۔ بہر حال ان سات مذکورہ عذابوں میں سے جونسا عذاب بھی مراد لو ، اللہ تعالیٰ کی پیشنگوئی صحیح اتر گئی۔

البتہ چوتھے اور پانچویں مذہب کی بنا صحیح تسلیم کی جائے تو یہ پیشنگوئی پیشنگوئی نہ رہے گی۔

نکتہ

اس آیت آخر الذکر میں ایک نکتہ ہے جو قرآن مجید کی بلاغت پر دلالت کرتا ہے، وہ یہ کہ عذاب دو طرح کے ہیں۔ ایک دنیا کا اور ایک آخرت کا۔ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں ادنیٰ درجہ کا ہے مگر آخرت کی نسبت جلد ہونے والا ہے۔ برخلاف اس کے آخرت کا عذاب بڑا سخت ہے مگر دنیا کے عذاب کی نسبت کسی قدر دیر طلب ہے پس ان دونوں عذابوں کا بیان اس طرح پر ہونا چاہیئے جس سے منشار تخویف اچھی طرح حاصل ہو۔ تو ادنیٰ کا مقابل ابعد اور اکبر کا مقابل اہون ہے۔ عذاب دنیا، ادنیٰ یعنی قریب اور اہون یعنی سبک ہے۔ عذاب آخرت ابعد یعنی دور اور اکبر یعنی سخت ہے۔ چونکہ نزدیک آنے والے عذاب اور سخت عذاب سے زیادہ خوف وہراس ہوتا ہے اس لئے دنیا کے عذاب کے لئے ادنیٰ اور آخرت کے عذاب کے لئے سخت فرمایا تاکہ دونوں مقامات پر تخویف پوری اور موثر ہو جو منشار انذار ہے۔ بلاشک یہ بلاغت قرآن ہی کا حصہ تھا۔

پیشنگوئی

(۵۶)

کفار اور اُن کے فریب سے مسلمانوں کا کچھ نہ بگڑیگا

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا۔	اور اگر تم ان کے معاملات میں دخل دینے سے کنارہ کشی کرو گے تو وہ تم کو کسی طرح کا نقصان نہ پہونچا سکیں گے۔

دوسری آیت سورۃ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَّاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ۔	(مسلمانو!) اگر تم کو کوئی فائدہ پہونچے تو ان کو برا لگتا ہے اور اگر تمکو کوئی گزند پہونچے تو اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر تم (ان کی ایذاؤں پر) صبر کرو (انتقام میں زیادتی کرنے سے) بچے رہو تو (اطمینان رکھو) ان کے فریب سے تمہارا کچھ بھی تو نہیں بگڑنے کا (کیونکہ) جو کچھ یہ کر رہے ہیں اس کا دفعیہ اللہ کی قدرت میں ہے۔

ف

دنیا جانتی ہے کہ اسلام کیسی بیچارگی سے نمایاں ہوا اور روز بروز زور پکڑتا گیا، مسلمان یوماً فیوماً ترقی ہی کرتے گئے اور کفار و منافقین باوصف سر توڑ کوششوں کے ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے ان کی ساری کوششیں رائگاں ہو گئیں اور اُن کا سارا مکر و فریب انہیں پر اُلٹ پڑا۔

پیشنگوئی

(۵۷)

دشمنان اسلام نہ تو اسلام کو نقصان پہونچا سکتے نہ مسلمانوں کو ہرا سکتے

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں چار مقامات پر ہے:-

پہلی آیت سورۂ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا۔	اور (اے پیغمبر!) جو لوگ کفر (کے پھیلانے) میں دوڑے پھرتے ہیں تم ان لوگوں کی وجہ سے آزردہ خاطر نہ ہو (کیونکہ) یہ لوگ خدا (کے دین) کو کچھ بھی نقصان نہیں پہونچا سکتے۔

دوسری آیت اسی کے بعد ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔	جن لوگوں نے ایمان دیکر کفر مول لیا خدا (کے دین) کو تو ہرگز کسی طرح کا نقصان پہونچا نہیں سکیں گے بلکہ ان ہی کو عذاب دردناک ہوگا۔

تیسری آیت سورۂ محمد میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	بیشک جن لوگوں پر صاف رستہ

وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَاقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ۔

ظاہر ہوگیا (اور اس کے بعد) انہوں نے انکار کیا اور اللہ کے رستے سے (لوگوں کو) روکا اور رسول کی مخالفت کی خدا کو تو یہ لوگ کسی طرح کا نقصان نہیں پہونچا سکیں گے بلکہ (وہ) اُن ہی کے عملوں کو اکارت کردیگا

چوتھی آیت سورہ ہود میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَلَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ۔

جو لوگ خدا کے رستہ سے (دوسروں کو) روکتے اور اُس میں کجی (یعنی کمی) چاہتے ہیں اور یہی ہیں جو آخرت سے (بھی) منکر ہیں یہ لوگ نہ دنیا ہی میں (خدا کو) ہرا سکتے اور نہ خدا کے سوا اُن کا کوئی حمایتی ہے۔

ف

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ رسول حق صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیشنگوئی کے ساتھ تسلی دیتا ہے کہ یہ کفار، دشمنان اسلام جو کفر وشرک کے پھیلانے اور اسلام کے بگاڑنے میں اس بیباکی کے ساتھ دوڑے دوڑے پھرتے ہیں تم ان سے کسی قسم کا ہراس نہ کرو، کیونکہ یہ نالائق لوگ نہ تو تم کو مغلوب ومقہور کر سکتے نہ ان سے اسلام کو کسی طرح کا نقصان ہی پہونچ سکتا۔ چنانچہ یہ پیشنگوئی جس طرح پوری ہوکر رہی وہ کسی مزید صراحت کی محتاج نہیں ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ کفار عرب نے اسلام کو کون سا نقصان پہونچایا اور مسلمانوں نے ان کو کونسا دن دکھایا پھر بھی کسی ہٹ دھرم کو شک ہو تو اسپرنگر صاحب وغیرہ یوروپین مورخین کی تصانیف

تاریخ اطمینان و رفع شک کے لئے کافی موجود ہیں۔

پیشگوئی

(۵۸)

اللہ مسلمانوں کو غنی اور مالدار کرے گا

یہ پیشگوئی قرآن مجید میں تین مقام پر ہے:۔

پہلی آیت سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۔

مسلمانو! مشرک تو نرے نجس ہیں تو اس برس کے بعد (ادب و) حرمت والی مسجد (یعنی خانہ کعبہ) کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں اور اگر (ان کے ساتھ لین دین بند ہو جانے سے) تمکو مفلسی کا اندیشہ ہو (تو خدا پر بھروسا رکھو وہ) چاہے گا تو تمکو اپنے فضل سے غنی کر دیگا بیشک خدا (سب کی نیتوں کو) جانتا (اور) حکمت والا ہے۔

دوسری آیت سورۃ الانشراح میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا

سو بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ضرور ہے۔

تیسری آیت سورۃ الطلاق میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

گھبرانے کی بات نہیں، خدا تنگی کے بعد جلدی فراغت بھی کرے گا۔	سَیَجْعَلُ اللّٰہُ بَعْدَ عُسْرٍ یُسْرًا۔

ف

جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نافذ کیا کہ مشرکین گندے لوگ ہیں اب وہ کعبہ کے پاس تک نہ پھٹکنے پائیں تو بمقتضائے بشریت مسلمانوں کو اندیشہ ہوا کہ ایسی صورت میں لین دین بند ہو جائے گا تو کاروبار کو سخت نقصان پہونچے گا اور مسلمان جو پہلے ہی سے غربت و افلاس میں مبتلا ہیں اب اور تباہ ہو جائینگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس خدشہ کو خود ہی دور فرما دیا کہ ہمارا حکم مانو اور ہم پر بھروسا رکھو ہم تم کو بہت جلد مال و دولت دیکر ان مشرکوں کی معاملت سے مستغنی کر دیں گے۔

یہ پیشینگوئی جس طرح پوری ہوی تاریخی دنیا کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم تجارت ہی کے ذریعہ سے دولت و ثروت کے بالاترین درجہ پہونچ گئے۔ چنانچہ انہیں دولتمندوں میں سے ایک عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور شروع شروع بڑے افلاس و عسرت میں بسر کرتے تھے۔ پھر تجارت کے ذریعہ سے اللہ نے ان کو ایسا فارغ البال کیا کہ دشمن رشک و حسد سے جل مرے۔ ایک دفعہ انہوں نے زمین کا ایک عمدہ قطعہ چالیس ہزار دینار میں خریدا، اور پھر اس قطعۂ زمین کو راہ خدا میں دیدیا۔ ایک مرتبہ پانچسو عربی نژاد اصیل گھوڑے فی سبیل اللہ لوگوں پر تقسیم کر دئے۔ ۳۲ھ میں آپ نے انتقال کیا اور انتقال سے پہلے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد اصحاب بدر میں سے جتنے نفوس زندہ ہوں سب کو مال متروکہ

بحوالہ تاریخ الخمیس مطبوعہ مصر جلد ثانی خلافت عثمان بن عفان رض

میں سے چار چار سو دینار بطور نذر کے دئے جائیں جب آپ کا انتقال ہوگیا تو اہل بدر میں سے سو اصحاب موجود نکلے چنانچہ ہر ایک کو چار چار سو دینار دئے گئے۔

اس کے بعد بقیہ مال متروکہ سولہ حصوں پر تقسیم ہوا اور کوئی حصہ آٹھ لاکھ دینار سے کم کا نہیں تھا[1]- اسی ایک واقعہ سے دوسرے دولتمند اصحاب کی دولت و ثروت کا اندازہ بھی ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد جدہ اور صنعاء اور یمن کے بہت سے قبائل مسلمان ہوگئے۔ مشرکوں کے ساتھ لین دین کے بند ہو جانے سے جس نقصان کا اندیشہ تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے یوں دفع کر دیا ان امور کے علاوہ فتوحات اور مال غنیمت کے ذریعہ سے جسقدر دولت مسلمانوں کو ملی اس کا اندازہ دشوار ہے۔

ایسی ہی ایک پیشینگوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی جس کو امام مسلم نے

مسلم عن ابن عمرو بن العاص رضی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فتحت علیکم خزائن فارس والروم ای قوم انتم قال عبد الرحمن بن عوف نکون کما امرنا اللہ۔

ابن عمرو بن عاص رضی سے روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم پر روم و فارس کے خزانے کھل جائینگے تو تم کیسے لوگ ہوگے۔ عبد الرحمن بن عوف نے عرض کیا کہ ہم ویسے ہی ہونگے جیسا ہمکو اللہ نے حکم دیا ہے یعنی اسلامی اخلاق کے ساتھ۔

ف

جناب عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاص نے امیر المومنین کے حکم سے ایران پر لشکر کشی کی۔ شہر

[1] تاریخ الخمیس ۱۲

مدائن کو جو اس وقت بادشاہ کسریٰ کا پائے تخت تھا فتح کرلیا۔ یزدگرد بادشاہ ایران بھاگ کر رے کی طرف چلا گیا اور خاندان کسریٰ کا تمام خزانہ مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں آیا[1]۔

اسی عہد خلافت میں ایک واقعہ جلولا پیش آیا جس میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور غنیمت میں[2] تین کروڑ صرف درم و دینار ہاتھ لگے۔

اس کے علاوہ روم و فارس کے متواتر فتوحات میں سونے، چاندی، جواہرات وغیرہ کے قسم سے جو غنیمتیں مسلمانوں کی دولتمندی کا باعث ہوئیں ان کا احصار وحساب دشوار ہے۔

تاریخوں میں مسلمانوں کی فتوحات، غنائم فتح اور صحابہ کی دولتمندی و استغنار کا مفصل مذکور ہے عہد فاروق اعظم کے فتوحات اور ان کے انواع غنائم اور کثرت دولت کو مولوی شبلی نعمانی نے اپنی اردو کتاب "الفارق" میں شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے۔ ان تفصیلات کے لئے ناظرین کو انہیں کتب تواریخ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ یہ کتاب ان امور کی تفصیل کی متحمل نہیں ہوسکتی۔

پیشگوئی

(۵۹)

مسلمان اور اُن کے دشمنوں میں ملاپ ہو جائے گا

جیسا کہ سورۃ الممتحنہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

---

[1] الفاروق ۱۲۔ [2] تاریخ الخلفاء و تاریخ الخمیس۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۭ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ۔

عجب نہیں کہ اللہ تم میں اور کافروں سے جن کے ساتھ تمہاری (مذہبی) دشمنی ہے اُن میں دوستی پیدا کر دے اور اللہ (اس پر) قادر ہے۔

ف

بہت ایسے کفار جو کفر میں بہت سخت اور مسلمانوں کے جانی دشمن تھے صدق دل سے مسلمان ہو گئے اور اس طرح مسلمانوں سے اور اُن سے نہ صرف ملاپ بلکہ بھائی چارہ ہو گیا۔ انہیں جانی دشمنان اسلام میں ابوسفیان بن حرب۔ ابوسفیان بن حارث۔ حارث بن ہشام۔ سہیل بن عمرو۔ حکیم بن حزام۔ وحشی بن حرب قاتل حمزہ رض اور عکرمہ بن ابی جہل تھے جنہوں نے رسول خدا کی ایذا و تکلیف اور اسلام کے مٹانے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ پھر مسلمان ہوئے تو صدق دل سے ہوئے اور اسلام کو بہت کچھ فائدہ پہونچایا

ابوسفیان بن حرب

ان کا نام ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی قریشی کی ہے یہ مکہ کے شیخ اور قریش کے رئیس اشراف میں سے تھے۔ تجار قریش میں یہ بہت دولتمند تھے جاہلیت میں یہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے سخت دشمن تھے اور اس دشمنی میں تمام دشمنان اسلام اور اکابر قریش ان کی رائے کے تابع تھے۔ آخر فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے۔ غزوہ حنین و غزوہ طائف اور جنگ یرموک میں یہ لشکر اسلام کے جانباز بہادروں میں تھے چنانچہ جنگ طائف میں ان کی ایک آنکھ بھی ضائع ہو گئی۔

جنگ حنین کی فتح میں رسول اللہ صلعم نے ان کو مال غنیمت سے سو اونٹ اور
چالیس اوقیئے دیئے تھے۔ ۳۱ھ یا ۳۴ھ ہجری میں اٹھاسی برس کی عمر میں
انتقال فرمایا۔ ابوسفیان پہلے شخص تھے۔ جنہوں نے اسلام واہل اسلام کی طرفداری
میں اہل ردت سے مقابلہ کیا۔ اکثر مفسرین اس طرف ہیں کہ یہ آیت خاص ابوسفیان
ہی کی شان میں نازل ہوئی تو اس صورت میں یہ پیشینگوئی خاص ابوسفیان کے
مسلمان ہونے اور ان سے ملاپ ہونے کے متعلق ہوگی۔ لیکن درحقیقت اس
آیت کو ابوسفیان سے مخصوص کرنے کی کوئی خاص وجہ نہیں معلوم ہوتی بلکہ وہ بھی
اس پیشینگوئی کے تحت میں اُن لوگوں میں سے ایک ہیں جن کو اللہ تعالےٰ
نے اس آیت میں ارشاد فرمایا۔

ابوسفیانؓ کی بیٹی ام حبیبہ رضؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن
نکاح کیا اور وہ ام المومنین ہوئیں۔ اسی رشتہ سے حضرت امیر معاویہؓ بن ابی سفیان
کو خال مومنین کہا گیا ہے۔[۱]

ابوسفیانؓ بن حارث

بن عبدالمطلب۔ یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ہیں۔ حلیمہ نے
ان دونوں کو دودھ پلایا تھا۔ اصلی نام ان کا مغیرہ ہے۔ ایام جاہلیت میں یہ
رسول خدا صلعم کو ایذا پہونچاتے رہتے تھے اور چونکہ شاعر تھے پیغمبر خدا کی
ہجو کہا کرتے تھے اور انہیں کے جواب میں حسان بن ثابت شاعر نے وہ
دلآویز قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے

---

[۱] کتاب تہذیب الاسماء۔

هجوتَ محمداً فاجبت عنہ
وعند اللّٰہ فی ذاک الجزاء

آخر فتح مکہ کے بعد انہوں نے اسلام قبول کیا اور اسلام کے جانباز بہادر ثابت ہوئے جنگ حنین میں یہ رسول اللہ صلعم کے ساتھ تھے اور جس حال میں کہ بہت سے لوگ آپ کو میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے ابو سفیانؓ رسول کے گھوڑے کی لگام اور عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکاب تھامے ہوئے تھے۔ تا ایسا نہو کہ آپ دشمنوں کے نرغہ میں جا پڑیں اور دشمنوں سے کوئی ضرر پہونچ جائے امام حاکم محدث نے ہشام بن عروہؓ سے ابو سفیان کے مناقب میں یہ صحیح حدیث روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے ابو سفیان سید فتیان اہل الجنۃ یعنی ابو سفیان جنت کے جوانمردوں کا سردار ہے بایں ہمہ ابو سفیان کی حمیت و حیا کو دیکھو کہ حالت کفر میں جو رسول اللہ کی ہجو کی اور آپکو ایذا پہونچائی تھی۔ اسی شرم سے مرتے دم تک رسول سے چار آنکھیں نہیں کیں [۱] ۱۵ھ یا ۲۰ھ ہجری میں انتقال فرمایا اور حضرت فاروق اعظمؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

حارث بن ہشام

بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم۔ یہ ابو جہل کے بھائی اور حضرت خالدؓ بن ولید سیف اللہ کے ابن عم ہیں۔ ان کی ماں فاطمہ بنت الولید تھیں۔ اشراف عرب میں ایک معزز اور موقر سردار تھے۔ کعب بن اشرف یہودی ان کی شدت کفر کی وجہ سے ان کی بہت تعریف کیا کرتا تھا۔ جنگ بدر اور جنگ احد وغیرہ میں یہ

---

[۱] کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ۔

لشکر کفار و مشرکین کے ساتھ تھے۔ بہت سے مسلمانوں نے ان کے ہاتھ سے جام شہادت پیا مگر بدر میں اور کفار کے ساتھ انہوں نے بھی پیٹھ دکھائی تھی۔ حارث بن ہشام فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور سچے مسلمان ہوئے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں اپنے اہل و عیال سمیت، مکہ سے نکلکر شام کی طرف چلے گئے اور ان کے ساتھ بہت سارے اہل مکہ نے وطن سے ہجرت کی۔ اس کے بعد مرتے دم تک حارثؓ شام ہی میں رہے۔ اسلام لانے کے بعد اکثر غزوات میں یہ شریک رہے اور میدان جنگ میں جب دشمن سے مقابلہ ہوتا تو یہ رجز پڑھتے تھے سے انی برب والنبی مومن۔ والبعث من بعدالممات موقن۔ اقبح لشخص للحیواۃ موطن۔

تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ واقدیؒ نے لکھا ہے کہ طاعون عمواس میں فوت ہوئے اور مدائنی نے لکھا ہے کہ جنگ یرموک میں شہید ہوئے[۱]۔

سہیل بن عمروؓ

ان کا نام و کنیت ہے ابو یزید سہیل بن عمرو بن عبد شمس بن عبد ود بن نصر بن حسل بن عامر بن لوی بن غالب قریشی العامری۔ ان کا شمار سادات قریش اور بڑے ذی رتبہ اشراف عرب میں ہے۔ جنگ بدر میں اسلام کے خلاف انہوں نے بڑی جانبازیاں دکھائی تھیں لیکن آخر مسلمانوں نے ان کو گرفتار کر لیا اور فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے سعید بن مسلم کا مقولہ ہے کہ جو اکابر قریش فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے ان سب میں سہیل بن عمرو سے بڑھ کر کثیر الصلوٰۃ اور صائم الدہر کوئی نہ تھا یہاں تک کہ روزے رکھ رکھ کے رہتے رہتے اور کثرت نماز سے دبلے ہوگئے اور چہرہ کا رنگ بدل گیا صدقہ و خیرات بہت دیتے تھے۔ لایعنی کام سے دور رہتے اور آدمی بہت

[۱] کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ

رقیق القلب تھے جنگ یرموک میں اہل وعیال کو لیکر جہاد کے لئے نکلے اور اسی جنگ میں شہید ہوئے بعض کا خیال ہے کہ طاعون عمواس میں ۱۸ھ میں انتقال کیا۔[۵۱]

حکیم بن حزام

ابو خالد حکیم بن حزام بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب قریشی اسدی مکی واقعہ فیل سے تیرہ برس پہلے مکہ معظمہ میں خاص کعبہ کے اندر پیدا ہوئے۔ بہت خوش بیان اور اعیان عرب کے مرجع وماوی تھے۔ جنگ بدر میں کفار کے سرگروہ تھے۔ ساٹھ برس کی عمر میں فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور ساٹھ برس حالت اسلام میں زندہ رہ کر (۱۲۰) برس کی عمر میں ۵۴ھ میں بمقام مدینہ انتقال فرمایا۔

سعید بن مسیب۔ عروہ بن الزبیر۔ عبد اللہ بن الحارث۔ موسیٰ بن طلحہ۔ حزام بن حکیم بن حزام۔ صفوان بن محمد۔ مطلب بن حنطب۔ یوسف بن ماہک۔ محمد بن سیرین رضی اللہ عنہم ان سے حدیثیں روایت کرتے ہیں۔

یہ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں سردار قریش اور مرجع انام عرب رہے جنگ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سو اونٹ مال غنیمت سے دئے تھے۔ ایک بار یہ حکیم بن حزام سو بدنہ لیکر حج کرنے گئے اور سب کی گردنوں میں چاندی کے طوق پڑے تھے حج کے بعد ہزار بکریاں خیرات کیں۔[۵۲]

---

[۵۱] کتاب تھذیب الاسماء۔

[۵۲] کتاب تھذیب الاسماء۔

عکرمہ

بن ابی جہل عمرو بن ہشام بن المغیرہ بن عمرو بن مخزوم - یہ ابو جہل جیسے دشمن اسلام
کے فرزند اور اپنے باپ کی طرح خود بھی اسلام کی دشمنی میں نہایت سخت تھے بارہا
بذات خود رسول اللہ سے مقابلہ کیا اور بہت سے مسلمانوں کو روز بد دکھایا۔ جنگ
بدر میں یہ مشرکوں کی لشکر کے سردار تھے۔ جب معاذ بن عمرؓ کے ہاتھ سے ابو جہل کی
ٹانگ زخمی ہوی تو انہوں نے باپ کی حمایت میں معاذ کو چشم زخم پہونچائی تھی۔
آخر فتح مکہ کے دن ۸ھ میں مسلمان ہوئے اور جس طرح حالت کفر میں اسلام کو
نقصان پہونچانے میں سرگرم رہے اسی طرح حالت اسلام میں مسلمانوں کے جان نثار
دوست بن گئے اور کفر کے مٹانے میں جانبازیاں دکھاتے رہے۔
اسلام لانے کے بعد مدینہ منورہ چلے آئے اور تمام غزوات میں اسلام کی پشت و
پناہی کرتے رہے۔
جناب ابوبکر رضہ نے مرتدوں سے قتال کرنے کے لئے ان کو مامور کیا چنانچہ
جب سردار لشکر سے ان کا مقابلہ ہوا تو ہنگام مقاتلہ اس سے فرمایا کہ کمبخت!
میں نے کفر کی حالت میں بارہا رسول خدا کا مقابلہ کیا ہے۔ اب مسلمان ہو کر آج
تیرے زور و قوت سے نہیں ڈر سکتا۔ اس کے بعد جناب صدیق رضہ نے
یمن کی طرف بھیجا اور وہاں سے مظفر و منصور واپس آئے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سال وفات میں عکرمہ کو صدقات ہوازن کا
عامل مقرر کیا تھا۔ آخر جنگ یرموک میں شہید ہوئے اور ۱۵ھ میں امیکوادیس تھے
غرض عکرمہ بن ابی جہل نے شیطان کے گھر میں ولی کی پیدا ہونے کی مثل کو
صحیح ثابت کر دیا [1]

[1] کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ۔

وحشی بن حرب

وحشی بن حرب، جبیر بن مطعم کا حبشی غلام تھا جو طائف کے ایک وفد کے ساتھ مدینہ پہونچا تھا۔ جنگ بدر میں جب طعیمہ بن عدی بن خیار حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے تلوار کے گھاٹ اترا تو اس کے بھتیجے جبیر بن مطعم نے وحشی کو حمزہ کے قتل پر آمادہ کیا۔ جنگ احد میں جناب حمزہ، لشکر اسلام سے سباع نامی مشرک کے مقابلہ کے لئے نکلے ہنوز مقابلہ کی نوبت نہیں آئی تھی کہ وحشی جو ہمیشہ حمزہ رضہ کی تاک میں لگا رہتا تھا اور اس وقت ایک پتھر کے آڑ میں چھپا کھڑا تھا موقع پا کر کمین گاہ سے باہر نکلا اور پیچھے سے حالت بیخبری میں تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ حمزہ رضہ وہیں جاں بحق تسلیم ہوگئے۔ قتل حمزہ کے بعد وحشی عرصہ تک مکہ معظمہ میں سکونت پذیر رہا۔ جب وہاں اسلام پھیلنے لگا تو دوسرے کفار کے ساتھ طائف چلا آیا اور پھر صدق دل سے مسلمان ہوگیا۔

جب وحشی کو رسول اللہ صلعم کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے پوچھا کیا تو ہی وحشی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے پوچھا کیا تو نے ہی حمزہ کو قتل کیا؟ وحشی نے کہا اس بارہ میں جو کچھ حضور نے سنا ہے وہ سچ ہے۔ تب آپ نے فرمایا اچھا اگر تجھ سے ہوسکے تو اپنا چہرہ مجکو نہ دکھانا[۱]۔

اس کے بعد آپ نے کبھی وحشی کے چہرہ کی طرف نظر نہیں کی۔

جناب حمزہ، رسول خدا کے حقیقی چچا۔ دودہ شریکی بھائی با حمیت محسن اور اسلام کے اتنے بڑے بہادر ہیرو تھے کہ آپ نے انہیں شیر خدا کا لقب عنایت فرمایا

---

[۱] صحیح بخاری کتاب المغازی باب قتل حمزہ ۱۲۔

ایسے پیارے چچا کے مارے جانے کا جس قدر صدمہ آپ کو ہوا وہ اسی سے ظاہر ہے کہ باوجود وحشی کے مسلمان ہو جانے کے آپ اس قاتل کی صورت دیکھنے کی تاب نہ لاسکتے تھے۔ آپ نے اسلام کے بعد کبھی وحشی کو ملامت نہیں کی نہ اس کو قابل ملامت سمجھا کیونکہ قتل حمزہ کی ناگوار حرکت اس سے حالت کفر میں سرزد ہوئی تھی جو اسلام لانے اور توبہ کرنے کے بعد تمام گناہوں کی طرح نسیاً منسیاً ہوگئی۔

یہ آپ کے فرط محبت ا رقت قلب اور مقتضائے بشریت سے تھا جو قاتل حمزہ کی صورت نہ دیکھ سکتے تھے اور اس لئے خود اسی سے فرمادیا کہ ہوسکے تو اپنا منہ مجکو نہ دکھانا۔

وفات رسول کے بعد مسیلمہ کذاب نے دعوی نبوت کے ساتھ خروج کیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کے استیصال کے لئے لشکر روانہ کیا تو وحشی خود بھی اس لشکر کے ہمراہ ہوگیا اور مسیلمہ کذاب اسی کے زبردست ہاتھوں سے جہنم واصل ہوا[۱]۔

اس کے بعد وحشی اکثر کہا کرتا تھا کہ میں نے حالت کفر میں ایسے شخص کو قتل کیا جو اسلام کے بہترین نفوس میں سے تھا۔ پھر دائرہ اسلام میں داخل ہوکر ایسے شیطان کو مردانہ وار مارا جو شیطانوں میں سب سے بدتر تھا۔

وحشی جنگ یرموک میں شریک تھا۔ پھر شہر حمص میں متوطن ہوا اور وہیں حضرت عثمان رضہ کے عہد خلافت میں انتقال کیا۔

حرب بن وحشی بن حرب۔ عبد اللہ بن عدی بن خیار اور جعفر بن عمرو بن امیۃ الضمیری

---

[۱] کتاب الاصابۃ فی تمیز الصحابہ ۱۲۔

اس سے حدیث کی روایت کرتے ہیں[1]۔
غرض ان سات نفوس کے علاوہ اور بہت سے لوگ ہیں جو سخت کفر کے بعد سچے مسلمان ہو گئے اور مسلمانوں سے جو ان کو دشمنی تھی وہ دوستی و ملاپ سے بدل گئی۔ اس پیشگوئی کے ثبوت صحت کے لئے اتنا ہی لکھنا کافی ہے اور تفصیل کے لئے کتب تواریخ مالامال ہیں۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جتنے کفار مسلمان ہوئے یہ پیشگوئی ان سب سے متعلق ہے

پیشگوئی

(۶۰)

فتح مکہ تک ان کفار پر یا اُن کے آس پاس کوئی نہ کوئی آفت آتی رہیگی

جیسا کہ سورۃ الرعد میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

ولا یزال الذین کفروا تصیبھم بما صنعوا قارعۃ او تحل قریبًا من دارھم حتی یاتی

اور جو لوگ (اسلام سے) منکر ہیں (یعنی کفار مکہ) اُن کو اُن کے کرتوت کی سزا میں (کوئی نہ کوئی) مصیبت بھی ہو ہی رہیگی۔ (جو ان سب کو کھڑکھڑاتی رہیگی)

[1] کتاب الاصابۃ ۱۲۔

وَعْدُ اللّٰهِ۔

یا ان (کو تہ پہونچیگی تو ان کے رہنے) کی بستی کے آس پاس آنازل ہوگی یہاں تک کہ خدا کا (آخری) وعدہ (فتح مکہ) آپورا ہو۔

ف

مطلب یہ ہے کہ دشمنان اسلام اپنی بدکرداریوں کی پاداش میں امن وچین سے تو نہیں بیٹھنے پائیں گے یا خود اُن پر کوئی نہ کوئی مصیبت نازل ہوتی رہے گی یا اُن کے آس پاس کے لوگوں پر یہاں تک کہ ایک دن اسلام کو پورا غلبہ ہو گا جس کا خدا نے وعدہ کر رکھا ہے اور ایسا ہی ہوا کہ بہادران اسلام آخر خود شہر مکہ پر جا قابض ہوئے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ معظمہ میں تشریف فرما رہے۔ اسلام پنپنے نہیں پایا۔ مسلمان ہمیشہ مقہور ومغلوب اور کفار غالب رہے۔ ہجرت کے بعد مدینہ آئے پیچھے مسلمانوں کو قوت ہوتی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اردگرد کے کفار سے چٹ پٹ مقابلہ کرنے لگے اور یہ سلسلہ برابر زور پکڑتا گیا یہاں تک کہ مکہ بھی فتح ہو گیا۔

آیت مذکورہ مکی ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ اس میں یہ پیشنگوئی کی گئی کہ کفار پر ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصیبت آتی رہے گی اور ان کے آس پاس کے لوگوں کو ہمیشہ زخم نقصان پہونچتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ فتح مکہ پورا ہو۔ اور ایسا ہی ہوا کہ کفار مکہ اور ان کے اردگرد کے لوگ کبھی چین سے نہیں بیٹھنے پائے۔ کبھی قحط کی قیامت خیز مصیبت میں گرفتار ہوئے۔ کبھی جنگ میں جانوں کا نقصان دیکھا کبھی مال ودولت کا خسارہ اٹھایا کبھی مغلوب ہو کر قید ہوئے کبھی لونڈی غلام بنے۔ کبھی فدیہ دیکر جانیں چھڑائیں۔ اور آس پاس کے لوگوں پر جو آئے دن

مسلمانوں کی جو لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں اُن بُرے دنوں کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں مثلاً جنگ ابوار۔ جنگ بواط۔ جنگ عشیرہ۔ قرقرۃ الکدر۔ بدر صغریٰ۔ بدر کبریٰ سویق۔ غطفان۔ بنی قینقاع۔ رجیع۔ بیر معونہ۔ بنی سلیم۔ رعل۔ احد۔ ذکوان۔ خندق۔ ذات الرقاع۔ بنی المصطلق۔ انمار۔ ذات قرو۔ خیبر سریہ زید بن حارثہ۔ سریہ عبد اللہ بن رواحہ وغیرہ وغیرہ کہ ان چھوٹی بڑی جنگوں نے دشمنان اسلام کو کبھی آرام نہ لینے دیا اور کفار مکہ کے تو چھکے چھڑا دئے۔ ان جنگوں کے تفصیلی حالات کتب تواریخ میں دیکھنے چاہئیں۔

پیشنگوئی

(۶۱)

اللہ تم (یعنی محمدؐ) کو مکہ پھر پہونچا کر رہے گا

جیسا کہ سورۃ القصص میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَادُّکَ اِلٰی مَعَادٍ۔

اے پیغمبر! وہ خدا جس نے (احکام قرآن (کی تعمیل) کو تم پر فرض کیا ہے وہ ضرور تمکو تمہارے وطن تک پہونچا کر رہے گا۔

ف

عرب کی مشہور ضرب المثل ہے معاد الرجل بلدہ ومعادہ یعنی ہر شخص کا شہر وطن اس کا معاد ہے۔ معاد کے معنی ہیں لوٹنے کی جگہ چونکہ انسان ہمیشہ

پھر پھرا کر اپنے وطن ہی کو لوٹتا ہے اس لئے وطن کو معاد کا موزوں لقب دیا گیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر سے پیشینگوئی فرمائی تاکہ اے محمد! اسوقت اگرچہ تم کو کافروں کے ظلم سے بمجبوری مکہ سے ہجرت کرنی پڑی۔ لیکن ایک دن تم اس شہر میں ضرور واپس آؤ گے۔

سورۃ القصص تمام مکی ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی مگر یہ آیت نہ مکی ہے نہ مدنی ہے بلکہ مقام جحفہ میں نازل ہوئی جو مکہ اور مدینہ کے بیچ میں واقع ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آکر دیس چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور غار سے نکلکر مدینہ کا ارادہ کیا تو اس خیال سے کہ کہیں تعاقب کرنے والے دشمنوں کو پتہ نہ لگے آپ نے شاہراہ چھوڑکر غیر آباد رستہ اختیار کیا۔

جب مقام جحفہ میں پہونچے جو مکہ اور مدینہ کے بیچ میں واقع ہے اور جہاں سے دو سیدھے راستے مکہ اور مدینہ کو جاتے تھے تو مکہ کا رستہ دیکھکر پیغمبر خدا کو وطن یاد آگیا اور بے اختیار دل میں آیا کہ مکہ چلیں۔ اُسی وقت یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے پیشینگوئی فرمائی کہ ہم ایک دن تمکو تمہارے دیس میں ضرور پہونچا دینگے اس پیشینگوئی سے رسول خدا کی تسکین ہوگئی اور پھر یہاں سے مدینہ منورہ کیطرف تشریف لیگئے۔ یہ پیشینگوئی جس دھوم سے پوری ہوئی وہ کسی صراحت کی محتاج نہیں ہے۔ دشمنان اسلام اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہی رہے مگر ایک تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ آخر خدا کا پیغمبر اپنے کثیر التعداد صحابہ اور جانباز مہاجرین بہادروں کے ساتھ اپنے وطن مکہ میں جا ہی پہونچا۔ خدا کی پیشینگوئی پوری اُتری۔ دشمنوں کا منہ کالا ہوا۔

پیشنگوئی

(۶۲)

بیعۃ الرضوان والے مسلمان ہمیشہ ایمان پر قائم رہینگے

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ الفتح میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِہِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْہِمْ وَاَثَابَہُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا

(اے پیغمبر!) جب مسلمان (ایک کیکر کے) درخت کے تلے تمھارے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے خدا یہ دیکھکر اُن مسلمانوں سے خوش ہوا، اور اس نے ان کے دلی عقیدت کو جان لیا اور اُن کو اطمینانِ قلب عنایت کیا اور (اس کے) بدلہ میں ان کو سرِدست ایک فتح دیدی

دوسری آیت اسی رکوع کے آخر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِہِمُ الْحَمِیَّۃَ حَمِیَّۃَ الْجَاہِلِیَّۃِ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ

جب کافروں نے اپنے دل میں ضد ٹھان لی (اور ضد بھی زمانہ) جاہلیت کی سی ضد تو اللہ نے اپنے رسول اور مسلمانوں کو اپنی طرف سے (تحمل و) اطمینان (قلب) عنایت کیا اور اُن کو

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔	پرہیزگاری کی بات پر جمائے رکھا اور وہ اس کے سزاوار اور لائق بھی تھے اور اللہ تو ہر چیز سے واقف ہے

ف

سنہ ہجری میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مدینۂ منورہ سے حج عمرہ کا قصد کرکے مکۂ معظمہ کو روانہ ہوئے۔ حدیبیہ میں جو مکہ معظمہ سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے پہونچکر ڈیرہ ڈالا۔ حراس بن امیہ خزاعی کو قاصد بناکر رؤسائے مکہ کے پاس بھیجا کہ ہم تم سے لڑنے نہیں آئے۔ صرف بیت اللہ کی زیارت کریں گے اور مکہ کے متبرک مقامات کو دیکھکر واپس چلے جائینگے۔ تم ہم سے متعرض نہ ہوا ور برسر پرخاش نہ آؤ۔ مگر متعصب مکیوں نے ایلچی کا کچھ پاس نہ کیا۔ رسول اللہ کی اونٹنی جس پر حراس چڑھکر گیا تھا اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ حراس بھی قتل ہو گیا ہوتا مگر نہیں ٹوٹ پڑنے والوں میں کچھ لوگ ان کے ایام جاہلیت کے دوست تھے انہوں نے بچالیا۔

حراس جان بچاکر افتاں وخیزاں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے کل کیفیت سنکر فاروق اعظم کو طلب کیا اور ان سے پیغام لیجانے کو فرمایا۔ انھوں نے جواب دیا۔ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں مجکو جانے میں کوئی عذر نہیں ہے لیکن آپ کو معلوم ہے کہ قبیلۂ عدی بن کعب کا بچہ بچہ میرے خون کا پیاسا ہے اور قریش مجھپر خار کھائے بیٹھے ہیں۔ میں جاکر اسلام پر قربان بھی ہو جاؤں گا کام بھی نہ نکلیگا۔ ہاں عثمان بن عفان رضہ مکیوں میں ایک خاص وجاہت رکھتے ہیں ان کے قرابتدار بھی مکہ میں زیادہ ہیں۔ وہ جائیں تو البتہ کام بن جانے کی امید ہے

غرض عثمان ذی النورین رضہ کو قاصد بناکر شرفائے مکہ کے پاس بھیجا گیا۔ سواد شہر کے پاس حضرت عثمان کو سعید بن ابی العاص کا بیٹا ابان ملا۔ وہ عثمان کو دیکھتے ہی اپنی اونٹنی پر سے اتر پڑا۔ عثمان کو اونٹنی پر بیٹھا لیکر اپنی پناہ میں لیکر مکہ آیا۔

حضرت عثمان نے عمائد قریش کے مجمع میں حاضر ہو کر رسول خدا صلعم کا پیغام پہونچایا۔ معززین قریش نے جواب دیا کہ عثمان! تم اگر طواف بیت اللہ کرنا چاہو تو شوق سے کرلو۔ آپ نے فرمایا جب تک رسول اللہ صلعم طواف نہ کرلیں میں ہرگز طواف نہیں کرونگا۔ یہ جواب سن کر ابوسفیان کی رائے سے آپ کو نظر بند کرلیا گیا۔

ادھر رسول اللہ صلعم کے لشکر میں یہ افواہ اڑی کہ عثمان کو تو مکہ والوں نے قتل کر ڈالا رسول اللہ صلعم نے بلند آواز سے فرمایا کہ اگر عثمان قتل ہوگئے تو ہم اُن کے خون کا بدلہ لئے بغیر تلوار کو میان میں نکریں گے اور یہ فرماکر کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ اردگرد تمام صحابہ رضہ جو تعداد میں چودہ سو تھے جمع ہوگئے۔ سب نے رسول اللہ صلعم کے ہاتھ پر اس امر کی بیعت کی کہ ہم اس جنگ میں لڑائی سے منہ نہ پھیرینگے۔ پیٹھ نہیں دکھائینگے۔ یا تو قریش کو اپنی تلواروں کے گھاٹ اتارینگے یا خود ہمارے ہی خون سے زمین رنگین ہوگی۔

یہی بیعت بیعۃ الرضوان کے نام سے مشہور ہوی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان صحابہ کو خوشخبری دی کہ ہم تمہارے اس بیعت سے راضی ہوگئے پس یہ آیت لقد رضی اللہ عن المومنین دلالت کرتی ہے کہ کل وہ تمام صحابہ جو تعداد میں (۱۴۰۰) تھے اور جنھوں نے کیکر کے درخت کے نیچے رسول خدا کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، مغفور ہیں پھر خدا جن نفوس کو اپنی خوشنودی کی بشارت دے وہ کیوں نہ مغفور ہوں۔

غرض اہل اسلام کا یہ جوش و خروش دیکھ کر اہل مکہ نے سہیل بن عمرو کو مصالحت کیلئے بھیجا ادہر حضرت عثمان کے مارے جانے کی خبر بھی غلط نکلی، رسول خدا نے مصالحت کو مقاتلت پر ترجیح دی اور بڑی گفت و شنید کے بعد ان شروط پر صلحنامہ مرتب ہوا کہ :-

(۱) دس برس تک مسلمانوں میں اور قریش میں جنگ موقوف رہے۔

(۲) اس سال پیغمبر خدا بغیر حج عمرہ کئے لوٹ جائیں۔

(۳) اگلے سال حج یا عمرہ کریں مگر اس طرح کہ شہر مکہ میں کوئی مسلماں ہتیار نہ لگائے

(۴) دوران صلح میں اگر کوئی مسلمان کفار قریش سے جا ملے تو قریش اسکو واپس ندیں اور قریش کا کوئی آدمی مسلمان ہو کر مسلمانوں میں چلا آئے تو وہ ان کو واپس دیدیا جائے۔

یہ صلح پیغمبر خدا نے بہت دب کر کی اور مسلمانوں کی بڑی دلشکنی کا باعث ہوئی جو کسی طرح ایسی مصالحت کو پسند نکرتے تھے چنانچہ حضرت عمر فاروق اعظم سے ضبط نہ ہوسکا۔ انہوں نے بڑھ کر بیتابانہ رسول اللہ صلعم سے پوچھا، یا رسول اللہ! کیا آپ خدا کے رسول برحق نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا بیشک ہوں۔ عمرؓ نے پوچھا کیا ہم حق پر اور کفار باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا ایسا ہی ہے۔ تب حضرت عمرؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ایسا ہے تو پھر آپ ایسی عاجزانہ صلح کیوں کرتے ہیں! آپ تو فرماتے تھے کہ ہم مکہ میں داخل ہوں گے اور بیت اللہ کا طواف کریں گے۔ رسول اللہ نے فرمایا سچ ہے، میں نے ایسا ہی کہا تھا اور ایسا ہی ہوگا تم لوگ اس سال ضرور بیت اللہ کا طواف کروگے اور اللہ ہمارا سچا حامی و مددگار ہے۔

بعض منافقین اس صلح پر یہ شبہ کرتے تھے کہ اگر خدا اسلام کا حامی ہوتا تو صلح

یوں دبکر نہ کی جاتی اور کچھ لوگ شروع ہی سے پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کو یقین تھا کہ اہل مکہ ان مسلمانوں کو گھسنے نہ دیں گے اور ایسا ہی ہوا لیکن ؎

نکرہر کس بقدر ہمت اوست

حدیبیہ کی صلح بظاہر دب کر ہوی تھی مگر درحقیقت اس میں مسلمانوں کی بڑی جیت تھی کہ ابتدائی حالت میں آئے دن کی لڑائی اُن کو پنپنے نہیں دیتی تھی۔ دوسرے معلوم تھا کہ قریش کی طرف سے ضرور بد عہدی ہوگی اور ہوی بھی کہ بنی خزاعہ اور بنی بکر دو قبیلے تھے بنی خزاعہ مسلمانوں کے طرفدار اور بنی بکر قریش کے تو صلح کے روسے ان دونوں قبیلوں کو بھی شرائط صلح کی پابندی لازم تھی مگر یہ دونوں لڑے اور قریش نے درپردہ بنی بکر کی مدد کی۔

حدیبیہ کی صلح ٹوٹ گئی۔ مسلمانوں کو حجت ہاتھ آئی اور مکہ پر چڑھ دوڑے۔ مکہ بے لڑائی فتح ہوا۔

لطیفہ

ابھی سہیل بن عمرو موجود تھا اور صلحنامہ اچھی طرح مرتب بھی نہیں ہوا تھا کہ سہیل بن عمرو کا بیٹا ابوجندل دوڑا ہوا آیا اور رسول خدا صلعم کے سامنے گر کر کہنے لگا کہ یا رسول اللہ! میں مسلمان ہو گیا ہوں قریش مجھکو گرفتار کرنا چاہتے ہیں للہ مجھکو ان کفار کی ایذاؤں سے پناہ دیجئے۔ رسول اللہ کچھ جواب دینے نہیں پائے تھے کہ سہیل بن عمرو نے کہا اے محمد! یہ پہلا واقعہ ہے اور میں آپ کو شرائط صلح یاد دلاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں نقض عہد نہیں کرونگا تمکو اختیار ہے جسطرح چاہو ابوجندل کو لیجاؤ۔ یہ سنکر ابوجندل چلایا اے گروہ اہل اسلام! کیا ایک ایسے شخص کو جو مسلمان ہو کر تمہاری پناہ میں آیا ہے

تم پھر اس کو مشرکین کے حوالے کرتے ہو تاوہ عذابوں میں مبتلا ہو؟ ابو جندل کی فریاد سے متاثر ہو کر صحابہ میں حرکت پیدا ہوئی مگر رسول اللہ نے صاف جواب دیدیا کہ صلح مرتب ہو چکا ہے اب ہم شرائط صلح کے خلاف نہیں کر سکتے اللہ تمہارا حافظ ہے۔ رسول اللہ کے جواب پر صحابہ خون کے گھونٹ پیکر چپ رہ گئے اور اس کے بعد آپ سب کو لیکر مدینہ چلے آئے چند ہی دن گذرے تھے کہ قریش میں کا ایک اور شخص ابو بصیر نامی مسلمان ہوا۔ اور قریش کے خوف سے بھاگ کر مدینہ چلا آیا۔ مکہ والوں نے اس کے پیچھے دو سپاہی دوڑائے جنہوں نے مدینہ پہنچکر مسلمانوں سے مطالبہ کیا کہ شرائط صلح کے مطابق ہمارا مفرور ہمکو واپس کر دو۔

رسول اللہؐ نے ابو بصیر کو بلا عذر ان کے حوالے کر دیا وہ دونوں، ان کو اپنی حراست میں لیکر مکہ کو روانہ ہوئے مقام ذی الحلیفہ میں پہنچکر سپاہی ناشتہ کرنے لگے۔ ابو بصیر نے راستہ ہی میں سپاہیوں پر اپنا اعتبار جما دیا تھا یہاں جب وہ دونوں کھجوروں کے کھانے میں مصروف ہوئے تو تھوڑی دیر اِدھر اُدھر کی گپ شپ کر کے ایک سپاہی کی تلوار پر نظر جمائی اور تعجب کے طور پر کہا کہ بھئی؟ تمہاری تلوار تو بہت عمدہ معلوم ہوتی ہے سپاہی اپنی تلوار کی تعریف سُنکر خوش ہو گیا فوراً تلوار کو میان سے کھینچ لیا۔ اور ابو بصیر کو دکھا کر کہنے لگا' یہ دیکھو' ایسی جوہر دار تلوار کم لوگوں کے پاس ہوگی اور اسی لئے میں اس کو بہت عزیز رکھتا ہوں ابو بصیر نے متحیر صورت بنا کر ہاتھ بڑھایا کہ ذرا میں نزدیک سے تو دیکھوں سپاہی نے جوش میں آکر برہنہ تلوار ہاتھ میں دیدی۔ ابو بصیر نے ہاتھ میں تلوار پاتے ہی آؤ دیکھا نہ تاؤ ایک بھرپور ہاتھ ایسا مارا کہ سپاہی کا سر تن سے جدا ہو کر دور جا گرا دوسرا سپاہی یہ تماشہ دیکھکر ایسا بدحواس ہوا کہ فوراً سر پہ پاؤں رکھکر مدینہ کی طرف بھاگا رسول اللہ صلعم سے اپنے رفیق کے قتل کا واقعہ بیان کر رہا تھا کہ ابو بصیر آپہنچے انھوں نے خوشی خوشی

عرض کیا، کہ یا رسول اللہ! اللہ نے آپ کے ذمہ کو پورا کر کے مجھکو پھر آپ کی خدمت
میں لوٹا دیا۔ رسول اللہ صلعم بھی اس سے خوش ہوئے مگر آپ کی باتوں سے ابو بصیر
کو محسوس ہوا کہ اگر قریش نے پھر مطالبہ کیا تو شرائط عہد کی رو سے آپ پھر ان کے حوالے
فرماویں گے اس خوف سے اندیشہ ناک ہو کر وہ خود ہی مدینہ سے بھاگے اور سمندر
کے کنارے ایک محفوظ مقام میں پوشیدہ ہو رہے اُدھر مکہ میں لوگ از خود مسلمان
ہونا شروع ہوئے اور جو شخص مسلمان ہوتا کفار کا خوف کر کے مکہ سے بھاگتا اور پھرتا
پھراتا ابو بصیر سے جا ملتا۔ رفتہ رفتہ ان پناہ لینے والوں کی ایک معتد بہ جماعت
ہو گئی اور انھوں نے پر پرزے نکال کر آئندہ روند کفار کو لوٹنا شروع کیا۔ قریش کا
جو قافلہ تجارت شام کی طرف جاتا یا شام کی طرف سے آتا یہ لوگ اس کو بیچ ہی میں
لوٹ لیتے آخر ان نو مسلموں کی لگاتار لوٹ مار نے قریش کی ناک میں دم کر دیا
اور ان کو لینے کے دینے پڑ گئے مجبور ہو کر مکہ والوں اور قریش نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے فریاد کی اور آپ نے قریش پر رحم کر کے ان نو مسلموں کو امان کے
ساتھ اپنے پاس بلا لیا۔ *

رسول اللہ صلعم نے جو دبکر صلح کی جس پر صحابہ کو ضرورت سے زیادہ ملال ہوا اور
منافقین مغلوبانہ صلح سمجھکر بغلیں بجانے لگے اس میں یہی حکمت مضمر تھی رسول خدا پر آپکی
روحانی قوت نے منکشف کر دیا تھا کہ کفار قریش جو شرائط صلح پیش کر رہے ہیں وہ
آئندہ خود انہیں کے حق میں وبال و مصیبت ہو جائیں گے اور ویسا ہی ہوا۔

فتح قریب سے یا تو یہی صلح حدیبیہ مراد ہے جو واقعی فتح باطنی تھی یا وہ فتح مراد ہو
کہ حدیبیہ میں جب گفت و شنید صلح کی ہونے لگی تو ابھی صلح کا معاملہ درپیش تھا کہ

---

* مسند احمد۔ عبد بن حمید۔ ابو داؤد۔ نسائی۔ مسند عبد الرزاق ۱۲

کفار قریش کے ستر اسی آدمی مسلمانوں پر چھاپہ مارنے کے ارادہ سے جبل تنعیم کی راہ اُتر آئے۔ مسلمان تو اُوٹے ہوئے بیٹھے تھے ان سب کو گرفتار کر لیا یہ بھی ایک قسم کی فتح ہی تھی جو اس آیت میں مراد ہے لیکن پیغمبر خدا نے اپنی خلقی مہربانی سے ان سارے قیدیوں کو رہا کر دیا +

یہ تو بیعۃ الرضوان کا مکمل واقعہ تھا جو پیشینگوئی کے ضمن میں بیان کیا گیا اصل پیشینگوئی یہ ہے کہ جن مسلمانوں نے حدیبیہ کے دن درخت کے نیچے رسول اللہ صلعم کے ہاتھ پر بیعت کی وہ سب کے سب مرتے دم تک اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قایم رہینگے یہ پیشینگوئی پہلی آیت کے جملہ عَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فانزل السکینۃ سے نکلتی ہے یعنی اللہ نے ان کے دلی عقیدت کو جان لیا کہ وہ اسلام میں سچے ہیں۔ ایمان سے پھرنے والے نہیں ہیں اور ان سے راضی ہو گیا اور ان کو اطمینان بخشا۔

دوسری آیت کے الفاظ وَ اَلزَمَهُمْ کلمۃ التقویٰ ۔ نے اس امر کی صاف طور پر صراحت کر دی یعنی اللہ نے ان مسلمانوں کو پرہیز گاری کی بات پر جمائے رکھا یہ پیشینگوئی پوری ہوئی کہ ان چودہ سو نفوس طاہرہ میں سے کوئی فرد اسلام کی سرحد سے باہر نہیں ہوا نہ مرتے دم تک کسی کا قدم اس راہ سے ذرا ہچلا۔

پیشینگوئی

(۶۳)

خیبر کی فتح

+ مسند احمد و ابو داؤد۔

اور اسی مذکورہ بالا آیت کا ٹکڑا ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّأْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا

(اے پیغمبر!) جب مسلمان (کیکر) کے درخت کے تلے تمہارے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے خدا (یہ دیکھکر) اُن مسلمانوں سے خوش ہوا اور اُس نے ان کی دلی عقیدت کو جان لیا اور انکو اطمینان (قلب) عنایت کیا اور (اسکے) بدلہ میں ان کو سر دست ایک فتح دیدی اور (اس فتح کے علاوہ) بہت سی غنیمتیں جن کو یہ لوگ (آئندہ) لینگے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

ف

سنہ ہجری میں حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا جس میں بیعۃ الرضوان ہوئی۔ بیعۃ الرضوان والوں کی اس جانبازی سے اللہ تعالی راضی ہوگیا اور یہ سمجھکر کہ وہ دین اسلام سے پھرنے والے نہیں ہیں ان پر سکینت نازل فرمائی اور کفار پر کامیاب کیا پھر اسی جانبازی کے صلہ میں ان کو یہ خوشخبری دی کہ وہ عنقریب بہت سی غنیمتوں پر قابض ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جنگ حدیبیہ کے بعد ہی خیبر کی چڑھائی میں مسلمانوں کو فتح عظیم اور غنیمت کثیر ملی۔

سنہ ہجری میں حدیبیہ ہوئی ذی الحجہ کے مہینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ آئے اور سنہ ہجری جمادی الاول کے مہینہ میں بہادران اسلام کا لشکر لیکر خیبر کی طرف روانہ ہوئے آپکے ہمراہ ایک ہزار چار سو پیادے تھے دو سوار تھے

خیبر والے مسلمانوں کی آمد سنکر بہت خوف زدہ ہو گئے اور قلعہ میں چھپ کر بیٹھ رہے۔ مسلمانوں نے پہنچکر محاصرہ کیا آخر یہود خیبر تنگ آکر لڑائی پر بہت کی اور مسلمانوں نے ایک کے بعد ایک قلعہ پر قلعے فتح کرنا شروع کئے اور سب کے آخر میں حضرت علیؓ کے ہاتھ پر خود خیبر کا بہترین قلعہ فتح ہوا۔ یہودیوں کو شکست فاش ہوئی اور اسلامی لشکر قلعہ میں داخل ہو گیا۔

ان فتحوں میں مسلمانوں کو امید سے زیادہ غنیمت ہاتھ آئی۔ قبیلہ بنی نضیر اور قبیلہ ابی الحقیقؓ کا بیش بہا خزانہ جس میں مشک۔ سونا موتی اور جواہرات بکثرت تھے سب ان کے قبضہ میں آیا۔ اور خدا کی پیشینگوئی پوری ہوئی۔

آیت میں فتح خیبر کا نام نہیں ہے بلکہ صرف اس بات کی پیشینگوئی کی گئی کہ اس فتح قریب کے بعد مسلمان عنقریب بہت سی غنیمتوں پر قابض ہوں گے اور چونکہ حدیبیہ کے بعد پہلی لڑائی خیبر ہی کی ہوئی جس میں کثرت سے مال غنیمت ہاتھ لگا اس لئے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ یہہ پیشینگوئی خیبر ہی کی فتح و غنیمت کی ہے۔

پیشینگوئی

(۶۴)

مکہ کی فتح

یہہ پیشینگوئی قرآن مجید میں پانچ مقامات پر ہے۔

ہ سیرت ابن ہشام۔ کتاب الاکتفاء۔

پہلی آیت سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ۔

(اے پیغمبر! مسلمانوں کو) سمجھا دو کہ اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے اور تمھارے بھائی اور تمھاری بیبیاں اور تمھارے کنبہ دار اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جس کا مندا پڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہو اور مکانات جن میں رہنے کو تمھارا جی چاہتا ہے (اگر یہہ چیزیں) اللہ اور اُس کے رسول اور اللہ کے رستہ میں جہاد کرنے سے تم کو زیادہ عزیز ہوں تو (ذرا) صبر کرو یہانتک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے (وہ تمھارے سامنے) لاموجود کرے اور اللہ اُن لوگوں کو جو اُس کے حکم سے سرتابی کریں ہدایت نہیں دیا کرتا۔

ف

یہہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "صبر کرو یہانتک کہ خدا کو جو کچھ کرنا ہے وہ لاموجود کرے" اس سے بعض لوگ قتال کا حکم اور بعض لوگ فتح مکہ کی پیشینگوئی مراد لیتے ہیں اگرچہ بعد والا جملہ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ۔ یہی چاہتا ہے کہ اس سے فتح مکہ مراد ہو لیکن یہ مراد اس لئے مستبعد ہے کہ روایات سے آیت مذکورہ کا بعد فتح مکہ کے نازل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اس آیت میں شروع شروع کے مسلمانوں کے حق میں بڑی سختی ہے ایک حساب سے ان کو بالکل علایق دنیا کے ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن

اگر ایسا نہ کیا جاتا تو مسلمانوں کی جماعت بھی قائم نہ ہوتی اور آخر یہی ہوا کہ مسلمان حکم خدا پر ثابت قدم رہے اور کفار گروہا گروہ مسلمان ہوتے گئے اور مسلمانوں کو بہت عرصہ تک ترک علائق کی مصیبت اٹھانی پڑی۔ دوسری آیت سورۂ الصف میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ۔

اور تم کو بہشت کے ایسے باغوں میں (اللہ) لے جا داخل کرے گا جن کے تلے نہریں بہ رہی ہونگی اور نیز عمدہ مکانات میں (کہ وہ) ہمیشہ رہنے کی باغوں میں (ہوں گے) یہ بڑی کامیابی ہے اور (ان اخروی نعمتوں کے سوا) ایک اور (دنیاوی نعمت بھی) ہے جس کو تم (دل سے) پسند کرتے ہو کہ خدا کی طرف سے (تم کو) مدد (ملیگی) اور (تم) عنقریب (مکہ) فتح (کرو گے)۔

ف

نصر من اللہ و فتح قریب کی تفسیر میں علمائے مفسرین نے اختلاف کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ اس سے قریش کا مغلوب ہونا مراد ہے بعض فتح مکہ کی پیشینگوئی قرار دیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ آیت میں فارس و روم کے فتح ہونے کی خوشخبری ہے۔

اگرچہ قرآن کی پیشینگوئی ہر اعتبار سے پوری ہوئی لیکن اس مقام پر معنی کی تعیین ضروری ہے۔ قریش ضرور اللہ کی مدد سے مغلوب ہوئے مگر مغلوب ہونے کو فتح قریب سے تعبیر نہیں کر سکتے اور روم و فارس کا مغلوب یا فتح ہونا مراد لینا بھی بہت بعید ہے کیونکہ روم و فارس کی فتح، فتح قریب نہیں بلکہ فتح بعید ہے

جو خود رسول اللہ صلعم کے بہت دن بعد واقع ہوئی اب تیسری صورت فتح مکہ کی باقی رہ جاتی ہے اور ہماری دانست میں اسی کی پیشینگوئی کی گئی ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مہاجرین رضی اللہ عنہم اپنے وطن مکہ میں پہنچنا چاہتے تھے اور ان کے دل سے لگی تھی کہ کب مکہ فتح ہو اور ہم اپنے عزیز وطن اور گھر کی صورت دیکھیں۔

اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ مکہ کی فتح ہوتے ہی تمام قریش مسلمانوں سے مغلوب و مقہور ہوگئے۔ ہر طرف امن و امان ہوگیا اور مسلمان راحت امن کی زندگی بسر کرنے لگے۔

غرض نصر من اللہ و فتح قریب کی پیشینگوئی ہر طرح فتح مکہ ہی پر منطبق ہوتی ہے جس میں قریش مغلوب ہوئے اور جس کو مسلمان دل سے چاہتے تھے اور جو نزول آیت کے قریب میں واقع ہوئی۔

تیسری آیت سورۃ الفتح میں ہے جہاں اللہ تعالی فرماتا ہے۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا	بے شک اللہ نے اپنے رسول کو واقعی سچا ہی خواب دکھایا تھا کہ انشاء اللہ تم (مسلمان) مسجد حرام میں بے خوف و (خطر) باطمینان (تمام) داخل ہوگے (وہاں جاکر) تم (کچھ تو) اپنا سر منڈواوگے اور (کچھ فقط) بال ہی کتراوگے غرض جس بات کی تم کو خبر نہ تھی خدا کو (پہلے سے) معلوم تھی پھر (اس خواب کی ایک تعبیر یہہ بھی ہوئی کہ) فتح مکہ سے پہلے ایک فتح حدیبیہ یا خیبر کی) ہمدست کرادی۔

ف

حدیبیہ کے سال سنہ ہجری میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ اصحاب کبار رضی اللہ عنہم کے ساتھ باطمینان تمام مسجد حرام میں داخل ہوئے ہیں سب نے کعبہ کا طواف کیا مسلمانوں میں بعض نے سر منڈوایا بعضوں نے بال کتروائے چونکہ بال کتروانا یا سر منڈانا اعمال حج میں سے آخری عمل ہے اس لیے خواب کی تعبیر یہہ ہوئی کہ تم باطمینان تمام اپنا حج پورا کروگے اور بلاخوف وخطر مکہ میں داخل ہوگے۔

انبیاء علیہم السلام کا خواب کبھی جھوٹا نہیں ہوتا۔ بلکہ سچا اور مطابق واقع ہوا کرتا ہے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح ہوتے ہی صحابہ کرام کو جمع کرکے یہہ خواب سنایا۔ سب لوگ یہہ بشارت سنتے ہی نہایت مسرور ہوئے اور سب نے یقین کرلیا کہ اس سال ہم حج یا عمرہ ضرور کریں گے۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی سال ذیقعدہ کے مہینے میں عمرہ کے قصد سے مکہ معظمہ کو چلے تقریباً چودہ پندرہ سو صحابہ ہمراہ رکاب تھے حدیبیہ میں پہنچکر یہہ واقعہ پیش آیا کہ اہل مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا اور آخر صلح ہوگئی جس کا مفصل واقعہ اوپر بیان ہوچکا ہے جب آپ مع صحابہ مدینہ میں واپس آگئے تو عبداللہ بن ابی سرگروہ منافقین نے آوازے کسنے شروع کیے کہ یہہ ــــ لیجیے ہم نے تو مسجد حرام میں پہونچکر نہ سر ہی منڈوائے نہ بال ہی کتروائے نہ مسجد حرام کو آنکھوں سے دیکھا۔ رسول کے خواب کا تو اور یہہ الٹا اثر ہوا کہ دب کر صلح کی اور ناکامی کے ساتھ واپس آئے۔

ان آیات قدسیہ میں اللہ تعالیٰ ان نالائقوں کا جواب دیتا اور دعوے کے ساتھ پیشینگوئی کرتا ہے کہ بلاشک پیغمبر خدا کا خواب سچا ہے۔ تعبیر کے ظہور میں تاخیر ہوئی تو اس کا کیا مضائقہ ہے اگر اس کا ظہور ہو کر رہیگا

اور اس تاخیر میں مصلحت یہہ تھی کہ بہت سے لوگ مکہ میں در پردہ مسلمان تھے مگر ضعف و خوف کی وجہ سے مشرکوں میں ملے جلے رہتے تھے اگر صلح نہ ہوتی تو یہہ مظلوم بیچارے خواہ مخواہ کو روندول میں آجاتے تم مسلمان اس حکمت سے واقف نہ تھے مگر خدا تو واقف تھا، پھر بھی تمھیں خوش کرنے اور تم مسلمانوں کے قلوب سے رنج و غم دور کرنے کے لیے قضائے عمرہ سے پہلے ایک فتح عنقریب دے چکا کہ تم نے خیبر پر چڑھائی کی اور اسکو فتح بھی کر لیا۔

اب وہ وقت بھی قریب ہے کہ تم لوگ مسجد حرام میں ضرور داخل ہو گے اور طواف کعبہ کے بعد کچھ لوگ سر منڈاؤ گے کچھ لوگ بال کتراؤ گے اور یہہ سب کچھ نہایت اطمینان اور بلا کسی خوف خطر کے ہو گا۔

آخر یہہ پیشنگوئی پوری ہوئی اور ۸ہجری میں مسلمانوں نے دھوم دھام کے ساتھ مکہ کو فتح کر لیا[1] منافقین ہنستے اور پیغمبر برحق کے سچے خواب اور قرآن کی پیشنگوئی پر مضحکے اڑاتے ہی رہ گئے اور مسلمانوں نے مکہ کو فتح کر کے مشرکین و منافقین کو ذلیل و خوار کیا۔

چوتھی آیت سورۃ الحجر میں ہے جہاں اللہ تعالی فرماتا ہے۔

رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ذَرْهُمْ یَاْکُلُوْا وَیَتَمَتَّعُوْا وَیُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ وَمَا اَهْلَکْنَا مِنْ قَرْیَةٍ

(ایک دن ہوگا کہ) کافر بہتیرے ہی ارمان کرینگے کہ (اے) کاش (ہم بھی) مسلمان ہوتے تو (اے پیغمبر!) ان کو (ان ہی کے حال پر) رہنے دو کہ وہ کھائیں (پئیں) اور (دنیا کے چند روزہ) فائدے اٹھائیں اور توقعات (بیجا) ان کو غافل کیے رہیں

[1] ابن کثیر جلد نہم و در المنثور جلد خامس ۱۲

پھر آخر ان کو قریب میں معلوم ہو جائے گا اور ہم نے کوئی بستی غارت نہیں کی مگر اس کے لئے ایک میعاد مقرر (پہلے سے) لکھی ہوئی تھی کوئی امت نہ اپنے وقت سے آگے بڑھ سکتی نہ پیچھے رہ سکتی۔	اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ۔

ف

فتح مکہ کی تفصیلی حالات ہم اس کے بعد لکھیں گے کہ مکہ کیونکر فتح ہوا اس سے صاف طور پر معلوم ہو گا کہ واقعی فتح مکہ کے دن کفار مکہ کو اپنی غداریوں پر کیسی ندامت و پشیمانی ہوئی۔ کہ آخر یا تو چارہ کار نہ پاکر یا حقانیت اسلام سے متاثر ہو کر سب نے پیغمبر کے سامنے سر تسلیم و طاعت خم کر دیا۔

پانچویں آیت سورۃ البلد میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اے پیغمبر! ہم اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتے ہیں اور حال یہ ہے کہ تم اس شہر میں بسنے والے (اور اس کو) فتح کرنے والے ہو۔	لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔

ف

یہ سورۃ مکی ہے جو ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں نازل ہوئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ نے اس آیت کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے کہ "قسم میخورم بایں شہر یعنی مکہ مبارکہ و تو حلال خواہی شد بایں شہر یعنی ترا قتال بمکہ حلال خواہد شد" ۱۲

زمانۂ قیام مکہ میں پیغمبر اسلام اور اہل اسلام کی جو کچھ حالت و شوکت تھی وہ تاریخ کی سیر کرنے والوں کو خوب معلوم ہے اور ناظرین اس کتاب کے صفحات میں بھی

بارہا پڑھ چکے ہیں اور پڑھیں گے پس اس نابرداشتنی زبردستی اعداء اعدا اپنی کمزوری کی حالت میں یہ پیشینگوئی کرنی کہ پیغمبر باوجود ایسی کمزوری کے قوت پکڑیں گے مکہ میں نہ صرف بسیں گے بلکہ وہاں آکر اپنے دشمنوں سے قتال کریں گے اور اسکو فتح کرکے رہیں گے اور اس زبردست پیشینگوئی کا حرف بحرف پورا ہونا قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی کافی دلیل ہے۔

مکہ کیونکر فتح ہوا



صلح حدیبیہ کا مفصل واقعہ ہم گذشتہ صفحات میں کسی مقام پر لکھ چکے ہیں اس صلحنامہ کے شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ کوئی ایک فریق دوسرے فریق کے حلیف وطرفدار سے تعرض نہ کرے اور ہر شخص کو اختیار ہے کہ چاہے قریش کا حلیف ہو یا مسلمانوں کا طرفدار بنے چنانچہ بنو بکر قریش کے حلیف بنے اور بنو خزاعہ نے رسول خدا کا دامن پکڑا اسوقت تک بنو خزاعہ بھی مسلمان نہیں ہوے تھے ان دونوں قبائل (بنو بکر اور بنو خزاعہ) میں پشتینی عداوت چلی آتی تھی جو اس صلحنامہ کے بعد اور زیادہ ترقی کر گئی۔

آخر ان دونوں میں کچھ تکرار ہوئی اور تکرار سے جنگ کی نوبت پہنچی بنو بکر نے

زیادتی کی اور خزاعہ سے جنگ کرنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پہلے قبیلہ بنی مدلج سے مدد چاہی مگر انھوں نے مدد دینے سے انکار کیا تو مسلمانوں کے پرانے دشمن قریش سے طالب مدد ہوئے قریش نے عہد و پیمان کا کچھ پاس نہ کیا اور چہروں پر نقاب ڈال ڈال کر (تا پہچان نہ پڑیں) بنو بکر کے ساتھ ہو گئے رات کیوقت غفلت میں بنو خزاعہ پر شبخون مارا۔ دونوں میں جنگ عظیم برپا ہوئی یہانتک کہ قریش لڑتے ہوئے حرم کے اندر گھس گئے اور بنو خزاعہ کے بہت سے لوگوں کو قتل کیا۔

عمرو بن سالم خزاعی فریاد کرتا ہوا مکہ سے مدینہ پہنچا اور دربار رسالت میں حاضر ہو کر بنو بکر کے غدر اور قریش کی دغا بازی کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ جانگزا واقعہ سُنتے ہی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ فرماتے ہوئے مجمع عام میں تشریف لائے کہ خدا میری مدد نہ کرے اگر میں تم (بنو خزاعہ) کی مدد نہ کروں۔ پھر تو تمام مدینہ میں خبر پھیل گئی کہ قریش نے بیوفائی کر کے صلح توڑ دی۔

ادہر قریش کو اپنی اس حرکتِ غدر پر پشیمانی ہوئی کہ اب اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا اور مسلمان ضرور ہماری تمام دلآزار حرکتوں کا ہم سے بدلہ لیں گے۔

قریش کو سوا اس کے کوئی تدبیر نہ سوجھی کہ انھوں نے عذر خواہی کرنے کے لئے ابو سفیان بن حرب کو پیغمبر خدا کی خدمت میں روانہ کیا اس نے بہت کچھ عذرات نامعقول پیش کئے مگر رسول خدا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ ناامید ہو کر مکہ معظمہ کو واپس چلا آیا اور قریش کے دل لرز گئے۔ دیکھئے اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔

جس روز عمرو بن سالم نے رسول خدا سے بنو بکر و قریش کی مکاری و ظلم کی خبر دی تھی آپ نے اسی روز مسلمانوں کو سفر کی تیاری اور جنگ کے سامان کا فرمان دیدیا۔ آخر بارہ یا سولہ رمضان شریف کو دس ہزار یا بارہ ہزار جانباز بہادران اسلام کا لشکر لیکر خدا کا پیغمبر مدینہ سے باہر نکلا۔ ان میں سے سات سو مہاجرین تھے جن کے پاس تین سو گھوڑے تھے چار ہزار انصار تھے جن کے پاس پانچسو گھوڑے تھے اور باقی مختلف قبائل اسلم، غفار، جھنیہ، اشجع، اور سلیم، وغیرہ کے لوگ مع سازو سامان تھے جب لشکر اسلام جحفہ یا ذوالحلیفہ میں پہونچا تو بہت سے اہل مکہ ہجرت کی غرض سے روانہ مدینہ ہونے لگے چنانچہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اسی مقام پر رسولخدا سے آملے۔ آپ اپنے محترم چچا سے ملکر بہت خوش ہوئے اور اُن سے فرمایا کہ آپ اپنے اہل و عیال اور مال و متاع کو مدینہ روانہ کر دیجئے اور خود میرے ساتھ چلئے۔

طہران یا فاطمہ مکہ معظمہ سے چار فرسخ کے فاصلہ پر ایک مقام ہے۔ جب یہاں لشکر اسلام نے پہونچکر منزل کی تو قریش اور مخالفین اہل مکہ بہت ہراسان ہوئے۔ سب نے اتفاق کر کے ابو سفیان بن حرب کو دوبارہ رسول خدا کی خدمت میں طلب امان کے لئے روانہ کیا۔

لشکر اسلام کے پاس پہونچکر اتفاقاً ابو سفیان سے جناب عباس بن عبدالمطلب رضی دوچار ہوئے، ابوسفیان کی منت سماجت پر آپ کو رحم آگیا۔ اور اس کو ساتھ لیکر چلے کہ رسول اللہ صلعم سے اس کے لئے امان لیں راہ میں حضرت فاروق اعظم رضی ملے۔ وہ ابوسفیان کو دیکھتے ہی تلوار لیکر جھپٹے مگر عباس رضی ابوسفیان کو لئے ہوئے جلد جلد خدمت رسول میں حاضر ہوگئے اور رسول خدا نے اپنے چچا کی سفارش منظور فرماکر ابوسفیان کو امان دی۔ دوسرے روز جناب عباس رضی ابوسفیان کو

لیکر رسول اللہ کی خدمت میں آئے آپ نے ابو سفیان سے فرمایا "افسوس ہے کہ تمھیں ابتک نہ معلوم ہوا کہ اللہ واحد کے سوا کوئی معبود لائق پرستش نہیں ہے" ابو سفیان نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، یہ کیسا لطف و اخلاق ہے کہ باوصف میری اُن دل آزاریوں کے آپ اتنا کچھ احسان و کرم کرتے ہیں اب مجھکو یقین ہو گیا کہ آپ کا خدا ہی لائق پرستش ہے، اس ذات واحد کے سوا کوئی معبود نہیں، اگر ہمارے معبود واقعی معبود ہوتے تو آج ہم اتنے ذلیل نہ ہوتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا اب بھی میرے رسول خدا ہونے میں تمکو شبہ ہے۔ ابو سفیان چپ ہو گیا (کیونکہ ہنوز وہ اس بارہ میں متردد تھا) حضرت عباس رض نے فرمایا اے ابو سفیان، وقت ضائع نہ کرو، جلد کلمہ توحید پڑھ کر اسلام کا دامن پکڑ لو، ورنہ عمر بن الخطاب رض آرہے ہیں، آتے ہی تمھاری گردن ناپیں گے غرض ابو سفیان مسلمان ہو گیا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اب ابو سفیان کے گھر میں جو آئے اُسکو بھی امان ہے۔ حضرت عباس نے پیغمبر کے حکم سے ابو سفیان کو ایسے مقام پر لا کھڑا کیا کہ وہ تمام لشکر اسلام اور اس کے جاہ و حشم کو دیکھ سکے چنانچہ ایک ایک کر کے تمام لشکر ابو سفیان کے سامنے سے گذرا اس نے اسلام کی شوکت و حشمت سے مرعوب ہو کر حضرت عباس سے کہا کہ واقعی تمھارے بھتیجے کی قوت و شوکت خوب قایم ہو گئی ہے۔ عباس نے کہا اے کمبخت ایسے رسالت و نبوت ہے ملک سلطنت نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہادران اسلام کے لشکر کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ داخل ہونے کیوقت لشکریوں میں عام منادی کرا دی کہ کسی مشرک و مخالف کو قتل نہ کیا جائے ورنہ اس سے سخت باز پرس ہوگی اہل مکہ کو اپنی جان کے لالے پڑے تھے چھپنے کو جگہ نہ ملتی تھی مگر پیغمبر خدا، اور اُن کے ساتھیوں کا خلق و کرم

دیکھو کر کسی نے کسی سے تعرض نہ کیا نہایت امن و امان سے داخل شہر ہوئے اور سب کو امن و امان میں رہنے دیا۔ دنیا میں کوئی فاتح فتح کر کے اس طرح مفتوح شہر میں داخل نہیں ہوا۔ مکہ کے چند اوباش و سفہا، خالد بن ولیدؓ کے داخل مکہ ہوتے وقت سدراہ ہوئے اور جدال وقتال کرنے لگے خالدؓ اور ان کے ساتھیوں نے اپنے کو محفوظ کرنے کے لئے مقابلہ کیا آخر اٹھائیس آدمی اُن گمراہوں میں سے قتل ہوئے۔ دو مسلمان شہید ہوئے اور اشرار بھاگ نکلے ان میں سے بعض پہاڑوں پر جا چھپے۔ بہت سے جنگلوں میں جا کر پوشیدہ ہو گئے۔ بعض خانہ بدوش ہو کر نکل گئے۔ اور بہت سے منھ چھپا چھپا کر گھروں کے کونوں میں دبک بیٹھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں تشریف لائے مسلمانوں کے ساتھ کعبہ کا طواف کیا کعبہ کے گرد یا اندر جتنے (تین سو ساٹھ) بت تھے سب کو توڑ پھوڑ کر باہر پھنکوا دیا۔

اس کے بعد قریش اور اکابر مکہ آپ کی خدمت میں عذر کرتے ہوئے حاضر ہوئے اور آپ نے نہایت دریا دلی اور کشادہ پیشانی سے ان سب کے قصور معاف فرما دیئے۔ آپ کے اس غیر معمولی اخلاق و رحم سے متاثر ہو کر ایک جم غفیر نے صدق دل سے اسلام قبول کر لیا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف گیارہ مردوں اور چھ عورتوں کا خون ہدر کر دیا تھا کہ یہ موذی جہاں اور جس حال میں ملیں قتل کر دیئے جائیں۔ ان کو امان نہیں ہے۔

ان باغیوں میں سے خطل لعین ردائے کعبہ پکڑے ہوئے حالت میں قتل کیا گیا۔ حویرث بن نقید کو حضرت علیؓ نے مکہ میں داخل ہونے کے وقت عدم کی طرف روانہ کیا۔ مقیس بن حبابہ اور حارث بن طلاطلہ کو مختلف لوگوں نے بدمعاشی

دمیخواری کی حالت میں قتل کر دیا۔ بقیہ سات مجرم عبداللہ بن ابی السرح۔ عکرمہ بن ابی جہل۔ صفوان بن امیہ۔ ہبا بن الاسود۔ کعب بن زبیر دی۔ عبداللہ بن الزبعری اور وحشی قاتل حمزہ مسلمان ہوئے اور ان کو امان دیگئی چنانچہ عکرمہ اور وحشی کو خود اپنی امان کی خبر سنکر نہایت درجہ تعجب ہوا کہ مجھ جیسے موذی کو بھی پیغمبر اسلام نے امان دی! حالانکہ میرے قصور قابل معافی نہ تھے رسول کے یہی اوصاف تھے جنھوں نے مخالفوں کو اسلام کے قدموں پر جھکا دیا چھ عورتوں میں سے ارنب (جو خطل کی آزاد لونڈی تھی) اور ام سعد دو عورتیں قتل ہوئیں اور بقیہ چار قریبہ قرتنا مغنیہ ہند بنت عقبہ زوجہ ابوسفیان اور سارہ کو امان ملی اور ان کے قصور معاف کر دئے گئے اور یہ سب مسلمان بھی ہو گئیں۔

پیشنگوئی

(۶۵)

اللہ مسلمانوں سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر چکا ہے

جیسا کہ سورۃ الفتح میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا	(مسلمانوں) اللہ تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرما چکا ہے کہ تم ان پر قابض ہو گئے

تاریخ ابن اثیر ۱۲۔

فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا۔

تو یہ (خیبر کی غنیمت یا حدیبیہ کی فتح) تم کو سردست دلوادی اور (صلح حدیبیہ کی وجہ سے دشمنوں کے دست تعدی کو تم سے روکا اور یہ بھی مقصود تھا کہ یہ واقعات تم مسلمانوں کے لئے دلیل ہوں اور یہ کہ خدا تم کو سیدھے رستہ پر لے چلے۔

ف

یہ بہت صریح اور زبردست پیشگوئی ہے جو حرف بحرف پوری ہو کر رہی۔ روم ایران۔ شام وغیرہ کے فتوحات میں جسقدر کثرت سے غنیمتیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں اس کا حساب نہیں بتایا جاسکتا۔ وہی عرب مسلمان جو کبھی انتہا درجہ کے مفلس و تہیدست تھے، چند سال کے اندر سونے چاندی اور جواہرات سے مالا مال ہو گئے۔ اگر ضمیر مخاطب کا لحاظ کر کے اس آیت کو صحابہ ہی کیساتھ مخصوص کیا جائے تو خدا کا وعدہ روم و فارس کی لڑائیوں میں پورا ہوگیا۔ اور اس آیت میں غزوات و فتوحات روم و فارس کی پیشنگوئی بھی نکلی جو خلفاے راشدین کے مبارک عہدوں میں واقع ہوئیں۔ اور اگر وَعَدَكُمُ کا خطاب عام مسلمانوں سے لیا جائے جیسا کہ لتکون آیۃ للمومنین میں صراحت کر دی گئی ہے تو پیشنگوئی بہت عام ہو جاتی ہے اور قیامت تک جتنی غنیمتیں مسلمانوں کو ملتی رہیں گی سب اس بشارت کے تحت میں ہیں۔

بہر حال ان بہت سی غنیمتوں کا وعدہ خواہ فقط صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیساتھ مخصوص ہو یا تمام مسلمانوں سے ہو۔ دونوں صورتوں میں پورا ہوا جسکو پورا ہوتے تمام دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور انشاء اللہ آئندہ دیکھیں گے۔

وَعَدَکُمُ اللّٰہُ مَغَانِمَ کَثِیْرَۃً میں اسطرف بھی اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو جو خیبر یا حدیبیہ وغیرہ کی زبردست فتح دی اور وہاں کی بیشمار غنیمتیں بلا مشقت ملیں تو یہ ان کی تمام جاں نثاریوں اور مصائب کی برداشتوں کا پورا صلہ نہیں ہے بلکہ یہ ان فتوحات وغنائم کا ابتدائی مقدمہ ہے جو اب سے قیامت تک اُن کے ہاتھ آتی رہینگی۔

جب سعد وقاص رضی اللہ عنہ نے مدائن کو جو سلطنت فارس کا صدر مقام تھا، فتح کرلیا تو دو تین دن کے بعد حکم دیا کہ ایوانات شاہی کا خزانہ اور نادرات لاکر ایک جگہ جمع کیے جائیں کیانی سلسلے سے لیکر نوشیروان کے عہد تک کی ہزاروں یادگار چیزیں تھیں۔ خاقان چین۔ راجہ داہر۔ قیصر روم۔ نعمان بن منذر۔ سیاوش۔ بہرام چوبین کی زرہیں اور تلواریں تھیں۔ کسریٰ، ہرمز اور قباد کے خنجر تھے نوشیروان کا تاج زرنگار اور ملبوس شاہی تھا۔ سونے کا ایک گھوڑا تھا جس پر چاندی کا زین کسا ہوا تھا اور سینے پر یاقوت اور زمرد جڑے ہوئے تھے۔ چاندی کی ایک اونٹنی تھی جس پر سونے کی پالان تھی اور مہاریں بیش قیمت یاقوت پروئے ہوئے تھے ناقہ سوار سر سے پاؤں تک جواہرات سے مرصع تھا۔

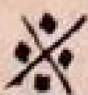
سب سے عجیب وغریب ایک فرش تھا جس کو ایرانی بہار کے نام سے پکارتے تھے یہ فرش اس غرض سے تیار کیا گیا تھا کہ جب بہار کا موسم نکل جاتا تھا تو اسپر بیٹھکر شراب پیتے تھے اس رعایت سے اس میں بہار کے تمام سامان مہیا کیے تھے۔ بیچ میں سبزے کا چمن تھا چاروں طرف جدولیں تھیں۔ ہر قسم کے درخت اور درختوں میں شگوفے اور پھول اور پھل تھے طرہ یہ کہ جو کچھ تھا زر وجواہرات کا تھا یعنی سونے کی زمین زمرد کا سبزہ۔ پکھراج کی جدولیں۔ سونے چاندی کے درخت۔ حریر کے پتے جواہرات کے پھل تھے۔

یہ تمام سامان فوج کی عام غارتگری میں ہاتھ آیا تھا لیکن اہل فوج السیے راستباز اور دیانت دار تھے کہ جس نے جو چیز پائی تھی بجنسہ لاکر افسر کے پاس حاضر کردی تھی چنانچہ جب سارا سامان لاکر سجایا گیا اور دور دور تک میدان جگمگا اٹھا تو خود حضرت سعد وقاص کو حیرت ہوئی بار بار تعجب کرتے اور کہتے تھے کہ جن لوگوں نے ان نادرات کو ہاتھ نہیں لگایا بے شبہ انتہا کے دیانت دار ہیں۔

مال غنیمت حسب قاعدہ تقسیم ہو کر پانچواں حصہ دربار خلافت میں بھیجا گیا فرش اور قدیم یادگاریں بجنسہ بھیجی گئیں کہ اہل عرب ایرانیوں کے جاہ وجلال اور اسلام کی فتح واقبال کا تماشا دیکھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب یہ سامان چنے گئے تو ان کو بھی فوج کی دیانت اور استغناء پر حیرت ہوئی۔

فرش کی نسبت لوگوں کی رائے تھی کہ تقسیم نہ کیا جائے خود حضرت عمر رض کا بھی یہی منشا تھا لیکن حضرت علی رض کے اصرار سے اس بہار پر خزاں آئی اور دولت نوشیروانی کے مرقع کے پرزے اڑ گئے۔

یوروپ کے موجودہ مذاق کے مطابق یہ ایک وحشیانہ حرکت تھی لیکن ہر زمانہ کا مذاق جدا ہے۔ وہ مقدس زمانہ جس میں زخارف دنیوی کی ذرا عزت نہ کیجاتی تھی دنیاوی یادگاروں کی کیا پروا کر سکتا تھا۔



الفاروق حصہ اول صـ۹۷ بلفظہ ۱۲-

پیشنگوئی

(۶۶)

مسلمانوں سے ایک ایسی فتح کا وعدہ جس پر قابو پانیکی بظاہر کوئی امید نہیں تھی (یعنی فتح روم وفارس)

جیساکہ سورۃ الفتح کی گذشتہ آیت کی آخر ٹکڑے میں ہے جہاں اللہ تعالی فرماتا ہے

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا وَاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا

(مسلمانو!) اللہ تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کرچکا ہے کہ تم ان پر قابض ہوگئے تو (غنیمت) تم کو سردست دلوادی اور (صلح حدیبیہ کیوجہ سے عرب کے) دست تعدی کو تم سے روکا اور یہ بھی مقصود تھا کہ یہ واقعات تم مسلمانوں کیلئے دلیل ہوں اور یہ کہ خدا تم کو سیدھی راستہ پر لے چلے (اور اس کے سوا) ایک فتح اور (ابھی ہونی) ہے جس پر اس وقت تک تم نے قدرت نہیں پائی (مگر) وہ خدا کے احاطہ قدرت میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے

ف

علمائے مفسرین نے اختلاف کیا ہے کہ اُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا سے کونسی فتح مراد ہے۔

حضرت عکرمہ غزوہ حنین مراد لیتے ہیں مگر یہ رائے اس لئے صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ جنگ حنین میں مسلمانوں کو پہلی مرتبہ شکست ہوئی تھی۔

(۲)

ضحاک ابن زید اور ابن اسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا سے فتح خیبر مراد ہے۔

(۳)

حضرت قتادہ کی رائے ہے کہ اُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا میں فتح مکہ کی پیشینگوئی ہے

(۴)

عبد بن حمید نے جو بیر سے روایت کی ہے کہ اس آیت میں عرب کے شہروں کے فتح ہونیکی خوشخبری ہے۔

(۵)

عطیہ کا مقولہ ہے کہ اُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا میں فتح فارس کی زبردست پیشینگوئی ہے

(۶)

حسن، مقاتل۔ ابن ابی لیلی اور بیہقی روم وفارس دونوں کے فتح ہونیکی بشارت مراد لیتے ہیں۔

(۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا میں ان تمام

د ۱-۲-۳-۴-۵-۶-۷ درالمنثور و فتح الباری۔

ممالک عالم کی فتح ہونیکی پیشینگوئی ہے جو قیامت تک اہل اسلام فتح کرتے رہیں گے

ان اقوال مختلفہ میں سے جو قول لو، قرآن کی پیشینگوئی بہر طور پوری ہو کر رہی مگر معنی

آیت کی تعیین ضروری ہے۔

آیت کریمہ میں اللہ تعالی عہد پیغمبر صلعم کے مسلمانوں کو خوشخبری دیتا ہے کہ تم آئندہ

ایسے ایسے ملک فتح کروگے جن کے فتح کرنیکی اسوقت تم میں قدرت وطاقت نہیں ہے

اور وہ خدا کے احاطہ قدرت میں ہے۔

ان شاندار الفاظ پر نظر کرتے ہوئے مکہ اور خیبر اور طائف وحنین کی فتح کا مراد

لینا صحیح نہیں ٹھہرتا کیونکہ مسلمان جب تک مکہ میں رہے دشمنان اسلام سے بہت مغلوب

ومقہور رہے مگر مدینہ منورہ میں آکر انھوں نے اپنی قدرت اور شوکت قائم کرلی تھی

خود حدیبیہ میں چودہ سو بہادروں نے لڑنے مرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور یہ قوت روز بروز بڑھتی ہی چلی جاتی تھی تو مسلمان اگرچہ دشمنوں سے

کمزور تھے مگر نہ اتنے کمزور کہ خیبر ومکہ والوں سے لڑنے کے قابل نہ ہوں۔ آخر آخر میں تو

کفار عرب پر مسلمانوں کی ایسی دہاک بیٹھ گئی تھی کہ مکہ بغیر لڑے بھڑے فتح ہوگیا غرض

اخری لم تقدروا سے خیبر وطایف کی فتح تو مراد ہو نہیں سکتی۔ رہی یہ بات کہ

اس پیشینگوئی میں و تمام ممالک مراد ہوں جو قیامت تک تمام مسلمان فتح کرتے

رہیں گے اگرچہ بجائے خود ایک زبردست بشارت ہو مگر غیر متعین ہونیکی وجہ سے

کچھ زیادہ وقیع نہیں ہے۔ ان وجوہ سے حسن، مقاتل، اور ابن ابی لیلی کی رائے

بہت درست معلوم ہوتی ہے۔ کہ اخری لم تقدروا۔ سے فتح روم وفارس کی پیشینگوئی مراد ہے

جو ناظرین تاریخ عرب سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ عرب باوجود آزاد ہونیکے ہمیشہ

روم وفارس کے اثر میں رہا ہے۔ اور یہی زبردست سلطنتیں ہمیشہ عرب پر مسلط

رہیں کسری۔ نوشیروان بادشاہ فارس کے عہد میں زیادہ تر روم عرب پر قابض وغالب تھی۔

غطیانوس قیصر روم کی طرف سے خالد بن جبلہ عرب، شام وغیرہ کا حاکم تھا اور کسریٰ کیطرف سے منذر بن نعمان، مالک عمان، بحرین، یمامہ، اور حجاز وغیرہ میں داد فرمانروائی دیرہا تھا اتفاقاً خالد بن جبلہ اور منذر بن نعمان میں کچھ ان بن ہو گئی۔ دونوں میں جنگ کی نوبت خالد نے غالب آکر منذر کے کثیر التعداد ساتھیوں کو قتل کر ڈالا اور اس کے بہت سے مال و اسباب چھین لئے۔ نوشیروان نے یہ خبر سنکر غطیانوس کو لکھا کہ ہمارے تمہارے درمیان میں مصالحت ہے پس خالد کو بھی اس کا خیال رکھنا ضرور تھا۔ خیر جو کچھ ہوا سو ہوا، اب خالد کو یہ ہدایت کرو کہ منذر بن نعمان کے مقتولوں کی دیت ادا کردے اور جو کچھ مال و اسباب غصب کر لیا ہے سب واپس کردے۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو پھر ہماری تمہاری صلح ٹوٹ جائیگی۔ غطیانوس اپنے نشۂ سلطنت میں مست تھا اس لئے نوشیروان کی سنجیدہ پیام کا کچھ خیال نہ کیا نتیجہ یہ ہوا کہ نوشیروان نے غضب ناک ہو کر ستر ہزار فوج بھیجکر ممالک روم کا قلع قمع کرنے لگا۔ عرب میں جہاں جہاں رومی مسلط تھے ہر طرف ان کو نکال باہر کیا اور پورا ملک عرب ایرانیوں کے زیر اثر ہو گیا ؏

روم خصوصاً سلطنت ایران کا ایسا رعب عربوں کے قلوب پر مستولی تھا کہ ایران کے نام سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے اور سلطنت ایران کے کسی حکم کے ذرہ برابر خلاف کرنیکی وہ جرأت نہ کرسکتے تھے اور ظاہر ہے کہ عرب جیسے بے بضاعت ملک کو روم و ایران ایسی قاہرہ سلطنتوں سے کیا نسبت ہو سکتی تھی مگر خدائے اسلام کی شان و قدرت دیکھو کہ اس نے ایسے بے بضاعت ملک عرب سے روم و فارس کو وہ روز بد دکھایا کہ ان کی ساری قوت و شوکت، ذلت و خواری سے بدل گئی اور دنیا سے ان کی کسرویت و قیصریت کا نام مٹ گیا۔

؏ کتاب ملوک العرب قبل الاسلام مطبوعہ ۱۲۔

اُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا ـ سے یہی روم وفارس کی فتح مراد ہے جو کبھی خود عربوں کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ہم کسی وقت ان ملکوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکیں گے فتح تو بڑی بات ہے ۔

روم وفارس کے بہت سے بلاد ومواضع حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے عہد میں فتح ہوئے اور حضرت عثمان رضؓ کے عہد میں ایران پوری طرح فتح ہوگیا

پیشنگوئی

(۶۷)

یہود پر مسلمانوں کی فتح اور منافقین کی ندامت

جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰی اَوْلِیَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ	مسلمانو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ لوگ تمہاری مخالفت میں باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے کوئی ان کو دوست بنائے گا ۔ تو بیشک وہ بھی ان ہی میں کا (ایک) ہے ۔ کیونکہ خدا (ایسے) ظالم لوگوں کو راہ راست نہیں دکھایا کرتا تو (اے پیغمبر) جن لوگوں کے

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ فَعَسَى اللّٰهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ ۔ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ۔

دلوں میں (بے ایمانی ونفاق کا) روگ ہے
تم انکو دیکھوگے کہ ان (یہود ونصاریٰ کے
دوست بنانے) میں جلدی کرتے ہیں
کہتے کیا ہیں کہ ہمکو تو اس بات کا ڈر لگ رہا
ہے کہ کہیں ہم کسی مصیبت کے پھیر میں آ جائیں
سو کوئی دن جاتا ہے کہ اللہ (مسلمانوں کی)
فتح یا کوئی (اور) امر اپنی طرف سے پیش لائیگا
تو (اسوقت یہ منافق) اُس (بدگمانی) پر
جو (اسلام کے غلبے اور اسکی صداقت کی
نسبت) اپنے دلوں میں چھپاتے تھے پشیمان
ہوں گے اور (اس سے مسلمانوں پر ان کا
نفاق کھل جائیگا تو) مسلمان (ان کی حال
پر افسوس کرکے آپس میں) کہینگے کہ کیا یہی
لوگ ہیں جو (ظاہر میں) بڑی زور سے اللہ کی
قسمیں کھاتے (اور ہم سے کھا کرتے) تھے
کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں (اور اندر اندر یہود کی
تائید میں کوشش کرتے تھے تو) ان کا سارا
کیا (دھرا) اکارت ہوا اور (سراسر) نقصان
میں آ گئے۔

ف

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ میں تشریف لائے تو یہود بنو نضیر

اس بات پر مصالحت کر لی کہ نہ ہم مسلمانوں سے جنگ کریں گے نہ مسلمانوں کی حمایت میں ان کے دشمنوں کا مقابلہ کریں گے۔

منافقین جو ظاہر میں مسلمان بنتے تھے اور حقیقت میں اسلام و اہل اسلام کے سخت ترین دشمن تھے۔ یہود و نصاریٰ سے ملتے تھے اور یہود سے سازش رکھتے تھے اور کہتے یہ تھے کہ ہم تو فقط اس لئے یہودیوں سے ملے جلے رہتے ہیں کہ شاید یہ لوگ غالب آجائیں اور مسلمانوں پر مصیبت آپڑے تو ہم ان کے شر سے محفوظ رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان منافقین کی سرزنش کر کے یہ پیشینگوئی فرمائی کہ عنقریب اللہ مسلمانوں کو (یہود پر) فتح دیگا یا کوئی ایسا امر پیش لائے گا جس سے یہ منافقین اپنی حرکتوں اور بدگمانیوں پر پشیمان ہوں گے اور اسوقت یہ پشیمانی ان کو نقصان سے بچا نہ سکے گی چنانچہ یہ پیشینگوئی کھلے بند پوری ہوئی۔

جنگ بدر میں مسلمانوں نے فتح عظیم پائی تو یہود نے اعتراف کیا کہ بلا شک محمد (صلعم) وہی نبی امی ہیں جن کی بشارت توراۃ شریف میں موجود ہے۔ پھر جب جنگ احد میں مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی تو یہود بنی نضیر نے اپنے اس عہد کو توڑ ڈالا اور اسی پرانی عداوت پر جم گئے۔ کعب بن اشرف یہودی چالیس یہودیوں کو ساتھ لیکر مکہ معظمہ آیا ابوسفیان اسلام کا پرانا دشمن چالیس مردان قریش کو لیکر کعبہ میں داخل ہوا، اور یہیں دونوں فریقوں میں قسما قسمی ہوئی کہ مسلمانوں کو بیخ و بنیاد سے اکھیڑ کر نیست و نابود کر دیا جائے معاہدہ پکا ہو جانے کے بعد کعب یہودی جس طرح چپ چپاتا مدینہ سے آیا تھا اسی طرح واپس گیا اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے رسول اللہ صلعم کو اس واقعہ کی خبر دی اور آپ کے حکم سے محمد بن سلمہ نے کعب بن اشرف کو قتل کر دیا۔

شنبہ کے روز سنہ ہجری میں آپ نے مسجد قبا میں نماز پڑھی صحابہ کبار ابوبکر، عمر، علی زبیر۔ طلحہ۔ سعد اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہم ہمراہ رکاب تھے آپ نے میدان میں

نماز عصر ادا کی۔ ابن ام مکتوم کو مدینہ میں نائب چھوڑا۔ اور حضرت علیؓ کے ہاتھ میں علم
دیا جب رسول اللہ صلعم بنو نضیر کے سروں پر جا پہنچے وہ سب کعب کی ماتمداری بھولکر۔
مسلمانوں کے خوف سے قلعہ بند ہو گئے چھ روز یا پندرہ روز قلعہ کا محاصرہ رہا۔ لشکریان اسلام
نے قلعہ کے ارد گرد کے تمام درختوں کو جلا کر اور کاٹ کاٹ کر میدان صاف کر دیا
اور قلعہ والوں سے کہا تم گھبراؤ نہیں۔ ہملوگ بلا فتح کئے یہاں سے حرکت نہیں کرینگے
آخر مجبور ہو کر یہود نے صلح کا پیام بھیجا اور یہ طے پایا کہ سارے یہود بنی نضیر دیس چھوڑ کر
جلاوطن ہو جائیں تا مسلمان ہمیشہ کے لئے ان کے شر سے محفوظ رہیں۔ طوعاً کرہاً یہودیوں
نے اس شرط کو منظور کر لیا اور قبیلہ کا قبیلہ قلعہ سے باہر نکلا۔ سات سو اونٹوں پر سامان
لادا۔ عورتوں نے دف اور باجے وغیرہ ہاتھوں میں لئے اور جسقدر مال و اسباب لاد سکے
لادے کر مدینہ کے بازار سے ہوتے ہوئے حجاز سے باہر ہو گئے بہت سے شام میں
جا کر بسے اور بہت سارے خیبر میں متوطن ہو گئے اور خدا کی پیشنگوئی پوری ہو گئی کہ
مسلمانوں کو قلعہ عظیم حاصل ہوا۔ یہودی مغلوب و مقہور ہو کر مدینہ سے جلاوطن ہوئے جس کی
طرف آیت کے جملہ اکو اکرمِنْ عِنْدِہٖ۔ میں صاف اشارہ ہے اسنا فقین کی ساری
کارستانیاں کھل گئیں۔ مسلمانوں پر ان کا نفاق ظاہر ہو گیا اور وہ دونوں طرف سے مارے
پڑے اور ذلیل و رسوا ہوئے۔

منافق کہتے پھرتے تھے کہ ہم یہودیوں کا ساتھ صرف اس لئے دیتے ہیں کہ بعد وبال
مسلمانوں پر آفت آجائے تو ہم اس آفت سے محفوظ رہیں بخلاف اس کے اُلٹے یہودیون
پر آفت آگئی تو منافقین ہاتھ ملکر رہ گئے اور حسرت و ندامت جو کچھ ہوئی ہوگی اس کا اندازہ
ناظرین خود کر سکتے ہیں۔

نکتہ

پیغمبر خدا نے لوگوں کو دین اسلام کی تعلیم کر کے مسلمانوں کی ایک نئی جماعت

بنائی ازبسکہ اسلام میں بڑے شدّ ومدّ کے ساتھ عقیدۂ توحید کی تاکید وتائید تھی۔
مسلمانوں کے مذہبی عقائد یہود ونصاریٰ اور مشرکین عرب کسی سے نہیں ملتے تھے
ہرچند رسول خدا نے ہرطرح کی دلیلوں سے قائل کیا۔ معدودے چند ایمان لائے باقی
سارا ملک دشمنی پر کمربستہ ہوگیا جب تک مسلمانوں کا گروہ تھوڑا، اور کمزور رہا مخالفوں
نے ایذا دہی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا مسلمان اس پر بھی صبر اور درگذر کرتے رہے اور
نرمی وملائمت سے سمجھاتے رہے مگر لاتوں کے بھوت باتوں سے کب ماننے والے تھے
آخر اتنے میں مسلمان بھی قوت پکڑ گئے اور جواب ترکی بترکی دینے لگے۔

غرض لڑائی ٹھن گئی اور جیسا قاعدہ ہے اس کا سلسلہ سالہا سال جاری رہا ظاہر بات ہے
کہ جب دو گروہوں میں لڑائی ہو رہی ہو اور لڑائی بھی زبانی نہیں تیر وتلوار کی لڑائی
یعنی ایک دوسرے کی جان کا خواہاں۔ ایسی معاملت میں ایک گروہ کے آدمی کو
دوسرے کسی گروہ کے آدمی سے دوستی رکھنا اپنے گروہ کی تباہی کے درپے
ہونا ہے۔

شروع آیت میں جو یہود ونصاریٰ سے دوستی رکھنے کی ممانعت کی گئی وہ اسی مصلحت
سے اور وہ حکم اس خاص وقت اور خاص حالت کے لئے تھا۔

یہ ایک طرح کے فوجی انتظام ہیں جو ہر ملک اور ہر قوم کو کرنے پڑتے ہیں اور دنیا کے
لڑائی جھگڑوں سے متعلق ہیں۔ رہی مذہبی دشمنی یعنی اختلاف عقائد وہ بالکل دوسری
بات ہے جسکو دنیاوی معاملات میں دخل دینے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ اٹھائیسویں
پارہ کی سورۂ ممتحنہ میں ان باتوں کی خوب صراحت ہے (اس کو دیکھنا چاہیئے)

پیشنگوئی

(۶۸)

مہاجرین کو اطمینان سے ٹھکانے بٹھایا جائیگا

(۶۹)

سچے مسلمانوں کو آخر امن کلی ہوگا

یہ پیشینگوئی قرآن مجید میں تین مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ النحل میں ہے جہاں اللہ تعالی فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔

اور جن (مہاجر مسلمانوں) پر ظلم ہوا اور ظلم ہونے کے بعد ان کو خدا کے لئے اپنی وطن چھوڑنے پڑے ہم ان کو ضرور ضرور دنیا میں اچھے ٹھکانے سے بٹھائینگے اور اجر آخرت (جو انکو ملنے والا ہے وہ اس سے) کہیں بڑھکر ہے اے کاش یہ لوگ (اس بات کو) جانتے۔

دوسری آیت سورۃ انفال میں ہے جہاں اللہ تعالی فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے رستے میں جہاد بھی کئے اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی

اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۔

اور (ان کی) مدد کی یہی پکے مسلمان ہیں انکے لئے (گناہوں کی) معافی ہے اور عزت (و آبرو) کی روزی ہے ۔

تیسری آیت سورۃ النساء میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے ۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۔

سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور جنھوں نے اسی کا سہارا پکڑا تو اللہ (بھی) ان کو عنقریب اپنی رحمت (کے سایہ) اور فضل کی پناہ میں لے لیگا اور ان کو اپنے (حضور تک (پہونچنے) کا سیدھا رستہ (بھی) دکھا دیگا ۔



ان آیات میں تین پیشینگوئیاں ہیں ۔

پہلی پیشینگوئی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مہاجرین کو جنھوں نے خدا کی راہ میں جلاوطنی اختیار کی اطمینان سے اچھی جگہ بٹھائیگا ۔ غلبۂ اسلام کی پیشینگوئیوں میں سے یہ ایک زبردست پیشینگوئی ہے جس کا وقوع ہو چکا یعنی جن مسلمانوں نے کفار کے ظلم سے تنگ آکر رسول خدا کے حکم سے ہجرت کی تھی ۔ دنیا میں ان کا سب سے بڑا مرتبہ ہوا ۔ دنیا میں ان کو برترین جگہ ملی اور آخر وہ راحت و آسایش سے بسر کرنے لگے ۔

دوسری ۔ پیشینگوئی پہلی سے عام ہے کہ اس عہد کے تمام سچے مسلمانوں کو آخر امن کلی ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ انھوں نے تمام جزیرہ نمائے عرب کو فتح کیا بہت سے کفار مسلمان ہوگئے بہت سے دار البوار کو سدھارے بہت سارے مغلوب و مقہور ہو کر رعیت بن گئے اور پھر کوئی ان کا ستانیوالا باقی نہ رہا ۔ عرب میں ہر طرف

مسلمانوں کا ہی طوطی بولنے لگا۔

تیسری پیشگوئی - مہاجرین وانصار کی نسبت ہے کہ وہ سچے مسلمان ہیں یعنی مرتے دم تک اسلام پر قایم رہینگے رسول کے حکم سے جن پاک نفوس نے مکہ سے ہجرت کی وہ مہاجرین اور ان مہاجرین کو جن پاک نفوس نے مدینہ میں جگہ دی اور ہر طرح ان کی امداد کی وہ انصار ہا سب مسلمان پر ثابت قدم رہے اور ان دونوں فریق میں کا ایک فرد بھی دائرہ اسلام سے ایک قدم آگے نہیں نکلا۔

پیشگوئی

(۷۰)

ابوجہل کو پیچھے پکڑ کر گھسیٹینگے اور وہ ذلیل موت مریگا

پہلی آیت سورۃ الحج میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا كِتَابٍ مُّنِيْرٍ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ۔

اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جس کو نہ تو کسی طرح کا علم ہے اور نہ کسی طرح کی ہدایت اور نہ کوئی کتاب جو اس کو راہ حق، دکھائی (اسپر بھی) اینٹھا ہوا خدا کے بارہ میں جھگڑتا ہی تاکہ دوسروں کو خدا کے رستہ سے گمراہ کرے (ایسے نابکار) کی سزا دنیا میں (بھی) رسوائی ہی اور قیامت کے دن بھی ہم اسکو عذاب دوزخ چکھائینگے

دوسری آیت سورۃ العلق میں ہے جہاں اللہ تعالی فرماتا ہے۔

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی اَرَءَیْتَ اِنْ کَانَ عَلَی الْھُدٰٓی اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی اَرَءَیْتَ اِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِیَةِ نَاصِیَةٍ کَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ فَلْیَدْعُ نَادِیَهٗ سَنَدْعُ الزَّبَانِیَةَ کَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔

(اے پیغمبر!) تم نے اس شخص (کی حال) پر نظر کی کہ جب (ہمارا ایک) بندہ نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے، تو وہ اُسی منع کرتا ہے بھلا دیکھو تو (سہی) اگر (یہ شخص خود) راہ راست پر ہے یا لوگوں کو پرہیزگاری سکھاتا ہے (جیسا کہ وہ سمجھتا ہے) بھلا دیکھو تو (سہی) اگر (یہ شخص کلام الہی کو جھٹلاتا اور (دین حق سے) روگردانی کرتا ہی (بہر حال) کیا اس کو (اتنی بات کی) خبر نہیں کہ (دونوں صورتوں میں) خدا (اسکے حال کو) دیکھ رہا ہے وہ سن رکھے کہ اگر (اپنی کرتوت سے) باز نہیں آئیگا تو ہم (اس کے) پٹھے (یعنی) اُس جھوٹے خطاکار کے پٹھے پکڑ کر گھسیٹینگے تو اس کو چاہئے کہ اپنے ہم نشینوں کو (مدد کیلیئے) بلائے ساتھ کے ساتھ ہم جلاد فرشتوں کو بلا لینگے۔ سنو جی! ہرگز اس کا کہا نہ مانو اور بے تامل سجدہ کرو اور قرب حاصل کرو۔

ف

یہ آیتیں سب ابوجہل بن ہشام کی شان میں نازل ہوئی ہیں[ع] ۔ جو اسلام کا سب سے بڑا موذی دشمن تھا یہ ابوجہل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا۔ مگر آپ کو نماز پڑہنے سے مانع ہوتا تھا اور آپ کو دہمکایا کرتا تھا کہ اگر اس نئے طریقہ پر عبادت کروگے تو گردن مروڑ دوں گا اور اپنے

ع در المنثور ۱۲

ساتھیوں کو تم پر چڑھا لاؤنگا عہ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ پیغمبر سے ارشاد فرماتا ہے کہ وہ کمبخت اپنے ساتھیوں کو تم پر کیا چڑھا لائیگا۔ ہم ہی اس کی بری طرح خبر لیں گے اس کو ذلت کی مار ماریں گے اور چٹھے پکڑ کر گھسیٹینگے اگر اس میں قدرت ہو تو جن ساتھیوں پر اس کو بڑا غرہ ہو ان کو مدد کے لئے بلائے اور اس آنیوالے عذاب کو دفع کرے۔

جب بدر کی لڑائی پیش آئی ابوجہل کے یار و مددگار کچھ کام نہ آئے اور وہ بہت بُری طرح سے مارا گیا۔

جنگ سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ صلعم نے فرمایا کاش کوئی خبر لاتا کہ ابوجہل کا کیا حشر ہوا، ابن مسعود، یہ سنکر کھڑے ہوگئے کہ یارسول اللہ صلعم میں جاکر خبر لاتا ہوں اور تلاش کرتے ہوئے میدان جنگ میں پہونچے۔ دیکھا کہ مقتولوں کے ڈھیر میں ایک طرف ابوجہل بھی پڑا ہوا دم توڑ رہا ہے اس دشمن خدا کو عفرا کے بیٹوں نے مارا تھا اور جسوقت ابن مسعود پہونچے اس میں کچھ جان باقی تھی ابن مسعود نے اس کی داڑھی پکڑ کر پوچھا، کیا تو ہی ابوجہل ہے، اس نے کہا افسوس! جس شخص کو تم نے قتل کیا ہے کیا اس سے بڑے مرتبہ والا بھی کوئی ہے یا ہو سکتا ہے۔

اس عہ کے بعد ابوجہل مر گیا اور اسلام کے لشکریوں نے دوسرے مقتولوں کے ساتھ اسکی چوٹی پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لیجاکر ایک گڑھے میں ڈال دیا اور اس طرح قرآن کی پیشینگوئی پوری ہوئی۔



عہ بخاری جلد ثالث ۱۲، عہ بخاری جلد ثالث ۱۲

پیشنگوئی

(۷۱)

ولید کی ناک پر داغ لگے گا

جیسا کہ سورۃ القلم میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ۔

تو (اے پیغمبر!) تم کسی (ایسے نابکار) کے کے کہے میں نہ آجانا جو بہت قسمیں کھاتا ہے۔ آبرو باختہ ہے (لوگوں پر) آوازی کسا کرتا ہے چغلیاں لگاتا پھرتا ہے اچھے کاموں سے روکتا رہتا ہے۔ حد (بندگی) سے بڑھ گیا ہے۔ بدی اکھڑ ہی (اور) ان (عیوب) کے علاوہ بداصل بھی ہے جب ہماری آیتیں اس کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اس (برتے) پر کہ مال اور (بہت سے) بیٹے رکھتا ہے بول اٹھتا ہے کہ یہ (تو) اگلے لوگوں کے ڈھکوسلے ہیں (اچھا تو وہ ذرا صبر کرے) ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگائینگے

ف

یہ آیتیں ایک بڑے کافر ولید بن مغیرہ مخزومی کے حق میں نازل ہوئی ہیں[۱] کہ وہ نہایت ہی خبیث و موذی تھا اور جن باتوں کے لئے خدا نے اس پر ملامت کی ہے، آدمی کو چاہئے کہ ان سے بچتا رہے۔

خرطوم کے لفظی معنی سونڈ کے ہیں، یہاں حقارت کے لئے آدمی کے حق میں استعمال کیا گیا ہے۔

یہ آیتیں مکی ہیں جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں۔ اس میں یہ پیشینگوئی کیگئی ہے کہ ولید بن مغیرہ کی پیشانی پر یا ناک پر داغ لگایا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جنگ بدر میں یہ کمبخت، اسلام کی مخالفت پر مسلمانوں سے قتال کرنے آیا عین ہنگام کارزار میں اس کی ناک پر زخم لگا[۲] اور قرآن کی پیشینگوئی پوری ہوگئی۔

پیشینگوئی

(۷۲)

منافقوں کے قسمت میں ذلت ہے۔ عزت تو بس اللہ اس کے رسول اور مسلمانوں کی ہے

جیسا کہ سورۃ المنافقین میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

۱؎ تفسیر ابن عباسؓ ۱۲ ۲؎ فتح البیان جلد تاسع ۱۲۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ -	یہی تو ہیں (منافق) جو (لوگوں کو) بہکایا کرتے ہیں کہ جو لوگ رسول خدا کے پاس (آ کر جمع ہوئے) ہیں (اپنا پیسہ) اُن پر نہ خرچ کرو کہ (عاجز آ کر) آخر کو (آپ ہی) تتر بتر ہو جائیں حالانکہ آسمانوں میں اور زمین میں جتنے خزانے ہیں (سب) اللہ ہی کے ہیں مگر منافقوں کو اتنی سمجھ نہیں (یہ منافق) کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ لوٹ کر گئے تو عزت والا، ذلیل کو وہاں سے نکال باہر کرے تو سہی حالانکہ (اصلی) عزت اللہ کی اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی ہے۔ مگر منافقین (اس بات سے) واقف نہیں۔

ف

یہ غزوہ بنی المصطلق کا مذکور ہے۔

۵ھ ہجری میں حارث بن ابی ضرار رئیس خزاعہ نے چند قبائل عرب کو اسلام کی مخالفت پر ابھار کر جدال و قتال پر آمادہ کیا۔ جب یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی آپ نے بریدہ بن الحصیب اسلمی کو جاسوس بنا کر تحقیق حال کے لئے بھیجا اُنھوں نے حارث ابی ضرار سے گھل مل کر تمام باتیں دریافت کر لیں اور واپس آ کر رسول خدا کو ہو بہو کہہ سنایا۔

رسول خدا صلعم نے بھی جنگ کی تیاری کی۔ زید بن حارثہ رضؓ کو مدینہ منورہ میں

اپنا جانشین چھوڑا مہاجرین کا عَلَم ابوبکر صدیقؓ یا علی مرتضیٰؓ کے ہاتھ میں دیا۔ انصار کا عَلَم سعد بن عبادہؓ کے سپرد کیا۔ اور عمر فاروق اعظمؓ کو مقدمہ لشکر پر متعین فرمایا اور قتال کے لئے مدینہ سے چل کھڑے ہوئے اس لشکر میں مہاجرین کے تیس ۳۰ گھوڑے اور انصار کے بیس گھوڑے تھے۔ مال وغنیمت کی لالچ سے بہت سارے منافقین بھی ہمراہ ہو لئے جن کا سردار عبد اللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین تھا لشکر اسلام کی آمد آمد سنکر بنو مصطلق کے قلوب پر ایسا رعب چھایا کہ اطراف و اکناف سے جس قدر لوگ لڑانے کیلئے جمع ہوئے تھے سب متفرق ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلدیئے رسول خدا صلعم نے پہنچکر چاہ مریسیع پر نزول اجلال فرمایا اور کفار نے بعد ترتیب لشکر میدان مقابلہ کا رخ کیا پہلے ہی حملہ میں مسلمانوں نے مشرکوں کے علم بردار کو تلوار کی نوک پر رکھ لیا۔ اور اس کے قتل ہوتے ہی دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے لشکر کفار نے شکست فاش کھائی۔ بہت سے گرفتار ہوئے۔ بقیہ جان بچا کر بھاگ گئے۔
جنگ سے فارغ ہونے کے بعد ایسا ہوا کہ سنان بن دبر حلیف انصار اور جہجاہ بن سعید غفاری حلیف مہاجرین کے درمیان میں جھگڑا ہو گیا۔ جہجاہ نے غصہ میں آکر سنان کے منہ پر زور سے طمانچہ مارا کہ اس کے منہ سے خون جاری ہو گیا۔ سنان عاجز آکر اپنے حلیف انصار کی دہائی دینے لگا۔ اور اس کی آواز پر ہر طرف سے انصار گرد آگئے اس مجمع کو دیکھکر جہجاہ گھبرایا، اور تو کچھ بن نہ پڑا، مضطر ہو کر چلایا کہ یا مہاجرین!! آواز کا سننا تھا کہ مہاجرین لپک لپک کر پاس پہنچ گئے۔ اب قریب تھا کہ مہاجرین و انصار کے درمیان میں خونریزی واقع ہو اور زمانۂ جاہلیت کا جاہلانہ سماں پیش نظر ہو جائے مگر بعض دور اندیش مہاجرین کے سمجھانے سے سنان، جہجاہ کے قصور سے درگذرا اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

عبد اللہ بن ابی بن سلول راس المنافقین قبیلہ انصار میں سے تھا جب اس نے

سنا کہ جہجاہ نے جو مہاجرین کا حلیف ہے سنان انصاری کے ساتھ ایسی بد سلوکی کی، تو عبد اللہ کی رگ کفر و نفاق حرکت میں آئی وہ تو ہمیشہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتا رہتا تھا یہ ایک اچھا موقع ملا انصار اور اپنے ہم مشرب لوگوں کو جمع کر کے کہنے لگا کہ مہاجرین کی ساری کثرت و قدرت اہم انصار کی وجہ سے ہے جنہوں نے کہ سے بلا کر ان کو مدینہ میں جگہ دی اور اس کا بدلہ ہم کو یہ ملتا ہے کہ اسلئے ہمیں کو ذلیل کیا جاتا ہے

منافقین اپنے نزدیک مسلمانوں کو اپنے مقابلہ میں کمزور و ذلیل تو سمجھتے ہی تھے لگے کہنے کہ اچھا اب تو ہم لوٹ کر مدینہ پہنچے اور ان ذلیلوں (اہل اسلام کو نکال باہر کیا کہ نہ یہ رہیں گے اور نہ فساد ہو گا۔ ؏

اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کی تکذیب فرمائی کہ یہ جھوٹے بیوقوف خلاف کی باتیں کہتے ہیں۔ یہ خود ذلیل و خوار ہیں۔ انھیں کی قسمت میں رسوائی ہے اور سچی عزت تو بس اللہ اللہ کے رسول اور اہل اسلام کی ہے۔

آخر زید بن ارقم کی وجہ سے عبد اللہ بن ابی منافق اور اس کے اتباع کا سارا راز فاش ہو گیا۔ قرآن نے منافقوں کو مسلمانوں سے علیحدہ کر دیا وہ دونوں فرقوں میں ذلیل و رسوا ہو گئے اور مسلمان ہمیشہ ترقی کے منازل کو باوصف روک ٹوک کے طے کرتے رہے۔ یہانتک کہ عزت و اقبال کے بالا ترین مقام پر پہنچ گئے۔ سُبْحَانَهٗ جَلَّتْ كِبْرِيَائُهٗ۔



؏ مدارج النبوۃ جلد اول۔

پیشینگوئی

(۷۳)

محمد مصطفیٰؐ کی نسل میں بڑی خیر و برکت ہوگی

(۷۴)

محمد مصطفیٰؐ کے دشمن کا کوئی نام لیوا نہ رہیگا

جیسا کہ سورۃ الکوثر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ
فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انۡحَرۡ
اِنَّ شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ

(اے پیغمبر) ہم نے تم کو بڑی خیر و برکت دی ہے تو (اس کے شکریہ میں) اپنے پروردگار کی نماز پڑھو اور (اس کے نام کی) قربانی کرو جو تمہارا بُرا چاہے اُسی کا کوئی نام لیوا نہ رہے گا۔

ف

عرب میں ابتر اس مرد کو کہتے تھے جس کے کوئی بیٹا نہ ہو۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تین فرزند پیدا ہوئے ابراہیم قاسم اور عبداللہ اور تینوں صغیر سنی میں انتقال کر گئے۔

سے الفراح ۱۲

چونکہ آپ کے کوئی بیٹا نہ تھا کافر کہتے تھے کہ دین و مذہب کے سارے بکھیڑے اس شخص کے جیتے جی کے ہیں پھر آگے کو اسکی نسل منقطع ہے تو یہ خرخشے بھی اس کے ساتھ ہو چکیں گے اس سورہ میں خدا نے کافروں کا جواب اور پیغمبر خدا کی تسلی فرمائی کہ تمہارے بیٹا نہیں ہے مگر سارے مسلمان جو روز قیامت تک ہوں گے وہ سب تمہارے ہی فرزند ہیں اور اپنے صلبی فرزندوں سے زیادہ اطاعت گذار۔ جو مطلب اصلی فرزند سے حاصل ہوتا ہے وہ امت کے لوگوں سے باحسن وجوہ حاصل ہوتا ہے۔ بیٹا نہ ہوا نہ سہی۔ تمہاری دینی نسل قیامت تک منقطع ہونیوالی نہیں ہے۔

آپ کے فرزندوں میں سب سے پہلے قاسم کا انتقال ہوا[ع] ان کے بعد عبد اللہ فوت ہوئے، عبد اللہ کے بعد ابراہیم نے قضا کیا۔

جس وقت قاسم یا ابراہیم کا انتقال ہوا، عاص بن وائل سہمی جو آپ کا سخت ترین دشمن تھا، خوش ہو کر کہنے لگا کہ محمد (صلعم) ابتر ہے اسکی نسل منقطع ہوگئی اور اب اسکا کوئی نام لیوا نہ رہیگا۔

اللہ تعالیٰ نے اس مردود کی تکذیب فرمائی کہ تم ابتر نہیں ہو بلکہ خود تمہارا دشمن عاص بن وائل ابتر ہے اور اس کا کوئی نام لیوا نہ رہے گا۔

جمہور اسی طرف ہیں کہ یہ آیت عاص بن وائل کی تکذیب میں نازل ہوئی ہے مگر بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ابولہب کی شان میں نازل ہوئی اور بعض ابوجہل کو بتاتے ہیں اگرچہ صحیح بات یہی ہے کہ آیت میں عاص بن وائل کی تکذیب کیگئی ہے اور اس کے حق میں قرآن کی پیشینگوئی بھی حرف بحرف پوری اتر گئی لیکن دوسرے

[ع] در المنثور جلد خامس۔

مذاہب مختلفہ کے تسلیم کر لینے میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ ابولہب اور ابوجہل کی نسل بھی دنیا میں نہ چلی اور پہلی ہی پشت میں نسل کا خاتمہ ہوگیا۔

ابولہب لاولد مرا۔ ابوجہل کے ایک بیٹا تھا عکرمہؓ جو بعد کو مسلمان ہوا۔ عکرمہ کے کوئی بیٹا نہیں ہوا۔ اور اس طرح جو بات اس نے پیغمبر خدا کی نسبت کہی تھی وہ اُسی پر اُلٹ پڑی۔

غرض اِنَّ شَانِئَكَ سے ابولہب مراد ہو یا ابوجہل مراد ہو یا عاص بن وائل سہمی کی تکذیب ہو۔ ہر حالت میں قرآن کی پیشینگوئی صحیح اتر گئی۔ بہرکیف اس سورہ میں دو پیشینگوئیاں ہیں۔

پہلی پیشینگوئی

یہ فرمائی کہ سرورِ کائنات کی امت جن کی کثرت قیامت تک رہیگی۔ فرزندوں سے بڑھ کر آپ کی اطاعت گذار ہوگی اور آپ کی آل اطہار میں بڑی خیر و برکت ہوگی یعنی آپ کی طاہر بیٹی جناب فاطمہ زہرا کی نسل جن میں فوق العادۃ ترقی ہوئی الفاظ "اعطیناک الکوثر" کا یہی مفاد ہے اور اس پیشینگوئی کی صحت آج بھی بدیہی طور پر شاہد ہے۔

دوسری پیشینگوئی

آپ کے دشمن (ابولہب یا ابوجہل یا) عاص بن وائل کا منقطع النسل ہونا جیسا کہ اوپر گذر چکا

تحقیق

بعض مفسرین نے اس پیشینگوئی کو عاص بن وائل پر منطبق کیا ہے۔ بعض نے ابولہب

اور بعض نے ابوجہل پر لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس خصوصیت کیساتھ مفسرین منطبق کرنا چاہتے ہیں ان میں سے کسی پر بھی یہ پیشینگوئی منطبق نہیں ہوتی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تین ناہنجار دشمنوں میں سے کوئی ایک بھی منقطع النسل ہو کر نہیں مرا۔ بلکہ عاص بن وائل کے فرزند عمرو بن عاص اور ابوجہل کے فرزند عکرمہ بن ابی جہل تو مشاہیر صحابہ۔ دہاۃ عرب اور اسلام کے بڑے جانباز بہادروں میں شمار کئے گئے علاوہ اس کے جب خود قرآن نے رسول اللہ صلعم کے منقطع النسل دشمن کی تعیین نہیں کی اور شان نزول کی روایات میں تینوں دشمنان رسول کا نام لیا جاتا ہے۔ تو پھر کسی ایک کی تخصیص بے ضرورت ہے بلکہ بلا تخصیص یہ پیشینگوئی صحیح اتر جاتی ہے۔

پیشینگوئی صاف ہے۔ اللہ تعالی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ ہم نے تم کو بڑی خیر و برکت دی ہے اور تم نہیں بلکہ تمہارا دشمن ابتر یعنی منقطع النسل ہے جس کا کوئی نام لیوا نہ رہے گا۔

محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل میں جو خیر و برکت ہوئی اور ہے وہ مثل بدیہیات کے روشن ہے جب سے تاریخ کا پتہ چلتا ہے ایسی برکت اور کثرت آج تک نوع انسان کے کسی متنفس کی نسل میں نہیں ہوئی۔ اولاد کی تمنا عموماً اپنی بقائے نام و نشان کیواسطے کیجاتی ہے اور اس غرض کو امت محمدیہ نے جس خوبی سے کیساتھ پورا کیا اور کر رہی ہے آج تک نہ کسی باپ کی اولاد نے کیا نہ آیندہ کبھی کر سکتی نہ کرے گی۔

بخلاف اس کے محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا عبرت ناک حال دیکھو کہ وہ کیسے منقطع النسل اور واقعی کیسے ابتر ہیں پیغمبر عرب کی دشمنی کی وجہ سے اور آپ کے روشن نام کے صدقہ میں صرف ان دشمنوں کا نام تو باقی ہے جن پر قیامت تک ذلت و لعنت کی بارش رہیگی باقی نہ ان کی نسل و اولاد کا پتہ ہے نہ تمام

کرہ عالم میں کوئی ایک شخص بھی ایسا ہے جو اپنے کو ابولہب یا ابوجہل یا عاص بن وائل کی اولاد میں بتائے بلکہ اگر واقعی کوئی ایک آدھ آدمی ان کی نسل میں ہوگا بھی تو اپنے کو انکی نسل میں بتانے سے شرم کرتا ہوگا پس ابولہب وغیرہ دشمنان رسول کا نام بھی رسول اللہ صلعم کی وجہ سے ہی باقی ہے ورنہ وہ تو درحقیقت منقطع النسل ہی ہیں جن کا دنیا میں کوئی نام لیوا نہیں ہے۔

پیشنگوئی

(۷۵)

محمد رسول اللہ کے بعد کچھ مسلمان اسلام سے پھر جائینگے

(۷۶)

ان مرتدوں پر ایسے پاک مسلمان غالب ہوں گے جو آپس میں نرم اور کفار پر سخت ہوں گے

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں تین مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ البقرہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ	اور جو تم میں اپنے دین سے برگشتہ ہوگا اور کفر ہی کی حالت میں مرجائے گا تو ایسے

كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

لوگوں کا کیا کرایا، دنیا اور آخرت (دونوں میں) اکارت اور یہی ہیں دوزخی (اور) وہ ہمیشہ (ہمیشہ) دوزخ ہی میں رہنے والے ہیں۔

دوسری آیت سورۃ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا

اور محمد اس سے بڑھکر اور کیا کہ ایک رسول ہیں اور بس ان سے پہلے (اور) بھی رسول ہو گذرے ہیں پس اگر (محمد) اپنی موت سے مر جائیں یا مارے جائیں تو کیا تم اپنے الٹے پیروں (کفر کی طرف) پھر لوٹ جاؤ گے۔ اور جو ابھی الٹے پیروں (کفر کیطرف) لوٹ جائے گا۔ وہ خدا کا تو کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا۔

ف

ان آیتوں میں صاف طور پر تو نہیں مگر کنایۃً انداز کلام سے یہ پیشینگوئی نکلتی ہے کہ رسول اللہ صلعم کے بعد کچھ مسلمان دین اسلام سے پھر جائیں گے مگر ان کے ارتداد سے اسلام کا کچھ نقصان نہ ہوگا۔

تیسری آیت سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ

مسلمانو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین اسلام سے پھر جائے تو خدا (کو اسکی کچھ پروا نہیں وہ) ایسے لوگ لاموجود کریگا

يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهُ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ	جن کو وہ دوست رکھتا ہوگا اور وہ اس کو دوست رکھتے ہوں گے۔ مسلمانوں کیساتھ نرم۔ کافروں کے ساتھ کڑے۔ اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑادیں گے اور کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت کا کچھ باک نہیں رکھیں گے۔ یہ (بھی) خدا کا (ایک) فضل ہے جس کو چاہے دے اور اللہ (کی رحمت بڑی) وسیع (ہے اور وہ سب حال سے) واقف ہے۔

ف

اس آیت نے پیشگوئی کی پوری صراحت کردی کہ آنحضرت کے بعد کچھ مسلمان دین اسلام سے منحرف ہوکر مرتد ہوجائیں گے پھر اللہ تعالیٰ ان پر ایسے مسلمانوں کو مسلط کرے جو اللہ کے خاص بندے ہوں گے۔ وہ اللہ کو چاہتے ہوں گے اللہ ان کو چاہتا ہوگا وہ مسلمانوں پر نرم ہوں گے کافروں پر سخت ہوں گے اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑادیں گے اور کسی ملامت کرنیوالے کی پروا نکریں گے۔

عرب کے گیارہ فرقے مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہوگئے تھے جن میں تین فرقے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مرتد ہوئے سات فرقے جناب امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں دین اسلام سے منحرف ہوئے اور ایک فرقہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مرتد ہوا۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

پہلا فرقہ - بنو مدلج کا ہے، ان کا رئیس، ذوالحمار اسود عنسی تھا اس کاہن نے نبوت کا دعوی کرکے یمن کے بہت سے شہروں پر قبضہ کرلیا اور تمام بنو مدلج وغیرہ نے مرتد ہوکر اس کا ساتھ دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال کو یمن کے شہروں سے نکال باہر کیا تو آپ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور انھوں نے سادات یمن کو ساتھ لیکر اس جھوٹے نبی کا قلع قمع کردیا۔

جس روز اسود عنسی قتل ہوا، اسی رات کو رسول اللہ صلعم نے اس کے قتل کی خبر دی اور اس کے دوسرے روز صبح کو آپ نے انتقال فرمایا۔ ؎

دوسرا فرقہ - بنو حنیفہ کا جن کا سردار مسیلمہ کذاب تھا اس کذاب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نبوت کا دعوی کیا بنو حنیفہ کے لوگ مرتد ہوکر اس کے پیرو ہوگئے آخر ابوبکر صدیق رض نے اپنے عہد خلافت میں اس پر لشکرکشی کی اور وحشی غلام جس نے ایام جاہلیت میں حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا۔ اس کا قاتل ثابت ہوا۔

تیسرا فرقہ - بنو اسد کا جن کے سردار طلیحہ بن خویلد نے نبوت کا دعوی کرکے بغاوت کا جھنڈا بلند کیا۔ رسول اللہ صلعم کے حکم سے حضرت خالد نے اس کا مقابلہ کیا۔ طلیحہ شکست کھاکر شام کی طرف بھاگا۔ پھر آخر میں مسلمان ہوا، اور اسلام کی حالت میں قضا کیا۔ سات فرقے جناب صدیق اکبر رض کے زمانۂ حکومت میں مرتد ہوئے۔

(۱) **چوتھا فرقہ** - فزارہ کا جن کا رئیس عینیہ بن حصن تھا۔

(۲) **پانچواں فرقہ** - غطفان جن کا سردار قرۃ بن سلمی قشیری تھا۔

(۳) **چھٹواں فرقہ** - بنو سلیم جن کا سردار فجارۃ بن عبد یالیل تھا۔

(۴) **ساتواں فرقہ** - بنو تمیم جن کی سردار سجاح بنت المنذر عورت تھی قبیلہ بنی تمیم کی

؎ کشاف ۱۲

اس عورت نے دعوی نبوت کیا پھر مسیلمہ کذاب سے اس کا نکاح ہوا پھر ابو بکر صدیق رض کے عہد خلافت میں تائب ہو کر مسلمان ہو گئی سجاح تیمیہ کی پیروی میں اس کے قبیلہ کے کچھ ہی لوگ مرتد ہوئے تھے۔

(۶) **نواں فرقہ**۔ کندہ جس کا سردار اشعث بن قیس تھا۔

(۷) **دسواں فرقہ**۔ بنو بکر بن وائل جن کا سردار حطم بن زید تھا۔ بحرین کے قبائل میں سے یہی ایک قبیلہ مرتد ہوا تھا۔

(۸) **گیارہواں فرقہ**۔ قبیلۂ غسان جس کا سردار جبلہ بن ایہم غسانی تھا۔

جبلہ بن ایہم حضرت عمرؓ کے عہد میں مسلمان ہوا تھا ایام حج میں ایک روز وہ طواف کعبہ کر رہا تھا اور چادر زمین تک لٹکتی تھی اتفاقاً پیچھے سے کسی بدوی کا پاؤں چادر پر پڑ گیا جس پر غضبناک ہو کر جبلہ نے بدوی کو ایک طمانچہ مار دیا۔ بدوی نے دربار فاروقی میں استغاثہ دائر کیا حضرت عمرؓ نے مدعی علیہ کو طلب کیا معاملہ صاف تھا مدعی علیہ نے اپنے قصور کا اعتراف کیا اور حضرت فاروق اعظم نے یہ فیصلہ کیا کہ بدوی اگر قصور کو معاف نہ کر دے تو ویسا ہی ایک طمانچہ جبلہ کو بھی برداشت کرنا لابد ہے جبلہ نے گھبرا کر کہا میں اس طمانچہ کی عوض میں بدوی کو ہزار روپیہ دیتا ہوں۔ بدوی نے کہا میں روپیہ لینا نہیں چاہتا، قصاص چاہتا ہوں آخر جبلہ بڑھتے بڑھتے دس ہزار تک آیا مگر بدوی اپنی ہی ضد پر قایم رہا۔ کہ میں طمانچہ مار کر رہونگا۔ جبلہ نے خلیفہ سے عرض کیا کہ مجھکو مہلت دی جائے تا اس بدوی کو راضی کروں۔ حضرت عمرؓ نے یہ درخواست منظور کی۔ جبلہ نے دیکھا کہ بدوی تو اپنی ضد سے باز آنے کا نہیں اور قصاص کا جاری ہونا میری شان ریاست کے خلاف اور اس میں سراسر میری ہتک ہے پس اس کو سوائے اس کے کوئی چارہ کار نظر نہ آیا کہ خلیفہ کی دی ہوئی مہلت کے اندر مرتد ہو کر روم کی طرف بھاگ گیا۔

بہرحال تین فرقے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مرتد ہوئے آپکے انتقال کے بعد اہل مکہ اہل مدینہ اور اہل بحرین کے سوا عامہ اہل عرب مرتد ہوگئے ان میں بہت سے ایسے مرتد تھے جو اقرار اسلام کے ساتھ احکام قرآنی میں ترمیمات کرتے تھے مثلاً قرآن میں ایک مہینہ کا روزہ ہے انھوں نے پندرہ دن کم کردئے زکات ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر فرض کی گئی تھی اس کو مدفضول قرار دیا اسطرح اور بہت سی اصلاحیں کیں جس سے ایک فساد اور قوم و اسلام میں خطرناک شورش کی صورت پیدا ہوگئی۔

اسلام کی حفاظت ضروری تھی اور چونکہ خداوندی قانون شریعت میں ردوبدل کرنا خود ایک بہت بڑا جرم تھا اس لئے پہلے تو ان کو سمجھایا گیا اور جب باز نہ آئے تو امام وقت حضرت صدیق اکبر نے ان سے قتال کا حکم دیا بہت سے قتل ہوئے اور ایک جم غفیر نے توبہ کی جب خلیفۂ صدیق نے ان مرتدوں سے قتال کرنے کا فرمان نافذ کیا تو شروع شروع میں تمام صحابہ نے آپ کی رائے سے اختلاف کیا چنانچہ جناب فاروق اعظم نے لسان القوم بن کر آپ سے عرض کیا اے امیرالمومنین آپ ان لوگوں سے قتال کرنے کو کیونکر جائز قرار دیتے ہیں جو کلمۂ لاالہ الا اللہ پڑھتے ہیں مسلمان سے قتال وجہاد تو حرام ہے آپ نے جواب دیا کہ ایسے نالائق لوگ ہرگز مسلمان نہیں کہے جاسکتے جو احکام قرآن میں ترمیم کریں اور خدا کی قسم! جن باتوں کا حکم ہمکو اللہ اور اسکے رسول نے دیا ہے اگر ایک جو برابر بھی کوئی اس میں کمی بیشی کرے گا تو میں اس سے قتال کروں گا۔

خلیفۂ وقت نے بہت کچھ سمجھایا مگر صحابہ میں سے کسی ایک نے بھی آپ سے اتفاق نہ کیا یہ رنگ دیکھکر حضرت صدیق اکبر نے اپنی اونٹنی کی مہار پکڑ لی، غلام کو ساتھ لیا اور چلتے ہوئے صحابہ سے فرمایا کہ اگر تم میرا ساتھ نہیں دیتے تو یہ لو، میں تنہا جاکر ان

مرتدوں سے قتال کرتا ہوں تاکہ قیامت کے دن میں اپنی بریت کر سکوں۔

خلیفہ کو اسلح آمادۂ قتال پاکر صحابہ متاثر ہوئے حضرت عمرؓ نے آگے بڑھکر مہار پکڑلی اور خلیفہ برحق سے فرمایا کہ ہمارا اختلاف محض مشورہ کے طور پر تھا لیکن اگر آپ اس سے موافق نہیں ہیں تو آپ کے حکم کی تعمیل کیلئے ہم سب حاضر ہیں آپ تنہا نہیں جا سکتے۔

اس کے بعد فوجیں تیار ہوئیں۔ مرتدوں سے قتال ہوا۔ بہت سے مارے گئے بقیہ نے توبہ کی۔[۵]

اس معاملہ کی یکسوئی کے بعد تمام صحابہ کو اپنی رائے کی غلطی کا اعتراف کرنا پڑا چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ نے تو صاف طور پر فرمادیا کہ "واللہ ابوبکر کی رائے ہم تمام لوگوں کی رائے سے بہتر تھی اگر اس روز ابوبکر کا قدم ذرا بھی بھچلتا تو اسلام کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہوجاتا۔"[۵]

اس واقعہ سے ابوبکر کے استقلال، ہمت، اصابت رائے۔ اور امامت علی منہاج النبوت کا پتہ ملتا ہے۔

نکتہ

یہ آیت ابوبکر صدیقؓ کی حقیقت امامت پر واضح دلیل ہے اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ جو مسلمان مرتد ہوں گے اُن پر ہم ایسے لوگوں کو مسلط کریں گے جو اللہ کے محبوب ہوں گے اور وہ اللہ کو چاہتے ہوں گے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان مرتدوں کو مغلوب و مقہور کرنیوالے ابوبکر صدیقؓ تھے پس آپ ہی اس صفت کے مصداق ہوئے اور ایسا ہی امام، امام برحق ہے۔

---

[۵] تاریخ الخلفاء ۱۲۔ [۵] نہج البلاغت ۱۲۔

بلاشک تین فرقے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی مرتد ہوئے تھے مگر مگر آنحضرت صلعم اس آیت میں مراد نہیں ہو سکتے۔

اولاً:- اسوجہ سے کہ آیت میں "سَوفَ یَاتِی اللہُ" فرمایا گیا ہے اور سوف استقبال کیلئے آتا ہے نہ حال کیلئے تو معنی یہ ہوے کہ کچھ مسلمان مرتد ہوں گے اور آیندہ زمانہ میں ان مرتدوں پر ایسے لوگ مسلط کئے جائینگے جو اللہ کو چاہتے ہوں گے اور اللہ ان کو چاہتا ہوگا۔ اور یہ پیشینگوئی جو استقبال کیلئے ہے۔ رسول خدا پر منطبق نہیں ہو سکتی۔

ثانیاً:- اسوجہ سے کہ تین فرقے اگرچہ رسول اللہ کے زمانہ میں مرتد ہو گئے مگر خود رسول اللہ کو ان مرتدوں سے قتال کرنیکا اتفاق نہیں ہوا۔ نہ آپ کے عہد میں ان کا قلع قمع ہوا بلکہ ان سب مرتدوں پر ابوبکر صدیق مسلط ہوئے۔

پھر دیکھو ان نو مسلم مرتدوں کے مغلوب کرنیوالے لوگ وہی مہاجرین و انصار تھے جو بیعۃ الرضوان میں شریک تھے اور جن کو اللہ تعالےٰ نے اپنی خوشنودی کے پروانے سے ممتاز فرمایا تھا ان سب کے محبوب خدا ہونے اور خدا کے ان کے دوست ہونے میں کیا کلام ہے۔

پہلی پیشینگوئی

بہت سے (نئے) مسلمانوں کا مرتد ہونا۔

دوسری پیشینگوئی

مرتدوں پر ایسے لوگوں کا مسلط ہونا۔

تیسری پیشینگوئی

جو اللہ کے محبوب ہوں گے اور وہ اللہ کو چاہتے ہوں گے اس سے زیادہ ابو بکر رض کے محبوب خدا ہونے کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ محض خدا کی خوشنودی اور اس کے رسول کی بات قایم رکھنے کے لئے کسی کی پروانہ کر کے تن تنہا جان دینے پر آمادہ ہو گئے

چوتھی پیشینگوئی

ان کا آپس میں نرم اور کفار پر سخت ہونا - اور یہ امر تاریخ و سیر سے ثابت ہے کفار سے قتال کرنا ہی اُن پر سخت ہونیکی بدیہی دلیل ہے اور آپس میں نرم ہونا اسی سے ظاہر ہے کہ باوجود ایسے سخت اختلاف رائے کے صحابہ نے گوارہ نہیں کیا کہ ابو بکر تنہا جا کر ہلاکت میں پڑیں -

پانچویں پیشینگوئی

راہ خدا میں جہاد کرنا اور یہ محتاج صراحت نہیں -

چھٹویں پیشینگوئی

کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہ ڈرنا چنانچہ باوجود اس کے کہ ہزاروں صحابہ میں ایک متنفس بھی ابو بکر کا موافق نہ تھا آپنے کسی کی پروا کی نہ ملامت کا خوف کیا بلکہ راہ خدا میں اکیلے چل کھڑے ہوئے -

پیشنگوئی

(۷۷)

ابولہب خود ہلاک ہوگا

(۷۸)

ابولہب کا مال (دولت) پر اُس کے کچھ کام نہ آئیگا

جیسا کہ سورۃ اللہب میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ

(جیسے ابو لہب نے پیغمبر کو ما کو سلہ سے اُسلئے ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہوگیا نہ تو اس کا مال ہی کچھ اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔

آیت میں دو پیشنگوئیاں ہیں۔

پہلی پیشنگوئی

جب آیت أَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ۔ نازل ہوئی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا پر تشریف لے گئے۔ اور اوپر چڑھ کر بلند آواز سے پکارنے لگے یا بنی فہر یا بنی عدی یہانتک کہ تمام قریش جمع ہوگئے آپ نے سب سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ لوگو! اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک بڑی فوج تاک میں ہے کہ موقع پاکر

تم پر ٹوٹ پڑے۔ تو کیا تم اس خبر کو باور کرو گے، قریش نے جواب دیا ضرور باور کریں گے کیونکہ آج تک تمہاری زبان سے کوئی جھوٹ نہیں سنا گیا آپ نے فرمایا ایسا ہے تو میں تم کو عذاب قیامت سے ڈراتا ہوں۔ اتنا سنتے ہی ابولہب نے آپ کی طرف پتھر چلایا اور اپنے محاورہ کے مطابق کہا کہ۔ تیرے ٹوٹیں دونوں ہاتھ اور تیرا جائے ستیاناس" کیا یہی باتیں سنانے کے لئے تو نے ہمیں تکلیف دی۔

اس کے جواب میں یہ سورۃ نازل ہوئی کہ پیغمبر کا ستیاناس نہیں جائے گا جبکہ "بلکہ خود" ابولہب ہلاک ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ پیغمبر خدا زندہ ہی تھے اور ابولہب جنگ بدر کے چند دنوں بعد پاؤں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔

ہلاکت ہر انساں کے لئے ہے۔ کوئی ہمیشہ زندہ نہ رہا ہے نہ رہے گا۔ یہاں تک کہ خود پیغمبر خدا کو بھی حیات دائمی (جسمانی) نہیں۔ یہاں ابولہب کی ہلاکت سے یہ مطلب ہے کہ اس نے جو پیغمبر کو ہلاک ہونیکی بد دعا دی ہے اس کا مصداق خود ہی ہوگا۔ وہ پیغمبر کو ہلاک ہوتے نہ دیکھیگا۔ بلکہ ان کی پاک زندگی میں وہ ہی ہلاک ہو جائے گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔

جناب حالی پانی پتی نے اس واقعہ کو اپنے مسدس حالی میں ذرا مختصر الفاظ میں یوں ادا کیا ہے۔

وہ فخر عرب زیب محراب و منبر — تمام اہل مکہ کو ہمراہ لیکر
گیا ایک دن حسب فرمان داور — سوئے دشت اور چڑھ کے کوہ صفا پر

یہ فرمایا سب سے کہ اے آل غالب
سمجھتے ہو تم مجھکو صادق کہ کاذب

کہا سب نے قول آجتک کوئی تیرا — کبھی ہم نے جھوٹا سنا ہے نہ دیکھا
کہا گر سمجھتے ہو تم مجھکو ایسا — تو باور کرو گے اگر میں کہوں گا

کہ فوج گراں پشت کوہ صفا پر

پڑی ہے کہ لوٹے تمہیں گھات پاکر

کہا، تیری ہر بات کا یاں یقیں ہے | کہ بچپن سے صادق تو ہی اور امیں ہے

کہا گر مری بات یہ دل نشیں ہے | تو سُن لو خلاف اس میں اصلا نہیں ہے

کہ سب قافلہ یہاں سے ہے جانیوالا

ڈرو اس سے جو وقت ہے آنیوالا

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی | عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

نئی اک لگن دل میں سب کے لگا دی | بس اک آن میں سوتی بستی جگا دی

پڑا ہر طرف غل یہ پیغام حق سے

کہ گونج اٹھے دشت وجبل نام حق سے

دوسری پیشنگوئی

ابولہب کا نام عبد العزی بن عبد المطلب تھا اور چہرہ کے چمکدار ہونے کے سبب سے اسکی کنیت ابولہب مشہور ہو گئی۔

یہ ابولہب تھا تو رشتہ میں حقیقی چچا لیکن دین اسلام کی وجہ سے پیغمبر خدا کی جان کا لاگو ہو گیا تھا اس نے بارہا آپ کے شہید کرنے کا قصد کیا جس کی تفصیل کتب تواریخ میں مذکور ہے وہ کسیطرح جائز نہ رکھتا تھا کہ آپ خانہ کعبہ میں نماز پڑھیں یا بتوں کی توہین کریں۔

اس کے مظالم اور ایذاؤں سے تنگ آکر رسول خدا صلعم نے اس کے حق میں بد دعا فرمائی تو کہنے لگا کہ میں دولتمند ہوں۔ اور دولت ہر دنیاوی آفت کے دفع کرنے کا عمدہ آلہ ہے اگر میرا بھتیجا (محمد صلعم) واقعی اپنے دعوی میں سچا ہے

تو میں قیامت میں بھی عذاب الٰہی کو، فدیۂ مال دیکر ٹال دوں گا۔

اللہ تعالےٰ نے ابولہب کی اس بوالفضولی کا جواب دیا کہ دنیا اور آخرت کسی جگہ بھی مال و دولت ابولہب کے کام نہ آئیگا۔

عرب میں ایک بیماری ہوتی تھی (عدسہ) جو بہت خوفناک، منحوس اور متعدی سمجھی جاتی تھی۔ اس میں بدن پر دانے نکل آتے اور سوراخ پڑ جاتے تھے اور جسم سے بدبو آنے لگتی تھی۔ اہل عرب اس بیماری سے بہت ڈرتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ ایسے مریض کے پاس جانے سے وہ بیماری اڑ کر اپنے کو لگ جاتی ہے۔ اسی واہمہ اور عام عقیدہ کا اثر تھا کہ عدسہ کی بیماری جس کو لاحق ہوتی کوئی اس کے نزدیک تک نہ پھٹکتا اور آخر وہ اکیلا رگڑ رگڑ کر مر جاتا۔

ایسا ہوا کہ ابولہب اسی بیماری عدسہ میں مبتلا ہوا۔ اور تمام عزیز و اقارب، دوست آشنا اس کے سایہ سے دور بھاگنے لگے۔ جتنے دن بیمار رہا۔ اس پر دنیا تنگ تھی آخر جنگ بدر کے سات دن کے بعد نہایت بیکسی و خواری کی حالت میں دنیا سے چل بسا مرنے کے بعد بھی کوئی اپنا پرایا نزدیک نہ پھٹکا یہاں تک کہ مکان کے اندر اس کی لاش سڑ گئی۔ اور بدبو پھیلنے پر لوگوں نے بدقت تمام لاش کو باہر نکال کر گڑھے میں توپ دیا اور اللہ کی یہ پیشینگوئی کہ مال و دولت ابولہب کے کچھ کام نہ آئے گا۔ پوری اتر گئی۔



ف ۵ مفاتیح الغیب جلد ہشتم ۱۲

پیشنگوئی

(۷۹)

ابولہب اور اس کی جورو آگ میں پڑیں گے

(۸۰)

ابولہب کی جورو کی گردن میں بٹی ہوئی رسّی ہوگی

جیسا کہ سورۃ ابی لہب میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَہَبٍ وَّتَبَّ مَآ اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَہَبٍ وَّامْرَاَتُہٗ حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ فِیْ جِیْدِہَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ۔

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہوا۔ نہ تو اس کا مال ہی کچھ اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی وہ عنقریب ڈیگ مارتی ہوئی آگ میں جا داخل ہوگا اور اس کی جورو، جو لگائی بجھائی کرتی پھرتی ہے اس کی گردن میں بھانجواں یعنے بٹی ہوئی رسّی ہوگی۔

پہلی پیشنگوئی

ابولہب اور اس کی جورو کے آگ میں پڑنے سے کیا مراد ہے! اکثر علمائے مفسرین

اس طرف ہیں کہ آگ سے جہنم کی آگ مراد ہے! مطلب یہ ہے کہ ابولہب اور اس کی جورو، دونوں کافر مریں گے اور ایسا ہی ہوا کہ ان میاں بی بی سے کسی کو بھی ایمان کی نعمت نصیب نہیں ہوئی اور دونوں کے دونوں خسر الدنیا والاخرۃ کے مصداق ہوئے

بعض علمائے کرام جن میں ہمارے استاد علامہ **عنایت رسول چریا کوٹی** رح بھی ہیں اس آگ سے اسی عدسہ کی بیماری کو مراد دیتے ہیں جس کو بہ سبب فساد وحدت خون کے آگ میں پڑنا کہہ سکتے ہیں۔

اس سلک پر یہ کوئی نئی پیشینگوئی نہیں ہوگی بلکہ اس کا تعلق (۲۸) ویں پیشینگوئی سے ہوگا۔

اس صورت میں "وامرأتہ" کا عطف ابولہب پر نہ ہوگا کیونکہ عدسہ کی بیماری میں صرف ابولہب مبتلا ہوا تھا بلکہ جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ سَیَصلیٰ پر ہوگا یعنی سَیَصلیٰ نارًا ذاتَ لَہَبٍ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ ہوگا۔

(واؤ) حرف عطف امرأتہ مضاف مضاف الیہ ملکر ذوالحال حَمَّالَۃَ الْحَطَب حال، حال وذوالحال ملکر مبتدا ہوا۔ فی جِیدِہَا - خبر مقدم - حبل من مَسَد - مبتدا موخر مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ ہوکر پہلے مبتدا کی خبر ہوا - پھر یہ مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ ہوکر جملہ فعلیہ سیصلے پر معطوف ہوگا۔

اگر نارًا ذات لہب سے جہنم کی آگ مراد لیجائے تو وامرأتہ کا عطف ابولہب پر ہوگا اور حمالۃ الحطب - اور فی جیدہا حبل من مسد - دونوں امرأتہ کے حال واقع ہونگے

دوسری پیشینگوئی

ابولہب کی جورو جس کا نام ام جمیل اروی بنت حرب بن امیہ تھا اور جو ابوسفیان کی بہن

اور حضرت امیر معاویہ رضؓ کی پھوپھی تھی۔ سادات قریش میں کی ایک کانی عورت اور رسول اللہ صلعم کی دشمنی و ایذا دہی میں اپنے شوہر کی رفیق صادق تھی وہ ہمیشہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کے رستہ میں رات کو کانٹے بچھا جاتی کہ آخر ادہر ہو کر گذریں گے تو بیخبری میں کانٹے چبھینگے غرض ابو لہب اور اس کی جورو کی دشمنی کی کوئی حد باقی نہ رہی تھی۔

حمالۃ الحطب کے معنی ہیں لکڑیوں کی اٹھانیوالی اور عربی کے محاورہ میں چغلخور کو بھی کہتے ہیں ایسا ہی فارسی میں شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے بھی یہی محاورہ ایک شعر میں اختیار کیا ہے۔ ؎ میان دو کس جنگ چوں آتش است + سخن چین بدبخت ہیزم کش است

تو یا تو چغلخوری کے اعتبار سے اس کو حمالۃ الحطب کہا۔ یا اس وجہ سے کہ وہ رسول اللہ کے رستہ میں کانٹے لا بچھاتی تھی۔

گردن میں رسی ہونے سے یہ مراد ہے کہ جس طرح لڑکے مثلاً دنیا میں کتے کے پلے کی گردن میں رسی باندھ کر گھسیٹے پھرتے ہیں اسی طرح قیامت میں اسکی بے حرمتی کیجائیگی اور وہ اسی ذلت کی مستحق بھی ہے۔

مگر ابو لہب کی جورو ام جمیل دنیا میں بھی اسی عذاب سے مری۔

وہ مارے خست کے جنگل سے خود جا کر ایندہن لایا کرتی تھی ایک دن کانٹوں کے ایندہن کا پشتارہ سر پر اٹھائے چلی آ رہی تھی کہ پشتارہ گر گیا اور اسکی رسی اس کے گلے میں آگئی اور وہ گلا گھٹ کر اسی وقت مر گئی۔ ؎

خدا اور خاصان خدا کے دشمنوں کا انجام برا ہی ہوا کرتا ہے۔



؎ لباب التاویل جلد خامس و عمدۃ القاری شرح البخاری۔

پیشنگوئی

(۸۱)

کافروں کو اللہ مسلمانوں کے ہاتھ سے سزا دیگا

(۸۲)

مسلمانوں کو فتحیاب کرے گا

۸۳

مسلمانوں کے کلیجوں کو ٹھنڈا کرے گا

۸۴

مسلمانوں کے دلوں میں جو غصہ ہے اس کو دور کریگا

جیسا کہ سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا
أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ
الرَّسُولِ وَهُمْ

مسلمانو! تم ان لوگوں سے کیوں نہ لڑو
جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول
کے نکال دینے کا ارادہ کیا اور تم سے چھیڑ خانی

بَدَءُوكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ۔

اول انھوں نے ہی شروع کی کیا تم ان لوگوں سے ڈرتے ہو پس اگر تم ایمان رکھتے ہو تو (ان سے) کہیں بڑھکر خدا حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ تم ان لوگوں سے (بلا تامل) لڑو خدا تمہارے ہی ہاتھوں ان کو سزا دیگا۔ اور ان کو رسوا کرے گا۔ اور ان پر تم کو فتح دے گا اور مسلمانوں کے گروہ کے کلیجوں کو ٹھنڈا کرے گا۔ اور ان کے دلوں میں جو (کافروں کی طرف سے) غصہ (بھرا ہوا) ہے اس کو بھی دور کرے گا۔



آیت میں پانچ پیشینگوئیاں ہیں۔

پہلی پیشینگوئی

کافروں کو مسلمانوں کے ہاتھ سے سزا دینا اور اس کا پورا ہونا محتاج بیان وتصریح نہیں ہے دشمنوں سے جہانتک بن پڑا انھوں نے چندنوں مسلمانوں کو خوب خوب ایذائیں دیں اور مسلمانوں نے ٹھنڈے دلوں سے سب کچھ برداشت کیا ان چند روزہ مظالم سے سوائے بدنی تکالیف کے انہیں کوئی نقصان نہیں پہونچا مگر جب ان ایذاؤں کی حد ہوگئی اور مسلمانوں نے قوت بہم پہونچا کر بحکم الٰہی اپنی جگہ سے حرکت کی تو دشمنوں کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا۔ یہانتک کہ تمام جزیرہ نمائے عرب اسلام کا مفتوحہ

ملک ہو گیا۔

دوسری پیشنگوئی

مسلمانوں کو کافروں پر فتحیاب کرنا اگرچہ بہادران اسلام کو سوائے حنین کی جنگ کے کسی جنگ میں ناکامی کا منہ دیکھنا نہیں پڑا۔ لیکن مکہ اور حنین کی فتح نے خاص طور پر اس پیشنگوئی کو پورا کر دکھایا۔

تیسری پیشنگوئی

مسلمانوں کے کلیجوں کو ٹھنڈا کرنا۔

عرب میں دو قبیلے تھے بنی بکر اور بنی خزاعہ اور ان دونوں کے درمیان تھا مناقشہ۔ حدیبیہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے صلح کر لی تو بنی بکر قریش کے طرفدار ہو گئے اور بنی خزاعہ مسلمانوں کے۔ مگر اس مصالحت کی رو سے ان دونوں گروہوں کو بھی عہد و پیمان کی پابندی لازم تھی حالانکہ انھوں نے ایسا نہیں کیا۔

مکہ کے قریب ایک کنواں یا چشمہ تھا وتیر، اس پر بنی بکر نے چھیڑ خانی کر کے بنی خزاعہ سے جنگ کی قریش نے صلح نامہ کے خلاف اپنے حلیف بنو بکر کی مدد کی اور بنو خزاعہ کے بہت سے لوگ قتل ہو گئے عمرو بن سالم خزاعی نے مدینہ میں پہونچکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور قریش کے نقض عہد کا ماجرا کہہ سنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریش نے خلاف معاہدگی کی اور صلح ٹوٹ گئی اب ہمارے ان کے جنگ ہو گی چنانچہ آپ نے جہاد کا حکم سنا دیا جب مکہ فتح ہوا تو بنی خزاعہ کی بن آئی اور انھوں نے بنی بکر کو قتل کر کے اپنے کلیجے ٹھنڈے کر لئے۔

ع۵ در المنثور ۱۲

چوتھی پیشنگوئی

ان کے دلوں میں جو غصہ بھرا ہوا ہے اس خلش کو خدا دور کر دے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے لوگ بنی بکر کے مسلمان ہو گئے۔ تو بنی خزاعہ کے دلوں میں جو کچھ بغض و کینہ پہلے سے بھرا ہوا تھا وہ مسلمان ہونے کی وجہ سے جاتا رہا اور سب بھائی بھائی ہو گئے۔

پیشنگوئی

(۸۵)

اللہ کافروں کے زور کو روک دیگا

جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا۔

تو (اے پیغمبر) تم اللہ کی راہ میں (دشمنوں سے) لڑو تم پر اپنی ذات خاص کے سوا کسی کی ذمہ داری نہیں ہے اور (ہاں مسلمانوں کو لڑائی کے لئے) ابھارو عجب نہیں کہ اللہ کافروں کے زور کو روک دے اور اللہ کا زور (سب سے) زیادہ قوی اور اسکی سزا (سب سے) زیادہ سخت ہے۔

ف

جنگ بدر میں دشمنان اسلام کو شکست فاش ملی تو ابوسفیان نے قسم کھائی کہ جب تک محمد (صلعم) اور اصحاب محمد (صلعم) سے اس شکست کا بدلہ نہ لے گا اپنی عورتوں کو ہاتھ نہ لگائے گا۔ آخر ایک روز، دوسو یا چالیس سواران قریش کو لیکر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں تھا عریض یہاں پہونچکر اس نے چند درختوں کو جلا دیا اور ایک بھولے بھٹکے انصاری مسلمان کو پکڑ کر قتل کر ڈالا۔ مسلمانوں سے مقابلہ کرنیکی جرأت نہ پڑی، ساتھیوں سے کہنے لگا کہ ہماری قسم پوری ہوگئی۔ اب آگے بڑھنے کی ضرورت کیا ہے؟ سب کو ساتھ لئے ہوئے مکہ معظمہ کو واپس ہوگیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی آپ نے فوراً دوسو بہادران مہاجرین وانصار کو ساتھ لیا اور ابوسفیان کے مقابلہ کو چڑھ دوڑے۔

ابوسفیان اور اس کے رفقاء تو مسلمانوں کے مقابلہ کا مزا دیکھ چکے تھے لشکر اسلام کی آمد سنکر سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور بھاگنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ لشکریان ابوسفیان کے پاس کھانے کی چیزوں سے ستو بہت تھا سب نے پھینک پھینک کر اپنے کو ہلکا کیا۔ اور سر پر پاؤں رکھکر بھاگے پھر مکہ ہی میں پہنچکر دم لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان بھگوڑوں کا تعاقب نہ کیا اور چھٹویں دن مدینہ میں واپس آگئے۔[۱] اس جنگ کا نام غزوہ سویق ہے کیونکہ سویق عربی میں ستو کو کہتے ہیں۔

---

[۱] مدارج النبوۃ جلد دوم ۱۲۔

اسی طرح سنہ ہجری ذیقعدہ کے مہینہ میں ابوسفیان کیوجہ سے جب لڑائی کی نوبت پہنچی تو باوجود اس کے کہ ابوسفیان نے لڑنے کا وعدہ کیا تھا مگر وقت پر بھاگ نکلا پیغمبر اسلام اپنے بہادران جانباز کو لیے ہوئے آٹھ دن تک انتظار کرتے رہے لیکن کفار کچھ ایسے مرعوب و خائف ہوئے کہ کسی نے ادھر قدم تک نہیں بڑھایا۔ اسی جنگ کا نام بدر صغری ہے اور یہی اللہ برتر کی پیشنگوئی تھی کہ ہم کفار کے زور کو روکدیں گے اور تم سے مقابلہ کرنیکی جرءت نہ کریں گے۔

پیشنگوئی

(۸۶)

کفار شرارت کریں گے تو وہی حال ہوگا جو اگلوں کا ہو چکا ہے

یہ پیشنگوئی قران مجید میں دو مقامات پر ہے

ایک آیت سورۃ الذاریات میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ۔	توجس طرح ان لوگوں کے ہم مشربوں (یعنی پہلی امتوں) کے دلیئے (پیمانے دمقرر) تھے ان ظالموں کے دبھی) (پیمانے دمقرر) ہیں (اور انکے بھرنیکی دیر ہی) تو ہم سے عذاب کی جلدی نہ کریں

ف

مطلب یہ ہے کہ مثلاً جس طرح ناؤ کے ڈوبنے کی ایک حد ہوتی ہے کہ یہانتک اُس میں پانی بھرا اور ڈوبی - اسی طرح گناہ یا وقت کے اعتبار سے ان گنہگاروں کی بھی ایک حد ہے کہ اس حد پر پہونچکر عذاب نازل ہوگا -

دوسری آیت سورۃ الانفال میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے -

قُلْ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَنتَهُوا يُغْفَرْ لَهُم مَّا قَدْ سَلَفَ وَإِن يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ -

(اے پیغمبر!) کافروں سے کہو کہ اگر (اب بھی اپنی شرارتوں سے) باز آجائیں تو اُن کے پچھلے قصور معاف کر دیئے جائیں گے اور اگر پھر (شرارت) کریں گے تو اگلے لوگوں کی روش پڑ چکی ہے (وہ ہی انجام ان کا بھی ہونا ہے ؛

ف

جن صحیح الفطرت کفار نے صراط المستقیم پہچان کر دین اسلام اختیار کیا وہ خدا و رسول کی پناہ میں آگئے اُن کے حقوق سب مسلمانوں کے حقوق کے مساوی قرار پائے اور امن و امان سے زندگی بسر کریں گے - جن خبیث الفطرت کافروں نے نہ مان کر ویسی ہی شرارتیں کیں - ان کو ویسا ہی خمیازہ بھی اٹھانا پڑا - جیسا کہ اگلی امتیں اٹھا چکی تھیں یعنی رفتہ رفتہ سارے کے سارے ذلت و خواری کے ساتھ دار البوار کو سدہارے - قحط سالیوں میں مبتلا ہوئے اور غزوات اسلام تلواروں کے گھاٹ اترے -

بعض علماء نے اس کو ایک جدا پیشینگوئی قرار دی ہے مگر ہمارے نزدیک یہ کوئی نئی اور جدا پیشینگوئی قرار نہیں پا سکتی - ایسی پیشینگوئیاں اوپر گذر چکی ہیں - انہیں میں سے اس کو کسی کے متعلق ہونا چاہیئے -

پیشگوئی

(۸۷)

اگر مسلمان اسلام کی مدد کریں گے تو اللہ اُنکی مدد کریگا اور اُن کو ثابت قدم رکھیگا

یہ پیشگوئی قران مجید میں دو مقامات پر ہی

پہلی آیت سورہ محمد میں ہے جہاں اللہ تعالی فرماتا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم والذین کفروا فتعسا لھم واضل اعمالھم	مسلمانو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کروگے تو وہ (بھی) تمہاری مدد کرے گا اور (دشمنوں کے مقابلہ میں) تمہارے پاؤں جمائے رکھیگا اور جو لوگ (دین حق سے) منکر ہیں اُن کے پاؤں اکھڑ جائیں گے اور اُن کا سارا کیا دھرا، خدا گیا گذرا کردیگا۔

دوسری آیت سورۃ الحج میں ہے جہاں اللہ تعالی فرماتا ہے۔

ولینصرن اللہ من ینصرہ	اور جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ (بھی) ضرور اس کی مدد کرے گا۔

ف

تاریخ جاننے والوں پر پوشیدہ نہیں ہے کہ جب تک مسلمان، اسلام کی اشاعت و امداد میں سرگرم رہے، خدا نے بھی اُن کی کیسی کچھ مدد کی اور کیونکر غیر قوموں سے لڑنے اور جدال و قتال کرنے میں ثابت قدم رہے کہ باید و شاید۔

آیت میں اس بات کی پیشنگوئی کیگئی ہے کہ مسلماں جو لڑائی، دین کے لئے کریں گے اس میں مقہور و مغلوب نہ ہوں گے اور دشمنان اسلام ان کے مقابلہ میں کبھی ٹھیر نہ سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اسوقت تک مسلمانوں کو کسی مذہبی جنگ میں ناکامی نہیں ہوئی۔ نتیجہ آخر ہمیشہ ان کے موافق ہوا، اور دشمنوں کو بھاگتے ہی بن پڑا۔

اصحاب رسول اور مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کے غزوات شایستہ سے کتابیں بھری پڑی ہیں ان سب سے قطع نظر کرکے سلاطین ایوبیہ اور سلطان صلاح الدین رحمہ اللہ کی جنگ کروسیڈ کو دیکھو جو نصاری اور اہل اسلام کے درمیان میں آخری مذہبی جنگ ہوئی ہے اور جس میں ایک سلطان کے خلاف تمام شاہان یورپ جنگ کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے جوش کا یہ عالم کہ کل دنیا کے مسیحی مسلمانوں سے لڑنے اور اُن کو مٹانے کے لئے اُبلے پڑتے تھے شاہان یورپ میں سے جو بادشاہ، دولت و فوج سے مدد دینے کی قدرت نہ رکھتا تھا وہ اپنی بادشاہت کے تئیں رہن و گرو رکھکر مدد دینے کے لئے تیار ہو گیا۔

پھر آخر اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ کافروں اور مسیحیوں کو شکست فاش ملی، مسلمانوں کو خدائے برتر نے سرخرو، اور فتحیاب کیا اور بیت المقدس پر اسلامی جھنڈا لہرا کر رہا یہ پیشینگوئی وفات رسول سے سات سو برس تک برابر پوری ہوتی گئی اور انشاء اللہ تعالیٰ اسی طرح قیام قیامت تک پوری اترتی رہے گی اور دنیا، قرآن کی صداقت کا صریحی تماشا کرتی رہے گی۔

صلیبی جنگ کی تاریخ میں حال ہی میں مولوی عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی کی ایک

مفصل کتاب شایع ہوئی ہے۔

میں تو کہتا ہوں کہ یہ پیشینگوئی اس سے بھی زیادہ عام ہے یعنی ہر وہ لڑائی جو اسلام کیلئے ہو عام اس سے کہ تقریری، یا تحریری، زبانی جنگ ہو یا شمشیر کی، مسلمان اپنے خصم پر غالب رہیں گے اور یہ ایک ایسی بات ہے جو ہمیشہ ہوتی رہی اور اسوقت بھی مشاہد ہے کہ ہندوستان میں جہاں کہیں مذہبی مناظرہ یا مباحثہ، آریوں یا مسیحیوں سے ہوا، مسلمان ہی چیرہ دست رہے اور ان کے دشمنوں کو کبھی سرخروئی نصیب نہ ہوئی تھی نہ ہوئی۔

پیشینگوئی

(۸۸)

عنقریب نشانیاں دیکھکر تم خود پہچان لوگے

جیسا کہ سورۃ النمل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا

(اے پیغمبر!) کہو کہ خدا کا شکر ہے کہ وہ عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھائے گا اور (اسوقت) تم ان کو پہچان لو گے۔

ف

پیغمبر خدا، مخالفوں کو دنیا کے عذاب سے بھی ڈراتے تھے کہ تم لوگ مسلمانوں کے

مقابلہ میں مغلوب ہو گے، لڑائیوں میں مارے جاؤ گے۔ ملک میں قحط پڑیں گے چنانچہ اس آیت میں ان ہی باتوں کی طرف اشارہ ہے کہ تم لوگ میرے کہے کا یقین تو نہیں کرتے مگر جب کوئی عذاب آنازل ہوگا۔ اسوقت پہچان لو گے کہ ہاں اسی عذاب سے میں تم کو ڈراتا تھا۔

یہ نشانیاں کیا تھیں؟ وہ ہی جو کفار و مشرکین نے آنکھوں دیکھیں کہ قحط میں مبتلا ہوئے بھوکوں مرمر کر مردار گوشت کھانے پر اُتر آئے، لڑائیوں میں مغلوب ہوئے مسلمانوں کی مار کھائی ذلیل و خوار ہوئے۔ لونڈی غلام بنے جزیہ دینا پڑا، اور آخر بہت سارے ملک عرب سے جلاوطن کر کے نکال باہر کئے گئے۔

دوسری آیت سورۃ الانبیاء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ سَأُرِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ	انسان (گویا) جلدی کا (پتلا) بنایا گیا ہے (اچھا) ذرا صبر کرو ہم عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھائے دیتے ہیں تو ہم سے جلدی نہ مچاؤ۔

ف

کفار ادہر عذاب کی جلدی مچاتے تھے اور اُدہر قیامت کیلئے کہ جو کچھ ہونا ہے کہیں ہو چکے اس کے جواب میں فرمایا کہ گھبراؤ نہیں، عذاب جو آنا ہے وہ بھی اپنے وقت پر عنقریب آئیگا اور قیامت بھی اپنے وقت پر ہوگی۔



پیشنگوئی

(۸۹)

یہود شرارت کریں گے اور مار کھائینگے

جیساکہ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا ۝ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ وَإِنْ عُدْتُمْ عُدْنَا

اگر تم نے اچھے کام کیے تو اپنے ہی لیے اچھے کام کیے اور اگر بُرے کام کیے تو بھی اپنے ہی لیے پھر جب دوسرے (فساد) کا وقت آیا تو پھر ہم نے اپنے دوسرے بندوں کو اٹھا کھڑا کیا کہ (تم کو اسقدر ماریں کہ) تمہارے منہ بگاڑ دیں اور جسطرح پہلی دفعہ مسجد (بیت المقدس) میں گھسے تھے (اور اس کو لوٹا گھسوٹا تھا) اسی طرح اس میں گھُسیں اور جس چیز پر قابو پائیں توڑ پھوڑ کر اس کا ستیاناس کر دیں (اب بھی) عجب نہیں تمہارا پروردگار تم پر رحم فرمائے اور اگر تم پھر (وہی پہلی سی شرارتیں) کرو گے تو ہم بھی پھر (وہی) کریں گے۔

روے زمین پر شاید یہود سے بڑھ کر کوئی شریر قوم نہیں ہوئی اور جیسی اُن کی شرارتیں تھیں ویسی ہی اُن کو خدا کی طرف سے سزائیں بھی ملتی رہیں۔

ایک وقت تھا کہ وہ بڑی زبردست سلطنت رکھتے تھے یا اب یہ حال ہے کہ اتنی بڑی زمین پر کہیں انچ بھر ان کی سلطنت نہیں اور جہاں ہیں بے اعتماد اور ذلیل وخوار۔

اس مقام پر یہود کو صرف دو واقعے یاد دلائے گئے ہیں۔ غالباً پہلا بخت نصر کا اور دوسرا طیطس شاہ روم کا کہ دونوں دفعہ لاکھوں یہودی قتل ہوئے اور ہیکل شریف یعنی بیت المقدس جلا کر مسمار کر دیا گیا۔ یہ تمام تفصیلی حالات کتب تواریخ اور عہد عتیق کے صحیفوں میں شرح وبسط کے ساتھ مذکور ہیں۔

اب خدا یہود کو سمجھاتا ہے کہ اس پیغمبر آخر الزماں کے ساتھ پہلے کے سے معاملات نہ کرنا ورنہ ویسی ہی آفتوں میں مبتلا ہو جاؤ گے چنانچہ یہود نے ویسی ہی شرارتیں کیں کہ پیغمبر کو جھٹلایا، ان کے دشمنوں سے سازشیں کیں، عہد شکنی پر عہد شکنی کی، دین اسلام کے مٹانے، اور پیغمبر اور اُن کے اصحاب کے برباد کرنے میں سر توڑ کوششیں کیں۔ تکلیف و ایذا کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ پھر آخر ان نالائقیوں کی سزا بھی ویسی ہی پائی۔ جب ان کی شرارتیں انتہا درجہ کو پہونچ گئیں تو ناگزیر جنگ کا حکم ہوا۔

۵ سنہ ہجری میں ذیقعدہ کے مہینہ میں جنگ بنی قریظہ ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت علی کو لوائے اسلام دیکر روانہ کیا اور پیچھے سے خود تین ہزار مسلمانوں کا لشکر لیکر روانہ ہوئے یہود بنی قریظہ تو دلیران اسلام کی جنگ دیکھے ہوئے اور ان کا لوہا مانے ہوئے تھے۔ لشکر اسلام کی آمد کی خبر سنکر قلعہ بند ہو گئے اہل اسلام دس دن یا پندرہ دن یا پچیس دن قلعہ کا محاصرہ کئے رہے یہود پر لشکر اسلام نے دنیا تنگ کر دی آخر میں بدبختوں نے پیغمبر اسلام کے پاس پیغام بھیجا کہ بنو نضیر کی طرح ہم اپنی عورتوں

اور لڑکوں کو لیکر جلاوطن ہوجاتے ہیں، مال و اسباب سب آپ کے حوالے کرتے ہیں
محاصرہ اٹھالیا جائے۔ رسول اللہ صلعم نے جواب دیا کہ تم لوگوں کو سوا اس کے چارہ کار
نہیں ہے کہ قلعہ کا دروازہ کھولدو اور ہمارے حکم کی تعمیل کرو۔ مجبور ہو کر یہود اتر آئے۔
رسول اللہ صلعم نے سب کے قتل کر دینے کا حکم نافذ کیا لیکن عبداللہ بن ابی ابن سلول کی
الحاح وزاری سے آپ نے سکوت کیا اور اسوقت قتل سے باز رہے بالآخر یہ
قرار پایا کہ انہیں میں کا ایک شخص حکم بن کر جو فیصلہ کردے اس پر فریقین کاربند ہوں
دونوں فریق کے اتفاق سے سعد بن معاذ حکم (پنچ) قرار پائے اور انہیں کے
فیصلے کے مطابق آٹھ سو یہودی قتل کر کے خندق میں پھینکد ئے گئے۔

انہیں دوزخی مقتولوں میں اسلام کے بڑے دو دشمن حیّ بن اخطب اور کعب
بن اسد تھے اس کے علاوہ جنگ خیبر وغیرہ میں ہزاروں یہودی قتل ہوئے یہود بنی حارثہ
بنی قینقاع اور بنو نضیر جلاوطن کئے گئے۔ اور جو بچ رہے وہ حضرت عمر فاروق اعظم رضؓ
کے عہد خلافت میں سلطنت عرب سے خارج کردئے گئے۔ اپنی شرارتوں کی ان پاداشوں
میں غالباً سرکش یہود کو اپنے باپ دادا کا زمانہ تو ضرور یاد آگیا ہوگا جن کی انھوں نے
تقلید کی، اس کی سزا پائی۔ خدا کی پیشینگوئی پوری ہوئی۔

بدخواہان اسلام، اس واقعہ کو پیغمبر اسلام روحی فداہ کی سنگدلی اور بیجا خونریزی
کی دلیل میں پیش کرتے ہیں مگر افسوس کہ اس دلیل کو دعوے سے ذرا بھی لگاؤ نہیں۔

ا۔ یہود فطرۃً سرکش و باغی لوگ تھے۔ خیانت وعہد شکنی ان کا آبائی پیشہ
رہا ہے۔ کتنی مرتبہ انھوں نے پیغمبر اسلام علیہ السلام سے معاہدہ کئے اور وقت پڑے
پر عہد شکنی کر بیٹھے۔ جنگ احزاب میں ان لوگوں نے علانیہ طور پر دشمنوں کو مدد دی۵

سیرت ابن ہشام ۱۲۔

آخر مسلمان کب تک صبر و تحمل سے کام لیتے ۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ یہود راہ پر آنیوالے لوگ نہیں ہیں راستی سے ماننے والے اسامی نہیں ہیں کیونکہ لات کا آدمی بات سے نہیں مانتا اور ان یہود کا وجود اسلام کے لئے نہایت درجہ ضرر رساں ہے پھر ان کے قلعے بھی ایسے موقع سے واقع تھے کہ جب وہ چاہتے دشمنوں کی فوج کو مدینہ میں لا اتارتے اور مسلمانوں کا تہس نہس کرا دیتے کیونکہ یہود کی سازباز ہمیشہ دشمنان اسلام سے جاری رہتی تھی۔

ان وجوہ سے مسلمانوں کو ضرور ہوا کہ اپنی حفاظت کا کافی انتظام کریں اور ایسے باغی، سازشی، فتنہ جو اور غیر معتبر دشمنوں کی اچھی طرح خبر لیں تا آئندہ کوئی خرخشہ ہی باقی نہ رہے ہم نہیں سمجھتے کہ ایسی صورت میں یہود بنی قریظہ کے ساتھ مسلمانوں نے جو کچھ معاملہ کیا وہ اہل عقل اور علمائے علم سیاسات کے نزدیک غیر منصفانہ کارروائی کیونکر قرار پا سکتی ہے۔

۲۔ یہود کے قتل کا فیصلہ کوئی خداوندی فیصلہ نہ تھا نہ خود پیغمبر اسلام نے ایسا فرمان نافذ کیا بلکہ یہ فیصلہ خود اس زمانہ کے قانون کے مطابق سعد بن معاذ نے پنچ بنکر کیا تھا جن کو مسلمانوں اور یہودیوں نا دونوں فریق نے پنچ تسلیم کیا تھا اور جو کچھ وہ فیصلہ کریں اس پر دونوں نے رضامندی سے کاربند ہونے کا اقرار کیا تھا۔

یہ سعد بن معاذ، پہلے یہودیوں کے طرفدار تھے یہود کو ان پر بہت اعتبار اور بھروسا تھا۔ اور اسی بھروسے پر ان کو انھوں نے پنچ مانا۔ پس فریقین کے مسلمہ پنچ نے جو فیصلہ کیا وہ کبھی قابل اعتراض نہیں ہو سکتا نہ کسی سمجھدار کو لایق ہے کہ غایت تعصب سے اندھا بنکر منصف کو ظالم قرار دے حلیم کو سنگدل بنائے اور عین انصاف کو ظلم و قساوت سے تعبیر کرے۔

۳۔ ملکی و وقتی قانون نظر انداز کرنیکے لایق چیز نہیں ہے تمام سیاسات

واصلاحات کا مدار انہیں اور ایسی ہی باتوں پر ہے۔

ہندوستان میں سلطنت برطانیہ کا "مارشل لا"، کونسا منصفانہ قانون ہی حالانکہ اپنے وقت پر وہی عین اصلاح رہا۔ اور اسی پر مصالح ملکی و انتظام و سیاست کی عمدہ بنیاد قایم ہوئی۔

تاریخ غدر سے جو نفوس واقف نہیں ہیں وہ اُن بادشاہی کارروائیوں کو ضرور ظلم و قساوت کھدیں گے جو سرکار برطانیہ اعظم کی طرف سے ہندوستانی رعایا، پر واقع ہوئیں۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ ہر ملکے و ہر رسمے۔ امور مملکتِ خویش خسرواں دانند۔

معترض سزا کو تو سخت اور ظلم آسانی سے کھدیتا ہے مگر وہ یہ نہیں دیکھتا کہ وہ جرم کس درجہ کا ہے جس کی پاداش میں ایسی سخت سزا تجویز ہوئی۔ دیکھنے کی یہی بات ہے اور اسی پر حق و ناحق اور ظلم و انصاف کا فیصلہ منحصر ہے۔

پیشگوئی

(۹۰)

ریل۔ بائسکل۔ موٹر اور ہوائی جہاز وغیرہ کی

جیساکہ سورۃ النحل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ	اور اسی (اللہ) نے چارپایوں کو پیدا کیا

فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَى بَلَدٍ لَمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۔

جن (کی کھالوں اور اُون) میں تم لوگوں کی جڑاول ہے اور فائدے ہیں اور اُن میں سے تم (بعض کو) کھاتے ہو اور جب شام کیوقت گھر واپس لاتے ہو اور جب صبح کو چرانے لیجاتے ہو تو اُن کی وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے اور جن شہروں تک تم بے جانکاہی نہیں پہنچ سکتے وہاں تک چارپائے تمہارے بوجھ اٹھا کر لیجاتے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار (تم پر) بڑی شفقت رکھتا اور مہربان ہے اور اسی نے گھوڑوں اور خچروں اور گدہوں کو پیدا کیا تاکہ تم اُن پر سوار ہو، اور (وہ) زینت ہیں اور وہی اللہ ان کے علاوہ اور بھی (سواریاں) پیدا کرے گا۔ جن کو تم نہیں جانتے ۔

ف

پہلے تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ چارپایوں کو تمہارے فائدے کیواسطے پیدا کیا گیا کہ بعض کے چمڑے اور اُون سے فائدہ اٹھاتے ہو بعض کا گوشت کھاتے ہو بعض کو بوجہ لادنے کے کام میں لاتے ہو پھر ان چوپایوں میں سے گھوڑوں اور خچروں اور گدہوں کو خاص طور پر بیاں کر کے فرمایا کہ تم ان پر سوار ہوتے ہو اس کے بعد فرمایا کہ ان چوپایوں اور سواریوں کے علاوہ ہم اور بھی (سواریاں) پیدا کریں گے جن کا تمہیں اسوقت علم نہیں ہے ۔

یہ تو ظاہر ہے کہ جانور اور چارپائے جو پہلے تھے وہ ہی اب بھی ہیں ان میں کوئی زیادتی نہیں ہوئی ہے بعض بعض قسم جو دو ہم جنسوں کے نر و مادہ کو ملا کر نکالی گئی ہے وہ کوئی نئی مخلوق جداگانہ شمار نہیں ہو سکتی جس پر خلق کا اطلاق ہو سکے بلکہ وہ بھی انہیں معلوم قسموں میں سے ہے۔

بعض بعض جانور ایسے بھی ہیں جو اب امریکا اور افریقہ کے جنگلوں میں نئے دریافت ہوئے ہیں وہ بھی اس سے مراد نہیں ہو سکتے نہ وہ نئے مخلوق کہے جا سکتے اس لئے کہ وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان پر بوجھ لادا جا سکے یا ان پر سواری کیجا سکے حالانکہ آیت میں ایسے ہی کام آنیوالے حیوانات کا ذکر ہے پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ آیندہ ہم ان کے علاوہ ایسی اور سواریاں پیدا کریں گے جن کا تمہیں اب علم نہیں ہے۔ ریل۔ بائسکل۔ موٹر۔ ہوائی جہاز وغیرہ سواریوں کی پیشینگوئی ہے۔ بھلا آج سے تیرہ سو برس پہلے کس کے وہم وگمان میں یہ بات تھی کہ اتنی مدت کے بعد مغربی دنیا والے ریل، موٹر۔ اور ہوائی جہاز جیسی سواریاں ایجاد کر کے اہل عالم پر احسان کریں گے۔

آیت کریمہ کے الفاظ تحمل اثقالکم اور لترکبوھا اور یخلق مالا تعلمون پر غور کیا جائے تو ادنیٰ تامل سے ریل وغیرہ کی پیشینگوئی صاف مستنبط ہوتی ہے کیونکہ اس پر سوار بھی ہوتے ہیں بوجھ بھی لاد کر لاتے اور لیجاتے ہیں اور چوپایوں کے سے اور بھی بہت سے کام نکالتے ہیں۔

پھر کیا ان سواریوں پر یہ پیشینگوئی صادق نہیں آتی؟ کیا یہ سواریاں نئی مخلوق اور نو پید انہیں ہیں؟ ہیں اور ضرور ہیں اور بلاشبہ یہ آیت کریمہ ریل وغیرہ جیسی سواریوں کے بارے میں ہی بطور پیشینگوئی کے نازل ہوئی ہے اور کون کہسکتا ہے کہ ان کی ایجاد سے پہلے کوئی فرد بشر ان سے واقف تھا۔

ان سواریوں کے علاوہ قیام قیامت تک جتنی سواریاں ایجاد ہوں گی یہ پیشنگوئی ان سب کو شامل ہے۔

پیشنگوئی

(۹۱)

نصاریٰ اور مسلمان یہود پر قیامت تک غالب رہیں گے

جیساکہ سورۃ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

اسی زمانہ میں اللہ نے عیسیٰ سے فرمایا کہ اے عیسیٰ! دنیا میں تمہارے رہنے کی مدت پوری کرکے ہم تم کو اپنی طرف اٹھالیں گے اور کافروں (کی گندی صحبت کی گندگی) سے تم کو پاک کریں گے اور جن لوگوں نے تمہاری پیروی کی ہے ان کو روز قیامت تک (تمہارے منکروں (یعنی یہود) پر غالب رکھیں گے۔

ف

یہود حضرت موسیٰ کو مانتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کی نبوت سے انکار کرتے ہیں
نصاریٰ حضرت عیسیٰ کی الوہیت کے قائل ہیں۔ اور حضرت موسیٰ کو بھی نبی مانتے
ہیں۔ مگر حضرت خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے اور مسلمان
ہیں کہ ان سب کو نبی تسلیم کرتے اور تمام صحائف اور کتب قدیمہ کو کلام الٰہی
جانتے اور سب پر ایمان رکھنے کو جزو ایمان سمجھتے ہیں۔

اس آیت میں یہ پیشنگوئی فرمائی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ کے ماننے والے
ہمیشہ ان لوگوں پر غالب رہیں گے۔ جو ان کو نہیں مانتے تو اس پیشنگوئی سے
نصاریٰ اور اہل اسلام دونوں کا قیامت تک یہود پر غالب رہنا ثابت ہوا،
کیونکہ یہ دونوں حضرت عیسیٰ کو مانتے اور اُن کی پیروی کرنیوالے ہیں۔

اگر فوق الذین کفروا۔ سے یہود کو مراد لیں جیسا کہ آیت کے سیاق وسباق
اور بیان کے اول وآخر سے صاف ظاہر ہے تو پیشنگوئی کی تصدیق پر ہر موافق
ومخالف مجبور ہے اور اسوقت شاہد ہے۔ عہد رسالت سے اسوقت تک
نصاریٰ واہل اسلام دونوں، یہود پر غالب ہیں اور ہر طرح ان کو یہود پر غلبہ
وشوکت حاصل ہے۔

اگر الذین کفروا۔ سے عام کفار کو مراد لیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ نصاریٰ
اور اہل اسلام دونوں فرقے کفار پر قیامت تک غالب رہیں گے اور اس
صورت میں بھی پیشنگوئی کا صحیح اترنا ثابت ومشاہد ہے۔ کیونکہ مسیحیت اور
اسلام یہی دو مذہب ایسے ہیں جو اپنی ظاہری شوکت وعظمت اور قوت دلیل
وحجت سے تمام دنیا پر چھائے ہوئے ہیں اور باقی کل مذاہب کو انہوں نے مغلوب
ومقہور کر لیا ہے بلکہ رفتہ رفتہ اپنے میں جذب کرتے جاتے ہیں

یہ ایک ایسی کھلی ہوئی زبردست پیشنگوئی ہے جس سے بڑھ کر کوئی زبردست

پیشنگوئی ہو نہیں سکتی۔

انصاف پسند عیسائیوں کو قرآن کا یہ احسان کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ یہود، حضرت عیسیٰؑ کو نعوذ باللہ، حرامی، ولد الزنا، اور ان کی ماں جناب مریم علیہا السلام کو زانیہ کہتے تھے جن کا شافی جواب دینے سے ہمیشہ مسیحی لوگ عاجز رہے یہانتک کہ قرآن نے نازل ہو کر یہود کی تکذیب کی اور ان ماں بیٹے کی تقدیس دیا کی اس مدلل طریقہ پر بیان فرمائی کہ یہود سے سوئے خاموش رہنے کے کچھ نہ بن پڑا، اور عیسیٰ بن مریم ماں بیٹے کی پاکی و قدسیت تمام عالم پر اچھی طرح روشن ہو گئی اور مسیحیوں کی جان میں جان آئی۔ پس مقتضائے انصاف تو یہ ہے کہ مسیحی دنیا اپنے عقائد باطلہ سے باز آکر اسلام کے سامنے سر اطاعت خم کرے کہ یہی دین، دین اصلی ہے اور یہی وہ ملت حنیفی ہے جس کی تعلیم شروع سے ہوتی رہی اور تمام انبیاء علیہم السلام اسی کی اشاعت میں سرگرم و مامور ہوتے رہے اور اسلام کے سوا کوئی مذہب مکمل ہونیکا دعویٰ نہیں کر سکتا اور نہ کسی مذہب میں خالص توحید کا نشان پایا جاتا۔

پیشنگوئی

(۹۲)

یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے

جیسا کہ سورۃ البقرہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۔

(اے پیغمبر!) جن لوگوں نے (قبول اسلام سے) انکار کیا ہے ان کے حق میں یکساں ہے کہ تم ان کو (عذاب الہی سے) ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ تو ایمان لانے والے ہیں نہیں۔

ف

لغت میں کفر کے معنی ہیں ،، چھپانا ،، اسی مناسبت سے اندھیری رات کو کافر کہتے ہیں کہ رات کی تاریکی چیزوں کو نظر سے پوشیدہ کر دیتی ہے ۔ کسان ۔ (کاشتکار) کو بھی اسی لئے کافر کہتے ہیں کہ وہ بیج کو زمین میں چھپاتا ہے اور اسلام کے منکر کو اس لئے کافر کہتے ہیں کہ وہ امر حق کو چھپاتا ہے اور اس پر ایمان نہیں لاتا ۔

کفر کی چار قسمیں ہیں ۔

پہلی قسم

کفر انکاری ہے کہ اللہ کو مطلقاً پہچانتا ہی نہ ہو مثلاً فرعون و امثالہ ۔

دوسری قسم

کفر جحودی کہ دل سے اللہ کو جانتا ہو مگر زبان سے اقرار نہ کرے ۔ جیسے کفر ابلیس

تیسری قسم

کفر عنادی کہ دل سے بھی اللہ کو پہچانتا ہو ۔ ا زبان سے بھی اقراری ہو لیکن بوجہ عناد یا دنیاوی نعمت کے زوال کے خوف وغیرہ سے دائرہ اسلام میں آنا قبول نہ کرے جیسے

ابو طالب اور امیہ بن الصلت۔

چوتھی قسم

کفر نفاق کہ زبان سے اسلام کا اقرار کرے مگر دل میں اس کی صحت کا

متعقد نہ ہو۔

اس بارہ میں بین العلماء اختلاف ہے کہ یہ آیت کس کے حق میں نازل ہوئی ہے

حضرت ابن عباس رضہ اور کلبی سے روایت کی گئی ہے کہ یہ آیت روسائے یہود مثلاً

حی بن اخطب اور جدی بن اخطب وغیرہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

ربیع بن انس رضہ کا مقولہ ہے کہ آیت میں کفار سے احزاب والے مراد ہیں کہ ان

میں سے سوائے ابو سفیان اور ابن ابی العاص کے کوئی بھی ایمان نہیں لایا۔

مفسرین کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ آیت کریمہ مشرکین مکہ مثلاً عتبہ، ابو جہل،

شیبہ، ولید اور ابولہب وغیرہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

واقعات کے لحاظ سے پہلا مذہب صحیح اور قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ

یہ سورۃ تمامہا مدنی ہے مگر بہرکیف جونسا مذہب بھی لیا جاوے قرآن کی پیشینگوئی

ہر حالت میں پوری ہوئی۔

پیشنگوئی

(۹۳)

کفار مکر کرنیوالے ہیں اور خود دھوکا کھائینگے

جیسا کہ سورۃ الطور میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَتَرَبَّصُ
بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ قُلْ تَرَبَّصُوا
فَإِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُتَرَبِّصِينَ
أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُمْ
بِهَٰذَا أَمْ هُمْ قَوْمٌ
طَاغُونَ أَمْ يَقُولُونَ
تَقَوَّلَهُ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ
فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ
إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ
أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ
أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ۔
أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يُوقِنُونَ
أَمْ عِنْدَهُمْ
خَزَائِنُ رَبِّكَ
أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ
أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ
يَسْتَمِعُونَ فِيهِ فَلْيَأْتِ
مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطَانٍ
مُبِينٍ۔

کیا یہ لوگ (تمہاری نسبت) کہتے ہیں کہ یہ
شاعر ہے (اور) ہم اس کے بارہ میں زمانہ
کی گردش کا انتظار کر رہے ہیں (تم ان سے)
کہو کہ تم (بھی) انتظار کرو میں بھی تمہارے
ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔ کیا ان کی عقلیں
ان کو۔ باتیں سکھاتی ہیں۔ یا یہ لوگ (اپنی ذات سے)
شریر ہیں یا کہتے ہیں کہ اس شخص نے قرآن از خود بنا لیا
(یہ تو ان کے اپنے منہ کی کہن ہے)
بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) یہ ایمان ہی
نہیں لانا چاہتے سو اگر (اپنے
دعوے میں) سچے ہیں تو اسی طرح کا کلام
(یہ بھی بنا کر) لے آئیں کیا بے کسی کے
پیدا کئے (یہ آپ) ہو گئے ہیں یا یہی
(مخلوقات کے) خالق ہیں؟ یا انھوں نے
آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا ہے
(ان کا تو کیا مقدور تھا) مگر یوں (کہو کہ
یہ لوگ خدا پر) یقین ہی نہیں لانا چاہتے
(اے پیغمبر!) کیا تمہارے پروردگار
(کی رحمت) کے خزانے ان ہی کے قبضہ
میں ہیں یا یہ (کہیں کہ) حاکم ہیں؟ یا ان کے

أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ۔
أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ
أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ۔
أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ
أَمْ لَهُمْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ۔

پاس کوئی سیڑھی ہے کہ اس پر (چڑھ کر آسمان کی باتیں) سُن آیا کرتے ہیں سو اگر ان میں سے کوئی (آسمان کی باتیں) سُن آیا کرتا ہے تو وہ کوئی (صاف) صریح سند پیش کرے کیا خدا کیلئے بیٹیاں اور تم لوگوں کیلئے بیٹے؟ یا (اے پیغمبر!) تم ان سے (تبلیغ رسالت کی) مزدوری طلب کرتے ہو کہ یہ (اُس اچٹی کے بوجھ) سے دبے جاتے ہیں یا ان کے پاس (علم) غیب ہے۔ کہ ان سے کہا جاتا ہے تو یہ (اس کو بے کم وکاست) لکھدیں یا انکا ارادہ کچھ دھوکا دینے کا ہے تو (یہ) کافر آپ ہی دھوکے میں ہیں یا خدا کے سوا انکا کوئی (اور) معبود ہے؟ (تو) اللہ کی ذات ان کے شرک سے پاک ہے۔

ف

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ پیشنگوئی فرمائی کہ کفار مکہ پیغمبر کے ساتھ مکر کرنیکا ارادہ رکھتے ہیں لیکن درصل وہ آپ دھوکے میں ہیں اور انہیں کو ذلیل ہونا ہے۔

یہ آیت مکی ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور بعد کو یہ واقعہ پیش آیا کہ روسائے قریش نے دار الندوہ میں پوشیدہ طور پر جمع ہو کر پیغمبر کے قتل کرنیکی سازش کی اور یہ ٹھہرایا کہ ہر ہر قبیلہ کا ایک آدمی آمادہ ہو اور یہ چند آدمی ملکر مکان میں رات کے وقت گھس پڑیں اور سب ملکر کام تمام کردیں۔ اس صورت میں اگر بنو ہاشم قصاص بھی لینا چاہیں گے تو نہ لے سکینگے

کیونکہ ایک شخص کے قصاص میں چند آدمی قتل نہیں کئے جا سکتے لامحالہ وہ دیت لینے پر مجبور ہوں گے اور دیت کی رقم سب لوگ چندہ سے بسہولت ادا کر دیں گے۔

ادہر یہ مشورہ ہو رہا تھا اُدہر وحی کے ذریعہ سے پیغمبر کو اس مشورہ بازی کی اطلاع ہو گئی۔ اور آپ خدا کے حکم سے جاسوسوں کے ہوتے ہوئے مکان سے باہر نکلے اور خفیہ پولیس کی آنکھوں میں خاک جھونک کر ابوبکر رض کے مکان پر آئے اور آپ کو ساتھ لئے ہوئے مدینہ کیطرف چل کھڑے ہوئے۔

کفار کی ساری مشورہ بازی طاق پر رہ گئی۔ ان کی ساری سازشیں خاک میں مل گئیں ؏ پیغمبر خدا صحیح وسلامت مدینہ منورہ پہونچے اور پھر اپنی قوت ہم پہونچا کر کافروں کے چھکے چھڑا دیئے یہانتک کہ جنگ بدر وغیرہ میں سب کی قوت مجتمعہ کا خاتمہ ہو گیا۔ آیت میں فقط اس امر کی پیشینگوئی اور پیغمبر کو اطلاع دی گئی ہے کہ کفار مکہ تمہارے ساتھ مکاری کرنے اور تمہارے قتل کرنیکی سازش کریں گے مگر آخر خود برباد ہوں گے۔ چنانچہ ہو بہو ایسا ہی ہوا۔

لطیفہ

ان آیات میں اَمَر کا لفظ پندرہ بار مسلسل آیا ہے اور جنگ بدر سنہ ۲ ہجری میں واقع ہوئی ہے۔ جو نبوت کا پندرہواں سال ہے اور اسی پہلی جنگ میں مسلمانوں نے اپنے مذہبی دشمنوں سے پورا بدلا لے لیا۔

کفار کی سازش اور پیغمبر کی ہجرت کا واقعہ ہم گذشتہ صفحات میں کہیں لکھ آئے ہیں اور آیندہ انشاء اللہ تعالیٰ اور تفصیل وصراحت سے بھی لکھیں گے۔

؏ تاریخ ابن اثیر ۱۲ ؏ ابن اثیر و مدارج ۱۲

پیشگوئی

(۹۴)

عرب میں فتنۂ شرک نہ رہے گا

جیساکہ سورۃ البقر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۔

وہاں تک ان (کافروں) سے لڑو کہ (ملک میں) فساد شرک (باقی) نہ رہے اور (ایک) خدا (ہی) کا حکم چلے پھر اگر (فساد سے) باز آجائیں تو ان پر کسی طرح کی زیادتی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ زیادتی (تو) ظالموں کے سوا کسی پر (جائز ہی) نہیں ہے۔

ف

معترض کہتا ہے کہ کسی قوم کا اتنا قتال کرنا کہ دنیا سے کفر و شرک نیست و نابود ہو جائے محال عقلی ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ آیت میں خطاب پیغمبر اور اصحاب پیغمبر سے ہے اور ان کے قتال نے فتنۂ کفر و شرک کو ہرگز دنیا سے معدوم نہیں کیا۔

پہلا جواب

آیت کا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے کہ واقعی تم اتنی سخت جنگ کرتے جاؤ کہ دنیا کی

فتنہ کفر نیست و نابود ہو جائے کیونکہ یہ ایک ایسی بات ہے جو ایک ناداں سے ناداں بھی سمجھ سکتا ہے کہ ہمارے انتہائی کوششیں کفر و الحاد کو معدوم نہیں کر سکتیں اور قرآن مجید میں بھی متعدد مقامات پر وارد ہے کہ کفر و شرک قیامت تک باقی رہنے والی چیزیں ہیں مطلب یہ ہے کہ علی الاغلب کفر و شرک مفقود ہو جائے۔

دوسرا جواب

مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم یہ ارادہ کر کے جنگ کرتے رہو کہ شر باقی نہ رہے عام اس سے کہ تمہاری یہ کوشش کفر و شرک کو قطعاً مٹا سکے یا نہ مٹا سکے۔

تیسرا جواب

آیت میں کہیں اس امر کا اشارہ نہیں ہے کہ تم اپنے قتال سے دنیا جہان کے کفر و شرک کو مٹا دو۔ کوئی قوم کتنی ہی زبردست ہو پھر بھی تمام کرۂ عالم سے دوسرے مذاہب کا قلع قمع نہیں کر سکتی اور یہ امر عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔

ہمارے نزدیک ملک عرب سے کفر و شرک کا مٹانا مقصود ہے کیونکہ اسلام اور پیغمبر اسلام اور اہل اسلام کیلئے عرب ہی کے لوگ باعث فتنہ و فساد تھے اور وہ ہی پیغمبر اسلام کو فتنہ میں ڈالے ہوئے اور اہل اسلام کو ایذائیں پہونچاتے تھے اسی لئے انہیں کے استیصال کا حکم دیا گیا گویا حکم کے پیرایہ میں بالمعنی یہ پیشگوئی کی گئی کہ عرب میں فتنہ کفر نہ رہے گا حالانکہ جس وقت مدینہ میں یہ سورۃ نازل ہوئی مسلمان کمزور حالت میں تھے اور ابھی اتنا نہیں سدھرنے پائے تھے۔ کہ تمام ملک عرب کا استیصال کر سکتے اور ان کی قوت سے ملک بھر شرک کی گندگی سے پاک صاف ہو جاتا بایں ہمہ اللہ تعالیٰ کی پیشگوئی پوری ہو گئی اور تمام ملک عرب کفار و شرکین سے خالی ہو گیا اور

ملک بھر میں کہیں فتنۂ کفر و شرک باقی نہ رہا۔ جیسا کہ اسوقت بھی مشاہدہ ہے اور انشاء اللہ قیامت تک ایسا ہی مشاہدہ ہوتا رہے گا۔

پیشگوئی

(۹۵)

یہود و نصاریٰ میں سے کوئی ایک دوسری کے قبلہ کی پیروی نہ کرے گا

جیسا کہ سورۃ البقرہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا بَعْضُهُم بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ۔

اور ان (یہود و نصاریٰ) میں کا کوئی (فریق) بھی دوسرے (فریق) کے قبلہ کی پیروی کرنیوالا نہیں۔

ف

مطلب یہ ہے کہ نہ تو نصاریٰ یہود کا مذہب قبول کرکے ان کے قبلہ (بیت المقدس) کی پیروی کریں گے نہ یہود، عیسائیوں کا مذہب مان کر ان کے قبلہ (سمت مشرق) کی پیروی کرنیوالے ہیں اور ایسا ہی ہوا کہ اسوقت کے اہل کتاب یہود و نصاریٰ میں سے نہ تو کوئی عیسائی یہود کے مذہب میں داخل ہوا نہ کسی یہود نے مسیحی مذہب قبول کیا

بلکہ یہ پیشینگوئی جیسا کہ تواریخ سے ثابت ہے عہد رسالت سے الی الآن اسی طرح پوری ہوتی رہی ہے، یہود کو تو مسیحیوں پر کبھی ایسا غلبہ حاصل نہیں ہوا جو اُن کو زبردستی اپنے مذہب میں شامل کرنیکی جرأت کرتے البتہ عیسائیوں کو ایسے موقعے ہمیشہ ملتے رہے اور وہ ہمیشہ جہانتک بن پڑا یہودیوں کو زبردستی عیسائی بناتے رہے۔

مگر اس زور و ظلم کی سند نہیں۔ خوشی دل سے تو آجتک نہ کوئی یہودی عیسائی ہوا نہ کسی مسیحی نے یہودی بننا قبول کیا۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مذہبی دشمن اور خون کا پیاسا رہا یہ ایک سچی اور زبردست پیشینگوئی ہے جو ہر زمانہ میں پوری ہوتے دیکھی گئی اور اسوقت بھی اسکی صداقت انصاف پسند اہل عالم کو متحیر کئے بغیر نہیں رہتی۔

پیشینگوئی

(۹۶)

خلفاء راشدین اسلام کی اشاعت کریں گے

جیسا کہ سورۃ الحج میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ

(یہ مہاجرین وہ مظلوم لوگ ہیں) جو صرف اتنی بات کے کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے ناحق اپنے گھروں سے نکالدیئے گئے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے نہ ہٹواتا رہتا تو نصاریٰ کے گرجے

صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ اَلَّذِينَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔

اور صومعے اور (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے اور جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ (بھی) ضرور اس کی مدد کرے گا۔ کچھ شک و شبہ نہیں کہ اللہ زبردست (اور سب پر) غالب ہے یہ لوگ (یعنی شروع شروع کے مسلمان ہیں تو مظلوم لیکن) اگر (حاکم وقت بنا کر) ہم زمین پر ان کے پاؤں جما دیں تو وہ نماز پڑھیں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور (لوگوں کو) اچھے کام کے لیے حکم دیں گے اور بُرے کاموں سے منع کریں گے اور سب چیزوں کا انجام کار تو خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

ف

آیت کریمہ میں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اصحاب کی تعریف و توصیف ہے جو محض اسلام لانے کے جرم میں اپنے وطن مکہ سے نکالے گئے انہیں کو اصطلاح اسلام میں مہاجرین کہتے ہیں پھر ان مہاجرین کی نسبت یہ پیشنگوئی فرمائی کہ اگرچہ یہ مظلوم و غریب لوگ ہیں لیکن اگر ان کو حاکم بنا دیا جائے اور ان کے پاؤں جما دیے جائیں تو وہ اسلام کی اشاعت میں بہت اچھے اچھے کام کریں گے خود نماز پڑھیں گے زکات دیں گے اور دوسروں کو بھلا کام کرنے کا حکم دیں گے اور برائیوں سے منع کریں گے

یہ پیشینگوئی کھلے بند پوری ہوئی۔ کہ انہیں محترم مہاجرین میں سے ابو بکر صدیق اکبرؓ
عمر فاروق اعظمؓ عثمان ذی النورینؓ اور علی مرتضیٰؓ چار نفوس مطہرہ ایک کے بعد ایک رسول اللہ
کے جانشین ہوئے۔ خدا کی زمین اور ظاہری سلطنت کے مالک بنے مسلمانوں کے
امام و سلطان ہوئے۔ اور انہیں کے عہدوں میں اسلام جیسا کچھ پھلا پھولا وہ تاریخ جاننے
والوں پر اگرچہ مخفی نہیں ہے تاہم ان خلفائے راشدین کے مبارک عہدوں میں جو
ممالک زیر نگین اسلام آئے ہم اُن کی مختصر فہرست گذشتہ صفحات میں دے چکے
ہیں۔

نکتہ

یہاں ایک مذہبی نکتہ ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان مہاجرین کو حاکم بنا کر
اگر ہم ان کے پاؤں جما دیں تو وہ نماز پڑھیں گے زکات دیں گے دوسروں کو
بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے تو مہاجرین میں سے
جو نفوس زمین کے مالک و حاکم بنے وہ ہی ان صفات کے مصداق ہوئے۔ پس
اس آیت سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ کے بعد چاروں خلفاء خلفائے
راشدین اور امام برحق تھے۔ وہ نماز پڑھنے والے تھے زکات دینے والے تھے
بھلائی کا حکم کرنے والے تھے۔ بُرائی سے روکنے والے تھے یعنی خود بھی شریعت
کے پکے پابند تھے۔ دوسروں کو بھی پابند شریعت کرنیوالے تھے اور بلاشک
ایسے ہی نفوس کا نام خلیفہ برحق اور امام مفترض الطاعۃ ہے۔

پیشگوئی

(۹۷)

تم اے اصحاب رسول، خوف، بھوک اور مال جان اور پیداوار کی کمی کی آزمائش میں مبتلا ہو گے

جیسا کہ سورۃ البقرہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ -

اور البتہ ہم تم کو تھوڑے سے خوف سے اور بھوک سے اور مال اور جان اور پیداوار کی کمی سے آزمائیں گے اور (اے پیغمبر!) صبر کرنیوالوں کو (خوشنودی خدا) اور (کشایش) کی بشارت دو۔

ف

اس آیت میں (۵) باتوں کی پیشگوئی کی گئی ہے۔

اول :۔ مسلمانوں کا تھوڑے سے خوف میں مبتلا ہونا۔ انسان کے دل میں جو کسی مکروہ یا محبوب چیز کا خیال پیدا ہوتا ہے وہ تین صورت سے خالی نہیں اگر وہ خیال

ایسے موجود کا ہے جو گذر چکا ہے تو اس کا نام ذکر و تذکر ہے۔ اگر ایسے موجود کا خیال ہے جو فی الحال ہے تو اس کا نام ذوق و وجدان ہے اور اگر ایسی شے کے وجود کا خیال گذرا ہے جو آیندہ ہونیوالا ہے تو اسکا نام توقع اور انتظار ہے یہ انتظار اگر محبوب چیز کا ہے اسکا حاصل ہونا موجب راحت و دلچسپی ہے تو اسکا نام ارتیاح ہے اور اگر مکروہ چیز کا انتظار ہے جسکی خیال حصول سے طبیعت کو تکلیف ہوتی ہے تو یہی **خوف** ہے

ابتلائے خوف کی پیشینگوئی جنگ حنین اور جنگ احزاب میں پوری ہوئی۔ غزوۂ احزاب میں کفار کے تمام قبائل مسلمانوں کی بیخکنی پر متفق ہو کر امنڈ پڑے تھے اور اس جنگ میں اگرچہ مسلمانوں کو نمایاں فتح اور کافروں کو شکست فاش ملی لیکن شروع شروع میں کفار کی کثرت، ان کی قوت و جمعیت اور اپنی قلت دیکھکر اہل اسلام کے دلوں پر خوف چھا گیا تھا چنانچہ مسلمانوں کی اسی حالت کو اللہ تعالیٰ سورۃ الاحزاب میں یوں بیان فرماتا ہے۔

إِذْ جَاءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا

جس وقت کہ (دشمن) تم پر تمہارے اوپر کی طرف سے بھی اترے اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی (چڑھ) چلے) اور (مارے خوف کے تمہاری) (آنکھیں) پھری (کی پھری) رہ گئی تھیں اور کلیجے مونہوں کو آ گئے تھے اور خدا کی نسبت تم (لوگ طرح طرح کی) گمان کرنے لگے تھے اس موقع پر مسلمانوں کے استقلال کی آزمائش کی گئی اور خوب ہی جھڑ جھڑائے گئے۔

دوسرے مسلمانوں کا بھوک کی مصیبت میں مبتلا ہونا۔

شروع شروع میں مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں آئے تو (بھوک کی)

یہ مصیبت دلوں تنگ ان پر سخت گذری اس کے علاوہ خود اس جنگ احزاب میں بھی اس کا وقوع ہوا۔ دشمنوں سے شہر مدینہ کو محفوظ کرنے کیلئے مدینہ کے چو طرف خندق کھودنے کا انتظام ہوا مگر اسوقت تک مسلمانوں کے پاس اتنی دولت و قوت نہ تھی جو یہ کام مزدوروں سے لیا جاتا۔ اس لئے مہاجرین، انصار اور خود رسول اللہ صلعم نے اس کام کو اپنے ہاتھوں سے کیا اور ایسا کیا کہ بھوک کی حالت میں بھی کام سے باز نہ رہے بلکہ پیٹ پر پتھر باندھ باندھ کر خندق کھودتے اور مٹی لیجا کر باہر پھینکتے تھے۔*

اس مقام پر ہم بخاری کی ایک حدیث نقل کرنی مناسب سمجھتے ہیں۔

حدثنا عبد اللہ بن محمد حدثنا معاویۃ بن عمرو حدثنا ابو اسحاق عن حمید سمعت انسا رضی اللہ عنہ یقول خرج رسول اللہ الی الخندق فاذا المهاجرون والانصار یحفرون فی غداۃ باردۃ فلم یکن لهم عبید یعملون ذلک لهم فلما رائ ما بهم من النصب والجوع قال اللّٰھم ان العیش عیش الآخرۃ

حدیث بیان کی ہم سے عبد اللہ بن محمد نے انھوں نے کہا حدیث بیان کی ہم سے معاویہ بن عمرو نے انھوں نے کہا حدیث بیان کی ہم سے ابو اسحاق نے حمید سے انھوں نے کہا کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ نکلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کی طرف تو مہاجرین اور انصار کو کھودتے ہوئے پایا ٹھنڈے دن میں پھر ان لوگوں کے پاس مزدور نہیں تھے جو ان کے اس کام کو کرتے تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کی اس مشقت اور بھوک کو ملاحظہ فرمایا تو

* بخاری جلد ثالث ۱۲۔

فاغفر للانصار والمہاجرین
نحن الذین بایعوا محمدا
علی الجہاد ما بقینا ابدا۔

فقالوا مجیبین لہ
بیتاب ہوکر فرمایا، خداوندا! اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے تو مہاجرین و انصار کو بخشدے پھر آپ کے جواب میں ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمدؐ سے بیعت کی ہے جہاد پر جب تک زندہ رہیں۔

تیسرے۔ مال کی کمی ہوئی جو غریب الوطنی کے لئے لازمی چیز ہے اور اسی نقدان مال کی وجہ سے بیشتر مسلمانوں کو بھوک کی مصیبت برداشت کرنی پڑتی تھی۔

چوتھے۔ جانوں کا نقصان ہونا جو غزوات اور کفار کی لڑائیوں میں واقع ہوا۔

پانچویں۔ پھلوں اور پیداوار کی کمی جس کو خشک سالی اور جہاد نے پورا کر دکھایا

امام شافعی کا قول ہے کہ خوف سے خوف الٰہی مراد ہے بھوک سے رمضان کا روزہ نقصان مال سے زکات و صدقات۔ نقصان جان سے امراض وجہاد پیداوار اور پھلوں کی کمی سے اولاد کا مرنا۔ اگرچہ یہ لگتی ہوئی سی تفسیر ہوسکتی ہے مگر سیاق و سباق آیت سے یہ معنی متبادر نہیں ہوتے اور پھر اس صورت میں پیشگوئی باقی نہ رہے گی۔ ہمارے نزدیک یہ معنی محض امام کی ایک جولانی طبع ہے اور بس۔

پیشگوئی

(۹۸)

کفار کو مال و اولاد کچھ فائدہ نہ دینگے

جیساکہ سورہ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ

جو لوگ (دین اسلام سے) منکر ہیں اللہ کے ہاں نہ تو اُن کے مال ہی اُن کے کچھ کام آئیں گے اور نہ اُن کی اولاد ہی کچھ ان کے کام آئیگی) اور یہی ہیں (جو) دوزخ کے ایندھن ہوں گے (ان کی بھی وہی) فرعون والوں اور اُن سے پہلے لوگوں کی سی گت (ہونی ہے) کہ انھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو اللہ نے اُن کو اُن کی گناہوں کی پاداش میں دھر پکڑا

ف

ایسی ہی ایک آیت اس سورہ کے آخر میں اور ایک آیت سورۃ المجادلہ میں وارد ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جسطرح فرعون والے اور ان سے پہلے کے لوگ پیغمبروں کی مخالفت اور اُن سے دشمنی کرنیکی پاداش میں برباد کردیے گئے۔ اسی طرح عرب کے کفار و مشرکین بھی جو تمہاری عداوت پر تلے ہوئے ہیں اپنی ان نالایق کوششوں کا مزا چکھینگے۔ اور نیست و نابود ہوجائیں گے اور اس وقت ان کو نہ تو ان کے مال ہی آفت سے بچاسکیں گے نہ ان کی اولاد ہی کچھ کام آئیگی۔

اور ایسا ہی ہوا کہ جو دشمنان اسلام اپنی سرکشی اور مخالفت پیغمبر سے باز نہ آئے وہ سب شمشیر اسلام سے مغلوب و مقہور ہوئے نہ اولاد کی کثرت اس آفت سے بچا سکی نہ مال و دولت نے پناہ دی کہ بلا سے دولت خرچ کرکے بچ جاتے یا مسلمانوں کو غالب نہ ہونے دیتے یا مفلس مسلمانوں کو مال و زر کا لالچ دیکر اپنے میں ملا لیتے اور اسلام کی طاقت کو کمزور وضعیف کر ڈالتے۔

یہ کچھ نہیں ہوا بلکہ الٹے سب کفار کا صفایا ہو گیا۔

پیشگوئی

(۹۹)

حضرت محمد مصطفٰیؐ کے منکروں کو عذاب سخت ہوگا

پہلی آیت سورۂ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ۔

تو (اے پیغمبر!) جنہوں نے (تمہاری نبوت کا) انکار کیا ان کو تو دنیا اور آخرت (دونوں) میں بڑی سخت مار دیں گے۔ اور کوئی ان کا (حامی و) مددگار نہ ہوگا۔

دوسری آیت سورہ حٰم السجدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَلَنُذِیْقَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَذَابًا شَدِیْدًا وَّلَنَجْزِیَنَّهُمْ

تو جو لوگ (دین اسلام سے) منکر ہیں ہم ان کو ضرور عذاب سخت (کا مزا) چکھا کر

اَسْوَءَ الَّذِیْ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ	رہیں گے اور ضرور اُن کے (اُن) بدترین اعمال کا بدلہ دیں گے۔

تیسری آیت سورۃ النمل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ زَیَّنَّا لَھُمْ اَعْمَالَھُمْ فَھُمْ یَعْمَھُوْنَ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَھُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ ھُمُ الْاَخْسَرُوْنَ۔	جو لوگ روز آخرت کا یقین نہیں رکھتے ہم اُن کے اعمال ان کو عمدہ کر دکھائے ہیں تو یہ لوگ بھٹکے بھٹکے پھرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کو بُری طرح کا عذاب ہونا ہے اور یہی لوگ ہیں جو آخرت میں (سب سے) زیادہ نقصان میں رہیں گے

چوتھی آیت سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۔	اور (اے پیغمبر!) کافروں کو عذاب دردناک کی خوشخبری سنا دو۔

پانچویں آیت سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سَیَجْزِیْھِمْ بِمَا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ	جیسی جیسی افتراپردازیاں یہ لوگ کرتے ہیں عنقریب خدا انکو ان کی سزا دے گا۔

چھٹویں آیت بھی اسی سورہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

سَنَجْزِی الَّذِیْنَ یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا کَانُوْا یَصْدِفُوْنَ۔	جو لوگ ہماری آیتوں سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں ہم عنقریب اُن کی کنارہ کشی کے بدلے اُن کو بُری مار کی سزا دیں گے۔

ف

کمال عذاب یہ ہے کہ انسان جن جن چیزوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے وہ سب اس سے چھن جائیں اور اوپر سے مزید اسباب فکر و الم کا پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ یہی حال دشمنان اسلام کا ہوا کہ پہلے تو منادیٔ اسلام نے اِن کے بازار کفر و الحاد کو سرد کرنا شروع کیا جس کی انہیں سب سے زیادہ فکر لاحق ہوگئی اور اس فکر نے ان کے تمام عیش و آرام کو ان پر تلخ کر دیا پھر جب اہل اسلام اُن کے مظالم سے تنگ آ گئے۔ اور پر و بازو سنبھال کر کلہ بہ کلہ تیغ و سنان سے جواب دینا شروع کیا تو اِن پر ایک بڑی مصیبت پڑ گئی یہانتک کہ لڑائیوں میں ہزارہا سرداران کفر تلوار کے گھاٹ اُتر گئے اور بہت سے سخت ترین دشمنان پیغمبر کی اولاد نے صدق دلسے اسلام قبول کر لیا تو جو موذی بچ رہے وہ یا تو اسیر و قیدی بنے یا بُری حالت سے زندگی کاٹنے لگے۔ مال و دولت الگ کھویا، عزیز و اقارب جدا مارے گئے یا مسلمان ہو کر لینے سے چھوٹ گئے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ زندہ رہ کر اسلام کی روز افزوں ترقی کو انہیں آنکھوں سے چار ناچار دیکھنا پڑتا تھا جو ان دشمنوں کے لئے سب سے بڑی مصیبت تھی۔

دنیا کے یہی سب عذاب سخت ہیں جن کی آیات مذکورہ میں پیشینگوئی کیگئی اور وہ صحیح اُتری۔

پیشینگوئی

(۱۰۰)

کفار کی چندروزہ چلت پھرت سے تنگدل نہ ہو

یہ پیشینگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورہ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِھَادُ۔

(اے پیغمبر!) شہروں میں کافروں کا چلنا پھرنا تم کو (کسی طرح کے) مغالطہ میں نہ ڈالے (یہ) تھوڑے سے (چندروزہ) فائدے ہیں پھر (آخر کار) ان (کافروں) کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ (بہت ہی) بری جگہ ہے۔

دوسری آیت بھی اسی سورہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ اِنَّھُمْ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰہَ شَیْئًا۔

اور (اے پیغمبر!) جو لوگ کفر (کے پھیلانے) میں دوڑے (دوڑے) پھرتے ہیں تم ان لوگوں کی وجہ سے آزردہ خاطر نہ ہونا (کیونکہ) یہ لوگ خدا کا تو کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔

ف

ابتدائے اسلام میں کفار خصوصاً مشرکین اور یہود بڑے دولتمند تھے اور وہ صرف مسلمانوں کو چڑانے اور دکھانے کی غرض سے بہت اکڑ کر چلتے اور بات بات پر دولت وتمکنت کا اظہار کرتے تھے کیونکہ ملک کی ساری تجارت وحرفت وغیرہ انہیں کے ہاتھوں میں تھی۔

دیکھتے دیکھتے آخر بمقتضائے بشریت بعض مسلمانوں کو خیال پیدا ہوا اور وہ کہنے لگے کہ خدا تو کفر سے راضی نہیں پھر یہ کیا بات ہے کہ ہمارے دشمن تو اتنی راحت اور عیش و عشرت میں بسر کر رہے ہیں اور ہم پر فقر و فاقہ کا دور دورہ ہے۔ ؎

اس کے جواب میں اُن مسلمانوں کی تشفی کی گئی کہ تم کفار کے اس جاہ و مکنت سے آزردہ خاطر نہ ہو، یہ ساری عیش و عشرت چند روزہ ہے اور مرنے کے بعد وہ بہت برے پھنسینگے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بہت دن نہیں گزرنے پائے تھے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالےٰ نے قوت و جمعیت بخشی اور کافروں کے بُرے دن آ گئے ان کی کل دولت یا تو جنگ کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ آئی یا سامان جنگ وغیرہ میں صرف ہو گئی۔ ؏

پیشنگوئی

(۱۰۱)

جو اللہ کیلئے وطن چھوڑیگا وہ وافر جگہ اور کشایش رزق پائے گا

؎ ابن کثیر ۱۲ ؏ سیرت ابن ہشام ۱۲

جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً

اور جو شخص خدا کی راہ میں (یعنی خدا کے لیے) اپنا وطن چھوڑ دے گا تو (روئے) زمین میں اس کو رہنے سہنے کیلئے وافر جگہ اور ہر طرح کی کشایش ملیگی۔

ف

پہلے تو مسلمانوں پر باوجود فراخی کے دنیا تنگ تھی یہانتک کہ دشمنان اسلام کے حد سے گذرے ہوئے مظالم کی تاب نہ لاکر بہت سے مسلمانوں نے ارض حبشہ کی طرف ہجرت کی اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر کی رفاقت میں مکہ کی سرزمیں کو خیرباد کہکر مدینہ کی راہ لی اور اس ہجرت میں تمام موجودہ صحابہ نے آپ کا ساتھ دیا اور انہیں بزرگوں کو دربار احدیت سے مہاجرین کا قابل فخر خطاب عنایت ہوا۔

اس آیت میں قرآن نے یہ پیشینگوئی کی کہ جو مسلمان خدا کے لئے اپنا وطن (مکہ) چھوڑے گا وہ رہنے کے لیئے وافر جگہ پائے گا اور اس کو ہر طرح کی کشایش نصیب ہوگی۔

جن مہاجرین نے خدا کے لئے اور اس کے رسول کی خوشنودی کیلئے اپنے وطن کو چھوڑ دیا اور مکہ سے مدینہ میں آبسے انھوں نے اگرچہ تھوڑے دنوں عسرت اور غریب الوطنی میں کاٹے لیکن یہ مصیبت زیادہ دن نہ رہ سکی اور قرآن کی پیشینگوئی پوری ہوگئی۔ آخر انہیں مہاجرین نے اپنے دشمنوں کو نیچا دکھایا مکہ بلکہ تمام جزیرہ عرب کو فتح کرلیا۔ ان پر کشایش رزق ونعمت کا دروازہ کھل گیا اور خدا کی زمین پر انہیں خدا کے بندوں کا راج ہوگیا۔

پیشگوئی

(۱۰۲)

مہاجرین کو ہم نہروں والے باغوں میں داخل کریں گے

جیسا کہ سورۂ آلِ عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا
مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ
سَبِيْلِيْ وَقَاتَلُوْا وَقُتِلُوْا
لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ
وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ
وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ
الثَّوَابِ

تو جن لوگوں نے ہمارے لئے (وطن اپنے)
دیس چھوڑے اور (ہماری ہی وجہ سے) اپنے
گھروں سے نکالے اور ستائے گئے۔ اور
لڑے اور مارے گئے ہم ان کی خطاؤں کو
ان سے ضرور محو کر دیں گے اور ان کو ایسے
باغوں میں (دلیجا) داخل کریں گے جن کے
نیچے نہریں (بہتی) رہی ہوں گی اللہ کے
ہاں سے (یہ ان کے کئے کا) بدلہ (ہے) اور
اچھا بدلہ تو اللہ ہی کے ہاں ہے۔

ف

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن (مہاجرین) مسلمانوں نے مجبور ہو کر اپنے وطن

(مکہ) سے ہجرت کی جو اللہ پر ایماں لانیکی پاداش میں اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ جن کو اللہ کی رضامندی ڈھونڈنے کے عوض میں ستایا گیا۔ اور جنھوں نے چارہ کار نپا کر دشمنان اسلام سے قتال کیا اور جو اس قتال میں مارے گئے، ہم ان کے گناہوں کو محو کریں گے اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی۔

جن مہاجرین کی یہ صفتیں بیان فرمائی گئیں ہیں ان کی دو قسمیں ہیں - ایک وہ جنھوں نے دشمنان اسلام سے قتال کیا اور زندہ رہے۔ دوسرے وہ جنھوں نے قتال کیا اور شہید ہوئے اللہ تعالیٰ ان دونوں قسموں کے مسلمانوں کو گناہوں کے معاف کرنے اور باغوں میں داخل کرنیکی بشارت دیتا ہے گناہوں کی معافی کا تو یہ مطلب ہے کہ ایام جاہلیت میں جو صغیرہ یا کبیرہ گناہ ان سے سرزد ہوئے وہ اسلام لانے کے بعد محو ہو گئے اور اللہ تعالیٰ ان کا مواخذہ نہ کرے گا مرنے کے بعد شہیدوں کا باغوں میں داخل ہونا اور اخروی نعمتوں سے سرفراز ہونا تو ظاہر اور کتب عقائد بلکہ خود قرآن مجید سے بھی ثابت ہے اور عقل بھی اس امر کو قبول کرتی ہے لیکن مہاجرین کے حق میں یہ پیشگوئی دنیا میں بھی پوری ہو گئی۔ ملک شام، سلطنت روم کے اکثر (زرخیز) حصے اور حکومت ایران کے قطعات وغیرہ تین خلافتوں میں اچھی طرح فتح ہو چکے تھے اور ان زرخیز حصوں (لہلہاتے سبزہ زاروں اور آراستہ باغوں پر جن میں انواع و اقسام کی بہترین نہریں جاری تھیں) مہاجرین قابض و متصرف ہو گئے تھے۔ ۱

---

۱ فتوح الشام - ابن اثیر ۱۲

پیشینگوئی

(۱۰۴)

مسلمانوں کو نہروں والے باغ عمدہ عمدہ قصر و محلات اور عیش و راحت کے تمام ساز و سامان مل کر رہیں گے

یہ پیشینگوئی تین مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ الحج میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ	جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے کچھ شک نہیں کہ ان کو اللہ ایسے باغوں میں (دیکھا) داخل کرے گا جن کے تلے نہریں (پڑی) بہ رہی ہوں گی۔ بے شک اللہ جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے۔

دوسری آیت سورۃ الزمر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لٰکِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ لَھُمْ غُرَفٌ	لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرے ان کے لئے بالاخانے (اور) بالاخانوں کے

مِنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ وَعْدَ اللّٰهِ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِیْعَادَ

اوپر (اور) بالاخانے ہوں گے جن کے نیچے نہریں (پڑی) بہ رہی ہوں گی۔ یہ (ان سے خدا کا وعدہ ہے) اللہ وعدہ خلافی نہیں کیا کرتا۔

تیسری آیت سورۃ المرسلات میں ہے جہاں اللہ تعالی فرماتا ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ ظِلٰلٍ وَّعُیُوْنٍ وَّفَوَاکِهَ مِمَّا یَشْتَهُوْنَ۔

بیشک (ایک دن ایسا آئیگا) کہ پرہیزگار لوگ چھاؤں اور چشموں اور میووں میں جو ان کو بھاتے ہیں (عیش کرتے) ہوں گے۔

ف

جیسا کہ مفسرین کا خیال ہے ہم ان آیات میں کوئی ایسا اشارہ نہیں پاتے جس سے ان مذکورہ نعمتوں کا آخرت کے ساتھ مخصوص ہونا متصور ہو سکے ہمارے نزدیک مسلمانوں کو یہ ایک ایسی خوشخبری دی گئی جو ان پر دنیا ہی میں پوری ہو گئی اور جس کی صداقت سے آج عالم تاریخ کا کوئی فرد بشر انکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔ بلاشک مسلمانوں کو یہ سب نعمتیں دنیا میں حاصل ہوئیں اور انھوں نے خوب عیش کئے عہ

عہ دیکھو فتوح الشام اور تاریخ ابن اثیر وغیرہ ۱۲

پیشنگوئی

(۱۰۴)

اللہ ہی کا بول بالا رہیگا

پیشنگوئی قران مجید میں دو مقامات پر ہے ۔

پہلی آیت سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

وَمَنْ يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ ۔

اور جو اللہ اور اللہ کے رسول اور مسلمانوں کا دوست ہو کر رہے گا تو (وہ اللہ والا ہے اور) اللہ والوں ہی کا (ہمیشہ) بول بالا ہے ۔

دوسری آیت سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ

اگر تم رسول کی مدد نہ بھی کرو تو (کچھ پروا نہیں اللہ ان کا مددگار ہے اور) اسی نے اپنے رسول کی مدد اسوقت بھی کی تھی جب کافروں نے اُن کو (ایسا بے سروسامان گھر سے) نکالدیا (کہ صرف دو آدمی اور) دو میں دوسرے (پیغمبر) اسوقت یہ دونوں غار (ثور) میں تھے (اور) اسوقت (پیغمبر) اپنی ساتھی (ابوبکر) کو سمجھا رہے تھے کہ (کچھ) الخ

بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا السُّفۡلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الۡعُلۡيَا وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ	نہ کر و بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ نے اُن (ابوبکر) پر اپنی طرف سے تسلی اتاری اور اُنکو ایسی فوجوں سے مدد دی جن کو تم لوگ نہ دیکھ سکے اور کافروں کی بات کو نیچا کر دکھایا اور (سدا) اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب اور صاحب تدبیر ہے۔

ف

اس طویل آیت میں کئی باتیں قابل صراحت ہیں۔

امر اول

تبوک ملک شام کا ایک شہر ہے جہاں روم کی عملداری تھی اور وہ لوگ نصاریٰ تھے پیغمبر اسلام کے انتقال اور قحط سالی کی جھوٹی خبر سنکر قیصر کو ملک عرب کو زیر کرنے کا حوصلہ ہوا۔ اور اس نے کچھ لشکر اسطرف متوجہ کئے جب آنحضرت کو یہ خبر معلوم ہوئی آپنے طائف کی مہم سے فارغ ہو کر رومیوں کے حوصلے پست کرنیکے لئے خود اُن پر چڑھائی کردی۔

جب آپنے مسلمانوں کو جنگ کے لیے بلایا تو منافقین جی چرانے اور طرح طرح کے عذر و بہانے کرنے لگے یہ آیت انہیں منافقین کی ملامت و توبیخ میں ہے کہ اگر تم پیغمبر کی مدد نہ کروگے تو اللہ نے جسطرح پہلے موقوں پر مدد کی تھی اب بھی اپنے رسول کی مدد کرے گا اور تمہاری مدد نہ کرنے سے اسلام کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

٭

امر ثانی

اس آیت میں واقعہ ہجرت کا بیان ہے جو حضرت سرور کائنات کی زندگی کا ایک بڑا مشہور واقعہ ہے۔ مختصر یہ ہے کہ کفار مکہ تو شروع سے اسلام کے مخالف تھے اور جس جس طرح بن پڑتا تھا شیوع اسلام کو روکتے تھے۔ ؎ چراغ را کہ ایزد برفروزد کسے کو پف زند ریشش بسوزد۔ ڈرایا۔ دھمکایا۔ ستایا مگر اسلام تھا کہ برابر ترقی کرتا چلا جاتا تھا آخر کار عاجز آکر سب دارالندوہ میں جمع ہوئے۔

دارالندوہ مکہ میں ایسی جگہ تھی جیسے ہمارے بڑے شہروں میں مینونسپل کمیٹی کا ہال کہ وہاں ہر طرح کی پنچایتیں ہوا کرتی تھیں۔ غرض یہاں جمع ہو کر ہر ایک نے اپنی اپنی تجویز پیش کی کسی نے کہا پیغمبر کو شہر بدر کرو۔ کسی نے رائے دی کہ قید رکھو نہ کوئی اس شخص کے پاس آنے پائیگا نہ یہ کسی کو بہکا سکیگا کسی نے صلاح بتائی کہ مار ڈالو۔ ردّ و قدح کے بعد یہ ٹھیرا کہ بلوے کے طور پہ بہت سے آدمی ملکر قتل کردیں

وحی کے ذریعہ سے پیغمبر کو اس امر کی اطلاع اور مکہ سے مدینہ کو ہجرت کرنیکی ہدایت ہوئی چنانچہ آپ نے اسی رات حضرت علیؑ بن ابیطالب کو اپنی جگہ پر سلا دیا اور حضرت ابوبکر صدیق کو ساتھ لیکر جبل ثور کے غار میں جا چھپے جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

دشمن ساری رات پیغمبر کے گھر کو گھیرے پڑے رہے صبح ہوئی تو دیکھا کہ پیغمبر کا پتہ نہیں اور جن کو پیغمبر سمجھے تھے وہ علی بن ابیطالب نکلے۔ ہرطرف کی طرح جستجو کیلئے چاروں طرف کو نکل پڑے۔

جس غار میں آنحضرت اپنے یار غار، ابوبکر کے ساتھ تشریف رکھتے تھے اس تک بھی بعض دشمنوں کا گذر ہوا۔ اور یہ اسیوقت کا مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر کا ڈروں کا

اپنے سروں پر چلنا پھرنا، بات کرنا دیکھکر گھبراتے تھے اور بار بار عرض کرتے تھے کہ یارسول اللہ مجھکو اپنی جان کا خوف کچھ نہیں ہے مگر آپ کا بال بیکا ہوا تو پھر اسلام کا یہیں خاتمہ ہوجائیگا۔ آنحضرت اس کے جواب میں آپ کو تسلی دیتے تھے کہ گھبراؤ نہیں، اللہ ہمارا ساتھی و مددگار ہے۔

اس درجہ کا توکل پیغمبر کے سوا کسی سے ہو نہیں سکتا۔

بہرحال جب تک یہ دونوں مرشد و مرید غار ثور میں مخفی رہے ابوبکرؓ کے گھر سے کھانے اور سواری کا انتظام ہوتا رہا۔ جب نواح مکہ کی جستجو کی شورش فرو ہوئی تو آنحضرت سیدھا رستہ چھوڑ کر بالا بالا کترا تے ہوئے مدینہ نکل گئے۔ اسی کا نام ہجرت ہے جس سے مسلمانوں کا سنہ ہجری شمار کیا جاتا ہے ؎۵

حضرت ابوبکرؓ کی یہ ایک ایسی بڑی خدمت نمایاں ہے جس کو کوئی مسلمان فراموش نہیں کرسکتا۔

ابوبکرؓ کی افضلیت

امر ثالث ۔ اس آیت سے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر ابوبکرؓ کی افضلیت بصراحت ثابت ہوتی ہے۔

پہلا ثبوت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خوف سے کہ اب کفار قتل پر تلے ہوئے ہیں غار ثور میں جاکر چھپے اور اپنی رفاقت کیلئے سوائے ابوبکرؓ کے کسی کو پسند نہیں فرمایا اس سے بدیہی طور پر ثابت ہوجاتا ہے کہ سرور کائنات کو ابوبکرؓ کی صفائی باطن پر اطلاع تھی آپ ان کو مومن صادق اور مخلص محق باور کرتے تھے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا اور

؎۵ سیرت ابن ہشام ۱۲

آپ کو ابوبکر کی نسبت ذرا بھی شبہ ہوتا تو ان کو ہرگز رفافت کی عزت سے سرفراز نفرماتے بلکہ اس بات سے بھی ان کو اطلاع نہ دیتے کہ ہم کسی وقت مکہ سے ہجرت کرنے والے ہیں - تا برفاقت چہ رسد -

دوسرا ثبوت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ سے ہجرت کرنا خدا کے حکم سے تھا پس ابوبکر کی رفاقت بھی تابع حکم وحی ہوئی -

یہ ظاہر ہے کہ اسوقت مخلصین صحابہ کی جماعت خدمت رسول خدا میں موجود تھی اور خود آپ کے کنبہ اور قرابتداروں میں بہت لوگ آپ کے موافق اور دوست تھے ایسی حالت میں اگر خاص خداوند کریم کا حکم نہ ہوتا تو آپ کبھی ابوبکر کو ساتھ نہ رکھتے جب کہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں آپ وحی کا انتظار فرماتے تھے تو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر کی رفاقت کیلئے ابوبکر کو مخصوص کرنا ایک ایسی فضیلت ہے جو صحابہ میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی اور اس پر مدعیان محبت صدیق جتنا بھی ناز کریں کم ہے

تیسرا ثبوت

بخاری مسلم اور امام احمد بن حنبل نے روایت کی ہے کہ -

حدثنا عفان حدثنا ھمام انبانا ثابت عن انس ان ابابکر حدثه قال قلت للنبی صلی اللہ علیه وسلم ونحن فی الغار لو ان احدھم	حدیث بیان کی ہم سے عفان نے انھوں نے کہا حدیث بیان کی ہم سے ہمام نے انھوں نے کہا خبر دی ہم کو ثابت نے انس سے کہ ابوبکر نے ان سے بیان کیا کہ جب ہم غار میں تھے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ... دکا فروں کو غار کے اوپر چلتا پھرتا دیکھکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نظر احدهم الی قدمیه لابصرنا تحت قدمیه فقال یا ابابکر ماظنک باثنین اللہ ثالثهما ۔	سے عرض کیا کہ (یا رسول اللہ) اگر ان میں سے کوئی ایک اپنے پاؤں کی طرف نظر کریگا تو ہم کو انکے قدموں تلے دیکھ لیگا تب آپنے جواب دیا' اے ابو بکر تو ان دو ساتھیوں کی نسبت کیا گمان رکھتا ہے ۔ جن کا تیسرا ساتھی اللہ ہو ۔

اب دیکھو کہ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں ابو بکر کو ثانی اثنین فرمایا یعنی دو ساتھیوں میں پہلے رسول اور ان کے ثانی (دوسرے) ابو بکر ۔ حدیث مذکورہ میں رسول اللہ صلعم نے یہ فرمایا کہ ان دو ساتھیوں کے ساتھ ایک اور تیسرا رفیق اللہ ہے پس ابو بکر اللہ کے تیسرے اور رسول کے دوسرے ساتھی ہوئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صدیق اکبر اکثر مناصب دینیہ میں ثانی رسول تھے جب پیغمبر خدا کو اللہ تعالےٰ نے منصب نبوت سے سرفراز فرما کر خلق کی طرف مبعوث کیا اور آپنے اسلام کی دعوت دینی شروع کی تو سب سے پہلے ابو بکر نے اسلام کو قبول کیا اور اسلام میں ثانی پیغمبر ہوئے ۔ اس کے بعد آپنے طلحہ' زبیر' عثمان بن عفان وغیرہ اجل صحابہ کو اسلام کی ترغیب وتحریص دلائی یہانتک کہ یہ سب لوگ ابو بکر کے ہاتھ پر اسلام لائے اور آپ ان سب کو لیکر رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے پس ابو بکر اللہ کی طرف لوگوں کو دعوت دینے میں بھی ثانی رسول ہوئے ہر غزوہ میں ابو بکر' رسول کی خدمت میں کمربستہ حاضر رہے اور کبھی کسی موقع پر آپسے مفارقت نہیں کی ۔ پس آپ ہر مجلس رسالت میں ثانی رسول رہے ۔

جب رسول اللہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپکے حکم سے ابو بکر نے نماز پڑہائی اور نماز کی امامت میں ثانی رسول ہوئے ۔

رسول اللہ صلعم کے انتقال کے بعد اجماع امت سے ابو بکر کو خلافت کا

تاج پہنایا اور آپ حقیقت میں ثانی رسول ہو گئے ابو بکرؓ وفات کے بعد پہلوئے رسول میں دفن ہوئے اور مابعد الموت بھی ثانی رسول ہی کہلائے۔

چوتھا ثبوت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ابو بکر کو صاحب رسول فرمایا۔ (اِذۡ یَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ) جو آپ کی عظمت شان اور وقعت صاحبیت کی بیّن دلیل ہے رسول اللہ کا صاحب ہونا کچھ معمولی بات نہیں ہے

پانچواں ثبوت

جب ابو بکرؓ نے کافروں کو اپنے سر پر چلتا پھرتا دیکھکر رسول اللہ سے اظہار فکر کیا تو رسول اللہ صلعم نے جواب دیا لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ یعنی گھبراؤ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے پس اللہ تعالیٰ کی یہ معیت حفاظت ونصرت وحراست ومعونت میں مراد ہے اور اللہ کی اس معیت میں رسول خدا اور ابو بکر صدیق برابر کے شریک ٹھیرے اور آخر اسی بزرگی نے یار غار کے لقب کو ضرب المثل بنا دیا جو قیامت تک ابو بکر کی مردانگی کو دنیا کے سامنے پیش کرتی رہیگی

چھٹواں ثبوت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلَيۡهِ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین ابو بکر پر نازل فرمادی اور اللہ کا یہ فرمانا ابو بکر کی بہت بڑی عظمت اور منقبت کو ظاہر کرتا ہے۔

بعض لوگ (عَلَيۡهِ) کی ضمیر کا مرجع رسول کو قرار دیتے ہیں یعنی اللہ نے

اپنی تسکین رسول پر نازل فرمائی مگر یہ توجیہہ بچند وجوہ باطل و مردود ہے۔

اولاً:۔ اسوجہ سے کہ ضمیر ہمیشہ اپنے اقرب کی طرف پھرتی ہے جب اس کا مرجع قریب موجود ہو تو خواہ مخواہ کو بعید مرجع کی طرف لیجانا قرین فصاحت نہیں ہے

ثانیاً:۔ اس وجہ سے کہ علیہ کا مرجع رسول کو قرار دینے سے معنی فاسد ہو جاتے ہیں کیونکہ خوف وحزن ابوبکر کو لاحق ہوا تھا تو تسکین نازل کرنیکی ضرورت ابوبکرؓ پر تھی نہ رسول پر رسول تو ساکن القلب تھے اور آپ کو طمانیت پہلے سے حاصل تھی اور آپ کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا ہے تو جب ابوبکرؓ کے رنج وحزن کے وقت آپنے فرمایا کہ "تم نہ گھبراؤ" تو اللہ کی تسکین و سکینۃ ابوبکر کی طرف پھر گئی اور ابوبکر کا خوف زائل ہو گیا۔

ثالثاً:۔ اسوجہ سے کہ اگر رسول پر سکینۃ کا نازل ہونا مراد لیا جائے تو لازم آئیگا کہ رسول انزال سکینۃ سے پہلے محزون وخائف تھے حالانکہ اس کا بطلان خود اسی آیت سے ثابت ہے کیونکہ آیت کریمہ میں صاف صراحت ہے کہ رسول خدا نے ابوبکرؓ سے فرمایا کہ تم گھبراؤ نہیں پس گھبرانیوالا آدمی جو خود خوف وحزن میں گرفتار ہو دوسرے خائف ومحزون کی تسلی نہیں کر سکتا ؏ خفتہ را خفتہ کے کند بیدار۔

غرض ان وجوہ سے ثابت ہوا کہ خوف وحزن ابوبکر پر طاری ہوا۔ انہیں کو رسول خدا نے تسکین دی اور انہیں پر اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت نازل فرمائی اور یہ سب امور اس جناب کے فضائل عظیمہ میں سے ہیں جو صحابہ کرام میں سے اور کسی کو حاصل نہیں ہوئے

امر ثالث

آخر میں اللہ تعالیٰ نے یہ پیشینگوئی فرمائی کہ کَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا اللہ ہی کا بول بالا رہیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ انجام میں دشمنان اسلام پست ہوئے رایت کفر

سرنگوں ہوا، اور اسلام کا بول بالا ہو کر رہا۔

یہ پیشنگوئی کسی وقت تک کے لئے خاص نہیں تھی بلکہ قیامت تک کیلئے ہے کہ اسلام کا بول ہمیشہ بالا رہے گا چنانچہ تیرہ سو برس کے بعد آج بھی ہم اس پیشنگوئی کو ویسا ہی صحیح و صادق پاتے ہیں کل دنیا کی مردم شماری (۱۶۰۳۵۰۰۰۰) ایک ارب ساٹھ کرور پینتیس لاکھ ہے۔

جن میں سے (۱۱۳۰۰۰۰) ایک کرور تیرہ لاکھ یہودی ہیں۔

(۵۵۰۰۰۰۰۰) پچپن کرور بدھ اور ہندو ہیں۔

(۵۷۱۴۰۰۰۰) ستاون کرور چودہ لاکھ عیسائی ہیں

(۲۴۶۷۰۰۰۰) چوبیس کرور سرسٹھ لاکھ مسلمان ہیں عہ

اسلام کے مقابلہ میں بدھ اور عیسائیت دو ہی مذہبوں کو پیش کیا جاسکتا ہے جو مردم شماری میں اسلام سے بڑھے ہوئے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بدھ مذہب تقریباً تین ہزار برس سے دنیا میں پھیلا ہوا ہے جبکہ اسلام کی عمر صرف تیرہ سو برس کی ہے پس اگر عمر کے فرق کا لحاظ رکھکر مقابلہ کیا جائے تو شائد بدھ مذہب کا پایہ ترقی اسلام سے بہت گھٹ جائے گا۔

مسیحی مردم شماری بہت کچھ بڑھائی گئی ہے اسوقت وہ کرۂ ارض کے بیشتر سلاطین کا آبائی مذہب ہے شاہی اثر سے اسکی مشنریاں قائم ہیں مشنریوں کو حکومت کیطرف سے بیش بہا اور ہر قسم کی امداد ملتی ہے دنیا کے گوشہ گوشہ

عہ نیو ڈکشنری آف اسٹیٹسٹکس مولفہ آگسٹس دی - وب - بی - سی - آئی -

The new dictionary of statistics by Augustus the Webb B: C: I.

میں مشنریوں کے پادری واعظین پھیلے ہوئے ہیں جو طرح طرح کی نئے نئے
طریقوں سے مسیحی مردم شماری کو روز افزوں ترقی دیتے رہتے ہیں اسلام
مذہب مسیحی سے تقریباً چھ سو برس عمر میں پیچھے ہے مزید بر ان وہ اسوقت
ایک غریب و مفلس مذہب ہے جو نہ عیسائیت کیطرح دولت کے بل پر
مشنریاں قایم کرسکتا نہ کوئی ایسی نہ کوئی ایسی جماعت ہے جو اسکی جو اسکی
اشاعت میں کوشش کرتی ہو۔

غرض ان امور کو پیش نظر رکھکر کوئی انصاف پسند شخص، اسلام
کو عیسائیت کے مقابلہ میں مغلوب نہیں کہہ سکتا بلکہ بلا کسی کوشش کے
اور بغیر کسی ترغیب و تحریض کے اسلام کا اسلام کا پھیلتے جانا اور عیسائی مشنریونکا
اپنی مذہبی حیثیت میں ناکام رہنا صاف دلیل ہے کہ عیسائیت مغلوب
اور اسلام غالب ہے۔

ہم یہانتک لکھنے پائے تھے کہ مصر کا اخبار "روزنامہ حکمت" ہماری
نظر سے گذرا، وہ لکھتا ہے کہ "حال* کی مردم شماری مغربی افریقہ سے معلوم ہوا ہے
کہ سابقہ مردم شماری کے بعد سے وہاں کی بہت سی قوموں نے دین اسلام کو قبول
کیا ہے سینیگال کی اقوام "اودلوف" اور "فولاد" مسلمان ہوگئی ہیں علاقہ
گنی میں اڑسٹھ ہزار مسلمان ہیں۔ قوم "دلونہ" میں اسلام سرعت کے ساتھ
پھیلتا جاتا ہے بالائے سینیگال اور نائجیریا کی پچاس لاکھ آبادی میں سے
پندرہ لاکھ آدمی مسلمان ہوچکے علاوہ ازیں بعض سواحل کے لوگ کثرت و سرعت
کیساتھ دائرۂ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں بعض سیاحوں کا بیان ہے کہ عیسائی مشنری

---

* اس کا ترجمہ "علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ" بابتہ ماہ جولائی ۱۹۱۱ء میں شایع ہوا ہے ہم نے بنظر سہولت اسی کو بلفظہ نقل کرلیا ہے۔۱۲

ان حالات کو دیکھ دیکھ کر نہایت مایوس و دلگیر ہو رہی ہے ۔

مغربی افریقہ میں نہ مسلمانوں کا کوئی ایسا زبردست اثر ہے نہ واعظوں کی کوشش ہے باوجود اس کے جو اسلام کی اشاعت ہوئی جاتی ہے یہ اسلام کی حقانیت اور الٰہی طاقت کا اثر نہیں تو کیا ہے؟

پیشنگوئی

(۱۰۵)

عرب کے سوا، اور ملک کے لوگ بھی مسلمان ہوں گے جو منافقوں کے سے نہ ہوں گے اور جن کو یہ نقصان نہ پہونچا سکیں گے

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے ۔

پہلی آیت سورۃ محمد میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا

اور اگر تم (حکم خدا سے) روگردانی کروگے تو (خدا) تمہارے سوا دوسرے لوگوں

اَمۡثَالَكُمۡ — کو (تمہاری جگہ) لا بٹھائیگا اور وہ تم جیسے نہیں ہوں گے۔

دوسری آیت سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِلَّا تَنۡفِرُوۡا يُعَذِّبۡكُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا وَّيَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ وَلَا تَضُرُّوۡهُ شَيۡـئًا۔

(بلائے جانے پر بھی راہ خدا میں لڑنیکے لئے) اگر تم نہ نکلو گے تو خدا تم کو بڑی دردناک مار مارے گا اور تمہارے بدلے دوسرے لوگ لا موجود کریگا اور تم اس کا کچھ بھی تو نہ بگاڑ سکو گے۔

ف

رجب سنہ ۹ ہجری میں طائف کی مہم سے فارغ ہو کر رسول اللہ نے رومیوں سے جنگ کا ارادہ کیا۔ مگر قحط کا زمانہ شدت کی گرمی۔ پھلوں کا زمانہ کہ وہی اہل عرب کی ساری کائنات اور اسی پر گذر اوقات تھی اور سب پر بالا سلطنت روم کا رعب غالب، ان وجوہ سے منافقین نے حیلہ حوالہ کر کے جانے سے جی چرایا۔[1] جس پر ان آیات میں انہیں ملامت کیگئی ہے کہ اگر تم رسول کا ساتھ نہیں دو گے تو خدا تمہارے بدلے میں دوسری قوم کو لا موجود کرے گا۔ جو تمہارے ایسے نہ ہوں گے کہ اسلام کی امداد سے جی چرائیں اور تم لوگ اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔

(۱)

یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم منافقین کے عوض میں اللہ دوسری قوم کو لا موجود

[1] لباب التاویل جلد ثانی ۱۲۔

کرے گا تو اس قوم سے کون سے لوگ مراد ہیں؟ اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں بعض مفسرین اہل یمن کو مراد لیتے ہیں بعض ایرانیوں کو۔

اگرچہ ان دونوں صورتوں میں قرآن کی پیشگوئی صحیح اتر جاتی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث دوسرے ہی مسلک کو قوی قرار دیتی ہے کہ اس قوم سے اہل فارس مراد ہیں۔

الترمذی عن ابی ھریرہ رض قال تلا رسول اللہ ھذہ الآیۃ وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم فقالوا من یستبدل بنا فضرب رسول اللہ علی منکب سلمان ثم قال ھذا وقومہ والذی نفسی بیدہ لوکان الایمان منوطا بالثریا لنالہ رجال من فارس۔

ترمذی نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (جس کا ترجمہ ہے) کہ اگر تم پھر جاؤ گے تو اللہ تمہارے سوا دوسرے لوگوں کو لادیگا تو اصحاب نے کہا ہمارے بدلے کن لوگوں کو لائے گا پس رسول اللہ نے سلمان (فارسی) کے شانہ پر ہاتھ مارا۔ پھر فرمایا کہ یہ اور اس کی قوم۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر ایمان ثریا پر لٹکا ہوا ہوتا تو بھی فارس کے لوگ اس کو پا لیتے۔

یہ اس امر کی پیشگوئی تھی کہ فارس میں علم و ایمان خوب پھیلیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تین صدی کے اندر اندر تمام ملک فارس لوائے اسلام کے سایہ میں آگیا اور ہر طرف اسلام ہی اسلام پھیل گیا۔ رسول عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام عرب میں مبعوث ہوئے۔ قرآن بھی عربی ہے

اور عربوں کے کارنامے بھی موجود ہیں ان کی پیشینگوئی توریت وانجیل میں بھی ہے اور حدیثوں میں بھی ان کے مناقب کثیرہ وارد ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف طور پر فرما دیا کہ عرب میں اسلام ہمیشہ رہے گا عرب کے لوگ مذہب میں نہایت سخت ہوتے ہیں زمانۂ کفر میں کفران کا سخت تھا اور اسلام لانے کے بعد اسلام میں اشد ہو گئے جیساکہ حالت موجودہ سے بھی ظاہر ہے۔

فارس والوں میں بہت جلد تغیر آجاتا ہے۔ تھوڑے ہی زمانہ میں مجوسیت کو خیرباد کہکر مسلمان ہو گئے اسلام میں آنے کے بعد کچھ دنوں سنی رہے۔ پھر شیعہ ہو گئے کبھی امامیہ بنے۔ کبھی زیدی کبھی کچھ کبھی کچھ پھر آہستہ بابی ہونا شروع ہوئے چنانچہ اس وقت ایرانیوں کی بڑی جماعت بابی مذہب پر قایم وبرقرار ہے ایسی متلون العقائد قوم خاک عرب کے بہادروں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ حدیث شریف کا صرف یہ مقصد ہے کہ فارس کے لوگ مسلمان ہوں گے اور سرزمین فارس میں اسلام عام ہو جائیگا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اور اس کی صحت محتاج دلیل نہیں ہے۔

مفسرین کا عام مذہب یہ ہے کہ آیت میں اہل یمن اور اہل فارس کی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ وہ اپنے عموم پر ہے کہ اہل عرب کے سوا، دوسرے ممالک کے لوگ بھی مسلمان ہوں گے یہ مذہب سب سے زیادہ قرین قیاس ہے اور اس صورت میں پیشینگوئی کا درجہ اور زیادہ بلند ہو جاتا ہے۔

(۲)

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ لوگ جو مسلمان ہوں گے ان منافقین جیسے نہ ہونگے اور بلا شبہ جو قومیں مسلمان ہوئیں ان میں سے کوئی سی بھی منافق نہ تھی وہ سچے دل سے مسلمان ہوئیں انہوں نے اسلام کی مدد کی، اور فتوحات اسلام کی ازیادہ تر

باعث وہی قومیں ہوئیں -

(۳۰)

لَا تَضُرُّوْهُ میں (ہُ) کی ضمیر کدہر پھرتی ہے؟ بعض مفسرین اللہ کو اس کا مرجع قرار دیتے ہیں - یعنی منافقین اپنی ان چالبازیوں اور جنگ میں شریک نہ ہونے سے اللہ (کے دین) کو کچھ بھی نقصان نہ پہونچا سکیں گے -

بعض مفسرین (ہُ) کی ضمیر کو رسول کی طرف پھیرتے ہیں کہ اے منافقین! تم اگر رسول کا حکم نمانوگے اور جنگ میں شریک نہ ہوگے تو اس سے تم رسول کو کوئی ضرر نہیں پہونچا سکوگے - ان دونوں سلکوں کا حاصل ایک ہی ہے -

ہمارے نزدیک (ہُ) کا مرجع خود قوم ہے جو ضمیر سے متصل واقع ہے اور معنی یہ ہیں کہ اگر منافقین رسول خدا کا حکم نمانینگے تو خدا ان کے بدلے میں ایک دوسری قوم کو لاموجود کرے گا جس کو یہ منافقین نقصان نہ پہونچا سکیں گے اور وہ قوم ان منافقین جیسی نہ ہوگی - اور واقعہ بھی ایسا ہی ہوا

قوم معنی جمع ہے اسکی طرف ہمیشہ واحد مونث یا جمع مذکر کی ضمیر پھرتی ہے قرآن میں اس کے خلاف کہیں نہیں ہے بخلاف اس کے ہمارے مسلک کی بنا پر آیت میں (ہُ) واحد مذکر کی ضمیر قوم کی طرف راجع ہوتی ہے مگر اصل بات یہ ہے کہ قوم جسکی جمع اقوام آئی ہے اگرچہ معنی میں جمع ہے لیکن لفظ کا لحاظ کرتے ہوے اسکی طرف واحد مذکر کی ضمیر کا پھرنا کچھ ناموزوں نہیں معلوم ہوتا -

پیشینگوئی

(۱۰۶)

محمد مصطفیٰ کا آوازہ بلند ہوگا

جیساکہ سورۃ الانشراح میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ | اور ہم نے تمہارے ذکر(خیر) کا آوازہ بلند کیا ہے۔

ف

اس سے بڑھ کر صریح پیشینگوئی کیا ہو سکتی ہے جسکی صداقت تیرہ سو برس سے اسوقت تک برابر ایک شان سے اہل عالم کے سامنے ہے۔

یہ آیت مکی ہے اور اس وقت نازل ہوئی ہے جب کہ رسول خدا پر دشمنوں نے دنیا تنگ کر رکھی تھی اور جو چند نفوس اسلام لائے تھے ان کو چھپنے کو بھی جگہ تک نہ ملتی تھی یہانتک کہ بہت سے مسلمانوں نے ارض حبشہ کی طرف ہجرت کی اور آخر خود رسول اللہ صلعم کو بھی مکہ چھوڑکر مدینہ کی راہ لینی پڑی۔ ایسی بیچارگی کیحالت میں یہ پیشینگوئی کرنی کہ تمہارے ذکر کا آوازہ دنیا میں بلند کیا جائے گا۔ اور پھر اس پیشینگوئی کا کھلے بند اچھی طرح پورا ہونا، تمام کرہ عالم میں محمد (صلعم) کے ذکر خیر کا بلند ہونا مشرق سے مغرب تک اسلام کا شائع ہونا دنیا کے گوشہ گوشہ میں محمد عربی کے نام مبارک کا وردِ زبان ہونا کیا کسی انسانی طاقت کا کام ہے؟ شاید کوئی

ذی ہوش اس کا جواب اثبات میں دینے کی جسارت نہ کرے گا۔

پیشنگوئی

(۱۰۷)

آیندہ عنقریب تم کو معلوم ہوگا کہ کس کا انجام بخیر ہی

جیساکہ سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

قُلْ یَا قَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۔

(اے پیغمبر ان کافروں سے) کہو کہ بھائیو! تم اپنی جگہ عمل کرو میں (اپنی جگہ) عمل کر رہا ہوں پھر آگے چلکر تم کو معلوم ہو جائے گا کہ آخر کار کس کا انجام بخیر ہے (مگر ہاں) اس میں تو کچھ بھی شک نہیں کہ ظالم تو کسی طرح فلاح پانے کے نہیں ۔

ف

قرآن کی یہ پیشنگوئی کہ آخر میں مسلمانوں ہی کا انجام بخیر ہوگا اور دشمنانِ اسلام کو ہرگز فلاح نصیب نہ ہوگی ، جس طرح پوری ہو کر رہی وہ تاریخ جاننے والوں پر آفتاب سے زیادہ روشن ہے اور اس کا اثر الآن بھی پردۂ عالم میں مستتر نہیں ہے

پیشینگوئی

(۱۰۸)

اللہ کید کفار کو توڑنیوالا ہے

جیسا کہ سورہ الانفال میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ بَلَاۗءً حَسَنًا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ۔

(مسلمانو!) کافروں کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ انکو اللہ نے قتل کیا اور (اے پیغمبر!) جب تم نے تیر چلائے تو تم نے تیر نہیں چلائے بلکہ اللہ نے تیر چلائے (تاکہ کفر کی بنیاد کو ڈگمگا دے) اور تاکہ مسلمانوں کو اپنی سرکار سے اچھا انعام (یعنی فتح) عنایت فرمائے بے شک اللہ سب کی سنتا (اور سب کچھ) جانتا ہے یہ بات (اچھی طرح سن رکھو) اور (جان لو کہ) خدا کو کافروں کی تدبیروں کا توڑنا منظور ہے

ف

یہ جنگ بدر کا مذکور ہے جس کے ساتھ یہ پیشینگوئی فرمادی گئی کہ اللہ کافروں کی تدبیروں کو توڑ دے گا چنانچہ کفار اور دشمنان اسلام کی ساری کوششیں اور تدبیریں جو اسلام کے مٹانے، پیغمبر خدا صلعم کے قتل کرنے، یاران رسول کو

برباد کرنے، لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکنے، اور جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے ان کو دنیاوی لالچ اور زور وظلم سے مرتد بنانے میں پوشیدہ طور پر یا کھلے بند ہوتی تھیں یا سوچی جاتی تھیں۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے تار عنکبوت کی طرح توڑ کر رکھدیا۔ دشمنوں کی ایک تدبیر نہ چلی اور آخر خود ذلیل وخوار ہو کر تباہ وبرباد ہوئے یا مسلمان ہو گئے۔

پیشگوئی

(۱۰۹)

اللہ کافروں کو ذلیل و رسوا کریگا

یہ پیشگوئی قرآن مجید میں تین مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ

اور (اے دشمنان اسلام!) تم جانے رہو کہ تم اللہ کو (کسی طرح بھی) ہرا نہیں سکوگے اور (یہ کہ آخر کار) اللہ کافروں کو ہی (مسلمانوں کے ہاتھ سے دنیا میں) رسوا کرنیوالا ہے

دوسری آیت سورۃ المجادلہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کرتے ہیں (آخر کار) وہی ذلیل ترین

فی الاَذَلِّینَ۔ — لوگوں میں ہوں گے۔

تیسری آیت سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اُولٰئِکَ الَّذِینَ لَمْ یُرِدِ اللّٰہُ اَنْ یُّطَھِّرَ قُلُوْبَھُمْ لَھُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔

یہی (کفار) وہ لوگ ہیں کہ خدا بھی ان کے دلوں کو (معصیت کی گندگی سے) پاک کرنا نہیں چاہتا ان لوگوں کی دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے بڑا سخت عذاب ہے۔



انسان کے لئے اس سے بڑی کوئی ذلت نہیں ہے کہ ایسے دشمن جن کو وہ ذلیل سمجھتا ہے اور جن کو دنیا سے مٹا دینے کے لئے وہ سر توڑ کوششیں کر رہا ہے اُن پر قابو نہ پا سکے بلکہ برعکس اس کے وہی مغلوب دشمن اس پر غالب ہو جائیں اور انہیں کے ہاتھوں وہ ذلیل و خوار ہو کر تباہ و برباد ہو جائے کفار عرب کا یہی حال ہوا کہ وہ مٹھی بھر مسلمانوں کو ذلیل و حقیر سمجھتے تھے۔ انہیں نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے ان کو تباہ کر کے اسلام کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ دینے کی کوششوں میں جان و مال سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ مگر ان کی اِن ساری نالائق کوششوں کا یہ اُلٹا اثر نمایاں ہوا کہ مسلمانوں کی قوت روز بروز بڑھتی گئی۔ وہ ہی کافروں پر غالب ہوئے اور انہیں کے زبردست ہاتھوں سے کفار کا استیصال ہو گیا اور اکثر لونڈی غلام بنے اور قرآن کی پیشنگوئی پوری ہوئی۔

پیشنگوئی

(۱۱۰)

مشرکین کو عذاب ہوتا ہے

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے

پہلی آیت سورۃ الفتح میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ يُعَذِّبَ الْمُنَافِقِيْنَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّانِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ ۔	اور منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو اللہ سزا دیگا جو اللہ کے حق میں (طرح طرح کی) بدگمانیاں رکھتے ہیں اب یہی مصیبت کے چکر میں آئیں گے

دوسری آیت سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ	(اے پیغمبر!) ان میں سے جنھوں نے کفر کیا عنقریب ان کو عذاب دردناک پہونچیگا

ف

بہت سے کٹر اور پکے مشرکین تو اسلام کی صداقت کو نہ مان کر اس کی قوت کی بھینٹ چڑھ گئے اور عرب اُن کے ناپاک وجود سے خالی ہوگیا بہت سارے شکست کی مار کھا کر مغلوب و مقہور ہوئے اور آخر آخر میں کثیر التعداد مشرکوں نے

اسلام قبول کر لیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں خاک پاک عرب سے شرک کا نام مٹ گیا۔

پیشگوئی

(۱۱۱)

بعض نصاریٰ مسلمان ہوں گے اور جو تثلیث سے باز نہیں آئیں گے وہ اپنی اس بداعمالی کا مزا چکھیں گے

جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَإِن لَّمْ يَنتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا تو یہی تین ہیں کا ایک تیسرا ہے (یہ لوگ بھی اس کہنے سے) کافر ہو گئے حالانکہ خدائے واحد کے سوا اور کوئی معبود (یعنی خدا) نہیں ہے اور (خدا کے بارے میں) جیسی جیسی باتیں یہ لوگ کہتے ہیں اگر ان سے باز نہیں آئیں گے تو جو لوگ ان میں سے کفر کرتے رہیں گے ان پر عذاب دردناک نازل ہوا اور ہو۔

ف

اس آیت میں نصاریٰ کے دو فرقوں کے عقائد کا بیان ہے ایک فرقہ مسیح علیہ السلام ہی کو خدا سمجھتا تھا دوسرا فرقہ عجیب طرح پر خدا مانتا تھا کہ خدا اور عیسیٰ اور روح القدس تینوں میں خدائی دائر ہے یعنی ان میں کا ہر ایک خدا ہے۔ یہاں خدا نے فرمایا کہ سب کفر کے عقائد ہیں اور خدا ایک ہی ہے۔

آیت میں دو پیشگوئیاں ہیں۔

پہلی پیشگوئی

یہ ہے کہ اگر نصاریٰ تین خداؤں کے اعتقاد سے باز نہ آئیں گے تو اس کی پاداش میں مبتلائے عذاب کئے جائیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ عرب کے نصاریٰ نے مسلمانوں کے ہاتھ سے جو کچھ دیکھا اس کا اثر آج بھی دیکھا جاتا ہے کہ تمام ملک عرب میں ایک عیسائی بھی نہیں بستا۔ اس سے قطع نظر کر کے اگر نظر کو اور وسیع کیا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ شام و روم میں اہل اسلام نے جو نمایاں فتوحات کیں انھوں نے اس پیشینگوئی کی صحت کو بہت زیادہ نمایاں کر کے ثابت کر دیا۔

حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں بہادران اسلام نے مسیحیان روم و شام کو ناکوں چنے چبوائے، اور جو روز بدان کو دکھایا وہ تاریخ جاننے والوں پر آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ آخر رفتہ رفتہ تمام عیسائیوں کا قلع قمع ہو گیا اور ملک پر ہر طرف مسلمان مسلط ہو گئے۔

دوسری پیشینگوئی

یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان عیسائیوں اور معتقدین تثلیث میں سے بعض

مبتلائے عذاب ہوں گے جس سے مستنبط ہوا کہ بعض نصاریٰ مسلمان ہوجائیں گے
اور اسلام کیوجہ سے عذاب سے محفوظ رہیں گے چنانچہ یہ پیشینگوئی بھی پوری ہوئی
اور فتوحات روم وشام میں کثیر التعداد مسیحی اور بہت سے ممبران خاندان شاہی بلاکسی زبردستی
کے خود سچے دل* سے مسلمان ہوگئے جناب فاروق اعظم کے عہد مبارک میں
ہرمزان نے جو شیرویہ کا ماموں اور بڑی قوت و اقتدار کا سرکار تھا یزدگرد کیخدمت
میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر اہوانہ فارس میری حکومت میں دیدیے جائیں تو میں
عرب کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک دوں یزدگرد نے اسیوقت فرمان
حکومت عطا کرکے ایک جمعیت عظیم ساتھ کردی۔

ابوموسیٰ اسلامی لشکر کے افسر تھے۔ قوستر خوزستان کا صدر مقام تھا اس کے
قریب ہرمزان نے مقابلہ کیا اور عین پھاٹک پر فریقین کا سامنا ہوا اگرچہ میدان مسلمانوں
کے ہاتھ رہا اور عجمی ایک ہزار سے زیادہ مارے گئے تاہم مسلمان بھی بہت کام آئے
براء رضی اللہ عنہ اور مجزاۃ بن ثور جیسے جانبازان اسلام ہرمزان کے ہاتھوں نذر اجل
ہوگئے۔

آخر ابوموسیٰ رض نے شہر فتح کرلیا۔ تمام لشکر ٹوٹ پڑا شہر میں ہلچل پڑگئی ہرمزان
بھاگ کر قلعہ میں ہو رہا۔ جب مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کیا تو ہرمزان اس شرط پر
نیچے اتر آیا کہ اس کو ضرر نہ پہونچایا جائے بلکہ اس کو مدینہ بھیجدیں اور جو کچھ فیصلہ ہو عمر رض
کے ہاتھ سے ہو۔ ابوموسیٰ نے منظور کیا اور حضرت انس رض کو مامور کیا تا مدینہ تک اس کے
ساتھ جائیں۔

ہرمزان بڑی شان وشوکت سے روانہ ہوا بڑے بڑے رئیس اور خاندان کے

* فتوح الشام ۱۲۔

تمام آدمی رکاب میں لئے مدینہ کے قریب پہونچکر شاہانہ ٹھاٹھ سے آراستہ ہوا
تاج مرصع جو آذین کے لقب سے مشہور تھا سر پر رکھا۔ دیبا کی قبا زیب
بدن کی اور شاہان عجم کے طریقے کے موافق زیور پہنے کمر سے مرصع تلوار لگائی غرض شان و
شوکت کی تصویر بنکر مدینہ میں داخل ہوا، اور لوگوں سے پوچھا امیر المومنین کہاں ہیں
وہ سمجھتا تھا کہ جس شخص کے دبدبہ نے تمام دنیا میں غلغلہ ڈال رکھا ہے اس کا دربار بھی
بڑے سروسامان کا ہوگا حضرت عمرؓ اسوقت مسجد میں فرش خاک پر لیٹے ہوئے تھے
ہرمزان مسجد میں داخل ہوا تو سیکڑوں تماشائی ساتھ تھے جو اس کے زرق برق لباس
کو بار بار دیکھتے تھے۔ لوگوں کی آہٹ سے فاروق اعظمؓ کی آنکھ کھلی تو عجمی شان و
شوکت کا مرقع سامنے تھا اوپر سے نیچے تک دیکھا اور حاضرین کی طرف مخاطب
ہو کر فرمایا "یہ دنیائے دون کی دلفریبیاں ہیں" قادسیہ کے بعد ہرمزان نے کئی
دفعہ سعد بن وقاص سے صلح کی تھی۔ اور ہمیشہ اقرار سے پھر جاتا تھا شوستر کے
معرکہ میں دو بڑے مسلمان افسر اس کے ہاتھ سے مارے گئے۔ حضرت عمرؓ کو ان
باتوں کا اسقدر رنج تھا کہ انھوں نے ہرمزان کے قتل کا پورا ارادہ کر لیا تھا تاہم
اتمام حجت کے طور پر عرض معروض کی اجازت دی اس نے کہا کہ عمر! جب تک خدا
ہمارے ساتھ تھا تم ہمارے غلام تھے اب خدا تمہارے ساتھ ہے اور ہم تمہارے
غلام ہیں یہ کہکر پینے کا پانی مانگا۔ پانی آیا تو پیالہ ہاتھ میں لیکر درخواست کی کہ جب تک
پانی نہ پی لوں مارا نہ جاؤں حضرت عمرؓ نے منظور کیا اس نے پیالہ ہاتھ سے رکھدیا
اور کہا کہ میں پانی نہیں پیتا اور اس لئے شرط کے موافق تم مجھکو قتل نہیں کر سکتے
حضرت عمرؓ اس مغالطے پر حیران رہ گئے ہرمزان نے کلمۂ توحید پڑھا۔ اور کہا کہ میں
پہلے ہی اسلام قبول کر چکا تھا لیکن یہ تدبیر اس لئے کی تا لوگ یہ نہ کہیں کہ میں نے
تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کیا حضرت عمرؓ نہایت خوش ہوئے خاص مدینہ میں

رہنے کی اجازت دی اور دو ہزار سالانہ روزینہ مقرر کر دیا۔ ع۔ ۵

سنہ ۱۶ ہجری کے اخیر میں جب جلولار فتح ہوا تو بڑے بڑے روسا اور نواب اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے ان میں سے جو زیادہ صاحب اختیار اور نامور تھے ان کے یہ نام ہیں۔ جمیل بن بصبہری بسطام بن نرسے۔ رفیل۔ فیروز۔ ان رئیسوں کے مسلمان ہو جانے سے ان کی رعایا میں خود بخود اسلام کو شیوع ہوا۔ ع۔ ۵

قادسیہ کے معرکہ کے بعد چار ہزار دیلم کی فوج جو خسرو پرویز کی تربیت یافتہ تھی اور امپیریل گارڈ یعنی شاہی رسالہ کہلاتی تھی کل کی کل مسلمان ہو گئی۔

یزدگرد کے مقدمۃ الجیش کا افسر ایک مشہور بہادر تھا جس کا نام سیاہ تھا یزدگرد جب اصفہان کو روانہ ہوا تو اس نے سیاہ کو بلا کر تین سو بڑے بڑے رئیس اور پہلوان ساتھ کئے اور اصطخر کو روانہ کیا سیاہ نے ایکدن تمام ہمراہیوں کو جمع کر کے کہا کہ ہم لوگ جو پہلے کہا کرتے تھے کہ یہ عرب ہمارے ملک پر غالب آجائینگے اس کی روز بروز تصدیق ہوتی جاتی ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم لوگ خود اسلام قبول کر لیں چنانچہ اسی وقت سب کے سب مسلمان ہو گئے یہ لوگ اساورہ کہلاتے تھے کوفہ میں ان کے نام سے نہر اساورہ مشہور ہے ان کے اسلام لانے پر سیابجۃ۔ زط۔ اندغار بھی مسلمان ہو گئے۔

عہد فاروقی میں مصر اور اس کے جوانب میں کثرت سے اسلام پھیلا قصبہ بلہیب کے رہنے والے کل کے کل اپنی خواہش سے مسلمان ہو گئے۔ دمیاط کی فتح کے بعد جب اسلامی فوجیں آگے بڑھیں تو بقارۃ اور ورادۃ سے لیکر عسقلان تک

ع۵ فتوح الشام ۱۲ ع۱۵ الفاروق ص ۱۰۱ ۱۲ ع۵ فتوح البلدان ۱۲۔ لعہ تاریخ مقریزی جلد اول۔

جو شام میں داخل ہے ہر جگہ اسلام پھیل گیا۔ عہ شطائے مصر کا رئیس مسلمانوں کے حالات سنکر پہلے ہی سے اسلام کی طرف مائل تھا چنانچہ جب اسلامی فوجیں دمیاط میں پہونچیں تو دو ہزار آدمیوں کے ساتھ شطا سے نکلکر مسلمانوں سے آملا اور مسلمان ہوگیا۔ عہ فسطاط میں نوشیروان کی طرف یمن کا عامل تھا جب اسلام کا قدم شام میں پہونچا تو یہ سب مسلمان ہوگئے۔ مورخ طبری نے جنگ یرموک اور ۱۵ھ ہجری کے واقعات میں لکھا ہے کہ اس لڑائی میں بہت سے اہل عجم نے مسلمانوں کو مدد دی جن میں سے کچھ لڑائی سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے اور کچھ لڑائی کے بعد اسلام لائے۔ ان واقعات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک عہد میں اسلام کثرت سے پھیلا اور تلوار سے نہیں بلکہ اپنے فیض و برکت سے۔

پیشینگوئی

(۱۱۲)

کفار سے جہانتک ہو سکی اپنی پوری طاقت صرف کر کے اسلام کی تباہی میں کوشش کر دیکھیں

جیسا کہ سورۃ الاعراف میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

عہ مقریزی۔ عہ مقریزی جلد اول ۱۲

قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰہُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتٰبَ وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ ۔

(اے پیغمبر ان کافروں سے) کہو کہ اپنے شریکوں کو (اپنی مدد کیلئے) بلالو پھر (سب ملکر) مجھ پر اپنا داؤ کر چلو اور مجھکو (ذرا بھی) مہلت نہ دو۔ اللہ جس نے اس کتاب (قرآن) کو اتارا ہے وہی میرا کارساز ہے اور وہی تمام نیک بندوں کی حمایت کرتا ہے۔

ف

اس آیت کریمہ میں تمام دشمنان اسلام کو برانگیختہ کیا گیا ہے کہ تم اپنے تمام شریکوں اور مددگاروں کو جمع کرو اور اسلام اور پیغمبر اسلام کے ساتھ فریب کرنے اور ان کے مٹانے میں پوری قوت صرف کر دو اور ذرا بھی مہلت نہ دو۔ پھر دیکھو کہ تمہاری ان ان تھک کوششوں کا کچھ بھی نتیجہ تمہارے موافق نکلتا ہے؟ بلاشک اللہ اپنے پیغمبر اور نیک بندوں کا حامی و مددگار ہے اور خدا جس کا حمایتی ہو اس کا ساری دنیا بھی ملکر کچھ نہیں بگاڑ سکتی

سورۃ الاعراف، سوائے ” وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ “ پانچ سات آیتوں کے کل سورہ مکی ہے۔ پس ابتدائے اسلام اور مسلمانوں کی بیچارگی کی حالت میں اس دعوے کیساتھ پیشنگوئی کرنی کہ تمام کفار اپنی مجموعی طاقت سے بھی پیغمبر اور اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور باوجود علی الاعلان دعویٰ کرنے اور اس کے مشتہر ہونے اور کفار کو چیلنج دینے کے اس پیشینگوئی کا پورا ہو جانا کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے ۔ کیا دنیا کی کسی طاقت میں تاریخ اس کی نظیر پیش کر سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

پیشنگوئی

(۱۱۳)

کفار عرب کو جب دشمنی کا موقع ملیگا اٹھا نہ رکھینگے

جیسا کہ سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً يُرْضُونَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ ۔

(ان کافروں کا عہد) کیسے (معتبر ہو سکتا ہے) اور ان کا حال یہ ہے کہ) اگر یہ لوگ تم مسلمانوں پر غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارہ میں نہ قرابت کا پاس ملحوظ رکھیں اور نہ عہد (و پیمان) کا، اپنی زبانی باتوں سے تو تم کو رضامند کر دیتے ہیں اور انکے دل انکار رکھتے ہیں اور ان میں اکثر ایسے ہیں کہ بات کہکر آپ ہی آپ اس سے) نکل بھاگتے ہیں

ف

آیت میں یہ پیشنگوئی کی گئی ہے کہ کفار عرب کے عہد و پیمان اور اُن کی ظاہری باتوں کا کچھ اعتبار نہیں۔ جب ان کو موقع ملے گا عہد و پیمان کو توڑ ڈالیں گے جہاں ذرا غلبہ حاصل ہوگا مسلمانوں کو نقصان پہونچانے کے درپے ہو جائیں گے غرض اپنے امکان بھر یہ کچھ اٹھا نہ رکھیں گے۔

جب رسول خدا صلعم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے

تو مدینہ کے یہودیوں نے آپ سے اس بات کا معاہدہ کیا کہ وہ نہ رسول خدا سے
لڑیں گے نہ دشمنان اسلام کا ساتھ دیں گے اور نہ رسول خدا سے مِلکر اُن کے
دشمنوں کا مقابلہ کریں گے مگر باوصف عہد وپیمان کے یہود اپنی بات پر بہت
دن قائم نہ رہے جنگ احد میں جو مسلمانوں کو ایک طرح کی ناکامی ہوئی، فوراً
یہودیوں نے معاہدہ کو توڑ ڈالا اور مسلمانوں کی دشمنی پر کمر بستہ ہو گئے اسی نقض
عہد کی پاداش میں بہت سے یہودیوں کو مدینہ سے جلاوطن کر دیا گیا اور بہت
سارے قتل کر دئے گئے ؎

حدیبیہ کی سال مشرکوں اور مسلمانوں کے درمیاں مصالحت ہوئی
کہ دس برس تک کوئی ایک فریق دوسرے کے مقابلہ پر تلوار نہ اُٹھائے
بنو خزاعہ مسلمانوں کے طرفدار رہے اور بنو بکر مشرکین وکفار کے اتفاقاً بنو خزاعہ
اور بنو بکر میں جنگ ہو گئی تو مشرکین قریش نے معاہدہ کا کچھ لحاظ نہ کرکے بنو بکر کا ساتھ
دیا اور بنو خزاعہ سے جنگ کرکے ایک جم غفیر کو اُن میں سے قتل وغارت کر دیا ؎
پھر بنو بکر اور مشرکین دونوں ملکر مسلمانوں سے جنگ کرنے کا حیلہ ڈھونڈنے لگے
غرض ان کفار ومشرکین کے لیئے عہد شکنی کوئی نئی بات نہیں تھی جب ان کو موقع
ملتا نقض عہد کرتے۔ جب وقت پاتے مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے۔



؎ سیرت ابن ہشام ۱۲ ؎ سیرت ابن ہشام ۱۲-

پیشنگوئی

(۱۱۴)

آفاق عالم میں اسلام اور اسلامی سلطنت پھیل جائیگی

جیسا کہ سورۃ حٰمٓ السجدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ۔

عنقریب ہم ان کافروں کو اپنی (قدرت و طاقت کی) نشانیاں (دنیا کے تمام اطراف میں (بھی)، دکھائیں گے اور ان کے اپنے درمیان میں (بھی)، یہانتک کہ اُن پر ظاہر ہوجائے گا۔ کہ یہ (قرآن)، برحق ہے

ف

"اپنے درمیان" سے عرب اور مکہ کا فتح ہونا مراد ہے جو کفار عرب کا خاص موطن و مادی تھا اور آفاق سے آفاق عالم اور اطراف دنیا مراد ہے جیسا کہ خود لفظ سے ظاہر ہے۔

قرآن کی یہ زبردست ترین پیشنگوئی پوری ہو کر رہی آخر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور کمزور مفلس مسلمانوں ہی کے ذریعہ سے اپنی قدرت کی نشانیاں اہل عالم کو دکھا چھوڑیں کہ قطعات ارض عرب فتح ہوتے ہوتے ایک روز خود مکہ بھی فتح ہوگیا اور اس کے بعد تمام اطراف عالم اور آفاق گیتی میں اسلام پھیل پڑا ہر طرف

اسلام کا ڈنکا بجا - ہر قوم نے اسلامی طاقت کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا۔ مشرق سے مغرب تک مسلمانوں نے اپنا سکہ چلایا اور اُن کی باجبروت سلطنت کی دھاک بیٹھ گئی۔ دولت اُن کی خانہ زاد لونڈی بنی۔ فتح و نصرت نے رکاب تھامے اور اقبال اُن کا علم بردار رہا ؎

وہ قوم کہ جان تھی جہاں کی ۔ جو تاج تھی فرق آسماں کی
تھے جس پہ نثار فتح و اقبال ۔ کسریٰ کو جو کر چکی تھی پامال
گل کر دیے تھے چراغ جس نے ۔ قیصر کو دیے تھے داغ جس نے
وہ نیزۂ خونفشاں کہ چل کر ۔ ٹھیرا تھا فرانس کے جگر پر
روما کے دھوئیں اڑا دیئے تھے ۔ اٹلی کو کنوئیں جھنکا دیئے تھے
با اینہمہ جاہ و شوکت و فر ۔ اقلیم ہنر بھی تھی مسخر
ہیأت میں بلند پایہ اس کا ۔ تھا فلسفہ زیر سایہ اس کا
منطق میں ہوئے جو گرم جولاں ۔ تھامے تھے رکاب مصر و یونان
میدان سخن جو رو برد تھا ۔ فارس کی زباں پہ طرقوا تھا
جو فلسفیان ہند و چیں تھے ۔ خرمن سے اسی کی خوشہ چیں تھے

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت میں جو ممالک فتح ہوئے اُن کی اجمالی فہرست پیشینگوئی (۳۱-۳۲-۳۳-۳۴-) کے تحت میں ہم لکھ چکے ہیں یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

خلفائے بنی امیہ اور خلفائے بنی عباس رحمہم اللہ تعالےٰ کے عہد خلافت میں۔ ماوراء النہر - بلخ - خوارزم - اندرابہ - الباب - خراسان - سجستان - دربند - طبرستان - آرمینیہ - الجزیرہ - آذربیجان - عراق - خوزستان - فارس - فلسطین - ارض مقدس - قاہرہ مصر - افریقیہ - اسپین - یمامہ

سندھ وغیرہ پوری طرح فتح ہو گئے تھے اور جزائر سسلی وغیرہ کے ساتھ تمام عرب ان کے زیر نگیں تھا۔ خلافت بغداد کی تباہی کے بعد شمالی افریقہ مصر۔ شام۔ ترکستان یورپ۔ ایشیائے کوچک۔ الجزیرہ۔ ماوراالنہر۔ ایران افغانستان۔ ہندوستان۔ دکن۔ لنکا۔ ممالک روسیہ وغیرہ کو مختلف وقتوں میں سلاطین اسلام نے فتح کیا اور ان تمام ممالک پر اسلام کا زبردست مگر پُر امن علم لہراتا تھا۔

خلافت بنی امیہ اور خلافت عباسیہ کے رقبہ حکومت کا نظری نقشہ اس کے ساتھ ناظرین کے سامنے ہے اور تمام اسلامی خاندانوں کا مکمل اور مفصل نقشہ کہ شروع اسلام سے اسوقت تک کہاں کہاں اسلامی حکومت قایم ہوئی۔ شروع کتاب میں لگا دیا گیا ہے۔

کیا ایسی زبردست پیشگوئی انصاف پسند مخالفین اسلام کو خاموش کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ ضرور ہے۔



ﭑ محمدن ڈائی نسٹیز مولفہ علامہ اسٹینڈلی لین پول۔

Mohammedan Dynasties (by) Stanley Lane Pool.

پیشنگوئی

(۱۱۵)

اگر اہل کتاب تورات وانجیل کو قایم کریں تو رزق اُن کے اوپر سے برسے اور پاؤں تلے سے اُبلے

جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ۔

اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور ڈرتے تو ہم اُن سے ان کے گناہ ضرور اتار دیتے اور ان کو باغوں میں بھی ضرور بیجا داخل کرتے جن میں نعمتیں ہیں اور اگر یہ (اہل کتاب) تورات اور انجیل اور ان (صحیفوں) کو جو ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے اُترے ہیں قایم کرتے تو ضرور ان کو ایسی برکت ہوتی کہ ان کے اوپر سے (رزق برستا) اور پاؤں کے تلے سے (ابلتا اور یہ فراغت سے) کھاتے۔

ف

اہل کتاب میں سے یہود تو اسی ذلت وخواری میں رہ گئے اور انھوں نے اقامت توارات وانجیل میں کوئی کوشش نہیں کی۔ البتہ جب فطرت الٰہیہ کی مرضی اور اس کی پیشنگوئی کے پورا ہونے کا وقت آیا تو نصاریٰ نے اپنے بخت کی مساعدت سے جنبش کی۔ توریت وانجیل کے قایم کرنے اس کے پھیلانے اور اشاعت دینے میں انھوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا یہانتک کہ اسی غرض کیلیے شاہی صرفہ اور حکومت کی امداد سے دنیا کے گوشہ گوشہ اور زمین کے چپہ چپہ میں مسیحی مشنریاں قایم کیگئیں جو توراۃ وانجیل کو قایم کرتی، اس کو پھیلاتی، اس کی اشاعت کرتی اور اقوام عالم کو ان کی طرف مائل کرتی رہتی ہیں۔

جب مسیحیوں کی طرف سے اقامت کتب قدیمہ میں ایسی کچھ کوششیں ہوئیں تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی پورا ہوگیا کہ واقعی رزق ان کے اوپر سے برستا اور پاؤں تلے سے ابلتا رہتا ہے آج دنیا کی کوئی قوم کشایش رزق میں عیسائیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

قرآن کی یہ زبردست پیشنگوئی کہ اہل کتاب کی کشایش رزق اور ان کی اقامت توریت وانجیل کا زمانہ ایک ہوگا اور دونوں لازم وملزوم ہیں۔ ہزار برس کے بعد پوری ہوئی۔

کوئی انسانی طاقت ایسی پیشنگوئی اور اسپر دعوے کیساتھ نہیں کر سکتی۔

پیشینگوئی

(۱۱۶)

تمام لوگوں میں سے یہود اور مشرکین مسلمانوں کے سخت ترین دشمن رہیں گے

(۱۱۷)

دوستی کے اعتبار سے سب لوگوں میں نصاریٰ مسلمانوں سے بہت قریب رہیں گے

جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ
عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ آمَنُوا
الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا
وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً
لِّلَّذِيْنَ آمَنُوا الَّذِيْنَ
قَالُوْا اِنَّا نَصَارٰى
ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ

مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کے اعتبار سے تم
یہود اور مشرکین کو سب لوگوں سے زیادہ سخت
پاؤ گے اور مسلمانوں کیساتھ دوستی کے اعتبار سے
سب لوگوں میں تم ان کو قریب تر پاؤ گے
جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں (مسلمانوں کیطرف
نصاریٰ کا) یہ (میلان) اس سبب سے ہے
کہ ان میں علماء اور مشائخ ہیں اور (نیز)

قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ | یہہ کہ یہہ لوگ تکبر نہیں کرتے۔

ف

یہ پیشنگوئیاں ہمیشہ ہر زمانہ میں پوری ہوتی رہیں اور اسوقت بھی ہم پوری ہوتے دیکھ رہے ہیں۔

(۱)

دنیا میں ہزاروں قومیں ہیں۔ ہزاروں مذاہب ہیں۔ مسلمان سوائے یہود و نصاریٰ کے کسی دوسرے مذہب کو آسمانی نہیں سمجھتے اُن کے نزدیک جو مرتبہ نصاریٰ کا ہے وہی یہود کا ہے اور ان کے سوا تمام مذاہب عالم ایک حکم میں ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ دنیا بھر میں یہود اور مشرکین ہی کے دو فرقے مسلمانوں کے سخت ترین دشمن ہیں۔

حافظ ابوبکر بن مردویہ نے اس آیت کی تفسیر میں چند ہم معنی حدیثیں روایت کی ہیں۔

حدثنا احمد بن محمد بن السری حدثنا محمد بن علی بن جبیب الرقی حدثنا علی بن سعید العلاف حدثنا ابو النصر عن الاشجعی عن سفیان عن یحیٰی بن عبد اللہ عن ابیہ عن ابی ھریرۃ رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حدیث بیان کی ہم سے احمد بن محمد بن سری نے (انھوں نے کہا) حدیث بیان کی ہم سے محمد بن علی بن جبیب رقی نے (انھوں نے کہا) حدیث بیان کی ہم سے علی بن سعید علاف نے (انھوں نے کہا) حدیث بیان کی ہم سے ابو نصر نے اشجعی سے انھوں نے سفیان سے انھوں نے یحیٰی بن عبداللہ سے انھوں نے اپنے باپ سے انھوں نے ابوہریرہ رضؓ سے کہ کہا ابوہریرہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ماخلا یہودی بمسلم الا ھم بقتلہ	کہ نہیں ملیگا کوئی یہودی کسی مسلمان سے مگر یہ کہ اس کے قتل کرنے کا ارادہ کرے گا۔

مطلب یہ ہے کہ یہودی مسلمانوں کے سخت ترین دشمن ہیں اور وہ جس صورت سے ہو مسلمانوں کو نقصان ہی پہونچانے کے درپے رہیں گے اور یہی حال مشرکین کا ہے جس کی دلیل میں اسوقت ہندوستان کے ہنود خصوصاً آریوں کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

جس طرح یہود، اور ہنود کے ناموں میں لفظی مناسبت ہے ویسا ہی مسلمانوں کی دشمنی اور ان کو نقصان پہونچانے میں بھی دونوں متحد ہیں۔

ہندوستان کے ہنود، تقریباً آٹھ سو نو سو برس تک مسلمانوں کے رعایا رہے اور اسلامی حکومت کے سایہ میں ان کو ہر طرح کی آزادی رہی، ہر طرح کا امن وآرام رہا مگر جب تک اسلامی حکومت قوی رہی، خوشامدی تعریفوں کا راگ تحریر وتقریر میں الاپتے رہے، حکومت کا مسلمانوں سے جانا تھا کہ خون کے پیاسے ہوگئے اور محسن کشی کا جامہ پہن لیا۔

ایسی احسان فراموشی کی نظیر سوائے، یہود کے کسی دوسری قوم میں نہیں دیکھی گئی۔

(۳)

تمام مذاہب واقوام میں سے صرف نصاریٰ ایک قوم ہے جس کو قرآن نے مسلمانوں کے ساتھ محبت میں قریب تر بتایا ہے، اور یہ اس لئے کہ ان کے مذہب میں خدا ترس لوگ ہیں اور ان کے عقائد میں بلاوجہ کسی کو نقصان پہونچانا روا نہیں ہے مذہبی حیثیت سے مسلمانوں کے نزدیک یہود ونصاریٰ دونوں برابر ہیں اور مسلمان بلحاظ اختلاف ونوعیت مذہب، ایسے جیسے عیسائیوں کے نزدیک

ویسے یہودیوں کے نزدیک۔ مگر یہود کو اہل اسلام سے خاص بغض وعداوت ہے۔ حالانکہ نصاریٰ میں یہ بات نہیں ہے نہ وہ بلا وجہ مسلمانوں کو نقصان پہونچاتے نہ بے سبب بغض وعداوت رکھتے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تمام اہل مذاہب میں نصاریٰ ہی مسلمانوں سے محبت کا پاس کرتے ہیں۔

پیشنگوئی

(۱۱۸)

کوئی ہیکڑ سے ہیکڑ بھی خدا کی باتوں کو بدل نہیں سکتا

جیساکہ سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ

اور تم سے پہلے بھی رسول جھٹلائے جا چکے ہیں تو انھوں نے لوگوں کے جھٹلانے پر اور انکی ایذا دہی پر صبر کیا۔ یہانتک کہ ہماری مدد انکے پاس آپہونچی اور کوئی ہیکڑ سے ہیکڑ بھی خدا کی باتوں کا بدلنے والا نہیں ہے اور پیغمبروں کے حالات تو تم کو پہونچ ہی چکے ہیں۔

ف

مطلب یہ ہے کہ خدا ہمیشہ اپنے پیغمبروں کا مددگار رہا ہے یہ اس کی عادت ہے اور خدا کی عادت بدلی نہیں جاتی تو تم کو پچھلے پیغمبروں کے حالات سے تسلی رکھنی چاہیئے کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہاری مدد بھی کرے گا دین اسلام کو غلبہ دیگا اور یاد رکھو کہ دنیا کا کوئی ہیکڑ سے ہیکڑ خدا کی ان باتوں کو بدل نہیں سکتا۔

دنیا جانتی ہے کہ خدا نے جیسا فرمایا ویسا ہی ہو کر رہا اور کوئی زبردست سے زبردست سرکش اس کا ایک شوشہ یا ایک شمہ بھی غلط یا تبدیل نہ کر سکا۔

پیشگوئی

(۱۱۹)

خدا مسلمانوں میں امتیاز پیدا کردیگا

جیسا کہ سورۃ الانفال میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ

مسلمانو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہوگے تو وہ تمہارے لئے ایک امتیاز پیدا کردے گا اور تمہارے گناہ تم سے دور کردے گا اور آخرکار تم کو بخش دے گا۔

ف

ایک معترض اعتراض کرسکتا ہے کہ کسی حکم میں شرط لگانا اس شخص کے لیے پسندیدہ ہے جو عواقب امور سے جاہل ہے خدا کیلئے یہ لایق نہیں ہے کیونکہ وہ عالم الغیب ہے اور اس امر سے خبردار ہے کہ ایسا ہوگا یا نہیں پھر یہ کہنا کہ اگر تم ڈروگے تو تمہاری بخشایش ہوگی ؟ یعنی کیا۔

پہلا جواب

شرط وجزا سے صرف اتنا ہی فائدہ اور اتنا ہی معلوم کرانا منظور ہے کہ یہ شرط اس جزا کو مستلزم ہے اور دونوں لازم وملزوم ہیں مثلاً یہ کہ "اگر تم ڈروگے تو تمہارا گناہ بخشدیا جاےگا" اس سے فقط یہ بتلانا مقصود ہے کہ اتقا کو گناہ کی بخشایش لازم ہے جو شخص خدا سے ڈریگا وہ ضرور بخشا جائے گا رہی یہ بات کہ کہنے والے کو اتقا کا علم ہے یا نہیں قول قائل سے مستفاد نہیں ہوتی۔

دوسرا جواب

اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ قول مذکور مفید شک ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کو خود اس بات میں شک ہے کہ مخاطب اتقا کرے گا یا نہیں ؟ تو بھی کوئی حرج نہیں ہے جو شان الوہیت کے منافی ہو کیونکہ حقیقت میں خدا تو عالم الغیب ہے مگر بعض امور جزا میں اپنے بندوں سے شک کرنیوالوں کا سا معاملہ کرتا ہے

اور ظاہر ہے کہ شک کرنیوالوں کا ایسا معاملہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقعی وہ شک میں ہو۔ یہ بحث چونکہ اسوقت ہمارے منصب سے خارج ہے اس لیے یہیں ختم کر دیجاتی ہے۔

مسلمانوں میں امتیاز پیدا کرنے کے یہ معنی ہیں کہ وہ تسلیم باتوں میں کافروں سے ممتاز ہوجائیں گے۔

ایک امتیاز تو آخرت کا ہے سو وہ ظاہر ہے کہ مسلمان بوجہ اپنے ایمان کے وہاں آرام و آسایش میں رہیں گے اور کفار اپنی بد اعمالیوں کی پاداش بھگتینگے۔

دوسرا۔ امتیاز دنیا کا ہے اور یہ دو طرح پر ہے ایک وہ جو قلب سے متعلق ہے یعنی مسلمانوں کو ہدایت و مغفرت سے ممتاز اور ان کے دلوں کو دنیاوی آلائشوں سے صاف کر دیا جائے ان میں بغض، حسد، کینہ، نفاق اور باہمی مخالفت وغیرہ اخلاق ذمیمہ باقی نہ رہیں۔

دنیا کا دوسرا امتیاز وہ جو ظاہری حالت سے متعلق ہے کہ مسلمانوں کو غلبہ اور فتح و نصرت سے ممتاز فرمادے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق ہر قسم کے امتیاز سے مسلمانوں کو عزت بخشی اور وہ ہر بات میں کافروں سے ممتاز اور نمایاں طور پر ممتاز ہوگئے۔

فتح و ظفر کا امتیاز تو ظاہر ہے جو مسلمانوں کو ہر موقع پر کفار عرب کے مقابلہ میں حاصل ہوتا رہا۔ اور جس کو ناظرین اس کتاب کے گذشتہ صفحات میں اچھی طرح دیکھ چکے ہیں۔ قلبی امتیاز بھی اہل اسلام کو اسقدر دیا گیا جس سے زیادہ ملنا قیاس میں نہیں آتا۔ یہانتک کہ جن دو فرقوں میں جانی دشمنی تھی ایک دوسرے کی جان کا لاگو تھا مسلمان ہونے کے بعد دونوں نہ صرف بھائی بھائی دوست

ہو گئے ۔ بلکہ ایک دوسرے کا خیر خواہ اور سچا غمگسار ہو گیا ہی اس امر کی کافی دلیل ہے کہ مسلمانوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیاوی آلائشوں سے پاک صاف کر دیا، اور جو کچھ بھی وہ صرف بشریت تھی جو لازمہ انسانیت ہے۔

عکرمہ بن ابی جہل، ابوسفیان بن حرب اور عمرو بن سہیل وغیرہ کے حالات ہمارے دعوے کو صحیح ثابت کریں گے۔ جو اوپر کسی پیشینگوئی کے تحت میں ہم لکھ چکے ہیں۔

پیشینگوئی

(۱۲۰)

اصحاب رسول ایک اندھے فتنہ میں مبتلا ہونگے

جیسا کہ سورۃ الانفال میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً۔

اور اس فتنہ سے ڈرتے رہو جو خاص کر ان ہی لوگوں پر نہیں نازل ہوگا۔ جنہوں نے تم میں سے سرتابی کی ہے (بلکہ بیگناہ بھی اس کی زد میں آجائیں گے)

ف

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک حدیث روایت کی ہے جو قریب قریب اس آیت کریمہ کی شرح و تفسیر ہے۔

حدثنا ابو الیمان اخبرنا شعیب عن الزھری اخبرنی ابو سلمة بن عبد الرحمن ان ابا ھریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستکون فتن القاعد فیھا خیر من القائم والقائم خیر من الماشی والماشی خیر من الساعی۔

حدیث بیان کی ہم سے ابو الیمان نے انھوں نے کہا) خبر دی ہمکو شعیب بن زہری سے (انھوں نے کہا) خبر دی مجھکو ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے کہ البتہ ابو ہریرہ رض نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ (میرے بعد) عنقریب فتنے برپا ہوں گے کہ اس میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہونیوالا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنیوالے سے بہتر ہوگا۔

آیت میں اللہ تعالے نے ایک ہونیوالے فتنہ کی خبر دی اور یہ بتاکر کہ اس اندھے فتنہ کا اثر مجرم اور بے گناہ سب پر پڑے گا، صحابہ کو اس سے بچنے اور دور رہنے کی ہدایت فرمائی۔

یہ اندھا فتنہ جنگ جمل کا تھا جو ام المومنین عائشہ صدیقہ اور امیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ عنہما کے درمیان ۳۶ھ ہجری میں واقع ہوئی اور جس میں تقریبا بیس ہزار مسلمان مارے گئے۔ امیر المومنین عثمان بن عفان رض کو باغیوں نے ظلم سے شہید کیا اور انہیں بلوائیوں نے حضرت علی کو خلیفہ بنایا تا اُن کی حمایت میں مخلوق کی دار وگیر سے محفوظ رہیں۔ مدینہ کے اکثر لوگوں نے بلوائیوں کے دباؤ سے حضرت علی رض کی بیعت کرلی مگر بعض اکابر مہاجرین وانصار اسامہ بن زید بن حارثہ سعد بن بن ابی وقاص عبد اللہ بن عمر اور محمد بن سلمہ وغیرہ نے بیعت سے انکار کیا اور سب الگ ہوکر گوشہ عافیت میں جا بیٹھے۔

جناب علی مرتضی رض نے ان سب بزرگان صحابہ کو طلب فرماکر کہا کہ علم وخاص لوگوں نے

مجھکو امام جائز تسلیم کر کے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے آپ لوگوں کو بھی اس اتفاق میں شرکت کرنی اور اس مہم میں میری مدد کرنی چاہیئے۔

صحابہ نے متفق اللفظ ہو کر جواب دیا کہ ہم کو بیعت کرنے میں عذر نہیں ہے مگر آپکے عہد میں ہمکو ہر طرف سے بوئے خونریزی آتی ہے پس اگر ہماری بیعت لینے سے یہ مقصود ہے کہ ہم آپکے لشکریوں میں شامل ہو کر آپکے مخالفین سے جنگ کریں تو ہمکو عذر ہے ہم اس صورت میں مکان سے باہر قدم نہ رکھیں گے اسلام پر تلوار نہیں اٹھائیں گے۔ اہل قبلہ اور کلمہ گویوں کو نہیں ماریں گے اس لیئے کہ ہم نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ جب میرے اصحاب میں اختلاف واقع ہو اور ایک دوسرے پر تلوار کھینچے تو اسوقت اچھے لوگوں کو چاہیئے کہ اپنی تلواریں احد کے پہاڑ پر پٹک دیں اور جب تلواریں ٹوٹ جائیں تو اپنے اپنے گھر بیٹھ رہیں۔

غرض ان اکابر صحابہ نے جنگ پر بیعت نہ کی اور گھروں کو واپس ہو گئے۔

نعمان بن بشیر انصاری بنی امیہ کی ایک جماعت لیکر شام میں حضرت معاویہ کے پاس آیا حضرت عثمانؓ کی محترم بی بی نائلہ کا کٹا ہوا ہاتھ اور خلیفہ کا خون آلودہ پیراہن منبر پر رکھدیا اور مظلوم امام کے قتل کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ بنی امیہ اور شام والے یہ دل دہلا دینے والا واقعہ سنکر آپے سے باہر ہو گئے اور اس رنج و حزن میں ایک سال تک اس خون آلود قمیص کے گرد اگرد بیٹھ کر روتے رہے ساٹھ ہزار مسلمانوں نے جمع ہو کر قسم کھائی کہ جب تک عثمانؓ ذی النورین کے خون کا انتقام نہ لیلیں کبھی روٹی نہ کھائیں گے اور نرم بستر پر نہ سوئیں گے۔

قتل عثمانؓ کے بارہ میں ہر طرف خلق اللہ نے واویلا مچایا کہ علیؓ قاتلان عثمانؓ کو قصاص میں قتل کیوں نہیں کرتے اور ان بلوائیوں کو اپنی پناہ میں کیوں رکھا ہے ان کے جواب میں ایک روز منبر پر چڑھ کر حضرت علی نے مجمع عام کے

سامنے فرمایا کہ بلاشبہ عثمانؓ بن عفان امام برحق تھے۔ وہ مظلوم مارے گئے اُنکے قصاص میں قاتل کا مارا جانا ضروری ہے لیکن یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب عثمان کے جائز وارث خود آکر محکمہ شرعیہ میں باضابطہ دعویٰ کریں اور اپنے دعوے کا کافی ثبوت پیش کریں۔

حضرت علیؓ کے اس ناکافی جواب سے حاضرین کی کچھ تسکین نہیں ہوئی دو مالیکہ بلوائیوں کے زور سرداروں (محمد بن ابی بکر و مالک اشتر) میں سے محمد بن ابی بکر آپ کے متبنیٰ تھے اور مالک وزیر و مشیر تھا۔

آخر طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما جنہوں نے سب سے پہلے حضرت علیؓ کی بیعت کی تھی۔ انھوں نے بھی بیعت توڑ ڈالی اور ام المومنین عایشہ صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور ان لوگوں کے برانگیختہ کرنے سے جناب صدیقہؓ نے حضرت علیؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ محمد بن ابی بکرؓ نے بہت کچھ بلوائیوں کا ہاتھ بٹایا ہے۔ یہ ان کا عقل کل اور بانی فساد ہے اہل دنیا اس کو قاتل عثمانؓ کہتی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ اگر وہ قاتل نہیں ہے تو قتل امام میں شریک ضرور رہا ہے محمد بن ابی بکر میرا بھائی ہے تم اس کو میرے حوالے کر دو سارا معاملہ یہیں ختم ہو جاتا ہی حضرت علی نے بحیثیت خلیفہ ہونے کے محمد بن ابی بکر کی حوالگی سے انکار فرمایا اور جناب صدیقہ کے پیام کا وہی جواب دیا جو امیر معاویہ کو دیا گیا۔

بیچ کے مفسدوں اور بانیان فتنہ نے عائشہؓ اور علیؓ کو آپس میں ملنے نہ دیا حضرت علیؓ ظاہر میں خود مختار تھے مگر حقیقت میں بلوائیوں سے مغلوب تھے جو ان کو اپنے محاصرہ سے نکلنے نہیں دیتے تھے بنو امیہ علیؓ کو قتل عثمانؓ میں قصوروار سمجھتے تھے اور واقعات بھی ایسے ہی پیچ در پیچ تھے جب ام المومنین عایشہ کو حضرت علیؓ کیطرف سے ناکامی ہوئی کہ وہ اس معاملہ کی کوئی یکسوئی نہ کریں گے تو انھوں نے

طلحہ وزبیر کی رائے سے شام کا رخ کیا تا امیر معاویہ کی مدد سے خون عثمانؓ کا قصاص لیں
حضرت علیؓ کو خبر پہونچی تو آپ نے مزاحمت کی اور آخر یاروں کی چالبازی سے جنگ چھڑ گئی
جو بعد کو جنگ جمل کے نام سے مشہور ہوئی اور اس میں بہت سے مسلمان وصحابہ
کام آئے۔

حضرت طلحہ اور زبیرؓ کبرائے صحابہ باوجود اس کے کہ آخر میں جنگ وطرفداری سے
کنارہ کش ہو چکے تھے مگر پھر بھی اس فتنہ کی زد سے بچ نہ سکے اور سب نے جام شہادت
پیا۔ درحقیقت بانی فساد اور گردن زدنی مجرم تو باغی وبلوائی تھے لیکن آخر آخر اس فتنہ
کی زد میں گناہ بیگناہ سب آ گئے اور رفتہ رفتہ اور بہت سے فساد برپا ہو گئے جنگ
صفین وجنگ نہروان اس کی شاخیں تھیں اور ان سارے فتنوں کا اختتام جناب
علی مرتضیٰؓ کی شہادت پر ہوا یہی اللہ تعالیٰ کی پیشینگوئی تھی کہ تم لوگ اس آنیوالے
فتنہ سے کنارہ رہنا کیونکہ اس کی زد میں صرف مجرم ہی نہیں آئیں گے بلکہ مجرم غیرمجرم
سب اس سے متاثر ہو جائیں گے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ البتہ وہ کبرائے صحابہ جو شروع
ہی سے الگ رہے اس فتنہ کی زد سے بال بال محفوظ رہے۔

ہم نے ان واقعات کو اپنی کتاب "بارہ امام" حصہ اول میں ذرا تفصیل سے
لکھا ہے۔

پیشینگوئی

(۱۲۱)

سنہ ۹ ہجری کے بعد مشرکین کعبہ میں نہ آسکیں گے

جیسا کہ سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا	مسلمانو! مشرک تو (نرے) گندے ہیں
الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا	تو اس برس (سنہ ۹ ہجری) کے بعد
يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ	(ادب و) حرمت والی مسجد (یعنی خانہ کعبہ)
بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا	کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں۔

ف

ہجرت کے نویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب صدیق اکبر رضؓ اور علی مرتضیٰ رضؓ سے مکہ میں عام منادی کرا دی کہ اب آئندہ مشرکین سے ہم مسلمانوں کا کوئی تعلق نہیں۔ جن سے صلح ہے اور انھوں نے شرائط صلح کو نہیں توڑا ان کے ساتھ مدت صلح تک صلح برقرار رہے گی۔ جنھوں نے شرائط صلح کو توڑ دیا ہے یا جن کے ساتھ صلح نہیں ہے ان کو چار مہینے کی مہلت ہے۔ اس مدت میں وہ مسلمانوں کی اطاعت اختیار کریں یا لڑنے کے لئے آمادہ ہو جائیں آخر تمام مشرکین اور ان کے بتوں کی گندگی سے کعبہ کا مقدس مقام پاک وصاف ہو گیا اور اس وقت تک نہ پھر اس طاہر گھر پر مشرکین کا قبضہ ہوا نہ اس کے گرد پاس پھٹکنے پائے وہ چوری چھپے کوئی مشرک خانۂ کعبہ میں جا پڑے تو اس کا کوئی حساب نہیں۔ نہ اس کو جانا کہہ سکتے ہیں۔

پیشنگوئی

(۱۳۲)

کفار کی گردنوں میں طوق ذلت پڑے گا

یہ پیشینگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ الرعد میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ الْاَغْلَالُ فِیْٓ اَعْنَاقِھِمْ وَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ۔

یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا اور یہی لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق پڑیں گے اور یہی لوگ ہیں دوزخی کہ یہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

دوسری آیت سورۃ المومن میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِالْکِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِہٖ رُسُلَنَا فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِھِمْ وَالسَّلٰسِلُ یُسْحَبُوْنَ فِی الْحَمِیْمِ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ۔

وہ لوگ جو کتاب (قرآن) کو جھٹلاتے ہیں اور اُن (کتابوں اور صحیفوں) کو بھی جھٹلاتے ہیں جو ہم نے اپنے پیغمبروں کی معرفت بھیجے ہیں سو آخر کار ان کو (اس جھٹلانے کا نتیجہ) معلوم ہو جائے گا۔ جب کہ طوق اُن کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں (پاؤں میں ہوں گی) گھسیٹتے ہوئے ان کو کھولتے پانی میں لیجائیں گے۔ پھر (آخر کار) آگ میں جھونکے جائیں گے۔



دوسری آیت کے ظاہر الفاظ سے دنیا میں واقع ہونے والی پیشینگوئی نہیں معلوم ہوتی۔ بلکہ وہ قیامت سے متعلق ہے البتہ پہلی آیت میں جو پیشینگوئی کیگئی ہے وہ دنیا ہی سے متعلق ہے اور وہ کفار کے حق میں پوری ہو بھی گئی۔

غزوات بدر و خندق وغیرہ میں ائمہ کفر و شرک اور سرداران عرب شکست فاش کھا کر مسلمانوں کے قیدی بنے۔ ان کی گردنوں میں قیدیوں کا طوق ڈالا گیا۔ ذلّت کی حراست میں رکھے گئے۔ پھر ان میں سے بعض کو تو قتل کر دیا گیا۔ بہتوں کو فدیہ لیکر رہا کر دیا گیا۔ اور بعض* کو مسلمانوں نے رحم کھا کر چھوڑ دیا۔

پیشگوئی

(۱۲۳)

مسلمانوں کیلئے بہتری ہی بہتری ہے

یہ پیشگوئی قرآن مجید میں تین مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ الرعد میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لِلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰی	جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا کہا مانا ان کے حق میں بہتری ہی بہتری ہے۔

دوسری آیت سورۃ النحل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ۔	جن لوگوں نے بھلائی کی ان کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور (ان کا) آخری ٹھکانا (تو اس سے بھی) کہیں بہتر ہے۔

* سیرت ابن ہشام ۱۲

تیسری آیت سورۃ الزمر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَأَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ ۗ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۔

جن لوگوں نے اس دنیا میں نیکی کی ہے ان کے لئے بہتری (ہی) ہے اور خدا کی زمین بہت کشادہ ہے وہ تو صبر ہی کے بندے ہیں جن کو ان کا اجر بے حساب بھر دیا جائیگا

ف

پہلی آیت (سورۃ الرعد کی) معرض اختلاف میں ہے کہ آیا وہ مکی ہے یا مدنی ہے مگر دوسری دو آیتیں بالاتفاق مکی ہیں جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں۔

مکہ معظمہ میں اہل اسلام بڑی تکلیف و عسرت میں تھے۔ اس لئے ان کو ان الفاظ میں تسلی دی گئی کہ تم گھبراؤ نہیں! تمہارا درجہ آخرت میں تو بڑا ہے ہی دنیا میں بھی تمہارے لئے بہتری ہی بہتری ہے۔ اور یہ ہو کے رہا۔ وہ کونسی دنیاوی بہتری ہے کونسا ارام ہے جو بالآخر صحابہ کو نہیں حاصل ہوا۔ اور کونسی خوشی تھی جو انہیں نصیب نہیں ہوئی۔

آخر میں یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خدا کی زمین بہت کشادہ ہے وہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بالفعل اگرچہ دنیا مسلمانوں پر تنگ ہے مگر آخر انہیں پر زمین کشادہ ہو رہے گی۔ اور انہیں کی سلطنت قایم ہوگی۔ اور یہ سب کچھ ہو کے رہا کما ھو ظاہر



پیشگوئی

(۱۲۴)

اسلام کی جڑ مضبوط ہے اور وہ پھلدار درخت کی طرح ہمیشہ پھل لاتا رہے گا

جیسا کہ سورۂ ابراہیم میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا۔

(اے پیغمبر!) کیا تم نے (اس بات پر) نظر نہیں کی کہ خدا نے کلمۂ طیبہ (اسلام) کی کیسی اچھی مثال دی ہے کہ (اسلام) گویا ایک پاکیزہ درخت ہے اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی ٹہنیاں آسمان میں ہیں اپنے پروردگار کے حکم سے ہمہ وقت اپنے پھل لاتا رہتا ہے۔

ف

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسلام کو ایک ایسے درخت سے تشبیہ دی ہے جس میں چار صفتیں ہیں۔

اول:- اس درخت کا پاکیزہ ہونا اور پاکیزگی درخت کی کئی طرح پر ہوتی ہے ایک یہ کہ منظر اور ظاہری صورت و شکل میں اچھا معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ

خوشبو میں پاکیزہ ہو۔ تیسرے یہ کہ اس کے پھل اچھے اور مزیدار ہوں۔ چوتھے یہ کہ نفع وفائدہ میں بہتر ہو۔ جس درخت میں یہ چاروں صفات ہوں وہ اعلیٰ درجہ کا پاکیزہ درخت ہے۔

دوسری صفت

درخت کی یہ بیان فرمائی کہ اس کی جڑ مضبوط ہے۔ باقی رہنے والا ہے اسکو زوال نہیں ہے اور یہ ایک بڑی صفت ہے کیونکہ جو چیز ضائع ہونیوالی ہے وہ جتنی بہتر ہوگی اتنا ہی اس کے ہاتھ سے جانیکا رنج وغم بھی ہوگا۔

تیسری صفت

یہ بیان فرمائی کہ اس درخت کی ٹہنیاں آسمان میں ہیں اور یہ درخت کی کمال خوبی ہے کیونکہ درخت اور اس کی شاخوں کا بلند ہونا اس کی جڑ کی مضبوطی اور اس کے راسخ العروق ہونیکی دلیل ہے۔ علاوہ اس کے درخت جتنا زمین سے بلند ہوگا اتنا ہی زمین کی گندگی اور عفونات ارضی سے کم متاثر ہوگا۔ اور ایسی حالت میں پھلوں کا صاف وپاکیزہ اور مزیدار ہونا ضروری ہے۔

چوتھی صفت

یہ بیان فرمائی کہ وہ ہمیشہ پھل لاتا رہتا ہے یہ نہیں کہ بعض دوسرے درختوں کی طرح کبھی پھل لائے کبھی نہ لائے۔

اسلام میں یہ چاروں صفتیں بدرجۂ اکمل واتم ہیں اور اس بیان کے لئے اگرچہ طویل صراحت درکار ہے تاہم کچھ نہ کچھ لکھنا واجب ہے۔

اول۔ پاکیزگی درخت کیلئے جو چار اوصاف درکار ہیں اسلام کو ان سب سے مناسبت ہے صورت و شکل میں اچھا ہے یعنی وہ ایک سیدھا سادھا مذہب ہے جس میں کوئی بات خلاف عقل و فطرت نہیں ہے مثلاً مجوس دو خدا، کے قائل ہیں، ایک خالق خیر، دوسرا خالق شر، نصاریٰ کے مذہب میں وجود باری تعالیٰ کا عجیب و غریب عقیدہ ہے کہ ہیں تو تین ذات مگر تینوں خدا ملکر ایک خدا کے حکم میں ہیں، تثلیث فی التوحید، توحید فی التثلیث۔ اور یہ ایسا مسئلہ ہے جسکو آج تک نہ خود نصاریٰ نے سمجھا نہ کسی کو سمجھا سکے۔ اور سمجھیں سمجھائیں کیا خاک۔ وہ عقل میں آنیوالی بات بھی تو ہو۔ اسلام میں ایسا کوئی پیچیدہ عقیدہ نہیں ہے۔ جسطرح خوشبو، انسان کے قلب کو خواہ مخواہ اپنی طرف مائل کرلیتی ہے اسی طرح اسلام کی سچی اور پاکیزہ ہدایا خوشبودار پھولوں نے اہل عالم کو اپنا گرویدہ بنالیا کہ بلا کسی زور و ظلم کے سمجھدار لوگ خود صدق دل سے مسلمان ہونے لگے جس کا سلسلہ الی الآن جاری ہے مذاہب اسلام کے پھل اس کی روحانی احکام و ہدایات ہیں جو دنیا اور عقبیٰ دونوں جگہ اپنے ماننے والوں کو لذت و راحت بخشنے والے ہیں۔ رہا ان میں فائدہ و منفعت کا ہونا وہ اسی سے ظاہر ہے۔

دوم۔ جڑ کے مضبوط ہونے میں درخت کے ساتھ اسلام کی مناسبت بہت درست اور مطابق واقعہ ہے اور یہ پیشگوئی تیرہ سو برس سے اسوقت تک تاریخ و مشاہدہ دونوں سے صحیح ثابت ہے۔ اور ہو رہی ہے کیونکہ اسلام کی جڑ کا مضبوط ہونا خود اس کے زبردست وجود سے ظاہر ہے۔

سوم۔ درخت کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ اس کی ٹہنیاں آسمان میں ہیں۔ اور یہ نہایت درجہ کامل تشبیہ ہے اس لئے کہ اسلام آسمانی مذہب اور عظمت و حرمت میں دنیا کے تمام مذاہب سے اعلیٰ درجہ پر ہے تو

گویا وہ اس درخت کے مشابہ ہے جس کی جڑ زمین میں قائم ہے اور ٹہنیاں آسمان میں ہیں۔ اور واقعی ہے بھی ایسا ہی۔ نیز اسوجہ سے کہ جسطرح درخت کی بلندی اس کو زمین کی گندگی وعفونت سے محفوظ رکھتی ہے، اسلام اپنے منجانب اللہ ہونے اور تائید آسمانی سے اہل عالم کی دستبرد اذیت کو اپنے تک پھٹکنے نہیں دیتا کہ دنیا کی کوئی قوت اس کو نقصان پہونچالے۔

چہارم۔ درخت کی چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ پھل لاتا رہے اسلام اس وصف میں کمال درجہ پر ہے باوجود اس کے کہ مسیحی مشنریان مسیحیت کے پھیلانے میں جاوبیجا ہر طرح کی کوششیں جان توڑ کر، کرتی ہیں، اسلام اس پر ہمیشہ غالب رہا ہے اور یہ شرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ بلا کسی کوشش کے دنیا والے خود بخود اسکی حقانیت سے متاثر ہو کر اس کے دامن میں پٹتے چلے جاتے ہیں۔ اور انشاء اللہ اسلام کا زبردست درخت اسی طرح ہمیشہ پھل لاتا رہے گا۔

پیشینگوئی

(۱۲۵)

شرک وکفر کی مثال پھُسپھُسے درخت کی سی ہے جس کو نہ کچھ ٹھیراؤ ہے نہ جڑ مضبوط ہے

جیسا کہ آیت گذشتہ کے بعد ہی ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِن فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِن قَرَارٍ	اور گندی بات (شرک) کی مثال گندی درخت کی سی ہے کہ (جب چاہا) زمین کے اوپر (اوپر) سے اُکھاڑ پھینکا اس کو کچھ ٹھیراؤ تو ہے نہیں۔



عرب کے شرک و بت پرستی کی یہاں تک نوبت پہونچی تھی کہ ہر گھر کا علیحدہ بت علیحدہ خدا اقرار پا گیا اور عورت تک کو جو مردوں سے بھی گئی گذری ہیں۔ خدائی قدرت دیدی کوئی درخت اس عقیدہ سے زیادہ کیا بودا پھسپھسا ہو سکتا ہے کہ پتھر لکڑی کے بت جو بول سکتے نہ سن سکتے نہ دیکھ سکتے نہ کسی مصرف کے ہیں۔ ان کو قدرت والا خدا مانا جائے مطلب یہ ہے کہ ایسی بودی کمزور چیز اسلام جیسی زبردست چیز کا مقابلہ نہیں کر سکتی غالب ہونا تو بڑی بات ہے اور ایسا ہی ہوا کہ اسلام کا درخت جو مضبوط جڑ لیکر نمایاں ہوا تھا، خدا سے نشو و نما پاکر بلند ہوا، پھلا، پھولا، اور دنیا اس کے پاکیزہ مزیدار پھلوں سے سیر ہوئی اور ضلالت کی دھوپ کے جلے ہوے اس کے سایہ میں آرام لینے لگے اور کفر و شرک کا پھسپھسا درخت جلکر اکھڑا تو ایسا اکھڑا کہ اب اس کا نشان تک باقی نہیں دنیا کا کوئی مذہب جب اسلام سے دوبدو مقابل ہوا۔ منہ کی کھائی اور اسلام ہمیشہ سے اپنی اسی شان پر قائم ہے اور اسی فتحمندی کیساتھ ہمیشہ قائم رہے گا۔ تمام دنیا کی متفقہ قوت بھی اس کو ذرہ برابر کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتی۔



پیشینگوئی

(۱۲۶)

پیغمبر کی ہنسی اڑانیوالوں سے اللہ خود سمجھ لیگا

جیسا کہ سورۃ الحجر میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ۔

پس (اے پیغمبر!) تم کو جو حکم دیا گیا ہے اسکو کھول کر سنا دو۔ اور مشرکین کی مطلق پروا نہ کرو۔ یہ لوگ جو (تم پر) ہنستے (اور) خدا کیساتھ دوسرے کو دوسرا معبود قرار دیتے ہیں تمہاری طرف سے ہم ان (کی سزا دہی) کو بس کرتے ہیں تو آگے چل کر ان کو معلوم ہو جائے گا۔

ف

یہ کل بیس۲۰ دشمن تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہ کرام کی ہنسی اڑاتے تھے راہ بے راہ انپر آوازے کستے تھے طعن و تشنیع کرتے تھے ان کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے اور انواع و اقسام کی ایذائیں پہونچاتے رہتے تھے اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ سے فرمایا کہ ان ہنسی اڑانیوالے مشرکین کی کچھ پروا نہ کرو۔ تم کو جو کچھ احکام دربار الٰہی سے ملتے ہیں بلا کسی پس و پیش کے ان کی تبلیغ کرتے رہو ان ٹھٹھا

کرنیوالوں کو تو اپنا انجام اب عنقریب معلوم ہو جائے گا۔

ابولہب ۱

یہ رسول اللہ صلی اللہ صلعم کا چچا اور آپ کے دشمنوں میں نمبر اول تھا۔ جنگ بدر میں جب دشمنان اسلام کو شکست فاش ہوئی تو اپنے یاروں کی ہزیمت کی خبر سنکر چند دنوں کے بعد عدسہ کی بیماری میں دار البوار کو سدھارا۔ اس کے مرنیکا تفصیلی واقعہ ایک مستقل پیشنگوئی میں لکھا جا چکا ہے ع۱

اسود بن عبد لغوث ۲

بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ۔ یہ کمبخت رسول اللہ صلعم کے ماموں کا بیٹا تھا فقراء مسلمین کے دلوں کو اپنے طعنوں کے تیر سے شق کرنا اس کا پیشہ تھا ایک روز دوپہر کو گھر سے نکلکر کہیں جا رہا تھا۔ راہ میں باد سموم کی لُو نے آلیا۔ چہرہ سیاہ ہو گیا۔ جھلسا ہوا منہ لیکر گھر واپس آیا تو گھر والوں میں سے کسی نے پہچانا نہیں اور سب نے ڈر کر دروازہ بند کر لیا۔ دشمن خدا پیاس کے مارے تڑپ تڑپ کر باہر مر گیا۔ ع۲

حارث بن قیس ۳

حارث بن قیس بن عدی بن سہم السہمی۔ یہ حارث ان لوگوں میں سے ہے

ع۱ و۲ ابن اثیر ۱۲

جو رسول خدا کی ہنسی اڑانے اور آپ کو ایذا پہونچانے کیلئے مشہور تھے اس کی نالائق بت پرستی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ راہ چلتے چلتے کوئی خوبصورت سا پتھر مل گیا تو اٹھا کر گھر لایا اور اس کو خدا بنا کر پرستش کرنے لگا پھر اس سے اچھا کوئی اور پتھر ملا تو اگلے کو پھینک کر دوسرے پتھر کی پرستش کرنے لگا غرض کہ رسول کو چڑانے کے واسطے دن بھر میں بیسوں خدا کو پوجتا بیسوں کو خدائی سے معزول کرتا تھا برائے شگون کے لئے ناک کٹانا اسکا کام تھا ایک روز نمک بھری ہوئی مچھلی کھا گیا۔ اس سے نہ معلوم کیا بات پیدا ہوئی کہ پیاس کی بیماری میں مبتلا ہوا اور پانی پیتے پیتے جہنم کو روانہ ہو گیا۔ [1]

۴ ولید بن مغیرہ

ولید بن مغیرہ بن عبد اللہ بن مخزوم۔ اس کی کنیت ابو عبد الشمس تھی۔ قبیلہ خزاعہ کے کسی شخص کے ساتھ جا رہا تھا۔ راہ میں کانٹے پر پاؤں پڑ گیا۔ جس نے پاؤں کو چھید دیا آخر اسی تکلیف میں پاؤں رگڑ رگڑ کر ہجرت کے تین مہینے بعد دنیا کو اپنے منحوس وجود سے خالی کر گیا۔ [2]

۵ امیہ بن خلف

اس موذی کو جنگ بدر میں خبیب یا زراعہ بن رافع انصاری رضی اللہ عنہما نے تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ [3]

---

[1] ابن اثیر ۱۲۔

اُبَیّ بن خلف[6]

یہ دشمن خدا، امیہ کا بھائی اور اسلام کی دشمنی میں اس کا برابر کا شریک تھا۔ جنگ احد میں اس نے ہمارے سید و مولےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت حملہ کیا مگر ناکام رہا اور ساتھ ہی رسول خدا کے سبکے ہوئے ہاتھ نے اس کا کام تمام کر دیا۔

ابو قیس بن فاکہ

ابو قیس بن فاکہ بن المغیرہ اپنی برادری میں بہت ممدوح تھا کہ وہ پیغمبر خدا کو خوب خوب ایذا پہونچاتا ہے اور اس ایذا دہی میں وہ ابو جہل کا یار اور مخلص کہا جاتا تھا جنگ بدر میں حضرت حمزہ بن عبد المطلب سید الشہدا نے اس کا کام تمام کر دیا۔

عاص بن وائل

عاص بن وائل سہمی شیطان، حضرت عمرو بن العاص جیسے جلیل القدر صحابی کا باپ تھا سچ ہے کبھی شیطان کے گھر میں ولی بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ عاص بن وائل گدہے پر سوار جا رہا تھا کہ مکہ کی کسی غار کے پاس گدہے نے ٹھوکر کھائی

---

[6] ابن اثیر ۱۲

سوار صاحب پیٹھ پر سے گر کر غار میں جا رہےؑ گرتے ہی پاؤں میں بچھو نے ڈنک مارا۔ وہیں سے واپس ہو کر مکان پہونچا دوا نے بچھو کے زہریلے مادہ پر کچھ اثر نہ کیا اور پاؤں پھول کر اونٹ کی ران برابر ہو گیا۔ آخر ہجرت کے دوسرے مہینہ پچاسی برس کی عمر میں تکلیف کی تاب نہ لا کر اپنے ناری اور اصلی موطن کو چل بسا اور دوسرے شیاطین کو اپنی ماتمداری میں چھوڑ گیا۔

نضر بن حارث

نضر بن حارث بن علقمہ بن کلدی بن عبد مناف بن عبد الدار۔ اسکی کنیت ابو قائد اور رسول خدا کے ستانیوالوں کا استاد تھا۔ یہ وہی حضرت ہیں جو صرف نئے مسلمانوں کو بھکانے کی غرض سے ایران گئے۔ وہاں سے رستم و اسفندیار کی واہی تباہی کہانیاں جمع کر کے لائے اور مکہ میں سب کو سنا سنا کر بڑے فخر سے کہا کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو عاد و ثمود وغیرہ کی داستانیں سناتا ہے تو میں تم کو اس سے کہیں بہتر داستان رستم و اسفندیار وغیرہ کی سناتا ہوں۔ آخر جنگ بدر میں شیر خدا (علی بن ابیطالب) نے اس کا سر قلم کیا۔

ابوجہل

اصل میں اس کا نام عمر بن ہشام مخزومی اور کنیت ابو حکم تھی۔ غایت جہل وحسد

ابن اثیر ۱۲۔

اور رسول اللہ صلعم کی حد سے گذری ہوئی عداوت نے ابوجہل کا مناسب خطاب اس کو عطا کیا اور وہی مشہور ہوگیا۔ رسول خدا کی عداوت، اسلام کی بربادی، مسلمانوں کی ایذا میں اس کے کارنامے بہت دلچسپ ہیں جنھوں نے فرعون و قارون، ہامان و نمرود، وغیرہ کی داستانوں کو بھی گرد کردیا انہیں کارناموں نے ابوجہل کے نام کو ایسی شہرت دی کہ دنیا کا بچہ بچہ اس سے واقف نظر آتا ہے۔ ع بدنام اگر ہونگے تو کیا نام نہ ہوگا۔ یہی کمبخت حضرت سمیہ ام عمار بن یاسر رض کا سفاک قاتل ہے جنگ بدر میں عفراء کے بیٹوں نے بڑی ذلت و خواری سے اس کو قتل کیا اور مسلمانوں کو اس کے واصل جہنم ہونے سے بہت مسرت ہوئی۔

[۱۱] عتبہ بن حجاج

اس گردن زدنی کو علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ بدر میں قتل کیا ع ا

[۱۲] عاص بن عتبہ

عتبہ بن حجاج اور عاص بن عتبہ دونوں باپ بیٹے ایک کے بعد ایک حضرت علی رض کی تلوار کی بھینٹ چڑھے ع ۲

[۱۳] زہیر بن ابی امیہ

ع ا و ۲ ابن اثیر ۱۲۔

یہ زہیر ام المومنین ام سلمہ رضؓ کا بھائی ہے اس کی موت میں اختلاف ہے بعض مورخین نے لکھا ہے کہ وہ جنگ بدر کے قیدیوں میں تھا رسول اللہ صلعم تھے اس کے گڑگڑانے پر رحم کھا کر رہا کر دیا۔ مکہ میں آکر بیمار رہوا۔ اور مر گیا بعض نے لکھا ہے کہ وہ جنگ احد میں مسلمانوں کے تیر کا شکار ہوا عہ۔

عقبہ بن ابی معیط

عقبہ بن ابی معیط ابان بن ابی عمرو بن امیہ بن عبدالشمس۔ اسکی کنیت ابوالولید ہے یہ جنگ بدر میں مسلمانوں کے قتل کا بیڑا اٹھا کر آیا تھا۔ آخر مسلمانوں نے اس کو گرفتار کیا اور عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے پھانسی دیکر مار ڈالا اسلام میں عقبہ پہلا شخص ہے جسکو پھانسی دی گئی عہ۔

اسود بن المطلب

اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزی بن قصی۔ اس کی کنیت ابو زمعہ ہے۔ یہ اور اس کے ساتھی اس کام پر مامور تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھکا مٹکا کر چڑایا کریں۔ جنگ بدر میں اس اندھے بڈھے اور اس کے بیٹے کو ابودجانہ رضؓ نے قتل کیا۔ عہ

ع ا و ۲ و ۳ : ابن اثیر ۱۲

عتیب [16]

عتیب، اسود بن المطلب کا پوتا تھا۔ جنگ بدر میں قتل ہوا، اور اس کے قتل میں حمزہؓ و علیؑ دونوں شریک تھے۔ [1]

حارث بن زمعہ [17]

حارث بن زمعہ بن اسود، بھی اسود بن مطلب کا پوتا تھا اور وہ جنگ بدر میں جناب علیؑ کی تلوار کا شکار ہوا۔ [2]

طعیمہ بن عدی [18]

طعیمہ بن عدی بن نوفل بن عبد مناف اس کی کنیت ابو ریان ہے۔ یہ جنگ بدر کے ذلیل قیدیوں میں تھا۔ منہ زور قیدی نے جناب حمزہ بن عبد المطلب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مکروہ و ناملائم کلمات کہے اور حمزہؓ نے زبان تیغ سے جواب دیکر اس کو ہمیشہ کیلئے خاموش کر دیا۔

مالک بن ایطلالہ [19]

مالک بن ایطلالہ بن عمرو بن عبشان ایک بیوقوف فتنہ انگیز موذی اسلام تھا۔

[1، 2] ابن اثیر ۱۲۔

ایک روز آپ سے آپ اس کو متلی ہو کر ریم کی قے آئی اور فی الفور مر گیا۔ سلہ

رکانہ بن عبد یزید

رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن المطلب، اپنی موت سے مرا مگر بیکسی کی موت مرا۔ سلہ

یہ تھی قرآن کی پیشینگوئی کہ اسلام ڈنکے کی چوٹ پھیلیگا اور دشمنان اسلام جو پیغمبر اور ان کے صحابہ کی ہنسی اڑاتے پھرتے ہیں۔ اسلام کی ترقی اپنی آنکھوں دیکھتے ہوئے پیغمبر کے سامنے اپنے وجود سے دنیا کو پاک کر دیں گے۔

پیشینگوئی

(۱۲۷)

اللہ نیک عمل والے مومنین کو محبوب خلائق بنائیگا اور ان کی محبت پیدا کرے گا

جیسا کہ سورہ مریم میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سلہ او ۲ ابن اثیر ۱۲۔

اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا	جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل (بھی) کئے (خدائے) رحمن عنقریب ان کی محبت (دلوں میں) پیدا کر دے گا۔

ف

آیت کے کئی معنی ہو سکتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے محبوب ہوں گے اور ایک دوسرے سے محبت کریں گے گو اسلام سے پہلے ان میں باہم کیسی ہی عداوت رہی ہو۔ اور اسی باہمی محبت کو اپنا انعام قرار دیکر اللہ تعالیٰ سورۂ آل عمران میں فرماتا ہے

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا۔	اور اللہ کا وہ احسان یاد کر جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی اور تم اس کے فضل سے بھائی (بھائی) ہو گئے۔

اَوس اور خزرج ایک ہی خاندان کے دو گروہ تھے ان دونوں میں ایک سو بیس برس سے بغض و عداوت متوارث چلی آتی تھی۔ ایک دوسرے کی جان کا لاگو اور خون کا پیاسا تھا یہاں تک کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا آپ کے ہاتھ پر اَوس و خزرج کے دونوں قبیلے رفتہ رفتہ اسلام لائے منکرات گذشتہ سے توبہ کی آپس میں بھائی بھائی ہو گئے ایک دوسرے کا ناصح و ہمدرد ہوا، اور اس امر کا کچھ نشان بھی باقی نہ رہا۔ کہ قبائل اَوس خزرج میں باہم کبھی کچھ عداوت بھی تھی۔ *

* سیرت ابن ہشام و باب التاویل جلد ثانی ۱۲

یہ تھی اسلام کی پنہاں قوت اور رسول کی روحانی طاقت اور اسی کو اللہ تعالیٰ

سورۃ انفال میں فرماتا ہے۔
وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ۔

اور اللہ نے مسلمانوں کے دلوں میں باہم الفت پیدا کردی اگر تم روئے زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت نہ پیدا کرسکتے مگر وہ تو اللہ ہی تھا جس نے ان لوگوں میں الفت پیدا کردی۔

مطلب یہ کہ دو گروہوں میں ایک سو بیس برس کی دشمنی وعداوت کو دور کرکے محبت والفت کا پیدا کردینا کسی بشری طاقت کا کام نہیں ہے گو وہ تمام دنیا کے سارے خزانے ہی کیوں نہ خرچ کرڈالے یہ بہت سچ ہے اور اس بدیہی امر سے کوئی انصاف پسند انکار نہیں کرسکتا۔

سورۂ مریم مکی ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ اوس وخزرج کے اسلام لانے اور ان میں ملاپ ومحبت ہونے کا معاملہ مدینہ منورہ میں بعد ہجرت واقع ہوا۔ یہ ایک زبردست پشینگوئی اور اوس وخزرج میں محبت کا ہوجانا، ایک ایسا اہم معجزہ ہے جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔
کسی ایسے گروہ، کسی نبی، کسی ولی، کسی ریفارمر کا نشان نہیں دیا جاسکتا جس نے ایسے دو گروہوں میں جن میں ڈیڑھ صدی سے عداوت وبغض راسخ ہوگیا ہو، بیک چشم زدن بغض وعداوت کو دور کرکے ویسی ہی محبت والفت پیدا کردی ہو۔ بلاشک یہ خدا ہی کی قدرت اور محمد مصطفےٰ ہی کی عجیب روحانیت کا اثر تھا آیت کے دوسرے معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ خود مسلمانوں نے آپس میں محبت وتپاک ہیگا مگر یہ معنی

پیشینگوئی کی حیثیت نہیں رکھتے۔

صحابہ کے واقعات ہمدردی ومحبت سے تاریخ کی کتابیں بھری ہیں ان کے اعادہ کی ضرورت ہے نہ یہ کتاب اُن واقعات کی متحمل ہو سکتی۔

جنگ جمل جو عایشہؓ اور علیؓ کے درمیان واقع ہوئی۔ اور جنگ صفین جو علی اور معاویہؓ کے درمیان واقع ہوئی، ہمارے مدعا کے لئے مضر نہیں ہے۔ یہ لڑائیاں عداوت وبغض کی بنا پر نہیں تھیں۔ جو باہمی محبت وموانست میں خلل انداز ہوتیں ان لڑائیوں کی بنیاد صرف خطائے اجتہادی تھی۔ ہر ایک اپنے کو حق پر سمجھتا تھا۔ اور حق کا طالب تھا۔ حق کے لئے لڑتا تھا۔

جنگ جمل میں ایک غلام نے حضرت زبیرؓ کو حالت نماز میں شہید کیا۔ ان کی تلوار لیکر حضرت علی مرتضیٰ کی خدمت میں آیا اور یہ سمجھکر کہ وہ اس خبر سے خوش ہوں گے زبیر کے قتل کی بشارت دی۔ حضرت علیؓ، زبیرؓ کی تلوار، ہاتھ میں لیکر آبدیدہ ہوئے دو ایک بار، تلوار کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اور فرمایا،، یہ وہ تلوار ہے جس نے رسول اللہ صلعم پر سے کیسی کیسی آفات کو دفع کیا۔ اسلام کے دشمنوں کو ذلیل وخوار کیا، آہ، مشیت ایزدی میں یہی تھا کہ وہ اپنے یار و دیار سے جدا ہو جاے اس کے بعد آپ نے ابن جرموز غلام سے پوچھا کہ تو نے زبیر کو کیوں قتل کیا۔ اس نے کہا آپکے خوش کرنے کے لئے۔ علیؓ نے فرمایا، اے مردود! میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ زبیر کا قاتل دوزخی ہوگا۔ غلام نے کہا سبحان اللہ، آپ کے دشمن کو مار کر دوزخ کی خوشخبری سنتا ہوں یہ کہکر غصہ میں تلوار خود اپنے پیٹ میں بھونک لی۔ اور رسول اللہ کی یہ پیشینگوئی پوری ہوگئی ٭

٭ روضۃ الشہداء ۱۲۔

جس زمانہ میں حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ میں جنگ برپا تھی قیصر روم نے مسلمانوں کو آپس میں مصروف پیکار و خانہ جنگی پاکر اسلامی مقبوضات پر ہاتھ بڑھانا چاہا۔ جناب معاویہؓ نے یہ خبر پاکر قیصر روم کو خط لکھا کہ "تم ہماری خانہ جنگی سے یہ نہ سمجھو کہ مسلمان ایک دوسرے کے دشمن ہیں، واللہ! اگر تم نے اپنی سرحد سے ایک قدم آگے بڑھایا تو تمہاری خیر نہیں ہے۔ خدا کی قسم! وقت پڑے پر علی بن ابیطالبؓ کی طرف سے پہلا شخص جو اُن کے دشمن کا مقابلہ کرے گا وہ میں ہوں گا۔

ان اور ان جیسے اور بہت سے واقعات بین ثبوت ہیں اس بات کے کہ صحابہ سب ایک دوسرے کے غمخوار و ہمدرد تھے کسی کو کسی سے بغض و عناد نہ تھا بلکہ تھا تو اختلاف تھا۔

آیت کے تیسرے معنی یہ ہیں کہ لوگ خود ان مسلمان (صحابہ) کے کردار شائستہ کے گردیدہ ہوں گے اور دیکھا بھی جاتا ہے کہ نیکوکار اور اچھے لوگوں کو سب عزیز رکھتے ہیں وہ کسی کو نہیں ستاتے کہ کوئی ان کو ستائے۔

ہم یہاں ایک واقعہ کتاب الفاروق مرتبہ مولوی شبلی نعمانی سے نقل کرتے ہیں جس سے اس پیشینگوئی کی اچھی طرح وضاحت ہو جاتی ہے۔

رومی جو شکست کھا کر دمشق و حمص وغیرہ سے نکلے تھے انطاکیہ پہونچے اور ہرقل سے فریاد کی کہ عرب نے تمام شام کو پامال کر دیا ہرقل نے ان میں سے چند ہوشیار اور معزز آدمیوں کو دربار میں طلب کر کے پوچھا کہ عرب تم سے زور میں۔ جمعیت میں۔ سروسامان میں کم ہیں پھر تم اُن کے مقابلہ میں کیوں نہیں ٹھیر سکتے اس پر سب نے ندامت سے سر جھکا لیا لیکن ایک تجربہ کار بڈھے نے عرض کیا کہ عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں وہ رات کو عبادت کرتے ہیں۔ دن کو روزے رکھتے ہیں کسی پر ظلم نہیں کرتے آپس میں ایک

ایک سے برابری کے ساتھ ملتا ہے ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہیں بدکاریاں کرتے ہیں اقرار کی پابندی نہیں کرتے اور ان پر ظلم کرتے ہیں اس کا یہ اثر ہے کہ ان کے ہر کام میں جوش اور استقلال پایا جاتا ہے اور ہمارا جو کام ہوتا ہے ہمت و استقلال سے خالی ہوتا ہے۔

قیصر درحقیقت شام سے نکل جانے کا ارادہ کر چکا تھا لیکن ہر شہر اور ہر ضلع سے جوق جوق عیسائی فریادی چلے آتے تھے قیصر کو سخت غیرت آئی اور نہایت جوش کے ساتھ آمادہ ہوا کہ شہنشاہی کا پورا زور سب کے مقابلہ میں صرف کر دیا جائے روم قسطنطنیہ۔ جزیرہ آرمینیہ ہر جگہ احکام بھیجے گئے کہ تمام فوجیں پائے تخت انطاکیہ میں ایک تاریخ معین تک حاضر ہو جائیں ان احکام کا پہنچنا تھا کہ فوجوں کا ایک طوفان امنڈ آیا۔

حضرت ابو عبیدہ نے جو مقامات فتح کر لئے تھے وہاں کے امرا اور رئیس ان کے عدل و انصاف کے اسقدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ باوجود تخالف مذہب کے خود اپنی طرف سے دشمن کی خبر لانے کے لئے جاسوس مقرر کر رکھے تھے چنانچہ ان کے ذریعہ سے حضرت ابو عبیدہ کو تمام واقعات کی اطلاع ہوئی انہوں نے تمام افسروں کو جمع کیا اور کھڑے ہو کر ایک پر اثر تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانو! خدا نے تم کو بار بار جانچا اور تم اس کی جانچ میں پورے اترے اب تمہارا دشمن اس سر و سامان سے تمہارے مقابلہ کے لئے چلا ہے کہ زمین کانپ اٹھی ہے پھر اب بتاؤ کیا صلاح ہے؟

آخر رد و کد کے بعد یہ رائے پاس ہوئی کہ حمص چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں وہاں خالد موجود ہیں اور عرب کی سرحد قریب ہے۔ یہ طے ہو چکا تو ابو عبیدہ نے حبیب بن مسلمہ افسر خزانہ کو بلا کر کہا کہ عیسائیوں سے جو خراج یا جزیہ لیا جاتا ہے

وہ اس معاوضہ میں لیا جاتا ہے کہ ان کو ان کے دشمن سے بچایا جائے اسوقت ہماری حالت نازک ہے ہم ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں لے سکتے اس لیئے جو کچھ ان سے وصول ہوا ہے سب ان کو واپس دے دو اور اُن سے کہدو کہ ہم کو تمہارے ساتھ جو تعلق تھا اب بھی ہے لیکن چونکہ ذمہ دار حفاظت کے نہیں ہو سکتے۔ اس لیئے جزیہ جو حفاظت کا معاوضہ ہے تم کو واپس کیا جاتا ہے اس کے بعد کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی کل واپس کردی گئی۔ عیسائیوں پر اس واقعہ کا اسقدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ خدا تم کو واپس لائے۔ یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا انھوں نے کہا توریت کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں۔ قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا یہ کہکر شہرپناہ کے دروازے بندکردیئے اور ہر جگہ چوکی پہرہ بٹھا دیا ابوعبیدہؓ نے صرف حمص والوں کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کیا بلکہ جسقدر اضلاع فتح ہو چکے تھے ہر جگہ لکھ بھیجا کہ جزیہ کی جسقدر رقم وصول ہوئی ہے سب واپس کردیجائے۔ ع

ان واقعات سے جہاں مسلمانوں کی اعلیٰ دیانت داری، پرہیزگاری، خدا ترسی حق رسی اور پاک بازی کا پتہ ملتا ہے وہیں یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ ان راست باز اہل اسلام نے اپنی خوش اطواری اور بہترین چال میں سے کسقدر اہل عالم کو مسخر کر لیا تھا کہ دشمن تک ان کو پیار کرنے لگے۔ اور انکی محبت کا دم بھرنے لگے جیسا کہ قران نے پیشینگوئی کی۔

آیت کے چوتھے معنی امام رازیؒ نے یہ لکھے ہیں کہ اللہ ہر قسم کا ساز و سامان ان مسلمانوں کے خاطر خواہ ان کے لئے مہیا کردے گا جیسا کہ واقع ہوا۔

ع یہ سب واقعات بلاذری کی فتوح البلدان اور کتاب الخراج ابو یوسف اور فتوح الشام میں بہ تفصیل لکھے ہیں۔ ۱۲

پیشینگوئی

(۱۲۸)

اسلام تمام دنیا میں عام ہوگا

جیسا کہ سورۃ الفرقان میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا۔

(خدا کی ذات بڑی) بابرکت (ذات) ہے جس نے اپنے بندے (محمد) پر قرآن اتارا تاکہ تمام جہان کے (لوگوں کے) لئے (عذاب خدا سے) ڈرانیوالا ہو۔

ف

سورۃ الفرقان سوائے اخیر کی ایک آیت کے پوری سورت مکی ہے جو ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں نازل ہوئی جب کہ مسلمان بہت مغلوب ومقہور ہو رہے تھے ایسے ضعف کیحالت میں قرآن مجید کا یہ دعویٰ کرنا کہ ہم تمام دنیا کو ڈرانے کیلئے نازل ہوئے ہیں اور پھر صدیوں میں اس دعوے کا صحیح ثابت ہونا اور ہوتے جانا اس کے منجانب اللہ ہونے کی بین دلیل ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام تمام دنیا میں عام ہوگیا ہے قرآن کی منادی اس کے گوشہ گوشہ میں پھر چکی ہے اس نے کل اہل عالم کو عذاب الٰہی وعذاب آخرت سے ڈرا دیا ہے اور ڈرا رہا ہے اس پر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قرآن کی منادی ختم ہوگئی یا اسلام کی ترقی اپنے حد پر آکر

ٹھیر گئی اور جہانتک بڑہنا تھا بڑہ چکا بلکہ ہم اسکی ترقی روز افزوں پاتے ہیں جو ہمیں اس بات کا یقین دلاتی ہے کہ قرآن کی پیشنگوئی ہنوز من جمیع الوجوہ پوری نہیں ہوئی ہے یہ پیشنگوئی اچھی طرح اسوقت پوری ہوگی جب دنیا کا چپہ چپہ اسلام کی روشنی سے جگمگا اُٹھے گا اور انشاء اللہ تعالےٰ ایک نہ ایک دن یہ ہوکر رہے گا۔

پیشنگوئی

(۱۲۹)

اہل ایمان کو سونے کا کنگن پہنایا جائیگا

جیسا کہ سورۃ الحج میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْھَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَھَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُھُمْ فِیْھَا حَرِیْرٌ

جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے ان کو اللہ ایسے باغوں میں لیجا داخل کرے گا جن کے تلے نہریں (پڑی) بہ رہی ہوں گی وہاں ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور موتی اور وہاں ان کا لباس ریشمی ہوگا۔

ف

اصل میں تو یہ جنت کے انعام کا وعدہ ہے جو مرنے کے بعد آخرت کیلئے

موجود ہے مگر اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ انعام دنیا میں بھی پورا ہو گیا جسکی تفسیر و پیشینگوئی حدیثوں میں بھی بصراحت موجود ہے چنانچہ حافظ قرطبی علیہ الرحمہ نے استیعاب میں یہ روایت نقل کی ہے کہ۔

روی سفیان من عیینة عن ابی موسیٰ عن الحسن رضؓ ان رسول اللہ صلعم قال لسراقة بن مالك كيف بك اذا لبست سوار کسریٰ۔

روایت کی سفیان نے عیینہ سے انھوں نے ابو موسیٰ سے انھوں نے حسن سے کہ ابیتہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک سے کہ (اے سراقہ) تم اسوقت کیسے معلوم ہوگے جب تم کو کسریٰ بادشاہ کے کنگن پہنائے جائیں گے

قرآن و حدیث کی یہ پیشینگوئی حضرت فاروق اعظم کے عہد میں پوری ہوئی بلاد فارس کے فتح ہونے پر جو بے شمار غنیمتیں دربار خلافت میں آئیں ان میں کسریٰ عجم کا تاج اور اس کے سونے کے کنگن بھی تھے حضرت عمرؓ کے حکم سے یہ دونوں چیزیں سراقہ بن مالک کو پہنائی گئیں۔ انھوں نے ہاتھوں میں کنگن پہنکر بیساختہ کہا الحمد للہ الذی سلبھا من کسری بن ھرمز والبسھا سراقة بن مالك (یعنی شکر ہے خدا کا جس نے یہ چیزیں کسریٰ سے لیکر سراقہ بن مالک کو پہنائیں) مولوی شبلی نعمانی نے الفاروق میں ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ :-

محلم نام مدینہ میں ایک شخص تھا جو نہایت موزون قامت اور خوبصورت تھا حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ نوشیروان کے ملبوسات اس کو پہنائے جائیں یہ ملبوسات

مفو۔ استیعاب للقرطبی ۱۲

مختلف حالتوں کے تھے۔ سواری کا۔ دربار کا۔ جشن کا۔ تہنیت کا۔ باری باری تمام ملبوسات محلم کو پہنائے گئے۔ جب ملبوس خاص اور تاج زرنگار پہنا تو تماشائیوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور دیر تک لوگ حیرت سے تکتے رہے۔[۱]

پیشنگوئی

(۱۳۰)

مسلمانوں کو اللہ بہتر سے بہتر بدلہ دے گا

جیسا کہ سورۃ العنکبوت میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل (بھی) کیے ہم ضرور اُن کے گناہ ان سے دور کر دیں گے اور (دنیا میں) جو (یہ لوگ نیک) عمل کرتے رہے ہیں ان کو اُن کا بہتر سے بہتر بدلہ دیں گے

ف

یعنی جو مسلمان نیک عمل کریں گے۔ اسلام کا حق ادا کریں گے اسلام کے کام

---

[۱] الفاروق حصہ اول صفحہ ۹

آئیں گے اشاعت اسلام کی کوشش میں جان ومال سے دریغ نہ کریں گے ہم ان کو ان کی ان نیکیوں کا دنیا ہی میں بہتر سے بہتر بدلہ دیں گے چنانچہ صحابہؓ نے ایسے ہی نیک کام کیے اور اس کے عوض میں جو کچھ بدلہ ان کو ملا دنیاوی عیش و آرام کا دروازہ ان پر کھل گیا۔ اس سے تاریخوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

پیشنگوئی

(۱۳۱)

مسلمانوں میں متصرف خلفا ہوں گے

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰکُمْ

وہی (قادر مطلق ہے) جس نے زمین میں تمکو خلیفہ بنایا تاکہ تم دنیا کی چیزوں میں تصرف کرتے رہو) اور تم میں سے (مقدرت وحکومت وغیرہ کے اعتبار سے) بعض کو بعض پر درجوں میں فوقیت دی تاکہ جو نعمتیں تمکو دی ہیں اُن میں تمہاری آزمائش کرے۔

دوسری آیت سورہ النمل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ	بھلا کون ہے کہ جب کوئی شخص (بیقرار ہوکر) اس سے فریاد کرے تو وہ اس بیقرار کی فریاد کو پہونچے اور (اس کی) مصیبت کو ٹالدے اور (کون ہے) (جو) زمین میں تم لوگوں کو خلیفہ بناتا ہے

ف

خلائف اور خلفا، دونوں، خلیفہ کی جمع ہیں خلیفہ کے معنی ہیں بادشاہ اور متصرف فی الملک جیسا کہ قرآن ہی کی سورة صٓ میں مصرح ہے:-

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ ۔	اے داؤد! ہم نے تم کو ملک میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں (کے معاملات) میں انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کرو۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحؒ نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے"۔ ای داؤد! ہر آئینہ ساختیم ترا بادشاہ در زمین پس حکم کن میان مردمان براستی،،

تمام مفسرین و مترجمین نے خلیفہ کے معنی بادشاہ کے لئے ہیں اس سے بھی قطع نظر کیا جائے تو آیت میں فائے تعقیبی کے بعد،، حَكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ" کے الفاظ خود اس امر کی صریح شہادت دے رہے ہیں کہ خلیفہ بمعنی بادشاہ ہے اور حضرت داؤد کا بادشاہ ہونا اس کا قطعی ثبوت ہو جاتا ہے۔

بہر حال اس آیت میں یہ پیشنگوئی کی گئی ہے کہ مسلمانوں میں خلفا متصرف ہوں گے۔ اب دیکھو کہ ہمارے سید و مولی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے پہلے جانشین برحق امیر المومنین ابوبکر صدیق اکبر ہوئے جن کو امت نے خلیفۂ رسول اللہ صلعم کا معزز خطاب دیا اور اس کے بعد برابر ہزار برس تک

خلفاء کا سلسلہ باقی رہا۔

حضرت ابوبکر ؓ ۱۱ھ ہجری میں خلیفہ ہوئے۔ آپ کے بعد عمر فاروق اعظم پھر عثمان ذی النورین پھر علی مرتضیٰ پھر امام حسن بن علی پھر امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم ۶۰ھ ہجری میں امیر معاویہ کا انتقال ہوا۔ اور اُن پر خلافت راشدہ کا خاتمہ ہوگیا۔

امیر معاویہ کے بعد ان کی نسل (بنی امیہ) میں سلسلہ خلافت قایم ہوا چنانچہ ۶۰ھ ہجری سے ۱۳۲ھ ہجری تک بارہ خلفاء اس خاندان میں ہوئے جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

امیر المومنین خلیفہ یزید بن امیر معاویہؓ

امیر المومنین خلیفہ معاویہ بن یزید بن معاویہؓ

〃 〃 عبد الملک بن مروان

〃 〃 ولید بن عبد الملک

〃 〃 سلیمان بن عبد الملک

〃 〃 عمر بن عبد العزیز

〃 〃 یزید بن عبد الملک

〃 〃 ہشام بن عبد الملک

〃 〃 ولید بن یزید

〃 〃 یزید بن الولید

〃 〃 ابراہیم بن الولید

〃 〃 مروان الحمار

مروان پر خلافت بنو امیہ کا خاتمہ ہوا۔ پھر آل عباس کا آفتاب اقبال اپنی پوری چمک کے ساتھ طلوع ہوا۔ اس خاندان عباسیہ میں ۱۳۲ھ ہجری سے ۶۵۶ھ ہجری یعنی پانچسو چوبیس برس تک (۳۶) خلفاءؒ داد فرمانروائی دیتے رہے۔

امیر المومنین خلیفہ ابو العباس سفاح عبد اللہ بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن العباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ

〃 〃 ابو جعفر منصور

امیر المومنین خلیفہ ابو عبد اللہ مہدی باللہ

〃 〃 ابو محمد ہادی باللہ

〃 〃 ابو جعفر ہارون رشید

〃 〃 محمد امین الرشید

〃 〃 عبد اللہ مامون الرشید

〃 〃 معتصم باللہ 〃 〃 واثق باللہ

〃 〃 متوکل علی اللہ 〃 〃 منتصر باللہ

〃 〃 مستعین باللہ 〃 〃 معتز باللہ

〃 〃 مہتدی باللہ 〃 〃 معتمد علی اللہ

〃 〃 معتضد باللہ 〃 〃 مکتفی باللہ

〃 〃 مقتدر باللہ 〃 〃 قاہر باللہ

〃 〃 راضی باللہ 〃 〃 متقی باللہ

〃 〃 مستکفی باللہ 〃 〃 مطیع للہ

〃 〃 طائع للہ 〃 〃 قادر باللہ

امیر المومنین خلیفہ قایم بامر اللہ امیر المومنین خلیفہ مقتدی بامر اللہ

〃 〃 مستظہر باللہ 〃 〃 مسترشد باللہ

〃 〃 راشد باللہ 〃 〃 متقی لامر اللہ

〃 〃 مستنجد باللہ 〃 〃 مستضی بامر اللہ

〃 〃 ناصر لدین اللہ 〃 〃 ظاہر باللہ

〃 〃 مستنصر باللہ 〃 〃 مستعصم باللہ

خلافت بغداد کی تباہی کے بعد سنہ ۶۵۶ھ سے سنہ ۹۲۳ھ تک بنو عباس نے مصر میں کاروبار خلافت کو انجام دیا۔

〃 〃 مستنصر باللہ 〃 〃 حاکم بامر اللہ

〃 〃 مستکفی باللہ 〃 〃 واثق باللہ

〃 〃 حاکم بامر اللہ 〃 〃 معتضد باللہ

〃 〃 متوکل علی اللہ	〃 〃	واثق باللہ
〃 〃 معتصم باللہ	〃 〃	مستعین باللہ
〃 〃 معتضد باللہ	〃 〃	مستکفی باللہ
〃 〃 قایم بامراللہ	〃 〃	مستنجد باللہ

امیرالمومنین خلیفہ متوکل علی اللہ۔

فاطمیین میں سے ۲۹۶ھ سے ۵۶۷ھ تک چودہ خلفار نے مصر میں خلافت کی۔

خلیفہ مہدی عبیداللہ	خلیفہ قائم بامراللہ	خلیفہ منصور اسمعیل
〃 معز لدین اللہ	〃 عزیز باللہ	〃 حاکم بامراللہ
〃 ظاہر لدین اللہ	〃 مستنصر باللہ	〃 مستعلی باللہ
〃 آمر باحکام اللہ	〃 حافظ الدین اللہ	〃 ظافر باللہ
〃 فائز بنصر اللہ	〃 عاضد لدین اللہ	

جب بغداد میں عباسیوں کی خلافت قایم ہوگئی تو بنو امیہ میں سے ایک نوجوان عبدالرحمن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان بھاگ کر یورپ پہونچا اور وہاں اندلس یا اسپین میں ایک زبردست سلطنت کا بانی ہوا۔ جو ۱۳۹ھ سے ۱۰۶۵ء تک قایم رہی۔ عبدالرحمن بن معاویہ کے بعد

ابوالولید ہشام	حکم ابوالمظفر	عبدالرحمن بن حکم	محمد بن عبدالرحمن
منذر بن محمد	عبداللہ بن محمد	عبدالرحمن بن محمد	حکم بن عبدالرحمن
ہشام	محمد بن ہشام	سلیمان بن حکم	عبدالرحمن بن عبدالملک
ناصر علی بن محمود	مامون قاسم	یحییٰ بن الناصر	عبدالرحمن بن ہشام
محمد بن عبدالرحمن	ہشام بن محمد	اور ابوعبداللہ پر ۱۰۶۵ء میں اس	

اس زبردست حکومت کا ذلت وخواری پر خاتمہ ہوا اور ایسا خاتمہ ہوا کہ یورپ بھر میں ایک مسلمان کا نام نہ رہا۔

جن ممالک پر ہزار برس تک مسلمانوں نے حکومت کی وہاں مسلمان کا نام تک نہ باقی رہا۔ تقریباً یہ سب ملا کر بارہ سو برس تک مسلمانوں میں خلافت رہی اور کل ایکسو تین خلفاء نے اپنے نامی وجود سے قرآن کی پیشینگوئی کو صحیح ثابت کر دکھایا۔

خلافت امویہ اور خلافت عباسیہ کی تباہی کے بعد نہ کسی نے خلافت کا دعوی کیا نہ کسی کا نام لقب خلیفہ ہوا فرمانروایان اسلام میں سلطان، شہنشاہ، بادشاہ کے القاب بکثرت نظر آنے لگے

پیشینگوئی

(۱۳۲)

مجاہدین کو عمل نیک کی توفیق دیجائیگی

جیسا کہ سورۃ العنکبوت میں ہے جہاں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ	اور جن لوگوں نے ہمارے دین کے کام میں کوششیں کیں ہم بھی ان کو ضرور اپنے رستے دکھائینگے اور کچھ شک نہیں کہ اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو خلوص دل سے نیک عمل کرتے ہیں۔

ف

اپنے رستے سے مراد ہے اپنی خوشنودی اور رضامندی حاصل کرنیکے طریقے مطلب یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کو جو صرف اللہ کی خوشنودی کیلئے اس کی راہ میں جہاد کریں گے ان کو اعمال نیک کی توفیق دیں گے قرآن کی پیروی کرنیوالوں اور رسول خدا صلعم کے یاروں نے جس بیباکی و بیجگری سے اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑائیں وہ اہل تاریخ پر ظاہر ہے اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے دریغ نکرنا ہی اس امر کی صاف دلیل ہے کہ بارگاہ ایزدی سے ان کو توفیق نیک دی گئی۔ ان پاکباز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مزید حالات سے رجال و اسانید اور تراجم و سیر کے دفاتر لبریز ہیں۔ فمن شاء فلینظر الیہا۔

پیشگوئی

(۱۳۳)

نضر بن حارث سزا پائیگا

جیسا کہ سورۂ لقمان میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ	اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی (نالایق) ہے جو واہیات قصے کہانیاں مول لے لیتا ہے تاکہ (لوگوں کو سناکر) بے سمجھے بوجھے راہ خدا سے بھٹکائے

وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْ اُذُنَيْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔	اور آیات الٰہی کی ہنسی اُڑائے۔ یہی ہیں جن کو ذلت کی سزا ہونی ہے اور جب (ان میں سے) نضر بن حارث کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اکڑتا ہوا منہ پھیر کر چل دیتا ہے جیسے اس نے ہماری آیتوں کو سنا ہی نہیں گویا اس کے دونوں کانوں میں ٹینٹ ہیں تو (اے پیغمبر!) ایسے شخص (نضر بن حارث) کو عذاب دردناک کی خوشخبری سنا دو۔



کفار مکہ میں سے ایک شخص تھا نضر بن حارث بن کلدہ وہ فارس کے اخبار لا کر لوگوں کو سناتا اور کہتا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو عاد اور ثمود کی پرانی خبریں سنایا کرتے ہیں، میں ان سے بہتر رستم و اسفندیار کے کارنامے سناتا ہوں [1]

بعض سادہ لوح لوگ اسکی باتوں میں آجاتے اور اس سے اہل فارس کی کہانیاں سننے لگتے تھے۔ قرآن مجید نے اس کی نسبت پیشینگوئی فرمائی کہ یہ کمبخت نضر بن حارث جو واہی تباہی کہانیاں سنا سنا کر لوگوں کو آیات الٰہی کے سننے سے باز رکھتا ہے اور جب اس کو قرآن کی اچھی باتیں سنائی جاتی ہیں تو غرور و تکبر سے اکڑتا ہوا چلدیتا ہے عنقریب اپنے کیے کی سزا پائیگا۔ چنانچہ جنگ بدر میں حضرت علی مرتضیٰ کی خونخوار تلوار نے اس مردود کا خون چوس لیا [2]

[1] ابن کثیر ۱۲ [2] ابن اثیر ج ۲ ص ۱۳۱

پیشگوئی

(۱۳۴)

احد کی شکست سے آزردہ نہ ہو کہ غلبہ تمہیں کو ہے

جیسا کہ سورہ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا
وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ
مُؤْمِنِيْنَ إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ
فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ
مِثْلُهُ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ
نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ
وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
آمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ
شُهَدَاءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ
الظَّالِمِيْنَ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

اور ہمت نہ ہارو، اور (احد کی اس اتفاقی شکست
سے) آزردہ (خاطر) نہ ہو اور اگر تم سچے مسلمان
ہو تو تمہارا ہی بول بالا ہے اگر تم کو (اس لڑائی میں
شکست کی) کھرونچ لگی تو (بیدل مت ہو کیونکہ
جنگ بدر میں) طرف ثانی کو بھی اسی طرح کی
کھرونچ لگ چکی ہے اور یہ اتفاقات وقت ہیں
جو ہمارے حکم سے نوبت بنوبت (سب) لوگوں کو
پیش آتے رہتے ہیں اور تم کو جو اتفاق ناملائم
پیش آیا تو) اس سے خدا کو (سچے) مسلمانوں کا
دیکھنا منظور تھا اور تم میں سے بعض کو شہادت

آمنوا و یمحق الکافرون

سے کے درجے دینے تھے ورنہ خدا تو کسی طرح بھی ان ظالموں کا روادار نہیں اور نیز یہ منظور تھا کہ اللہ مسلمانوں کو شک وشبہ کی میل وکچیل سے نکھار دے اور کافروں کا زور توڑ دے۔

ف

احد مدینہ منورہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے بھائی حضرت ہارون کا مزار اسی پہاڑ پر ہے۔

اسی پہاڑ کے قریب شوال کے مہینہ میں شنبہ کے روز سنہ ۳ ہجری میں اہل اسلام اور کفار کے درمیان جنگ عظیم ہوئی کفار کی لشکر میں تین ہزار مرد تھے دوسو گھوڑے تین سو اونٹ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب ایک ہزار صحابہ تھے لشکر بھر میں صرف آپ ہی کے پاس ایک گھوڑا تھا۔

دونوں لشکروں میں مڈبھیڑ ہوئی کشتوں کے پشتے لگ گئے بڑی گھمسان کی لڑائی کے بعد کفار نے شکست فاش کھا کر پیٹھ دکھائی۔

پیغمبر خدا نے ایک جماعت کو گھاٹی میں تعینات فرما کر اُن سے کہدیا تھا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ہلنا مگر ان لوگوں نے اپنے افسر کا کہا نہ مانا۔ ادہر کفار پیٹھ دکھا کر بھاگے اُدہر تیر اندازوں نے اپنا مرکز چھوڑا، اور سب کے سب لوٹ پاٹ میں مصروف ہو گئے۔

خالد بن ولید نے (جو اسوقت تک رئیس کفار تھے) دیکھا کہ اکثر اہل اسلام غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہیں اور تیر انداز بہت تھوڑے رہ گئے ہیں انھوں نے فوراً اپنے ساتھیوں کو آواز دی اور اپنی زبردست جماعت کی ساتھ

بقیہ مسلمان تیر اندازوں پر حملہ کردیا۔ پیا پے تین سخت حملوں میں مسلمانوں کو فتح کے بعد شکست اٹھانی پڑی کفار کے لشکر میں ایک عورت عفرہ نامی نے علم اپنے ہاتھ میں لیا دشمنان اسلام نے علم کو عورت کے ہاتھ میں دیکھکر بھاگنا چھوڑا غیرت میں آکر یا تو بھاگے جاتے تھے یا فوراً پلٹ پڑے اور ان کی جمعیت جیسی کی ویسی زبردست ہوگئی آخر ستّر مسلمان شہید ہوئے صدیق اکبر اور فاروق اعظم زخمی ہوئے اتنے میں غل مچا کہ پیغمبر خدا شہید ہوئے اس جانکاہ خبر کے سننے سے مسلمانوں میں تاب مقاومت نہ رہی اور اکثروں نے پیٹھ دکھائی۔

اسی جنگ میں رسول خدا کے دو دانت شہید ہوئے لب مبارک زخمی ہوا۔ آپ چہرہ پر سے خون پونچھتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے کہ" افسوس! وہ قوم کیونکر فلاح کو پہونچے گی جو توحید کی طرف بلانے کی پاداش میں اپنے نبی کے چہرہ کو خون سے رنگین کرے۔

کفار میں سے ابو عامر لعنہ اللہ نے میدان میں ایک گڑھا کھود دیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس گڑھے میں گر پڑے اور حضرت علی و طلحہ رضؓ نے ہاتھ پکڑ کر اوپر نکالا۔

جنگ احد کے بیان میں ایک سو اکیس آیتیں قرآن مجید میں وارد ہیں آخر اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کے قصور معاف کردئے جو جہاد سے بھاگے تھے اور جنہوں نے رسول کی نافرمانی کی تھی۔

اس جنگ میں مہاجرین و انصار سے ستّر صحابہ شہید ہوئے۔ جن میں (۶۴) انصار اور چھ مہاجرین سے تھے۔ سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اس جنگ میں شہید ہوئے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ انہیں شکست خوردہ مسلمانوں کو تسلی دیتا ہے کہ ایک جنگ احد میں اگر اتفاقی طور پر تم کو شکست ہوگئی تو اس سے آزردہ خاطر نہ ہو آخر جنگ بدر میں تم نے بھی تو کفار کو ناکوں چنے چبوادیے تھے۔ اور پھر یہ شکست بھی تمہاری ہی غلطی سے ہوئی کہ رسول کا کہا نہ مانا بہرحال اس شکست کا غم نہ کرو۔ اگر تم سچے مسلمان ہو تو غلبہ تمہیں کو ہے اور تمہارا ہی بول بالا رہیگا خدا کی یہ پیشینگوئی پوری ہوئی اس کے بعد جتنی لڑائیاں کفار سے ہوئیں ان سب میں اہل اسلام کو فتح و نصرت ہوئی اور دشمنان اسلام ذلیل و خوار ہو کر پسپا ہوئے۔

جنگ احد کے بعد پہلی لڑائی اسی سنہ میں حمرا الاسد کی ہوئی جس میں کفار بغیر لڑے بھڑے بھاگ کھڑے ہوئے۔

لطیفہ

آیت میں اللہ تعالیٰ احد کے شکست خوردہ مسلمانوں سے خطاب کر کے فرماتا ہے کہ تم اگر سچے مسلمان ہو تو آخر کافروں پر غالب ہو گے اور ایسا ہی ہوا کہ دوسری جنگوں میں ان مسلمانوں نے کافروں کا ستیاناس کر مارا۔ اور ملک عرب میں اسلام کا سکہ چل رہا۔

اللہ تعالےٰ کے اس فرمان سے بدیہی طور پر ثابت ہو گیا کہ جنگ احد میں جن مسلمانوں نے شکست کھائی وہ سچے مسلمان تھے اور ان پر طعن کرنا کسی مسلمان کو لائق نہیں ہے۔

بنجو۔ لائف آف محمد مصنفہ سر ولیم میور ۱۲

پیشنگوئی

(۱۳۵)

یہود اور نصاریٰ میں سے ایمان لانیوالے بہت ہی کم ہیں

یہ پیشنگوئی قران مجید میں چار مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورہ یٰسین میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰی اَکْثَرِھِمْ فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۔

ان میں سے اکثر تو فرمودہ (خدا) پورا ہوچکا ہے تو یہ (کسی طرح) ایمان لانیوالے نہیں ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ خدا کے علم میں عذاب کے مستحق ٹھیر چکے ہیں اور خدا جان چکا ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔

دوسری آیت سورۃ النساء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّھُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ وَاَقْوَمَ وَلٰکِنْ لَّعَنَھُمُ اللّٰہُ بِکُفْرِھِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ۔

اور اگر وہ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا اور (فقط) اِسْمَعْ اور اُنْظُرْنَا کہکر خطاب کرتے تو اُن کے حق میں بہتر ہوتا اور بات بھی سیدھی ہوتی مگر اُن پر تو اُن کے کفر کی وجہ سے خدا کی پھٹکار ہے پس ان میں سے بہت ہی (تھوڑے لوگ ایمان لانیوالے ہیں۔

تیسری آیت سورۃ النساء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِم بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا

پس ان (یہود) کے قول توڑنے کیوجہ سے اور احکام الہٰی کے نماننے کیوجہ سے اور ناحق پیغمبروں کو قتل کرنے کی وجہ سے (ہم نے بھی ان کو پھٹکار دیا) اور (نیز) ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل محفوظ ہیں (کسی کی نصیحت ہم پر اثر نہیں کرتی محفوظ نہیں) بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے خدا نے اُن (کے دلوں) پر مہر کردی ہے پس معدودے چند کے سوا (اکثر) ایمان لانیوالے نہیں ہیں۔

چوتھی آیت سورۂ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم ۚ مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ

اور اگر اہل کتاب (بھی سب کے سب) ایمان لے آتے تو اُن کے حق میں بہتر تھا (مگر) اُن میں سے تھوڑے ایمان لائے اور اُن میں اکثر نافرمان ہیں۔

ف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں صرف عبد اللہ بن سلام وغیرہ چندیک یہودی اور نجاشی چند عیسائیوں نے اسلام قبول کیا تھا باقی سب کے سب اپنے ہی مذہب پر قایم رہے اور حجاز کے اہل کتاب یہود و نصاریٰ میں سے تو کوئی بھی مسلمان نہیں ہوا۔

پیشنگوئی

(۱۳۶)

کچھ بھی ہو مشرکین مکہ سیدھے نہ ہوں گے

جیسا کہ سورۃ الرعد میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا۔

اور اگر کوئی قرآن (ایسا بھی نازل ہوا) ہوتا جس (کی برکت) سے پہاڑ چلنے لگتے یا اُس (کی برکت سے) زمین کی مسافت (بآسانی) طے کیجا سکتی یا اس (کی برکت) سے مردوں کے ساتھ گفتگو ہوسکتی (تو بھی یہ لوگ راہ راست اختیار کرنیوالے نہیں تھے) بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) سارا اختیار اللہ ہی کو ہے۔

ف

ایسا ہی ہوا کہ مشرکین مکہ جو اسلام اور پیغمبر اسلام کے مٹانے پر تُلے ہوئے تھے نہ اُن پر کسی نصیحت کا کچھ اثر ہوا۔ نہ قرآن کے اعجاز بلاغت نے انہیں نرم کیا۔ نہ اُن میں رحم تھا۔ نہ برادری وغیرہ کا کچھ پاس تھا۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ اور آپکے معجزات باہرہ سے متاثر ہوئے صرف پیغمبر خدا کو چڑانے

اور سخواپن کی راہ سے واہی تباہی معجزات کی فرمایش کیا کرتے تھے اور انہیں فرمایئلہ کا اس آیت میں مذکور ہے کہ اگر قرآن میں یہ تاثیر بھی ہوتی کہ اس کی برکت سے پہاڑ چلنے لگتے یا زمین کی مسافت جلدی طے کر سکتے یا مردوں سے گفتگو کر سکتے تو بھی یہ مشرکین مسلمان نہ ہوتے اور اسی طرح اسلام کے مٹانے اور مسلمانوں کی دل آزاری میں لگے رہتے۔

آخر مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت ہی کرنی پڑی اور مجبور ہو کر انھوں نے کفار کے مقابلہ میں تلوار اٹھائی بہت سے قتل ہوئے۔ بہت سے قیدی ہو کر اسلام کے مطیع ہوئے اور بعض مال و دولت کے لالچ سے مسلمان ہو گئے۔ جن میں سے ایک ابو سفیان بن حرب تھا۔

پیشنگوئی

(۱۳۷)

قرآن دنیا بھر کیلئے نصیحت ہے

جیسا کہ سورہ صٓ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ	یہ قرآن دنیا جہان کے لوگوں کے لئے نصیحت ہے اور بس اور کچھ دنوں کے بعد تم لوگوں کو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی

ف

سورہ ص بتاتھا کی ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور اسوقت اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ قرآن دنیا بھر کے لوگوں کی نصیحت کیلئے اُتارا گیا ہے اور اگرچہ تم کفار اس بات کو اب کھیل اور ایک آن ہونی بات سمجھ رہے ہو مگر آگے چلکر خود حقیقت کھل جائیگی کہ جیسا قرآن نے دعویٰ کیا تھا ویسا ہو کر رہا مشاہدہ کیلئے ثبوت وحوالہ کی ضرورت نہیں نہ ہے۔ دنیا دیکھتی ہے کہ قرآن نے اطراف عالم میں پھیلکر اپنی منادی پوری کردی۔ دنیا کی کوئی قوم کوئی مذہب ایسا نہیں جس کے افراد اسلام کے دامن تلے نہ آئے ہوں۔

پیشینگوئی

(۱۳۸)

اللہ بتوں کو منہدم اور نیست ونابود کریگا

جیسا کہ سورۃ الشوریٰ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

۔یَمْحُ اللّٰہُ الْبَاطِلَ وَیُحِقُّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ۔	اللہ اپنے کلام سے بتوں کو مٹائے گا اور حق کو جمائے گا۔

ف

باطل کے لغوی معنی جبث اور جھوٹ کے ہیں۔ قرآن میں اس کا اطلاق

بتوں پر ہوا ہے اس لیئے کہ وہ کفار کے بنائے ہوئے جھوٹے معبود تھے جیسا کہ سورۃ الحج میں صراحت کے ساتھ فرمایا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ

یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ ہی برحق ہے اور جن (معبودوں) کو یہ (کفار ومنکرین) خدا کے سوا، (اپنی حاجت برآری کیلئے) پکارتے رہتے ہیں (سر تا سر) لغو ہیں اور (نیز) اس سبب سے کہ اللہ ہی عالیشان (اور سب سے) بڑا ہے۔

بخاری ونسائی وغیرہ محدثین نے بروایات صحیحہ بیان کیا ہے کہ مکہ فتح ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلعم کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں تین سو ساٹھ بت خانہ کعبہ کے اردگرد آراستہ کھڑے تھے آپکے ہاتھ میں لکڑی تھی آپ اس لکڑی سے ہر بت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے (قرآن کی یہ آیت) پڑھتے تھے قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ (یعنی کہو کہ حق آیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے والی ہی چیز ہے۔) اور بت خود بخود اوندھے سیدھے گرتے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ تمام بت گر گئے اور کعبۃ اللہ ہمیشہ کیلئے اس گندگی سے پاک ہو گیا۔

بلا شک ہم ایسا ہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ رسول خدا صلعم نے آیت پڑھتے ہوئے لکڑی سے اشارہ کیا اور اس کے اثر سے بت منہدم ہو کر گر گئے۔ یہ آپ کا اعجاز تھا۔ روح القدس کی تائید تھی اور آپ کی روحانی طاقت کا اثر تھا اور ایسا ہونا عقلاً بھی ممتنع نہیں ہے کیا آدمی مسمیریزم والے اپنی روحانی قوت سے عجیب وغریب کرشمے نہیں دکھاتے؟

بہر حال اتنی بات ماننے بغیر تو چارہ کار نہیں کہ مکہ فتح ہوا۔ کعبہ کے تمام بتوں کو منہدم کرکے کعبہ کو اس گندگی سے صاف کر دیا گیا[1] ممکن ہے کہ رسول اللہ صلعم آیت پڑھتے ہوئے لکڑی سے بتوں کی طرف اشارہ کرتے جاتے ہوں۔ اور لوگ بتوں کو گراتے جاتے ہوں۔

بتوں کے منہدم ہونے اور بیت اللہ سے بتوں کے نیست و نابود ہونیکی پیشینگوئی فتح مکہ کے دن پوری ہوئی۔ بعض بت جو بہت بلندی پر تھے ان کو علی مرتضی نے پیغمبر خدا کے شانے پر چڑھ کر توڑا غرض کافروں کے مصنوعی معبودوں کا بالکل صفایا ہو گیا۔

الفاظ آیت پر نظر کرتے ہوئے اگر اس کا مفہوم عام لیا جاے کہ بت پرستی دنیا سے محو کر دیجائیگی تو یہ پیشینگوئی صحیح اتری ہے بلکہ اس کا درجہ اور زیادہ بلند ہو جاتا ہے۔

زمانہ ترقی کرتا جاتا ہے علوم و فنون کی روشنی جہالت کی ظلمت کو دنیا سے مٹاتی جاتی ہے اور یہ روشنی جوں جوں ترقی کرتی جائے گی۔ بت پرستی کا انحطاط ہوتا جائے گا خود ہندوستان میں دیکھو کہ پتھر۔ لکڑی کے بنائے ہوئے بتوں کی پرستش ہندوؤں کا ایمان تھا یا اب وہی ہندو ہیں کہ علم کی روشنی سے مستفید ہو کر اس عبادت کو عین جہالت قرار دیتے ہیں اور اکثر جو بسبب جبلی جہالت یا نادانی کے، اپنے قدیم عقیدہ پہ جمے ہوئے ہیں اُن پر بھی اتنا اثر ضرور ہے کہ عقلمندوں کی مجلس میں بت پرستی اور بتوں کی خدائی کا ذکر کرتے ہوئے شرماتے ہیں اب کرہ عالم میں کم قطعے ایسے ہیں جہاں بتوں کو خدا ماننے والے

[1] سیرت ابن ہشام ۱۲۔

یا شریک الوہیت سمجھنے والے پائے جاتے ہیں ورنہ عالم اس عقیدہ سے خالی ہوتا جاتا ہے اور بتوں کی خدائی دنیا سے اٹھتی جاتی ہے۔ اور بالآخر ایک اور قرآن کی پیشگوئی من جمیع الوجوہ پوری ہوگئی۔

پیشگوئی

(۱۳۹)

اللہ پیغمبر پر اپنی نعمت پوری اور انکی زبردست مدد کریگا

جیسا کہ سورۃ الفتح میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا۔

(اے پیغمبر!) حقیقت میں ہم نے کھلم کھلا تمہاری فتح کرا دی تاکہ (تم اس فتح کے شکریہ میں دین حق کی ترقی کے لئے اور زیادہ کوشش کرو اور) خدا (اس کے صلہ میں) تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کرے اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے اور تم کو (دین کے) سیدھے رستے لیچلے (اور کوئی تمہارا مانع و مزاحم نہ ہو) اور خدا تمہاری زبردست مدد کرے۔

ف

اس آیت میں کئی دلچسپ بحثیں ہیں۔

پہلی بحث

فتح سے کونسی فتح مراد ہے؟ اس میں مفسرین کی مختلف رائیں ہیں بعض کہتے ہیں کہ فتح سے فتح مکہ مراد ہے جیسا کہ آیت کے سیاق و سباق سے بھی ظاہر ہے بعض کہتے ہیں اس فتح سے صلح حدیبیہ مقصود ہے بعض کہتے ہیں کہ فتح روم و فارس وغیرہ مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے عام فتح و ظفر مراد ہے کہ اسلام کو دوسرے ادیان پر حجت و برہان اور سیف و سنان کا غلبہ ہوگا وَقَدْ فَعَلَهُ اللهُ تعالیٰ ان سب مذاہب میں پہلا مسلک صحیح ہے۔

دوسری بحث

معترض کہتا ہے کہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے فتح (مکہ) کو مغفرت کا سبب قرار دیا ہے حالانکہ فتح ممالک میں مغفرت کا سبب بننے کی صلاحیت نہیں ہے جیسا کہ ظاہر ہے

پہلا جواب

آیت میں اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کو محض مغفرت کا سبب قرار نہیں دیا۔ بلکہ یہ فرمایا۔ کہ فتح مکہ بہت سے امور مذکورہ کے اجتماع کا سبب ہے یعنی اللہ گناہوں کو معاف کرے گا۔ اپنی نعمت کو پوری کرے گا۔ منزل مقصود تک پہونچا دے گا اور زبردست

مدد کرے گا اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ سب امور فتح مکہ کے بعد ہی مجتمع ہوئے۔

دوسرا جواب

مکہ کا فتح ہونا اس امر کا سبب ہوا کہ بیت اللہ بتوں کی گندگی سے پاک ہوگیا اور چونکہ محمد مصطفیٰ فاتح تھے اس لئے تطہیر بیت اللہ سے تطہیر محمد بھی لازم آئی۔

تیسرا جواب

کفار مکہ پیغمبر اور یاران پیغمبر کو حج بیت اللہ نہیں کرنے دیتے تھے فتح مکہ ہونے سے فریضۂ حج کا ادا کرنا آسان ہوگیا چونکہ حج، ارکان اسلام میں سے رکن اعظم اور اس کا بجا لانا باعث مغفرت ہے اس لئے فتح مکہ کا بھی سبب مغفرت ہونا لازم آیا۔

چوتھا جواب

واقعۂ اصحاب فیل کے بعد لوگوں کے دلوں میں عام طور پر یہ عقیدہ جمگیا تھا کہ مکہ پر کوئی مقہور ظالم اور دشمن خدا قابو نہیں پا سکتا بلکہ اس پر وہی متصرف ہو سکتا ہے جو مغفور اور خدا کا دوست ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا یہی منشاء معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے تم کو کھلم کھلا نمایاں (یعنی محمد کی) فتح کرا دی تاکہ لوگوں کو تمہارا معصوم و مغفور ہونا معلوم ہو جائے کیونکہ ان کے پندار میں ایسا ہی شخص فاتح مکہ ہو سکتا ہے۔ محض فتح مکہ کا باعث مغفرت ہونا

کوئی معنی نہیں رکھتا۔

تیسری بحث

معترض کہتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد محمد مصطفیٰ کے اگلے پچھلے گناہوں کا بخشا جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ گناہوں سے معصوم و مصئون نہیں تھے۔

پہلا جواب

آیت میں صاف خطاب اگرچہ خود پیغمبر سے ہے لیکن مراد امت محمدیہ سے ہے گویا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بشارت دیتا ہے کہ ہم نے جو کھلم کھلا تمہاری فتح کرا دی اس سے غرض یہ ہے کہ اب تم آسانی سے حج کرو اور وہ تمہاری بخشایش کا سبب ہو۔ فتح مکہ سے اللہ کی نعمت تم پر پوری ہو اور تمہاری فرمانبرداری کے صلہ میں خدا تمہاری زبردست مدد کرے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان، خدا پر ایمان لانے کی پاداش میں اپنے وطن مکہ سے نکال باہر کئے گئے پھر ان مفلوک غریب الوطن مسلمانوں نے محض اللہ کی خوشنودی کے لئے اپنی جانوں کو ہتیلی پر رکھکر سرکش کافروں کا مقابلہ کیا اور نہایت جانبازی سے مکہ کو فتح کر کے اللہ کے گھر کو بتوں سے صاف کیا اس جانبازی و فرمانبرداری کے صلہ میں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے گناہوں کو معاف کر دینے کا وعدہ فرمایا۔ فتح کر چکنے کے بعد حج و مناسک حج کا بجالانا ان پر سہل ہو گیا پس مراسم حج و عمرہ کی بجا آوری ان کے پچھلے گناہوں کے

معاف ہونے کا سبب ہو گی۔

قرآن مجید میں کئی مقامات پر ایسا ہوا ہے کہ مخاطب پیغمبر ہے اور حکم امت کو دیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ الطلاق میں فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ

اے پیغمبر! (مسلمانوں سے کہو کہ) جب تم اپنی بی بیوں کو طلاق دینی چاہو تو ان کو انکی عدت کے شروع میں طلاق دو اور (طلاق کے بعد ہی سے) عدت گننے لگو۔

اس آیت میں تخاطب پیغمبر خدا سے ہے لیکن احکام جو دئے گئے ہیں وہ صرف امت سے متعلق ہیں جیسا کہ ترجمہ میں کھول کر بتا دیا گیا ہے اور اس بات کا قرینہ یہ ہے کہ طلاق کے احکام عام افراد امت ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ نبی اپنی بی بیونکو طلاق نہیں دیا کرتا کیونکہ جو عورت ایک مرتبہ پیغمبر کی زوجیت میں آگئی پھر اس سے کوئی امتی نکاح نہیں کر سکتا پیغمبر کی بی بیاں مسلمانوں کی مائیں ہیں جو قرآن میں صاف طور پر فرما دیا گیا ہے کہ پیغمبر کی بی بیاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ پس وہ ان پر ہمیشہ کیلئے حرام ہیں۔

بڑی بات یہ ہے کہ ظاہر الفاظ آیت پر نظر کرکے اگر رسول ہی کو مراد لیا جائے اور آپ ہی کے اگلے پچھلے گناہوں کی مغفرت سمجھی جائے تو يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا کے کیا معنی ہوں گے معنی الفاظ تو یہ ہیں کہ "ہم نے فتح مبین اس لئے کرا دی تا اللہ تمہارے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف کرے اور تم پر اپنی نعمت کو پوری کرے اور تم کو سیدھا رستہ دکھائے" فتح مکہ کے بعد سیدھا رستہ دکھانے کا یہ مطلب کہ اس سے پہلے آپ سیدھے رستے پر نہ تھے حالانکہ یہ بدیہی البطلان اور خود قرآن مجید کی آیات صریحہ کے خلاف ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو خود سیدھے رستہ پر نہ ہو وہ

دوسروں کو سیدھا رستہ نہیں دکھلا سکتا۔ غرض ان وجوہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت میں مخاطب پیغمبر نہیں اور بشارت مسلمانوں کو ہے۔

دوسرا جواب

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آیت میں جیسا کہ تخاطب پیغمبر سے ہے احکام بھی آپ ہی سے متعلق ہیں تو گناہ سے ترک افضل مراد ہوگا اور ترک افضل سے عصمت پر کوئی قدح وارد نہیں ہوتی۔

تیسرا جواب

انبیاء سے گناہ کبیرہ کا سرزد ہونا عقلاً ممتنع ہے مثلاً جھوٹ۔ زنا۔ چوری۔ خیانت وغیرہ مگر صغیرہ گناہوں کا اُن سے سرزد ہونا ممکن ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے یہ ایک عمدہ توجیہ ہے نبی کا ہر قول ہر فعل تابع وحی ہوتا ہے ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ اب اگر کوئی ناسمجھ یہ اعتراض کرے کہ جب نبی کا ہر قول ہر فعل تابع وحی ہوتا ہے تو پھر اس سے چھوٹی غلطی بھی کیوں سرزد ہوتی ہے! تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کی غلطی بھی تابع وحی ہے یعنی وہ، وحی کے اثر سے ایک غلطی کرتا ہے اور پھر اس پر نمایاں تنبیہ ہوتی ہے تا اس طرح امت کی تعلیم مکمل ہو۔

چوتھا جواب

آیت کریمہ کا صاف مقصد یہ ہے کہ "ہم نے تمہاری نمایاں فتح کرادی تاکہ اللہ تمہارے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف کردے" اور یہ ارشاد وقوع کا مستلزم نہیں ہے مطلب اتنا ہے کہ اگر تمہارا کوئی گناہ ہوگا تو اللہ اس کو معاف کردے گا پیار و الفت کا یہ ایک تسکین بخش جملہ ہے جو بڑا اپنے سے چھوٹے کا دل بڑھانے کے لئے یا محبت کے اظہار کے لئے استعمال کیا کرتا ہے اور ایسا انداز ہر زبان میں دائر و سائر ہے۔ بہرکیف اس آیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم عصمت ثابت نہیں ہوسکتی۔ زیادہ سے زیادہ کاوش کیجائے تو شاید آپ سے صغیرہ گناہوں یا خطاؤں کا سرزد ہونا مستنبط ہوجائے اور اس سے عصمت و رسالت پر کوئی رد و قدح نہیں ہوسکتی۔ مطول بحث علم کلام و تفسیر میں موجود ہے۔

چوتھی بحث

نعمت کے پوری کرنے سے یہ مراد ہے کہ دشمنان اسلام میں ہر طرف اسلام کی دھاک بیٹھ جائیگی۔ پیغمبر کی ہیبت و جبروت قائم ہوگئی۔ اور پیغمبر کے دشمنوں سے سرزمین عرب خالی ہوجائے گی چنانچہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ مکہ کے فتح ہوجانے کے بعد اسلام کا ایسا رعب چھایا کہ پھر سرکشان عرب کو سر اٹھانے اور مسلمانوں کو چھیڑنے کی جرأت نہیں ہوئی بلکہ ہر ہر گوشہ سے لوگ جوق جوق آکر اسلام میں داخل ہونے لگے۔ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلعم کا کوئی ذی اعتبار و با اثر دشمن باقی نہیں رہا۔ بہت سارے جنگ بدر میں قتل و غارت ہوئے اور بقیہ یا تو مسلمان ہوگئے یا ان کا استیصال ہی ہوگیا۔

پانچویں بحث

زبردست مدد کرنے سے یہ مطلب کہ فتح مکہ کے بعد اسلام مقہور نہیں ہوگا پیغمبر کو
کافروں سے کسی طرح دبنا نہیں پڑے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ فتح مکہ کے بعد نہ پیغمبر کو
کبھی شکست ہوئی نہ آپ کسی بات میں کافروں سے دبے یا پیچھے ہٹے اور نفس
اسلام تو آجتک کسی مذہب سے نہ مغلوب و مقہور رہوا نہ انشاء اللہ تعالیٰ کبھی ہوگا۔

پیشگوئی

(۱۴۰)

اصحاب محمدؐ رفتہ رفتہ ترقی کے اعلیٰ زینہ پر پہنچینگے

جیساکہ سورۃ الفتح میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ	محمدؐ اللہ کے بھیجے ہوئے (پیغمبر) ہیں اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں کافروں کے حق میں (ان کی ایذاؤں سے بچنے کیلئے) بڑے سخت ہیں (مگر) آپس میں رحمدل ہیں (اے مخاطب تو) ان کو دیکھیگا کہ (کبھی) رکوع

وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ
مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ
فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي
الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ
شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ
فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ
يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ
بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ
مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا

رکوع کر رہے ہیں (اور کبھی) سجدہ کر رہے
ہیں (اور) خدا کے فضل اور خوشنودی کی
طلبگاری میں لگے ہیں۔ ان کی شناخت
یہ ہے کہ سجدے کے گٹے اُن کی پیشانیوں
پر ہیں یہی اوصاف ان کے توراۃ میں
(بھی مذکور) ہیں اور یہی اوصاف اُن کے
انجیل میں بھی ہیں (اور وہ روز بروز اس طرح
ترقی کرتے جائیں گے) جیسے کھیتی کہ اُس نے
(پہلے زمین سے) اپنی سوئی نکالی پھر اُس نے
(غذائے نباتی کو ہوا اور مٹی سے جذب کرکے
اپنی) اس سوئی کو قوی کیا چنانچہ وہ (رفتہ رفتہ)
موٹی ہوئی (یہانتک کہ) آخر کار کھیتی اپنی
نال پر سیدھی کھڑی ہوگئی (اور اپنی سرسبزی سے)
لگی کسانوں کو خوش کرنے (اور خدا نے انکو
روز افزوں ترقی) اس لیے (دی) کہ ان کی
ترقی سے کافروں کو جلائے ان میں سے
جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان سے
خدا نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمالیا ہے

بحث اول

آیت میں صحابہ کرام خصوصًا مہاجرین و انصار کے فضائل و مناقب کا بیان ہے کہ وہ محمدؐ رسول اللہ کے رفیق و ساتھی ہیں۔ اسلام کے دشمنوں کے حق میں بہت سخت ہیں۔ اپنے آپس میں مہربان و رحم دل ہیں۔ خشوع و خضوع سے عبادت الٰہی کو بجا لانے والے ہیں۔ خدا کی مرضی و خوشنودی پر چلنے والے ہیں اور کثرت سجود سے اون کی مقدس پیشانیوں پر سجدے کے گٹے پڑ گئے ہیں جو ان کے متقی ہونیکی شناخت ہے۔ ان اوصاف میں کا ہر وصف ایک فضل عظیم ہے۔ ان آیات کو پڑھ کر کون مسلمان صحابہ کی فضیلت و احترام سے انکار کرنے کی جرأت کر سکتا ہے؟ تراجم و سیر کی کتابیں اصحاب محمدؐ صلعم کے مناقب سے پُر ہیں۔

بحث دوم:۔ اصحاب محمدؐ صلعم کے یہ اوصاف، توریت و انجیل میں بھی مذکور ہیں حکیم محمدؐ حسن امروہوی۔ نواب صدیق حسن خاں علیہ الرحمہ اور ہمارے استاد علامہ عنایت رسول چریاکوٹی نے اپنی معرکہ آرا کتاب "البشریٰ" میں بہت مفصل اور محققانہ بحث کرتے ہوئے ثابت کر دیا ہے کہ کتب قدیمہ میں محمدؐ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں پیشنگوئی اور آپکے صحابہ کے اوصاف موجود ہیں۔ یہ کتاب ان مباحث مبسوطہ کے لئے موزوں نہیں ہے۔

بحث سوم:۔ توصیف صحابہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے پیشنگوئی فرمائی کہ جس طرح کھیتی رفتہ رفتہ ترقی کرتی اور اپنی سرسبزی سے کسانوں کو خوش کرنے لگتی ہے اسی طرح پیغمبر اسلام کے یہ رفقا، جو اسوقت بالکل بیچارگی و ضعف کی حالت میں، منازل ترقی کو طے کرتے ہوئے تمام عالم پر چھا جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور یہ پیشنگوئی اسی تشبیہ کیساتھ پوری ہوئی۔

بحث چہارم :- یہ پیشینگوئی اگرچہ تمام مہاجرین و انصار سے متعلق ہے اور سب کے حق میں پوری ہوئی مگر خلفائے راشدین کو اس میں خاص امتیاز حاصل ہے کیونکہ اشاعت اسلام اور فتوحات اسلام کے بانی وہی نفوس عالیہ ہوئے۔

آیت میں کھیتی کی چار حالتیں بیان کی ہیں (۱) پہلے زمین سے سوی کا نکلنا (۲) پھر جذب غذائے نباتی کے بعد اس کا مضبوط ہونا (۳) پھر موٹا ہونا (۴) پھر اپنی نال پر سیدھے کھڑا ہو جانا۔

اب دیکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جناب صدیق اکبر رضؓ خلیفہ ہوئے۔ آپ نے پہلے مرتدین عرب کا استیصال کیا۔ اس کے بعد فتوحات اسلام کا سلسلہ جاری کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اس سلسلہ کو اور مضبوط کر کے اسلام کی جڑ کو خوب قوی کر دیا اور آپ کے عہد مبارک میں فتح اسلام کا سیلاب بہت تیزی سے بڑھتا رہا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں فاستغلظ کا وقوع ہوا۔ حضرت علیؓ کے وقت میں یہ ترقی رک کر حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں مستقیم ہو گئی گویا اب اسلام کی کھیتی اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہوگئی اسلام کی ہیبت تمام عالم پر چھاگئی اور اس کی شوکت قایم ہوگئی۔

پس جناب صدیق اکبر نے اسلام کی کھیتی کی سوئی نکالی۔ فاروق اعظم نے اس کو قوی کیا۔ عثمان غنی کے عہد میں موٹی اور امیر معاویہ کے عہد میں اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی۔

بہرحال آیت کا مقصود یہ ہے کہ کھیتی کی طرح مسلمان پہلے کمزور رہیں گے پھر درجہ بدرجہ بڑھتے بڑھتے ترقی کریں گے، مضبوط ہوں گے اور دنیا پر ہر طرف پھیل پڑیں گے۔

بحث پنجم:۔ آخر سورہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ سچے مسلمانوں اور نیک عمل والوں سے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے مغفرت کا وعدہ بعد الموت پورا ہوگا اور اجر عظیم کا وعدہ دنیا میں پورا ہوگیا۔

لطیفہ

محمد رسول اللہ سے لیکر اَجراً عظیماً تک میں حروف معجم تمام آگئے ہیں۔ گویا اس اشارہ میں یہ بشارت ہے کہ اجتماع امر کے ساتھ صحابہ کو فتح اور نصرت تمام خوبیوں سے سرفراز فرمایا جائے گا۔ بشارت تصریحی کیساتھ یہ بشارت تلویحی ہے۔

پیشگوئی

(۱۴۱)

ہم کفار کو آہستہ آہستہ عذاب کیطرف لیجا رہے ہیں

جیسا کہ سورۃ القلم میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ تو (اے پیغمبر!)

فَذَرْنِیْ وَمَنْ یُّکَذِّبُ بِھٰذَا الْحَدِیْثِ سَنَسْتَدْرِجُھُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ وَاُمْلِیْ لَھُمْ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ	ہم کو اور اون لوگوں کو جو (ہمارے) اس کلام کو جھٹلاتے ہیں (اپنے اپنے حال پر) رہنے دو (ہم ان سے ایسے بھگت لیں گے) کہ ہم ایسی طرح پر کہ اون کو خبر بھی نہ ہو آہستہ آہستہ اون کو گھسیٹتے اور ان کو ڈھیل دیتے چلے جا رہے ہیں بیشک ہمارا داؤ پکا ہے۔

ف

یہ پوری سورۃ مکی ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی
اگلی آیت میں مسلمانوں کے رفتہ رفتہ ترقی کرنے کی پیشینگوئی تھی۔
یہ آیت اس کے مقابل کی ہے جس میں کفار کو آہستہ آہستہ عذاب کیطرف
لیجانیکی پیشینگوئی ہے اور ایسا ہی ہوا کہ دشمنان اسلام اپنی حفاظت سے
بیخبر مسلمانوں کی بیخکنی ہی کی فکر میں لگے رہے اور آہستہ آہستہ آپ برباد اور
مبتلائے عذاب ہوئے۔

پیشینگوئی

(۱۴۲)

عنقریب کفار کو معلوم ہوگا کہ خبط کس کو ہے

جیسا کہ سورۃ القلم میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:- سو (اے پیغمبر) عنقریب

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ بِأَيِّكُمُ الْمَفْتُونُ	تم (بھی) دیکھ لوگے اور یہ (کافر) بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کس کو خبط ہے۔

ف

مشرکین مکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مخبوط الحواس اور آپ کی
باتوں کو خبط کہا کرتے تھے اون کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ

گھبراؤ نہیں، عنقریب ظاہر ہو جائے گا کہ در اصل خبط کس کو ہے اب اس امر کی صراحت کی ضرورت نہیں ہے کہ کفار کا خبط عالم پر کس طرح آشکار ہوا!

پیشگوئی

(۱۴۳)

دشمنوں کو جلد معلوم ہو گا کہ کس کے مددگار بودے ہیں اور کس کا جتھا شمار میں کم ہے

جیسا کہ سورۃ الجن میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ أَضْعَفُ نَاصِرًا وَأَقَلُّ عَدَدًا	تو عنقریب ان (کافروں) کو معلوم ہو جائیگا کہ کس کے مددگار بودے ہیں اور (کس کا جتھا (شمار میں) کم ہے۔

ف

یہ پوری سورۃ مکی ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔

کفار و مشرکین اپنی قوت، اور اپنے مددگاروں کی کثرت کے گھمنڈ پر مسلمانوں کو دق کرتے تھے۔ ان کے ساتھ مسخراپن کرتے تھے۔ پیغمبر خدا کی ہنسی اُڑاتے تھے کہ دیکھو، یہ شخص اکیلا تمام اہل دنیا کی اصلاح کرنے آیا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صبر کرو، کوئی دن

جاتا ہے کہ تمھاری اس نخوت کی قلعی کھلتی ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ فریقین میں سے کس کے مددگار بودے اور کس کا جتھا شمار میں کم ہے۔ آخر انہیں مشرکین کے جتھے والے کثرت سے مسلمان ہوئے اور انہیں نومسلموں نے بڑی بول بولنے والے مخالفین کے پرخچے اُڑا دیے جس کا جوتا اُسی کا سر۔

مسلمانوں کا جتھا بڑھتے بڑھتے تمام جزیرہ نمائے عرب پر چھاگیا اور ہنسی اُڑانیوالوں کا پتہ بھی نہ چلا کہ وہ بڑی قوت اور بڑے جتھے والے کدہر گئے۔

ہجرت سے پہلے، قبل از وقت، لبستی کی حالت میں اس پیشینگوئی کا مشتہر کرنا اور اس کا پورا ہونا واقعی پیشینگوئی کرنے والے کی مافوق البشریت طاقت کا عمدہ ثبوت ہے۔

پیشنگوئی

(۱۴۹)

ہم تم (محمدؐ) کو اسطرح قرآن پڑہادیں گے کہ پھر نہ بھولو گے

جیسا کہ سورۃ الاعلیٰ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ (اے پیغمبرؐ!) ہم تم کو (قرآن) ایسی اچھی طرح

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ	پڑہا دیں گے کہ تم (اس کو) بھولنے نہ پاؤ گے مگر کسی آیت کو خدا (ہی) بھلا دینا چاہے (تو وہ دوسری بات ہے)

ف

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو کہ وحی کا کوئی لفظ دھیان سے اُتر جائے، جلدی جلدی الفاظ قرآنی کو بیچ بیچ میں دُہرانے لگتے۔ اس سے وحی میں گول مال ہو جانے کا احتمال تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کو پڑھنے اور سیکھنے کا ادب تعلیم فرمایا کہ پہلے بات پوری سُن لو تب اس کو دُہراؤ۔ وحی کا یاد رکھنا تمہارا کام نہیں ہے۔ ہم اس کو ایسا تمہارے ذہن نشین کر دیں گے کہ پھر تم بھولو گے ہی نہیں۔ یہ مضمون قرآن شریف میں اور دو جگہ آیا ہے۔ ایک سورۃ طٰہٰ میں جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اے پیغمبر تمہاری طرف

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ

قرآن جو وحی کیا جاتا ہے) وحی کے تمام ہونے سے پہلے قرآن (کے پڑھنے) میں جلدی نہ کیا کرو

دوسری آیت سورۃ القیامتہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ

(اے پیغمبر!) وحی کے (یاد کرنے کے) لئے اپنی زبان نہ چلانے لگا کرو تاکہ تم کو وحی جلدی سے یاد ہو جائے۔ (تم کو) قرآن کا یاد کرا دینا اور اس کا پڑھا دینا ہمارا کام ہے تو جب ہم قرآن پڑھ چکا کریں تو (اس کے بعد تم بھی) اس کے پڑھنے کی پیروی کیا کرو پھر اس کا سمجھا دینا بھی ہمارا ہی کام ہے (غرض تمکو جلدی کرنی نہیں چاہیئے۔

ف

اِن آیات کریمہ میں دو معجزوں کا بیان ہے۔

اول:۔ یہ کہ رسول خدا صلعم کو قرآن کے دُھرانے میں جلدی نکرنی چاہیے اس خوف سے کہ کہیں بھول نجائے کیونکہ اللہ نے خود ذمہ لیلیا ہے کہ وہ اپنے رسول کو پورا قرآن اسی طرح پڑھاکر یاد کرادے گا کہ پھر وہ کبھی بھولنے نہ پائیں گے۔

یہ سب آیات مذکورہ مکہ معظمہ میں ہجرت سے پہلے اوائل زمانۂ نبوت میں نازل ہوئیں اور حالت یہ تھی کہ قرآن کی آیتیں جب جب نازل ہوئیں آپ صحابہ کو سنادیتے اور لوگ کھجور کے پتوں پر چھالوں پر اور پتلے چمڑوں پر لکھ لیا کرتے تھے۔ صحابہ میں کمتر لوگ ایسے تھے جن کو عہد نبوت میں پورا قرآن یاد تھا۔ جناب رسول خدا صلعم نے اپنی وفات سے پہلے اگرچہ قرآن کو مکمل طور پر مرتب کردیا تھا اور صحابہ کو یاد کرادیا تھا جیساکہ آلان ہمارے سامنے ہے۔ مگر بین الدفتین جس صورت میں اب ہے۔ یعنی کتاب کی صورت میں ایک جگہ مرتب نہیں تھا بلکہ سینوں میں ایک جگہ محفوظ تھا اور چھالوں وغیرہ میں متفرق۔ ایسی حالت میں قرآنی پیشنگوئی کا پورا اُترنا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا قرآن یاد رہنا اور اس کا بین الناس محفوظ رہنا اعجاز کا بہترین نمونہ ہے۔

دوم:۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرد، اُمّی محض تھے۔ لکھنا پڑھنا مطلق نہیں جانتے تھے۔ باوجود اس کے قرآن جیسی مطول، اور عظیم الشان کتاب کا یاد رہنا اور اس کے تمام معارف ومطالب کیساتھ ایک جملہ ایک حرف کا لوح حافظہ سے نہ مٹنا واقعی عجیب وغریب معجزہ ہے۔

سوم:۔ پہلی آیت میں اِلَّا مَاشَاءَ اللہُ جو فرمایا گیا ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ پیغمبر خدا کو کچھ آیتیں یا جملے بھول بھی گئے۔ وہ وقوعی صورت نہیں ہے

مطلب یہ ہے کہ خدا پیغمبر کو قرآن اسطرح پڑھا دیگا کہ پھر وہ نہ بھولیں گے لیکن خدا خود اگر کسی آیت کو بھلوا دینا چاہے تو ضرور بھلا دیگا اور پیغمبر بھول جائیں گے۔ غرض اللہ ہر امر پر قادر ہے۔ رسول کا بھولنا ثابت نہیں ہوتا نہ آیت کا یہ منشا ہے بلکہ قرآن کی بیشمار آیتیں اس امر کی شاہد ہیں کہ قرآن مجید کا محافظ خود اللہ ہے اور وہ اس کا ایک شوشہ بھی گھٹنے نہ دیگا۔

قرآن مجید جیسا کہ پیغمبر خدا کے اوپر نازل ہوا، ویسا ہی بلا ایک حرف کی کمی بیشی کے اسوقت بھی ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اخبار، آثار، تاریخ اور تواتر سے ایسا ہی ثابت و متیقن ہے اور اس کا انکار جہل مرکب ہے

یہ بحث ہم دوسری پیشینگوئی کے تحت میں کر آئے ہیں اور مقدمۂ کتاب میں خود علمائے نصاریٰ کی شہادتوں سے ثابت کر دیا ہے کہ قرآن مجید جس طرح محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، بلا کسی کمی و بیشی کے اسوقت بھی ویسا ہی مسلمانوں کے ہاتھوں اور سینوں میں موجود ہے۔

پیشینگوئی

(۱۴۵)

قرآن بھاری یعنے باقی رہنے والی چیز ہے

جیسا کہ سورۃ المزمل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ (اے پیغمبر!)

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا	ہم عنقریب تم پر ایک بھاری فرمان نازل کریں گے۔

ف

یہ سورۃ المزمل مکی ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن جس کے کچھ اجزاء نازل ہو چکے ہیں بعد تکمیل ایک مکمل اور بھاری حکم ہوگا ثقیل چیز کی شان یہ ہے کہ ایک ہی جگہ پر باقی رہے اور اس کو زوال نہ آئے۔ پس آیت میں اشارۃً اس امر کی پیشینگوئی ہے کہ قرآن مجید دنیا میں قیام قیامت تک باقی رہے گا اور اس کو کچھ زوال نہ ہوگا۔ دوسری پیشینگوئی میں تم پڑھ آئے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے محفوظ رکھنے کا وعدہ کیا اور خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ اب ان دونوں پیشگوئیوں کو ملانے سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن میں کسی قسم کی کمی بیشی ہوئی نہ ہوگی اور وہ اسی شان سے قیامت تک پردۂ دنیا پر باقی رہے گا۔ یہ عظمت اور یہ شان دنیا کی کس آسمانی یا غیر آسمانی کتاب کو نصیب ہے؟ کسی کو بھی نہیں۔

پیشینگوئی

(۱۴۶)

رسول کی پچھلی حالت اگلی حالت سے بہتر ہوگی

جیسا کہ سورۃ الضحیٰ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی۔	اور اے پیغمبر۔ البتہ تمہاری پچھلی حالت* تمہارے لئے اگلی حالت سے بہتر ہوگی۔

یہ پوری سورۃ مکی ہے جو مکہ میں ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔

* امام فخرالدین رازی رحمہ نے اسی معنی کو اختیار کیا ہے اور یہی صحیح۔ دیکھو تفسیر کبیر جلد ہشتم ۱۲

واقعی جیسا خدا نے وعدہ فرمایا ویسا ہی کر دکھایا کہ ہر نوعیت سے پیغمبر کی پچھلی حالت پہلی حالت سے بدرجہا بہتر ہو گئی اگرچہ آپ نے کبھی دنیا کی دولت سے زائد از ضرورت بشری کوئی تمتع نہیں اُٹھایا مگر خدا نے آپ کی غربت و عسرت کو دولت و فراغت سے بدل دیا۔ پہلے آپ بالکل بے یار و مددگار تھے آخر میں سب سے زیادہ اور زبردست جتھے والے ہو گئے۔ اوائل زمانۂ نبوت میں آپ دشمنان اسلام سے مغلوب تھے آخر اللہ نے انھیں لوگوں پر غالب کر دیا۔ جبتک آپ مکہ معظمہ میں رہے محکومانہ زندگی بسر کرتے تھے اور دبے رہتے تھے یہاں تک کہ مجبور ہو کر مکہ کو چھوڑنا پڑا لیکن پھر کیا ہوا؟ خدا کے فضل سے وہی مجبور و بے بس تمام عرب کا فرمانروا بن بیٹھا۔ غرض جس صورت کو لو آپ کی ہر پچھلی حالت اگلی حالت سے بہتر نظر آئے گی۔ یہ یک ایسی صریح اور پر عظمت پیشنگوئی ہے کہ متعصب سے متعصب دشمن بھی اس کی صحت سے انکار نہیں کر سکتا۔

پیشنگوئی

(۱۴۷)

رسولؐ کو وہ چیز ملیگی جس سے وہ خوش ہو جائیں گے

جیسا کہ سورۃ الضحیٰ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ (اے پیغمبر!) ہمکو

وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی	چاشت (کے وقت) کی قسم اور رات کی قسم جب (وہ سب چیزوں کو) ڈھانک لے کہ تمھارا

وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ

پروردگار نہ تو تم سے دست بردار ہوا اور نہ کسیطرح ناخوش ہوا اور البتہ تمھاری پچھلی حالت تمھارے لئے اگلی (حالت) سے کہیں بہتر ہے اور تمھارا پروردگار آگے چل کر تم کو اتنا کچھ دے گا کہ تم (بھی) خوش ہو جاؤ گے۔

ف

وحی کے آنے میں چند روز کی دیر ہو گئی تو مکہ کے کافروں نے چھیڑنا شروع کیا کہ محمدؐ کو اس کے خدا نے چھوڑ دیا۔ یہ سورت اُسی چھیڑ خانی کا جواب ہے (مولوی نذیر احمد دہلوی بر حاشیہ ترجمہ)

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو کس چیز کی عنایت کرنے کا وعدہ کیا ہے جو ان کی خوشی و رضامندی کا موجب ہوگا۔ اس امر میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے۔ بعض فتح مکہ کو مراد لیتے ہیں۔ بعض تسخیر عرب کو بتاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کثرت اعوان و مومنین کا وعدہ ہے۔ بعض کہتے ہیں عام نصرت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ان تفاسیر میں سے کوئی سی تفسیر بھی تشفی بخش نہیں ہے نہ کسی سے معنی کی پوری تعیّن ہوتی۔

پہلے ہمکو یہ دیکھنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود کس بات کی زیادہ خواہش تھی اور وہ اللہ سے کیا تمنا رکھتے تھے جس کے لئے آخر میں وعدہ کیا گیا کہ اب اللہ تم کو وہ چیز عطا کر دے گا جس کی تمھیں خواہش و تمنا تھی اور جس سے تم خوش اور راضی ہو جاؤ گے

قرآن مجید میں تفحص اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم

اہل مکہ اور قریش کے مسلمان ہو جانے کی بہت خواہش رکھتے تھے بلکہ ان کے ایمان لانے کی آپ کو حرص اور ضرورت سے زیادہ تمنا ہو گئی تھی اگرچہ اس بارہ میں بیشمار آیات کریمہ وارد ہیں مگر ہم اس مقام پر صرف پانچ آیتیں پیش کرتے ہیں۔

پہلی آیت سورۃ التوبہ کے آخر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ۔	(لوگو!) تمھارے پاس تم ہی میں کے ایک رسول آئے ہیں۔ تمھاری تکلیف ان پر شاق گذرتی ہے (اور) ان کو تمھاری بھبود کی حرص ہے اور وہ مسلمانوں پر نہایت درجہ شفیق (اور) مہربان ہیں۔

سورۃ التوبہ کی آخری دو آیتیں مکّی ہیں اور باقی کل سورت مدنی ہے۔

دوسری آیت سورۃ النحل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

إِنْ تَحْرِصْ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ۔	(اے پیغمبر!) اگر تم کو ان لوگوں کے راہ راست پر آجانے کی حرص ہے تو (اس خیال کو چھوڑ دو کیونکہ) خدا جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کو ہدایت نہیں دیا کرتا اور کوئی ایسے لوگوں کی مدد کو بھی نہیں کھڑا ہوتا

تیسری آیت سورۃ الکہف میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا	تو (اے پیغمبر!) اگر (یہ لوگ) اس بات کو نہ مانیں تو شاید تم مارے افسوس کے ان کے پیچھے اپنی جان ہلاک کر ڈالو گے۔

چوتھی آیت سورۃ الشعراء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ۔	یہ (سورت بھی) اُسی کتاب (قرآن) کی (چند) آیتیں ہیں جن کا مطلب صاف ہے (اے پیغمبر!) شاید تم خودکشی کر بیٹھو گے کہ یہ لوگ ایمان (کیوں) نہیں لاتے

پانچویں آیت سورۃ الفاطر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ	بات یہ ہے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے تو (اے پیغمبر!) ان لوگوں (کے حال) پر افسوس کر کر کے (کہیں) تمھاری جان نہ جاتی رہے (تم صبر کئے بیٹھے رہو کیونکہ) جیسے جیسے عمل یہ لوگ کر رہے ہیں اللہ ان سے واقف ہے۔

ف

قرآن مجید ہی سے جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش یا اہل مکہ کے مسلمان ہونیکی بڑی تمنا اور بڑی حرص تھی تو آیت زیر تفسیر کے معنی صاف اور متعین ہو گئے یعنے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو بشارت دیتا ہے کہ تم کو جو اہل مکہ کے ایمان لانے کی اتنی حرص و آرزو ہے تو ہم اس آرزو کو بھی پوری کر کے رہیں گے تاکہ تم خوش اور راضی ہو جاؤ سو عنقریب، ان کینہ ور دشمنان اسلام کے سوا جن کا دوزخ میں پڑنا علم الٰہی میں مقدر ہو چکا ہے سب اہل مکہ مسلمان ہوں گے۔

سب جانتے ہیں کہ قرآن کی یہ پیشنگوئی پوری ہو کر رہی یعنی اہل مکہ مسلمان ہو گئے اور وہ انشاء اللہ تعالیٰ قیام قیامت تک مسلمان ہی رہیں گے۔

پیشنگوئی

(۱۴۸)

قریش سب مسلمان ہو جائیں گے

جیسا کہ سورۃ القریش میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ	چونکہ (خدا نے) قریش کو جاڑے اور گرمی کے سفروں کی چاٹ لگا دی ہے تو اون کو چاہیے کہ اسی چاٹ کے لگا دینے کی وجہ سے اس خانہ (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں جس نے اون کو بھوک میں (دبے جوتے ہوئے) کھانے کو دیا اور (لوٹ کھسوٹ کے) خوف سے اون کو امن میں رکھا۔

ف

مکہ کی سرزمین میں کچھ پیداوار نہیں ہوتی اور خدا کی شان ہے کہ سب طرح کا غلہ اور میوہ دوسرے شہروں سے وہاں جاتا ہے اور ضرورت کی سب چیزیں میسر آتی ہیں۔

قریش عرب کے ایک قبیلہ کا نام ہے جسمیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے یہ لوگ خانۂ کعبہ کے مجاور تھے تمام جزیرۂ عرب ان کا بڑا ادب کرتا تھا ملک میں چاروں طرف لوٹ مار رہتی مگر خانۂ کعبہ کے ادب کیوجہ سے مکہ میں ہر طرح کا امن رہتا قریش کے لوگ جاڑے میں یمن کی طرف اور گرمی میں شام کی طرف تجارت کیلئے سفر کو جاتے اور کوئی ان کا مانع اور مزاحم نہ ہوتا بلکہ مجاور بیت اللہ سمجھکر ان کی خدمتیں کرتے جیساکہ اب بھی عرب والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس سورت میں خدا نے اپنی یہ نعمتیں جتاکر قریش کو سمجھایا کہ ان نعمتوں کا شکر یہ چاہتا ہے کہ جس گھر کے طفیل میں تم کو یہ نعمتیں حاصل ہیں اس گھر کے مالک یعنی خدا کا احسان مانو۔ اور شرک وبت پرستی کو چھوڑ کر خالص اسی کی عبادت کرو اور ویسا ہی ہوا کہ قریش سب مسلمان ہوگئے اور آج کروروں قریشیوں میں سے ایک متنفس بھی غیر مسلمان نظر نہیں آتا۔

پیشنگوئی

(۱۴۹)

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی

جیساکہ سورۃ النصر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(ای پیغمبر!) جب کہ خدا کی مدد آپہونچی اور (مکہ) فتح ہوگیا۔	اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ

وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا۔

اور تم نے لوگوں کو (بچشم خود) دیکھ لیا کہ دین خدا (یعنی اسلام) میں جوق جوق داخل ہو رہے ہیں تو (اب) اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ (اس کی) تسبیح و (تقدیس) میں مشغول ہو جاؤ اور اس سے گناہوں کی معافی مانگو بیشک وہ بڑا توبہ کا قبول کرنیوالا ہے۔

ف

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کو صاف ایما فرما دیا کہ مکہ کا فتح ہونا اور لوگوں کا جوق جوق اسلام لانا اس بات کا نشان ہے کہ تم نے اپنا فرض رسالت پورا کیا تو اب آخرت کی اپنی تیاری کرو یہ سورت منیٰ میں حجۃ الوداع کے وسط ایام تشریق میں نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ اب وقت سفر آخرت قریب ہے آپ نے جناب فاطمہ زہرا سے فرمایا کہ بیٹی میں تم کو اپنے مرنے کی خبر دیتا ہوں[1] امام احمد نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب سورۃ النصر نازل ہوئی تو پیغمبر خدا نے اسی وقت ارشاد فرمایا کہ میں اپنے مرنے کی خبر دیتا ہوں اور میں اس سال دنیا سے رخصت ہو جاؤنگا۔

آیت کریمہ میں چند ایسی صریح باتیں ہیں جن سے رسول خدا کی موت کی خبر معلوم ہو جاتی ہے۔ مثلاً رسول خدا کو نصرت و فتح کا ملنا عامۃ الناس کا جوق جوق اسلام میں داخل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ امر نبوت اپنے تمام و کمال کو پہونچ گیا اور

[1] بیہقی عن ابن عباس ۱۲

کمال کے بعد پھر زوال لازم ہے اور وہ موت رسول ہے ؎

اذا تم شیٔ دنیٰ نقصہ   توقع زوالاً اذا قیل تم

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت اور لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے کی خبر دینے کے بعد رسول کو ہدایت فرمائی کہ تم اللہ کی تسبیح میں مشغول ہو اور استغفار کرو۔ یہ ہدایت اس امر کی طرف اشارہ صریح تھا کہ تم اپنا منصب و فرض پورا کر چکے اب چلنے کی تیاری کرو اور خدا ہی کیطرف لو لگاؤ۔

تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کو استغفار کا حکم دیا اور معلوم ہے کہ استغفار آخر عمر اور رحیل چلاؤ کیوقت ہوتا ہے۔

چوتھے یہ کہ جب اسلام موید من اللہ ہو گیا مکہ فتح ہو گیا کافروں کا استیصال ہو گیا اور لوگ عام طور سے دائرۂ اسلام میں خوشی خوشی جوق جوق داخل ہونے لگے تو تو ثابت ہو گیا کہ رسول نے اپنا فرض پورا ادا کر دیا اور جب منصب نبوت پورا ہو گیا رسول جس غرض کے لئے بھیجا گیا تھا وہ کمال کو پہونچ گیا تو رسول کے رہنے کی ضرورت باقی نہ رہی یہی وجوہ تھے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو ابوبکر۔ عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ بہت ملول ہوئے اور ان سب کو معلوم ہو گیا کہ اب رسول خدا کا وقت رحلت قریب آ گیا۔

لطیفہ

جناب فاروق اعظم حضرت عبد اللہ بن عباس کو باوجود کم عمر ہونے کے شیوخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے اس پر لوگوں کو رشک ہوا چنانچہ بعض بزرگوں نے کہا بھی آپ اس بچہ کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں اور ہمارے لڑکوں کو

جوان کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے آپ نے فرمایا، یہ وہ شخص ہے جسکی قابلیت علم تم کو بھی معلوم ہے ایک دن اصحاب بدر مجلس میں جمع تھے حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہ کی طرف خطاب کرکے پوچھا کہ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ الخ سے کیا مراد ہے بعضوں نے کہا خدا نے حکم دیا ہے کہ جب فتح حاصل ہو تو ہم خدا کا شکر بجا لائیں بعض بالکل چپ رہے۔ حضرت عمر نے عبداللہ بن عباس کی طرف دیکھا انھوں نے کہا اس آیت میں رسول اللہ کی وفات کی طرف اشارہ ہے یعنی اے محمدؐ جب فتح و نصرت آچکی تو یہ تیرے دنیا سے اٹھنے کی علامت ہے اس لئے تو خدا کی حمد کر۔ اور گناہ کی معافی مانگ بے شبہ خدا بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو تم نے کہا یہی میرا بھی خیال ہے۔ عہ

غرض اس سورۃ کے نزول کے بعد رسول خدا صلعم بہت زیادہ تسبیح و تقدیس و استغفار میں مشغول رہنے لگے گویا اٹھتے بیٹھتے آپ کا یہی کام تھا یہاں تک کہ نزول سورۃ کے ساٹھ یا اسّی دن کے بعد آپ نے دنیائے فانی سے انتقال فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ النصر کے نازل ہونے کے کتنے دنوں کے بعد رسول خدا نے انتقال فرمایا؟ اس بارہ میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں صحیح ترین قول تو وہی ہے جو نواب صدیق الحسن خان قنوجی نے فتح الرحمٰن میں لکھا ہے کہ یہ سورۃ منیٰ میں حجۃ الوداع کیوقت نازل ہوئی۔ پھر آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ نازل ہوئی اور اس کے بعد رسول خدا اسّی دن زندہ رہے۔ پھر آیت کلالہ نازل ہوئی جس کے بعد رسول اللہ پچاس روز

عہ - بخاری ۱۲- عہ صحیح بخاری تفسیر اذا جاء ۱۲- عہ فتح الرحمٰن علامہ صدیق الحسن خان ۱۲-

زندہ رہے پھر آیت وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ نازل ہوئی جس کے بعد آپ کل اکیس دن یا سات دن زندہ رہ کر ترسٹھ برس کی عمر میں رہگزائے عالم بقا ہوئے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ سورۃ النصر کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ایک سال زندہ رہے اور بعضوں نے لکھا ہے کہ دو سال زندہ رہے۔

بہر حال نزول سورۃ النصر کے بعد آپ کم سے کم ساٹھ دن یا زیادہ سے زیادہ دو سال زندہ رہے وفات کے وقت آپکی عمر (۶۳) سال کی تھی داڑھی اور سر کے صرف چند بال سپید ہوئے تھے قوائے جسمانی میں کوئی فرق نمایاں نہیں ہوا تھا اور یہ حالت ایسی نہ تھی جو یہ کہا جا سکے کہ آپ کے مرنے کے دن ہی تھے اور ضعف اور بڑھاپے پر نظر کرتے ہوئے ایسی پیشینگوئی حیرت ناک نہیں تھی۔

پیشینگوئی

(۱۵۰)

قرآن کے متعلق عجیب و غریب خبریں

جیسا کہ سورۃ حٰمٓ السجدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ	اور یہ (قرآن) تو غالب بے نظیر کتاب ہے کہ جھوٹ نہ تو اس کے آگے (ہی کی طرف) سے اس کے پاس پھٹکنے پاتا اور نہ اس کے

تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ حَکِیۡمٍ حَمِیۡدٍ ۔ | (یہ) سزاوار حمد (وثنا یعنی خدا) کی اتاری ہوئی (کتاب) ہے ۔ پیچھے (کی طرف) سے (کیونکہ) وہ حکمت والے

ف

اگرچہ بہ لحاظ آیت ہم نے ایک پیشنگوئی قرار دی ہے لیکن درحقیقت اس عجیب وغریب کلام میں چھ پیشنگوئیاں ہیں

پہلی پیشنگوئی

عزیز کے معنی ہیں غالب وقاہر خدا نے قرآن مجید کو غالب وقاہر فرمایا اور ویسا ہی ہوا کہ اس نے نازل ہوتے ہی تمام اہل عرب کو اپنی حجت وبرہان سے مغلوب ومقہور کردیا اور اپنی بے نظیر فصاحت وبلاغت سے تمام فصحاے عرب کے چھکے چھڑا دیئے صرف یہی نہیں کہ قرآن نے اس بارہ میں عرب کو ہی ساکت کردیا بلکہ اس نے اپنے تمام مخالفین کو جو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے مغلوب وعاجز کردیا اس نے عام دعویٰ کیا کہ میں اللہ کی کتاب ہوں اور لاجواب کلام معجز ہوں پھر اس نے قیامت تک کیلئے دنیا بھر کے لوگوں کو چیلنج دیا کہ اگر کسی کو شک ہو تو وہ میری جیسی ایک ہی سورۃ جس میں کم سے کم تین آیتیں ہوں بناکر پیش کردے ۔ مگر تیرہ سو برس گذر گئے آجتک کوئی ایک سورۃ بھی ویسی بناکر پیش نہ کرسکا ۔ گویا زبان حال ومقال سے سب نے اپنی عاجزی کا اعتراف کرلیا اور قرآن کے غلبہ کا بدیہی ثبوت دیدیا ۔

دوسری پیشنگوئی

عزیز کے دو معنی ہیں - ایک وہ جو ابھی بیان کیا گیا۔ اور دوسرے معنی ہیں
عدیم النظیر یعنی وہ چیز جس کی نظیر و مثال نہ پائی جائے اس پیشینگوئی کے صحیح اُترنے
میں کیا شبہ ہو سکتا ہے ؟ عیاں راچہ بیان مشہور ضرب المثل ہے
اولین و آخرین سب اس کے معارضہ سے عاجز رہے اور اس میدان میں
کوئی بھی مردانہ وار قایم نہ رہ سکا - فصاحت میں بلاغت میں - حجت و بیان میں
اخلاق و عرفان میں اپنے احکام کی عمدگی و سادگی میں اور تمام اصلاحات دینی
و دنیاوی پر حاوی و مکمل ہونے میں غرض کسی بات میں کوئی کتاب نہ اس کا مقابلہ
کر سکی نہ آیندہ اُس جیسی کوئی کتاب وجود میں آئے گی۔
ایک لفظ میں دو پیشنگوئیاں ! یہ کمال بلاغت ہے۔

تیسری پیشنگوئی

یہ ہے کہ باطل قرآن کے آگے کی طرف سے اس کے پاس نہیں پھٹک سکتا
یعنی قرآن جیسا ہے ویسا ہی رہے گا اس میں سے کچھ کم نہیں ہو سکتا۔

چوتھی پیشنگوئی

یہ ہے کہ قرآن کے پیچھے کی طرف سے بھی اس تک باطل کا گذر نہیں ہوگا یعنی
جتنا نازل کیا گیا ہے اتنا ہی رہے گا اس میں کوئی ایک شوشہ بھی اضافہ

نہیں کرسکتا۔

یہ دونوں پیشینگوئیاں صحیح ثابت ہوئیں اور قیامت تک صحیح ثابت ہوتی رہیں گی۔ قرآن کا کمی و بیشی سے محفوظ رہنا ایسی بدیہی اور متواتر دلائل و شواہد سے ثابت ہے جس سے بجز مجنون اور اندھے متعصب کے کوئی سمجھدار انکار نہیں کرسکتا یہانتک کہ تسلیم کے سوا چارہ کار نہ پاکر متعصب سے متعصب عیسائیوں پادریوں، علمائے یورپ اور ہنود (دیکھو نزہتہ الناظرین) وغیرہ نے بھی صاف صاف الفاظ میں اقرار کردیا کہ قرآن جس طرح محمد مصطفےٰ پر نازل ہوا۔ بعینہ اسی طرح بغیر کسی کمی بیشی کے اسوقت بھی موجود ہے۔

اس بحث کو ہم نے دیباچۂ کتاب اور دوسری پیشینگوئی کے تحت میں بہت تفصیل سے لکھا ہے۔

پانچویں پیشینگوئی

امام رازی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے کہ جھوٹ نہ تو قرآن کے آگے کی طرف سے اس کے پاس پھٹک سکتا نہ پیچھے کی طرف سے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ قرآن نے جس چیز پر حق کا حکم لگایا وہ باطل نہ ہوگی اور جس چیز کو باطل قرار دیا وہ کبھی حق نہ ہوگی۔

قرآن کے اکثر احکام کو علمی دنیا والوں نے درست مان لیا ہے اور جن بعض امور سے بعض کجرائی پہلے انکار کرتے تھے ان کو زمانہ کی روشن ترقی نے خود چار و ناچار منوا یا بعض باتیں اب بھی ایسی ہیں جنکو علمائے یورپ خلاف حکمت و مصلحت سمجھتے ہیں یا یہ کہکر کہ ایسے احکام دنیا کے ہر حصہ میں

ہمہ وقت نافذ نہیں ہو سکتے حکم الٰہی بار نہیں کرتے لیکن یہ ان کی کج فہمی کا عقدہ ہم دوسری جلد کے باب اوامر و نواہی میں کھولیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

چھٹویں پیشنگوئی

یہ بھی مستنبط ہوتی ہے کہ کوئی ایسی کتاب جو قرآن کے مقابل یا معارض ہو سکے نہ اس (زمانۂ پیغمبرؐ کے) وقت موجود ہے نہ آیندہ ہوگی پس آیت میں مِنۡ بَیۡنِ یَدَیۡهِ - (اس کے سامنے) سے زمانۂ وجود مراد ہے اور مِنۡ خَلۡفِهٖ (پیچھے) سے زمانۂ آیندہ جیسا کہ ظاہر ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ (کوئی) باطل جو قرآن کے دعوے کو غلط کہہ سکے نہ تو اس کے سامنے سے اس کے پاس پھٹک سکتا۔ (یعنی نہ اسوقت موجود ہے کہ کوئی معارضہ کر سکے) نہ آئندہ (اس کے پیچھے سے) کوئی باطل ایسا ظاہر ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ آجتک کوئی ایسی کتاب جو قرآن کے مقابل میں کھی جا سکے باوجود کوششوں کے غیر اسلامی دنیا پیش نہ کر سکی۔

پیشنگوئی

(۱۵۱)

اسلام اور اسلامی حکومت مشرق و مغرب میں خوب پھیلیگی

یہ پیشگوئی قرآن مجید میں چار مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ المعارج میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ اِنَّا لَقَادِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ

تو ہم کو مشرقوں اور مغربوں کے مالک یعنی اپنی ذات پاک، کی قسم ہے کہ ہم اس بات پر (بھی) قادر ہیں کہ (دنیا میں) ان سے بہتر (مخلوق) ان کے بدلے لا بسائیں اور (ایسا کرنا چاہیں تو) کوئی ہمارے حکم سے باہر نہیں ہو سکتا۔

موسم کے ساتھ سورج اور چاند اور ستاروں کے طلوع و غروب ہونیکی جگہ بدلتی رہتی ہے اس لحاظ سے مشارق اور مغارب جمع کے صیغے فرمائے۔

ف

اس آیت میں چونکہ اللہ تعالیٰ مشارق و مغارب کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ ہم ان کافروں کے بدلے دوسری مخلوق لا بسانے پر قادر ہیں اس سے کنایۃً یہ پیشنگوئی بھی نکلی کہ خدا مشرق و مغرب میں اسلام کو پھیلا دے گا چنانچہ ایسا واقع بھی ہو گیا۔

دوسری آیت سورۃ المزمل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا۔

(وہ اللہ) مشرق اور مغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو اسی کو (اپنا) کارساز سمجھو۔

تیسری آیت سورۃ البقرہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ	اور اللہ ہی کا پورب اور پچھم تو جہاں کہیں منہ کرلو ادھر ہی کو اللہ کا سامنا ہے۔

چوتھی آیت بھی اس سورہ میں اس کے بعد ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

قُلْ لِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔	(اے پیغمبر! تم کافروں سے) کہدو کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے جس کو چاہتا ہے (دین کا) سیدھا رستہ دکھاتا ہے۔

ف

یہ پیشینگوئی اگرچہ بطور چیستان کے واقع ہوئی ہے مگر غور کے بعد عجیب غریب پیشینگوئی ثابت ہوتی ہے سمت چار ہیں۔ مشرق۔ مغرب۔ جنوب شمال۔ پھر کیا وجہ کہ اللہ تعالیٰ نے مشرق ومغرب دو ہی سمتوں کی قسم کھائی اور دو ہی سمتوں کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔

جن لوگوں کی نظریں علم تاریخ وجغرافیہ میں وسیع ہیں وہ جانتے ہیں کہ اسلامی سلطنت زیادہ تر مشرق اور مغرب ہی میں پھیلی۔ انہیں سمتوں میں اسلام زیادہ چمکا اور شمال وجنوب میں مسلمانوں کا قدم بہت کم آگے بڑھا۔ بس یہی رمز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرق ومغرب کو خصوصیت کے ساتھ اپنی طرف منسوب کیا اور اس ابلغ طریقہ میں یہ عجیب پیشینگوئی فرمائی کہ مشرق اور مغرب دو ہی سمتوں میں اسلام کی حکومت زیادہ ہوگی۔

مزید توضیح کے لئے ناظرین اس نقشہ کو ملاحظہ فرمالیں۔

پیشنگوئی

(۱۵۲)

یہود عرب دنیا میں ذلیل ہونگے

جیسا کہ سورۃ البقرہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ۔

تو (اے یہود!) کیا کتاب (الہٰی) کی بعض باتوں کو تم مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے تو جو لوگ تم میں سے ایسا کریں اس کے سوا اُن کا اور کیا بدلہ ہو سکتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں (اُن کی) رسوائی ہو۔ اور (آخر کار) قیامت کے دن (دوزخ کے) بڑے سخت عذاب کی طرف لوٹا دیے جائیں

ف

پیشنگوئی سکلہ تمام دنیا کے یہود سے متعلق ہے اور یہ پیشنگوئی صرف یہودیان عرب کے بارہ میں کی گئی ہے۔ مار کھانا۔ قتل ہونا۔ مال و دولت کا چھن جانا۔ لونڈی غلام بننا۔ گھروں سے نکال باہر کیا جانا۔ غرض انسان کی جسقدر رسوائی ممکن ہے عرب کے یہودیوں نے سب آنکھوں دیکھا اور اس کی تفصیل

کچھ پہلے صفحات میں گذر چکی ہے۔

پیشگوئی

(۱۵۳)

عذاب الٰہی پر ٹھٹھا کرنیوالوں کو عنقریب معلوم ہوگا

جیسا کہ سورۃ الشعراء میں سے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ مُحْدَثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ فَقَدْ كَذَّبُوا فَسَيَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ

یہ سورہ مکی ہے۔

اور لوگوں کا دستور ہے کہ جب کبھی (خدائے) رحمان کی طرف سے ان کے پاس کوئی نصیحت دی گئی نئی (بات) آتی ہے تو اس سے منہ پھیرے بغیر نہیں رہتے سو (خیر) انھوں نے جھٹلایا تو ہے مگر عنقریب ان کو اس (عذاب) کی حقیقت معلوم ہوگی جس پر ٹھٹھا مارا کرتے تھے۔

ف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمنان اسلام کو اسلام کی دعوت دیتے

اور سمجھاتے تھے کہ اگر تم اسلام اختیار نہ کرو گے اور اپنے فسادوں سے باز نہ آوگے تو دنیا ہی میں تم پر آفت وعذاب نازل ہوگا اور رہا بعد الموت کا عذاب تو اس کے علاوہ ہے کفار اس پند ونصیحت پر مضحکہ اُڑاتے تھے اور بار بار چڑانے کو پوچھتے تھے۔ کہ وہ عذاب کب نازل ہوگا۔ آخر مسلمانوں نے قوت پکڑی اور اُن نالایقوں کو دھر دبایا۔ جس عذاب کی ہنسی اڑاتے پھرتے تھے اس کو آنکھوں دیکھا اور خدا کی پیشینگوئی پوری اتری

پیشینگوئی

(۱۵۴)

پادریوں اور مسیحی عالموں کا خصیصہ

جیسا کہ سورۃ الحدید میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنَاهُ الْاِنْجِيْلَ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً وَّرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَا

پھر ان کے پیچھے ان ہی کے قدم بقدم ہم نے اپنے اور رسول بھیجے اور ان کے پیچھے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا اور اُن کو انجیل عنایت فرمائی اور جو لوگ ان کے پیرو ہوئے ان کے دلوں میں رحم اور ترس ڈالدیا اور دنیا کا چھوڑ بیٹھنا جس کو انہوں نے از خود ایجاد کیا تھا ہم نے وہ طریقہ ان پر فرض نہیں کیا تھا

رَضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُوْنَ۔

مگر ہاں انھوں نے اسکو خدا (ہی) کی خوشنودی حاصل کرنیکیلئے ایجاد کر لیا تھا لیکن جیسا کہ ان کو نباہنا چاہئے تھا وہ نہ نباہ سکے تو جو لوگ ان میں سے ایمان لائے ان کو ہم نے اُن کے اجر عنایت فرمائے اور ان میں سے بھتیرے تو نافرمان ہیں۔

ف

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پادریوں اور مسیحی عالموں کا خصوصیہ بیان فرمایا ہے کہ ہم نے ان کے دلوں میں رحم اور نرم دلی ڈالدی ہے یعنی رافت و رحمت اُن کے خصائص میں سے ہے۔ رہی رہبانیت یا ترک دنیا وہ خدا نے ان پر واجب نہیں گردانا۔ بلکہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انھوں نے خود ترک دنیا داری اپنے اوپر لازم کرلی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں اور اس سے کوئی فرد بشر انکار نہیں کرسکتا کہ رحم و نرم دلی پادریوں۔ اور علمائے نصاریٰ کا خاصہ ہے جو دنیا کی کسی قوم کسی مذہب کے عام پیشواؤں میں نہیں ہے۔

پادریوں اور مسیحی واعظوں کے ساتھ دوسرے مذاہب کے عوام بلکہ بعض خواص بھی ہر چند بدزبانی کرتے ہیں گالی دیتے ہیں۔ طرح طرح کی توہین و تذلیل کرتے ہیں۔ طرح طرح سے ستاتے ہیں بلکہ بعض اوقات مار پیٹ سے بھی باز نہیں رہتے مگر ان پادریوں کے دل و جگر کو دیکھو کہ اُف تک نہیں کرتے بدلہ لینا تو بڑی بات ہے یہ سب ذلت ٹھنڈے دل سے برداشت کرتے ہیں الٹ کر کسی کو برا بھلا

نہیں کھیتے گالی نہیں دیتے۔ عدالت میں چارہ جوئی نہیں کرتے۔ بلکہ ان سب
رسوائیوں اور عوام کالانعام کی زیادتیوں کو برداشت کرتے ہوئے اُسی کشادہ
پیشانی کے ساتھ اپنے منصب کو پورا کرتے اور میدان اشاعت مذہب میں سرگرم
چلے جاتے ہیں۔ جو زیادتیاں پادریوں کے ساتھ کیجاتی ہیں اگر اس کا دسواں حصہ بھی
کسی دوسرے مذہب کے عالموں کیساتھ کیا جائے تو کشت وخون کا بازار گرم دکھائی دے
یہ پیشینگوئی نہیں ہے۔ علمائے نصاریٰ کا خصیصہ بیان کیا گیا ہے مگر کسی
قوم کا ایسا خصیصہ بیان کرنا جو ہمیشہ یا صدیوں تک باقی رہنے والا ہو اور اس گروہ کے
خصائص میں سے ہو جائے کسی بشر کا کام نہیں ہے۔

پیشینگوئی

(۱۵۵)

اہل اسلام اور محمدیوں کا خصیصہ

جیسا کہ سورۃ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔	لوگوں کی رہنمائی کیلئے جس قدر امتیں پیدا ہوئیں اُن میں تم (مسلمان) سب سے بہتر ہو کہ اچھے کام (کرنے) کو کہتے ہو اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ف

یہ مسلمانوں کا خصیصہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں سے اچھا کام کرنے کو کہتے اور برائی سے روکتے ہیں اور بلاشبہہ یہ ایک ایسی بہترین خصوصیت اور برترین خصلت ہے جو سوا مسلمانوں کے دنیا کی کسی قوم و مذہب میں نہیں پائی جاتی ہے دنیا کی کسی قوم کو لو کسی کو نہ دیکھو گے کہ ایک آدمی کو بُرا کام کرتے دیکھیں اور روکدیں اور بھلائی کی طرف بلائیں بخلاف اس کے مسلمان کبھی صبر نہیں کرسکتا وہ اگر کسی کو برا کام کرتے دیکھیگا ضرور دخل در معقولات کر کے منع کرے گا۔ یا کم از کم ٹوکدے گا۔ وہ یہ سمجھکر کہ ہمیں دخل دینے سے کیا مطلب؟ کبھی خاموش نہیں رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس صفت کو مسلمانوں ہی کی فطرت و جبلت میں رکھا ہے ممکن ہے کہ بعض نفوس اسلام اس سے مستثنیٰ بھی ہوں مگر کلیہ ہمیشہ اکثر پر قایم ہوتا ہے اور بعض سے ضابطہ نہیں ٹوٹتا۔۔

پیشنگوئی

(۱۵۶)

یاجوج ماجوج تمام دنیا پر چھا جاینگے

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ الکہف میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَيَسْئَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ
قُلْ سَأَتْلُوا عَلَيْكُمْ مِنْهُ
ذِكْرًا إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ
وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ
سَبَبًا فَأَتْبَعَ سَبَبًا حَتَّىٰ إِذَا
بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا
تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ
وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا
ثُمَّ أَتْبَعَ سَبَبًا حَتَّىٰ
إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ
وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلَىٰ
قَوْمٍ لَمْ نَجْعَلْ لَهُمْ
مِنْ دُونِهَا سِتْرًا
ثُمَّ أَتْبَعَ سَبَبًا حَتَّىٰ
إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ
وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا
لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ
قَوْلًا قَالُوا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ
إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ
مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ

اور (اے پیغمبر!) لوگ تم سے ذوالقرنین کا حال دریافت کرتے ہیں تم (ان سے) کہو کہ میں تمکو اس کا تھوڑا سا تذکرہ پڑھکر سناتا ہوں (خدا فرماتا ہے) کہ ہم نے اس کو روئے زمین پر بڑی قدرت دی تھی اور ہم نے اس کو ہر طرح کے ساز و سامان دے رکھے تھے چنانچہ وہ ایک سامان کے پیچھے پڑا (سفر مغرب کی تیاری کرنے لگا) یہانتک کہ جب (چلتے چلتے) آفتاب کے غروب ہونیکے مقام پر پہنچا تو اسکو آفتاب ایسا دکھائی دیا کہ (جیسے) وہ کالی کالی کیچڑ کے کنڈ میں ڈوبتا ہے اور دیکھا کہ اس (کنڈ) کے قریب ایک قوم (بھی آباد) ہے (ہیچ کی ایک آیت ہم نے چھوڑ دی) پھر وہ ایک اور سامان کے پیچھے پڑا (یعنی سفر مشرق کی تیاری کرنے لگا) یہانتک کہ جب (چلتے چلتے) آفتاب کے نکلنے کی جگہ پہنچا تو اس کو ایسا معلوم ہوا کہ آفتاب کچھ لوگوں پر طلوع کرتا ہے جن کے لئے ہم نے آفتاب کے ادھر کوئی آڑ نہیں رکھی۔ پھر وہ ایک اور سامان (سفر) کے پیچھے پڑا یہانتک کہ جب (چلتے چلتے) ایک پہاڑی کی گھاٹی کے (دو کگاروں کے) بیچ میں پہنچا تو دیکھا کہ کگاروں کے ادھر ایک قوم (آباد) ہے اور وہ ایسے وحشی ہیں کہ بات سمجھنے کے پاس تک نہیں پھٹکتے ان لوگوں نے (اپنی بولی میں) عرض کیا کہ اے ذوالقرنین (اس گھاٹی کے

فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا
عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا
وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝ قَالَ
مَا مَكَّنِّىْ فِيْهِ رَبِّىْ
خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ
اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا
اٰتُوْنِىْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ
حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى
بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ
قَالَ انْفُخُوْا حَتّٰٓى
اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا
قَالَ اٰتُوْنِىْٓ اُفْرِغْ
عَلَيْهِ قِطْرًا ۝ فَمَا اسْطَاعُوْٓا
اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا
اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا
قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ
مِّنْ رَّبِّىْ فَاِذَا جَاۗءَ
وَعْدُ رَبِّىْ جَعَلَهٗ
دَكَّاۗءَ وَكَانَ وَعْدُ
رَبِّىْ حَقًّا ۝ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ
يَوْمَىِٕذٍ يَّمُوْجُ فِىْ بَعْضٍ

ادہر) یاجوج اور ماجوج (کی قوم) ہے وہ لوگ ہمارے)
ملک میں (اگر) فساد کرتے ہیں (آپ کی مرضی ہو) تو
ہم آپ کے لئے چندہ جمع کر دیں بشرطیکہ آپ ہمارے
اور اُن کے درمیان کوئی روک بنا دیں ذوالقرنین نے
کہا کہ وہ مال جس میں میرے پروردگار نے مجھے اختیار دی رکھا ہے
کافی ہے (چندہ کی ضرورت نہیں مگر ایسی ہی مدد کرنی ہے) تو
(ہاتھ پاؤں کے) زور سے میری مدد کر دیں تم لوگوں میں
اور اُن لوگوں میں ایک دیوار کھینچ دونگا (اچھا تو) لوہے
کی سلیں ہم کو لا دو (چنانچہ وہ سلیں لائے اور ضروری
کارروائی ہوتی رہی) یہانتک کہ جب ذوالقرنین نے
دونوں کگاروں کے بیچ (کی کشادگی) کو (پاٹ کر)
برابر کر دیا تو حکم دیا کہ (اب اس کو) دھونکو یہانتک کہ
جب دیوار کو (لال) انگارا کر دیا تو کہا کہ اب ہم کو تانبا لا دو
کہ اسکو پگھلا کر اس دیوار پر انڈیل دیں۔ غرض (اس تدبیر سے)
ایسی اونچی اور مضبوط دیوار تیار ہو گئی کہ یاجوج ماجوج (
نہ تو اس پر چڑھ سکتے تھے
اور نہ اس میں سوراخ کر سکتے تھے (ذوالقرنین
نے اس دیوار آہنی کو دیکھ کر) کہا یہ میرے رب کی مہربانی
ہے لیکن جب میرے پروردگار کا وعدہ (موجود) ہوگا
تو اس کو ڈھا کر برابر کر دیگا اور میرے پروردگار کا وعدہ سچا ہے
اور (ای پیغمبر) ہم اس دن یہ حال کر دینگے کہ (دریا کی) لہروں کی طرح
(سب) ایک میں ایک گڈمڈ ہو جائینگے

ف

آیت کریمہ میں چند دلچسپ مباحث قابل تصریح ہیں۔

پہلی بحث

مغرب الشمس سے کیا مراد ہے! اس لئے کہ آفتاب کے غروب ہونیکی جگہ تک نہ انسان کا پہنچنا کسی طرح ممکن ہے اور نہ آفتاب دراصل کسی مقام میں ڈوبتا ہے

جواب

مغرب الشمس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ ذوالقرنین درحقیقت وہاں تک جا پہنچا جہاں آفتاب ڈوبتا ہے کیونکہ آفتاب فقط ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کہیں ڈوب رہا ہے اصل میں وہ کسی گڑھے یا مقام میں غروب نہیں ہوتا مطلب یہ ہے کہ اسوقت پچھم طرف جہانتک رسائی ہوسکتی تھی وہاں تک ذوالقرنین جا پہنچا اور یہی مطلب مطلع الشمس کا بھی ہے۔

دوسری بحث

اس کے کیا معنی کہ آفتاب کالے کیچڑ کے کنڈ میں ڈوبتا تھا کیونکہ آفتاب یقیناً کسی کنڈ میں نہیں ڈوبتا نہ یہ امر ممکن ہے۔

جواب

اس کا ابطال خود اسی آیت میں موجود ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجَدَ عِندَهَا قَوْمًا - یعنی ذوالقرنین نے آفتاب یا اس کالے کیچڑ کے کنڈ کے پاس ایک قوم کو پایا ایک بے وقوف سے بے وقوف بھی سمجھ سکتا ہے کہ آفتاب کے پاس یا جس کنڈ میں آفتاب ڈوبتا ہو اس کے نزدیک انسانی آبادی کا وجود محال ہے پھر ایک سمجھدار کیونکر ایسی بات کہہ سکتا ہے

بات یہ ہے کہ ذوالقرنین سمندر اور غالباً بحر اسود کے کنارہ پر تھا۔ اس لئے آفتاب اس کو پانی میں ڈوبتا نظر آیا اور سمندر خصوصاً بحر اسود کا پانی ہوتا بھی کالا ہے۔ تو سورج کا کنڈ میں ڈوبنا واقعہ کا بیان نہیں ہے بلکہ ذوالقرنین کی رویت کی کیفیت کا بیان ہے۔ جس طرح ہم لوگوں کو شام کے وقت آفتاب درختوں میں یا زمین میں یا پہاڑ کے نیچے ڈوبتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور ایسا ہی کہنے میں بھی آتا ہے کہ دیکھو وہ آفتاب درختوں میں ڈوب رہا ہے یا پہاڑ کے نیچے جا رہا ہے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سکندر کو ایسا معلوم ہوا کہ آفتاب کیچڑ کے کنڈ میں ڈوب رہا ہے یہ نہیں فرمایا کہ آفتاب کیچڑ کے کنڈ میں ڈوبتا تھا۔

نظام بطلیموسی والے آفتاب کی گردش کے قائل تھے اور ان کے نزدیک رات دن آفتاب ہی کی گردش کا اثر ہے نظام فیثاغورث اس کے خلاف ہے اور آج یورپ اسی مسلک پر ہے اب دیکھو کہ اہل یورپ باوجود اس کے کہ آفتاب کو سیارہ نہیں مانتے گردش آفتاب کے قائل نہیں ہیں۔ دن و رات کا سبب حرکتِ ارض کو قرار دیتے ہیں مگر لٹریچر میں آفتاب کے غروب ہونے اور

طلوع ہونے کا محاورہ ان کے پاس بھی دائر و سائر ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ایسے محاورات میں واقعیت کا اظہار نہیں مقصود ہوا کرتا بلکہ اپنی رویت کی کیفیت کا بیان کرنا مطلوب ہوتا ہے۔

زمین کے مغرب جانب جہاں تک چلے جاؤ اکثر قطعات ارض کو سمندر سے محیط پاؤ گے اور یہ بحار غربیہ بہ نسبت دوسرے سمندروں کے بہت گرم اور سیاہ ہوتے ہیں چونکہ ذوالقرنین جانب مغرب کا سفر کر رہا تھا اور غالباً بحر اسود کے کنارہ پر تھا اس لئے شام کیوقت اس کو ایسا معلوم ہوا کہ آفتاب گویا بحر اسود کی کالے کیچڑ میں ڈوب رہا ہے۔

تیسری بحث

بَیْنَ السَّدَّیْنِ یعنی پہاڑی کی گھاٹی کے دو کگاروں کے بیچ سے مراد وہ دونوں پہاڑ ہیں جن کے بیچ میں سد ذوالقرنین واقع ہے غالباً یہ آذربیجان اور ارمینیہ کے دو پہاڑ ہوں گے بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ دو پہاڑ آخر شمال میں ہیں جہاں ارض ترک منقطع ہوتی ہے بعض مفسرین کا بیان ہے کہ سد ذوالقرنین بحر روم کے ادھر ہے اور بعضوں نے انواح ارمینہ بتایا ہے

چوتھی بحث

ذوالقرنین کون تھا جس نے سد بنا کر یاجوج ماجوج کو بند کر دیا قرآن میں اسکی تصریح نہیں ہے کیونکہ وہ کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو

اس بارہ میں بالکل سکوت ہے۔ البتہ علماء و مورخین نے اس تحقیق میں بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے ہیں پھر بھی کوئی تسلی بخش بات نہیں نکلتی اس مقام پر اس بحث کا چھیڑنا ہمارے منصب میں داخل نہیں ہے کتاب "المخصر" میں ہم نے اس پر تفصیلی مباحث کیے ہیں۔

دوسری آیت سورۃ الانبیاء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ حَتّٰى إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ۔

اور جس بستی کو ہم نے (ان کی نافرمانی کے باعث) ہلاک کر دیا ہو ممکن نہیں کہ وہ لوگ (قیامت کو) ہمارے حضور میں لوٹ کر نہ آئیں ہاں اتنا توقف ضرور ہوگا کہ یاجوج وماجوج کھولدیئے جائیں اور وہ ہر بلندی سے ڈھلکتے ہوئے چلے آئیں۔

پانچویں بحث

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یاجوج ماجوج کھولدیئے جائیں گے اور وہ قرب قیامت میں ہر بلندی پر سے ڈھلکتے چلے آئینگے اس ارشاد سے مفسرین نے یہ استنباط کیا کہ یاجوج ماجوج کوئی جانداروں کا گروہ اسوقت پردۂ دنیا میں موجود ہے اور جیسے قیدیوں کی طرح گھرا ہوا ہے جو قیامت کے قریب کھولدیا جائیگا اور وہ اس وقت اپنی اخلاط سے رہا ہو کر تمام دنیا پر چھا جائینگے سد ذوالقرنین اسوقت ادھر کے رہنے والوں میں اور یاجوج ماجوج میں حائل ہے قیامت کے قریب یاجوج ماجوج اس سد کو توڑ کر ادھر کے رہنے والوں پر ٹوٹ پڑینگے اور سب گڈمڈ ہو جائینگے

حدیثوں میں ؏ بیان کیا گیا ہے کہ یاجوج ماجوج بہت کثرت سے ہوں گے کہ جس تالاب پر سے گذریں گے ان کے پانی پینے سے وہ خشک ہو جائیگا

اعتراض

کیا جاتا ہے کہ دنیا محدود جگہ ہے اس کے اطراف معلوم ہیں۔ علمائے جغرافیہ نے زمین کا چپہ چپہ ناپ ڈالا ہے مگر یاجوج ماجوج اور سد ذوالقرنین کا کہیں نام ونشان نہیں ملا نہ ملتا اور یہ صاف امر، قرآن کے بیان کو غلط ثابت کرنے میں عمدہ دلیل ہے۔

پہلا جواب

اگر علم جغرافیہ مکمل ہو تو البتہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا مگر وہ ہنوز ناقص ہے بڑے بڑے سلسلۂ جبال اور ریگستان کے اندرونی حالات قطبین بحر منجمد اور دریا کے اکثر حصوں کا حال بالکل مجہول ہے اس لئے بالفعل جغرافیہ سے ایسا استدلال ناقابل قبول ہے تو ایسی حالت میں یہ دعوی کرنا کہ اہل جغرافیہ کے دریافت پر ساری دنیا کا انحصار ہے کیسے قابل پذیرائی ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ جس طرح امریکا اور آسٹریلیا وغیرہ کا حال مدتوں مخفی رہا اسیطرح اب بھی ایسی زمینیں پردہ دنیا میں مستور ہوں جہانتک الی الآن مذہب دنیا دالو کی

؏ دیکھو صحیح مسلم ۱۲

رسائی نہ ہوئی ہو۔

لطیفہ

کلمبس کو جو امریکا کا دریافت کرنے والا کہا جاتا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ کلمبس کو نہ تو امریکا کا علم تھا۔ نہ وہ اس کے دریافت کرنے کیلئے نکلا تھا وہ ہندوستان کے ارادہ سے جہاز پر سوار ہوا۔ ہندوستان کو آرہا تھا راہ میں جہاز راہ بھٹک کر امریکا کی طرف جا نکلا اور اسوقت معلوم ہوا کہ معلوم شدہ آبادی کے سوا، امریکا بھی ایک برا عظم ہے دریافت کرنے اور دریافت ہوجانے میں فرق کرنا چاہیئے۔ البتہ یہ کہسکتے ہیں کہ امریکا کلمبس کیوجہ سے دریافت ہوگیا۔ اس کے علاوہ بعض محققین نے تو دریافت امریکا کا سہرا مسلمانوں کے سر پہ باندھا ہے چنانچہ ڈکتور لیتیبؔ نے سنین دالاسلام میں لکھا ہے کہ مورخان یورپ کی ایک جماعت اس امر کی تصدیق کرتی ہے کہ اندلس اور اسپین کے عرب جو تجارت کے بڑے دلدادہ اور دنیا کے تمام ممالک میں بحر و بر کے ذریعہ سے آتے جاتے تھے انھوں نے کلمبس سے بہت پہلے ۱۱۵۰ء میں امریکا (دینگی وینا) کا پتا لگا لیا تھا اور اس نئی سرزمین کو دیکھ چکے تھے البتہ اس دریافت سے وہ کوئی فائدہ نہ اٹھانے پائے۔

محقق چھاکوٹی علامہ عنایت رسول عباسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ( ) میں اس کے عجیب وغریب ثبوت دئے ہیں اور اس کے وجوہ بھی بتلائے ہیں کہ باوصف عربوں کے دریافت کرلینے کے دریافت امریکا کا سہرا کلمبس کے سر پر کس لئے باندھا گیا۔

دوسرا جواب

امام رازیؒ نے مفاتیح الغیب میں لکھا ہے کہ سدِ ذوالقرنین شمال کی طرف ہے سیبیریا کے بعد شمال کی طرف بہت سے برفانی پہاڑ ہیں جو بارھوں مہینے برف سے ڈھکے رہتے ہیں ممکن ہے کہ ان برفانی پہاڑوں کے سہارے ہیں کوئی پست زمین مابے برف یا کم برف کی ایسی ہو کہ آدمی وہاں رہ سکے۔

تیسرا جواب

بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج ماجوج پہاڑوں کے اندر رہنے والی قوم ہے اور ان کے آنے جانے کا صرف ایک ہی رستہ دو پہاڑوں کے درمیان تھا اور ان دونوں پہاڑوں کے درمیان مضبوط آہنی سد بنا دینے سے ان کا رستہ مسدود ہوگیا۔ پس مرور زمانہ اور انقلابات دہری سے ممکن ہے کہ وہ سد آہنی مٹی میں دب گیا ہو اور بلند ہوتے ہوتے پہاڑ کی برفانی چوٹیوں سے جا ملا ہو اور پھر کسی وقت زلزلہ یا کسی حادثہ سے وہ سد منہدم ہوجائے اور رستہ کھل جائے تا آنکہ یاجوج ماجوج ترقی یاب ہو کر وقت ظہور اس آہنی سد کو توڑ کر باہر نکل آئیں۔

چوتھا جواب

اللہ کی زمین وسیع ہے اگرچہ کلی طور پر تمام خشکی کو جغرافیہ والوں نے معلوم کر لیا ہے مگر ممکن ہے کہ آئندہ سمندر میں بڑے بڑے جزیرے برآمد ہوں اور یہ اقوام یاجوج ماجوج انہیں جزائر کی قومیں ہوں۔ برفستانی حصہ۔ برفستانی پہاڑ اور دور دراز سمندر کے نامعلوم جزائر بھی اسی میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔

پانچواں جواب

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یاجوج ماجوج ایسی قوم جو تمام دنیا پر چھا جانیوالی ہو اس وقت دنیا میں کہیں نہیں ہے تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ آئندہ ہزاروں لاکھوں برس میں بھی پیدا نہ ہو سکیں کیونکہ قرآن مجید نے ہم کو یہ نہیں بتایا ہے کہ یاجوج ماجوج کون لوگ ہیں اور کس قوم و قبیلہ کے ہیں!

یہ سب تاویلات اس وقت ہیں جب کہ عجائب پسند مفسرین اور ترجمہ نویسوں کے مسلک کو صحیح تسلیم کیا جائے کہ یاجوج ماجوج ایک عجیب و غریب بالشتی قوم یا تاڑ کے قد برابر والی قوم ہے اور سد کے اندر بند ہے اور قیامت سے کچھ پہلے سد توڑ کر باہر نکل پڑے گی پھر سد، اور یاجوج ماجوج اور ذوالقرنین سب کو مجہول و نامعلوم سمجھ لیا جائے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

سر سید احمد خان نے ایک حد تک اس بارہ میں معقول بات لکھی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:۔ ع ہ

یاجوج ماجوج جو گاگ میگاگ کا معرب ہے دراصل تاتاری ترک کی

ع ہ ازالۃ الغین عن ذی القرنین ۱۲۔

قوم ہے جو اب تک موجود ہے اور تمام ملک تاتار اور چینی تاتار میں آباد ہے
اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس سد کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ وہی دیوار
ہے جو چین اور تاتار یا سہتیا کی سرحد پر بنائی گئی ہے اور جس کو چی وانگ ٹی
فغفور چین نے درمیان سنہ ۲۴۰ و ۲۳۵ قبل مسیح میں بنایا تھا۔

یہ دیوار ہانگ ہو دریا کی غربی موڑ سے جو ایک پہاڑ کے قریب ۳۷ درجہ
۵ دقیقہ عرض بلد اور ۱۰۷ درجہ طول بلد پر واقع ہے بننی شروع ہوئی اور پھر اس
دریا کی دوسری موڑ کو کاٹ کر اور خنجان پہاڑوں کے جنوبی سلسلے کے نیچے
ہو کر خلیج لیولونگ کے کنارہ پر ٹھیک چالیس درجہ عرض بلد اور ایک سو بیس
درجہ طول بلد پر ختم ہوئی ہے طول اس دیوار کا بارہ سو سے پندرہ سو میل تک
بیان ہوا ہے۔

سرسید صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں چی وانگ ٹی فغفور چین
کو ذوالقرنین کہا گیا ہے اور یاجوج ماجوج ترک تاتاری تھے جو قدیم سہتیا کے
رہنے والے غارتگری اور لٹیرے پن میں مشہور آفاق تھے جب ان تاتاریوں
نے بار بار یورش کر کے ختائیوں کو سخت عاجز کیا اور کوئی تدبیر ان کو ضبط کرنے کی
نہ سوجھی تب اس دیوار کی بنا کی گئی۔ اور پانچ برس میں وہ تیار ہوئی اور سرحد
ختا و تاتار پر واقع ہے اور حال اس کا یہ ہے کہ نہ پہاڑ نہ دریا کوئی اس کی
ساخت کا مزاحم نہ ہوا۔ اور آٹھ سو کوس تک سب کو دفع کرتی ہوئی یہ دیوار اپنی
منزل مقصود تک پہونچی ہے کئی مقام پر آدہ آدہ کوس کے اونچے پہاڑ کی چوٹی
پر سے یہ دیوار کھینچی ہوئی ہے اور بعض جگہ بڑے بڑے دریاؤں پر پلوں کے
اوپر سے بھگئی ہے سمندر کے بیچ سے شروع اس طرح پر ہوئی ہے کہ صد ہا جہاز
پتھروں سے لدے ہوئے ڈبا دئے گئے اور اس پر اس کی بنیاد قائم ہوئی

اور آٹھ سو کوس تک ڈیڑھ سو گز اونچی اور اسقدر چوڑی ہے کہ چھ سوار پہلو بہ پہلو فراغت سے اس پر گھوڑا دوڑا سکتے ہیں۔ ع

اگر سر سید کی یہ لگتی ہوئی تفسیر صحیح مان لی جائے اور تاتاریوں کو ہی یاجوج ماجوج تسلیم کیا جائے تو قرآن کی پیشینگوئی کی صحت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

ختائیوں نے اپنی بے مثل کاریگری سے دیوار چین بنا کر وحشی تاتاریوں کو اسوقت تو ضرور روکدیا اور ان کی لوٹ مار سے محفوظ ہو گئے مگر تاتاری زیادہ دن تک بند نہ رہ سکے آخر انھوں نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور اپنی وحشیانہ خونخواریوں سے ایک عالم کو تہ و بالا کر ڈالا اور جسطرف گذرے زمین کو ہلا ہلا ڈالا خلافت عباسیہ جو چھ سو برس سے دنیائے اسلام پر داد فرمانروائی دے رہی تھی ابن علقمی اور نصیر الدین طوسی کی ملحرانی سے انہیں تاتاریوں کے ظلم و ستم کی بھینٹ چڑھ گئی اور اس خلافت کی بربادی سے عرب خصوص اسلام کو ایسا سخت صدمہ پہنچا جو اسوقت تک اس کو نہ پہنچا تھا۔

مگر قرآن مجید کے الفاظ ,, وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ ،، سے یہ صراحت نکلتی ہے کہ یاجوج ماجوج ہر بلندی سے ڈھلک پڑیں گے اور تمام دنیا پر چھا جائیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ وحشی تاتاری تمام دنیا پر نہیں پھیلے تھے بلکہ ان کے جولانگاہ غارتگری یہی ایشیائے کوچک اور عراق وغیرہ رہے اور ان امور پر گہری نظر کرتے ہوئے سر سید کی تفسیر کچھ زیادہ وقیع ثابت نہیں ہوتی۔

ع۔ سر سید نے اس مقام پر مسٹر جیمس کالکرن کی تاریخ سے اخذ کرکے اس دیوار کے عجیب حالات لکھے ہیں۔

سرسید کا شاہ چین کو ذوالقرنین قرار دینا شبہ سے خالی نہیں ہے ذوالقرنین عربی لفظ ہے اور سرسید نے اسکی کوئی دلنشین وجہ نہیں بتائی کہ چی وانگ ٹی فغفور چین کا لقب ذوالقرنین کیوں ہوا - اگر یہ نام یا لقب عربوں نے اس کو دیا تو چاہیئے کہ وہ شاہ چین سے واقف ہوں حالانکہ تاریخ اسکی شہادت نہیں دیتی - نہ یہ کسی طرح بھی ثابت ہے کہ شاہ چین کا کوئی اثر کبھی ملک عرب پر رہا ہے اگر یہ کہا جائے کہ ذوالقرنین کے مماثل چینی زبان میں کوئی لقب اس کا تھا جس کا ترجمہ ذوالقرنین ہے تو اس کے لئے کافی شہادت درکار ہے واہمہ لڑانے سے کام نہیں چلتا اور پھر اس حالت میں بھی یہ بتانا ضرور ہوگا کہ ذوالقرنین اس کا لقب ہوا کیوں۔

سرسید نے ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ :-

چی وانگ ٹی جو سد کا بانی ہے جب بادشاہ ہوا اور اس کا پہلا قرن یا پہلا زمانہ، ساز و سامان اور اسباب قوت اور سطوت سلطنت کے جمع کرنے کا ختم ہو گیا اور اس کی سلطنت کا دوسرا قرن یا دوسرا زمانہ شروع ہوا تو اس نے ملک میں فتوحات شروع کیں اس وجہ سے اس کا نام ذوالقرنین پڑا۔

سرسید نے یہ ایک ایسی بھونڈی تاویل کی ہے جو کسی طرح چسپاں ہو ہی نہیں سکتی۔

اولاً :- اسوجہ سے کہ ذوالقرنین کی یہ وجہ تسمیہ کسی تاریخ میں درج نہیں نہ کہیں اس امر کی طرف اشارہ ہے۔

ثانیاً :- اسوجہ سے کہ جب ایسے ہی من گھڑت تاویلات ماننے پر ہم مجبور ہیں تو علمائے مفسرین کی تاویلات کو نہ ماننے کی کیا وجہ؟ سرسید نے

تو محض دل سے گڑھ کر ایک وجہ بنائی اور اُن بیچاروں نے تو حوالوں اور انکی بیانات سے بھی کام لیا تھا پھر انہوں نے کیا ایسا قصور کیا تھا کہ سید صاحب با وجود دعوی تہذیب ہاتھ دھوکر ان کے پیچھے پڑ گئے اور لگے بے نقط سُنانے۔

ثالثاً:۔ اس وجہ سے کہ سرسید نے جو وجہ تسمیہ ایجاد کر کے بیان کی ہے کہ شاہ چین کا عہد حکومت دو قرنوں یا دو زمانوں پر منقسم تھا، ایک قرن میں اس نے ساز و سامان سطوت جمع کیا اور دوسرے میں فتوحات کرنے لگا اس لیئے اس کا لقب ذوالقرنین ہوا۔ بالکل دور از کار اور مہمل وجہ ہے شاہ چین "چی وانگ ٹی" کی کیا خصوصیت ہے؟ یہ بات تو دنیا کے سیکڑوں ہزاروں سلاطین میں بتائی جاسکتی ہے جنہوں نے ایک زمانہ میں ساز و سامان مہیا کر کے دوسرے یعنی آخر زمانہ میں فتوحات کا سلسلہ قایم کر دیا پھر جس پر چاہو ذوالقرنین کا لقب چسپا کر دو ان وجوہ البطال کے علاوہ خود قرآن مجید میں بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ کے صاف الفاظ ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سد ذوالقرنین دو پہاڑوں کی کگاروں کے بیچ میں ہے دیوار چین میں یہ بات کہاں ہے وہ تو تیرہ پندرہ سو میل کی لمبی دیوار ہے جو شیطان کی آنت کی طرح پہاڑوں اور دریاؤں کو پھاندتی ہوئی چلی گئی ہے۔ غرض سرسید کی یہ تفسیر بالکل لایق اعتبار نہیں ہے۔

بارہویں صدی کے مشاہیر علمائے ہندوستان میں سے علامہ حکیم محمد حسن امروہوی ایک بےمثل فلسفی اور علوم عقلی و نقلی کے بڑے جید فاضل گذرے ہیں وہ سرسید علیہ الرحمہ کے ہمعصر تھے علوم عجز کے سوا زبان عربی کے مستند عالم تھے سنسکرت کے ماہر تھے ایران کا رسا

قدیم المسنہ اور شرمد یا ؤنڈر کے استاد تھے اور انگریزی اچھی جانتے تھے انھوں نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں ذو القرنین اسکی سد اور یاجوج ماجوج کی تحقیقات پر ہر پہلو سے نہایت دلچسپ اور محققانہ مباحث کئے ہیں اور بحث کو تواریخ قدیمہ اناجیل شریفہ، توریت مقدس، صحف انبیاء، وید و کتب ہنود اور علم جغرافیہ سے مطابق و مدلل کر کے ایسا صاف کر دیا ہے کہ پھر مطلق شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ فاضل امروہوی کی اصل کتاب فارسی زبان میں ہے اس کا اردو ترجمہ چھپ گیا ہے ناظرین مفصل مباحث اصل کتاب میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں ہم اس مقام پر صرف اپنے مطلب بھر اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

یاجوج و ماجوج کی تحقیق

یاجوج، جیسا کہ فصل (۴) تاریخ ایام اول مندرجہ مجموعہ توریت میں ہے یاجوج بن سمعیاہ بن اسرائیل بن روبن ابن یعقوب کا نام ہے۔ یاجوج کا بیٹا سمعی، سمعی کا بیٹا ریایار، ریایار کا بیٹا بعل اور بعل سے بعیسر، ییئل اور ذکریا وغیرہ کی نسل چلی۔ یہ لوگ ملک روس میں آباد ہوئے اور حضرت حزقیل نبی کے زمانہ میں مملکت روس پر مسلط تھے۔ مشرق فرات تک ان کی حکومت تھی اور ہر طرف ان کی قوت و زبردستی کا ڈنکا بجتا تھا۔

فصل (۳۸) حزقیل میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے۔

(۱) خداوند کا کلام مجھکو پہنچا اور اس نے کہا۔ (۲) کہ اے آدم زاد تو یاجوج کے مقابل جو ماجوج کی سرزمین کا ہے اور روس اور مسک اور توبل کا سردار ہے اپنا منہ کر اور اس کے برخلاف خبر دی۔ (۳) اور کہہ کہ خداوند

یہوداہ یوں کہتا ہے کہ دیکھ اے **یاجوج روس** وتمسک وتوبل کے سردار میں تیرا مخالف ہوں (۴) اور میں تجھے پھرا دونگا اور تجھے اور تیرے سارے لشکر اور گھوڑوں اور سواروں کو جو سب کے سب فاخرہ پوشاک پہنے اور سپریں لئے ہوئے ہیں اور سب کے سب تلوار پکڑنیوالے ہیں انہیں کھینچ نکالوں گا۔

اسی طرح فصل (۳۹) حزقیل میں ہے:۔

(۱) اس لئے تو اے آدم زاد یاجوج کے برخلاف خبر دے اور کہہ کہ خداوند یہوداہ یوں کہتا ہے کہ دیکھ میں تیرا مخالف ہوں اے یاجوج روس وتمسک وتوبل کے سردار (۲) اور میں تجھے پلٹ دونگا اور تجھ کو لئے پھروں گا اور ایسا کروں گا کہ تو شمال کی اطراف سے چڑھ آئے اور تجھے اسرائیل کے پہاڑوں پر لاؤں۔ (۶) اور ماجوج پر اور ان پر جو جزیروں میں بے پروائی سے سکونت کرتے ہیں ایک آگ بھیجوں گا اور وہ جانیں گے کہ میں خداوند ہوں۔

ان تصریحات سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ کتب قدیمہ اور صحف انبیاء میں **روس والوں کو یاجوج** کہا گیا ہے اور چونکہ حضرت حزقیل نبی کے عہد میں یہ لوگ وہاں کی حکومت پر مسلط تھے اس لئے "والی روس اور کہیں روس وتمسک وتوبل کے سردار" کے لقب سے بھی ملقب ہوئے۔

ماجوج کی تحقیق

قدیم اہل فارس یافث بن نوح کو جی افرام کہتے تھے چونکہ یافث کے

معنی سورج کے ہیں اس لئے اولاد یافث سورج بنسی مشہور ہوئی اور علی ہذالقیاس
اولاد سام کو چندر بنسی کا نام ملا اور حام کی اولاد اگنی کنڈی کے نام سے مخاطب
ہوئی۔ توریت میں مصرح ہے کہ یافث بن نوح کے ساتھ بیٹے ہوئے
ایک گومر یعنی کیومرث کیخوشاہ جس کا بیٹا اسکنز اہل سکزستان کا جد اکبر ہوا جو فارس
اور بلوچستان کے بیچ میں واقع ہے۔ دوسرا بیٹا (گومر کا) رلیفث یعنی فارس
ایران میں بسا تیسرا بیٹا تجرمہ آرمینیہ جس سے جرمن نکلے اور ان کی نسبت
فصل (۳۸) حزقیل میں صاف لکھا ہے کہ وہ روس کے سردار کا ساتھی ہوگا
یافث بن نوح کا دوسرا بیٹا ماغوغ جس کو یونان والے ماگوگ اور عربی
میں ماجوج کہتے ہیں ان کی اصل مملکت ستھیا یعنی گیلان ہے ان کی بہت ساری
قوموں میں سے دو قومیں بہت عظیم الشان ہوئیں ایک گال جو ملک گیلان کے
اہل ستھیا تھے۔ دوسرے گاتھ جن کی دو شاخیں ویسی اور سفرو ہوئیں۔
علامہ ابن خلدون مورخ نے طارق اموی کے حریف اسپینی شاہ اسپین
اور اس کی قوم کو بھی نسل ماجوج سے لکھا ہے۔

نسل ماجوج سے کچھ لوگ زمانۂ آبادی یاجوج میں ملک ستھیا سے
یورپ کی طرف گئے اور بقیہ زبردست یاجوج کے ساتھ ملکر تاتار وغیرہ
میں فساد پھیلاتے رہے۔

یافث کا تیسرا بیٹا مادی جس کی بادشاہت ہمدان سے گیلان تک
تھی۔

یافث کا چھوٹا بیٹا یونان بن یافث تھا یہ لوگ پیتل کا سامان بہت رکھتے
اور پیتل کا کام کرتے تھے اور چونکہ پیتل زرد ہوتا ہے اس لئے عرب میں
بنو اصفر ان کا نام پڑ گیا۔

یونان کے چار بیٹے تھے۔ ایک الیشا۔ جو خاص اہل امریکا کا جد اعلیٰ تھا۔ دوسرا تارسیس بن یونان جس کی اولاد صور فلسطین میں آباد ہوئی تیسرا بیٹا کتیم بن یونان جس سے جزیرہ قبرس آباد ہوا، اور غالباً کارتھیج والے اسی کی نسل سے ہیں چوتھا دڈونہ بن یونان بن یافث کہ یونان میں اسی کے نام کا ایک شہر ابتک موجود ہے یافث کا پانچواں بیٹا توبل جو تبت والوں کا ابوالنوع تھا اور شہر تبت جو ہمالہ کے شمال میں مشہور شہر ہے اسی کا آباد کیا ہوا ہے اور اس کی حکومت ارض خطا، ترکستان، کوہ یورال، نہر توبال، تاتار اور کوہ ہمالہ کے گوشہ غربی و شمالی کے حدوں میں پھیلی ہوئی تھی۔

یافث کا چھٹواں بیٹا تمسک جد تسین وچین ہے اس کے نام کا ایک شہر سپیریا کے روس میں توبل سے مشرق وجنوب کی طرف واقع ہے حضرت حزقیل نبی کے زمانہ میں یہ دونوں شہر یاجوج کے قبضہ میں تھے اور اسی وجہ سے فصل (۳۸ و ۳۹)، حزقیل میں یاجوج کو روس اور تمسک اور توبل کا والی سردار کہا گیا ہے۔

یافث کا ساتواں بیٹا تارہ ہوا۔ جس کے نام کا شہر اب تک نہر توبل کے جنوب میں اور کوہ یورال کے مشرق میں واقع ہے تارہ کی اولاد، تاتار کے نام سے مشہور ہوئی۔

۷۰۰ قبل مسیح میں تگلت تلناصر اور لول کردی نے یاجوج بن حیا کی اولاد کو گرفتار کر کے مملکت ماجوج کے ضلع دینارا دینا بورا میں گنجہ کی متصل آباد کیا جہاں اسوقت کثرت سے گیلانی بستے تھے ان ماجوج گیلانی میں سے گیل گاتھ۔ اور گال، گیلان سے متفرق ہو کر لندن، سویڈن۔ ناروے مملکت جرمن۔ نارمنڈ۔ اور فرانس وغیرہ میں پھیل گئے اور یاجوج کی نسل

ملک روس۔ توبل اور تمسک وغیرہ میں مسلط رہی۔

اصل توریت عبری میں یاجوج وماجوج کو غوغ وماغوغ کہا گیا ہے سکندر کے وزیر کے بیٹے بطلیموس دوم نے جب اس کا ترجمہ یونانی میں کرایا تو غوغ ماغوغ کو گوگ ماگوگ لکھا گیا۔ جس کو انگریزی کتابوں میں ایگاگ میگاگ لکھنے لگے پھر جب اریہ ممالک کیشیا نے اس کو سنسکرت میں لیا تو اپنی زبان میں ڈھالکر گوگ وماگوگ کو کوک وکوک لکھدیا چنانچہ رگ وید میں ایسا ہی ہے۔

غرض ماجوج، ممالک ستھیا گیلان میں بستا تھا کہ ۷۰۰ قبل مسیحی میں تلگت تلناصر اور اس کے باپ، پول کردی سنے بئیر وغیرہ نسل ماجوج پر فتح پائی اور ان کو نہر جوران کے متصل ملک گیلان کے پاس آباد کیا اور اسی وجہ سے ماجوج، گیلی اور گال کے ناموں سے مشہور ہوئے جن میں گاتھ بڑی زبردست قوم یورپ میں ہو گذری ہے ملک گیلان (ممالکت یاجوج) میں آباد ہونے کے بعد نسل ماجوج کا بڑا حصہ شمال جرمن، نارمنڈے اور فرانس وغیرہ میں پھیلا اور یاجوج کی اولاد بعض اولاد ماجوج کے ساتھ، ممالک شمال کوہ قاف میں داغستان والان اور کنیا ہوتے ہوئے سویڈن ناروے اور ڈنمارک سے گذر کر روس، توبل اور تمسک پر قبضہ کر بیٹھے اور تاتار کو کمزور پاکر اورن برگ کی گھاٹی یورال پر سے اترتے اور ان کے ملک میں ہر طرف تاخت وتاراج کرتے پھرتے تھے اور انہیں تاتاریوں کی حفاظت کے لئے ذوالقرنین نے سد بنائی تھی پس اس سے صاف روشن ہے کہ یاجوج وماجوج دو فردوں کے نام نہیں ہیں جیسا کہ بعض مفسرین نے

سلاطین دوم فصل (۱۷) درس (۶)

لکھا ہے بلکہ یاجوج اہل روس ہیں اور ماجوج اقوام یورپ جو اسوقت تمام دنیا پر چھائے ہوئے ہیں۔

ذوالقرنین کی تحقیق

ذوالقرنین دنیا کے کئی بادشاہوں کا لقب ہوا ہے۔ ایک بادشاہ ذی القرنین حمیری دوسرے ذو القرنین سکندر یونانی۔ تیسرے کیقباد اور چوتھے انگریز لیکن قرآن مجید میں جس ذو القرنین کا ذکر ہے وہ کیقباد فاتح فارس ہے۔

یہ ذو القرنین مادی بن یافث بن نوح کی نسل سے ہے۔ اس کا نام کیقباد احشویروش بن اول ہے اور کورش اول ع اور سائرس کبیر کے لقب سے مشہور ہوا۔

دانیال فصل (۸) میں حضرت دانیال ع کا ایک خواب لکھا ہے کہ:۔

(۱) مجھکو ہاں مجھ دانیال کو ایک خواب نظر آیا جو شروع میں نظر آیا تھا (۲) اور میں نے عالم رؤیا میں دیکھا اور جسوقت میں نے دیکھا ایسا معلوم ہوا کہ میں سوسن کے قصر میں ہوں جو صوبہ ایلام میں ہے پھر میں نے دیکھا کہ دولائی کی ندی کے کنارہ پر ہوں۔ (۳) تب میں نے آنکھیں اٹھا کر نظر کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ندی کے آگے ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ ہیں۔ اور دونوں سینگ اونچے ہیں۔

غ ۵ فصل (۸) دانیال و (۲۱) یسعیا ۱۲

(۱۴) میں نے اس مینڈھے کو دیکھا کہ پچھم - اتر - دکھن ہر طرف سینگ مارتا تھا یہاں تک کہ کوئی جانور اس کے سامنے کھڑا نہ رہ سکا وہ جو چاہتا تھا کرتا تھا یہاں تک کہ بہت بڑا ہو گیا - (۱۵) اور ایسا ہوا کہ جب میں دانیال نے یہ خواب دیکھا اور اس کی تعبیر کی تلاش میں کرتا تھا تو دیکھا کہ میرے سامنے کوئی کھڑا ہے جس کی صورت آدمی کی سی ہے (۱۶) اور میں نے ایک آواز آدمی کی سی سنی کہ اے جبرئیل اس شخص کو اس خواب کی معنی سمجھا دے (۱۷) چنانچہ جہاں میں کھڑا تھا وہاں وہ میرے نزدیک آیا اور جب وہ میرے نزدیک پہنچا تو میں ڈر کر اوندھے منہ گرا پھر اس نے مجھ سے کہا کہ اے آدم زاد سمجھ کیونکہ یہ روایت انجام کو پہنچیگی - (۱۹) اور کہا کہ دیکھ میں تجھے سمجھاؤں گا کہ قہر کے آخر میں کیا ہوگا کیونکہ مقرر وقت پہ تمام ہوگی (۲۰) وہ مینڈھا جس کو تو نے دیکھا کہ اس کے دو سینگ ہیں سو وہ مادی و فارس کا بادشاہ ہے -

حضرت دانیال علیہ السلام نے

خواب میں دیکھا کہ دریا کے کنارے ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ ہیں اور وہ ان دونوں سینگوں کو ہر طرف مارتا پھرتا ہے اس خواب کی تعبیر یہ بتائی گئی کہ کورش اول احشورش کیقباد جو حضرت دانیال کا ہمعصر تھا فارس وغیرہ کا زبردست بادشاہ ہوگا اور ہر طرف اس کی فتوحات پھیل پڑیں گی -

یہ تعبیر پوری ہوئی کہ کورش کیقباد فارس پر فتحیاب ہو کر اس کے دونوں طرف کا بادشاہ ہوا ، اور ہر طرف اس کی سطوت و جبروت کا شاندار علم لہرانے لگا -

چونکہ حضرت دانیال نے خواب میں مینڈھے کو دو سینگوں کے ساتھ دیکھا تھا۔ جس سے کیقباد اخشویروش کی زبردست سلطنت کی پیشینگوئی مستنبط ہو کر واقع ہو گئی چنانچہ پہلے ہمدان و موصل کا بادشاہ ہوا پھر فارس کے دونوں طرف کا فاتح و قابض ہو کر دنیا کا سب سے بڑا زبردست شہنشاہ فاتح ثابت ہوا، اس مناسبت سے اس کا لقب **ذوالقرنین** پڑا یعنی دو سینگوں والا بادشاہ اور دو سینگوں سے وہی مینڈھے کی دو سینگیں مراد ہیں جو دانیال نے خواب میں دیکھی تھیں۔

۶۰۶ء قبل مسیح میں بخت نصر بابلی نے بیت المقدس کو فتح کیا اور یہویقیم کو بادشاہ بنا کر واپس گیا پھر ۵۹۹ء قبل مسیح میں یہویکین یہودی کو تاج حکومت پہنایا۔ وہ کمعمری کی وجہ سے امور مملکت کا بار نہ اٹھا سکا تو تین مہینے کے بعد صدقیاہ کو تاج بخشی کی صدقیاہ حضرت یرمیاہ نبی کی نصیحت نہ مان کر بخت نصر کا مخالف ہو گیا بخت نصر نے غضبناک ہو کر ۵۸۸ء قبل مسیح میں یہود اور بیت المقدس دونوں کو تخس نخس کر ڈالا اور ہزاروں یہود بنی اسرائیل کے ساتھ حضرت دانیال کو بھی گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا۔

۵۶۳ء قبل مسیح میں بخت نصر کے وجود سے دنیا خالی ہوئی۔ اور اس کی جگہ اس کے بیٹے اویل مردوک نے لی۔ مردوک کے بعد برکلیسر ہوا۔ برکلیسر کے بعد لاسواسوار اور لاسواسوار کے بعد بخت نصر کا دوسرا بیٹا بادشاہ ہوا۔

کورش اول کیقباد ذوالقرنین بہتر برس کی عمر میں بائیس سال کی سلطنت کے بعد ۵۳۶ء قبل مسیح میں بابل پر فتحیاب ہوا۔ اور مظلوم یہودیوں کو قید بابل سے رہا کر کے ممالک بیت المقدس میں آباد کیا۔

وہ فتح و نصرت کے پرچم اڑاتا ہوا مقام **عین الشمس** پر گیا جہاں پہلے
مصر کی آبادی تھی[عہ] اور جہاں (عین الشمس کے متصل) ایک مکان بیت الشمس
کے نام سے مشہور[عہ] تھا۔ ذو القرنین نے شام کے وقت آفتاب کو اسی عین الشمس
میں ڈوبتا ہوا دیکھا تھا جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ
حَمِئَةٍ ۔ یعنی (شام کیوقت) ذو القرنین کو ایسا معلوم ہوا کہ آفتاب گرم پانی کے
چشمہ میں ڈوب رہا ہے۔ غرض مقام عین الشمس کے پاس قوم ناسک سے
جنگ ہوئی اور ان کو نیچا دکھا کر جنوبی مصر (سوڈان) میں آیا اور سوڈانیوں کو زیر و زبر
کرتا ہوا سیبیریا کے روس کے شہر تمسک میں پہنچا۔ تمسک سے واپس ہو کر
شمال سیبیریا میں شہر توبل تک آیا جہاں سبزی کا تو کیا ذکر پہاڑ و درخت کا سایہ تک[سہ]
نہ تھا یہاں سے لوٹ کر ملک تاتار تارہ میں آکر ٹھیرا تاتار تارہ کے مغرب میں
کوہ یورال کا آخر حصہ ہے۔ چونکہ یہ مقام ذو القرنین کے وطن سے قریب تھا
اس لئے قرب کی وجہ سے یہاں کے لوگوں کی بولی اس نے کسی طرح
کچھ کچھ سمجھ لی[سعہ] اور اس پر کارروائی کی۔

عہ دانیال فصل (۸)

عہ دانیال فصل (۸)

سہ قرآن کی سورہ کہف کی آیت لَمْ نَجْعَلْ لَهُمْ مِنْ دُونِهَا سِتْرًا کے یہی
معنی ہیں کہ وہاں چٹیل میدان میں سوائے آفتاب کے کچھ نہ تھا جس میں کوئی پناہ لیتا۔

سعہ۔ قرآن کی سورہ کہف کی آیت قَوْمًا لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا
کا یہی مطلب ہے کہ وہ ذو القرنین کی بولی اور ذو القرنین انکی بولی بہ تکلف
سمجھتے تھے۔

تاتاری لوگ یعنی تارہ بن یافث بن نوح کی اولاد، اورن برگ سے متصل، کوہ یرال کے پورب طرف آباد تھے۔ زبردست وحشی روسی یاجوج (بقیہ) گیلانی رعایا ماجوج کو لیکر اورن برگ کی گھاٹی سے اُتر کر ان کو لوٹتے۔ تکلیف دیتے، ہر طرف تاخت و تاراج کرتے پھرتے اور ملک کو تباہ کر کے چلے جاتے تھے۔ مظلوم تاتاری ان کا کچھ نہ کر سکتے تھے۔ جب ذوالقرنین کا اُدھر گذر ہوا تو اس کو باجبروت اور صاحب قوت شہنشاہ دیکھ کر تاتاریوں نے حاضر ہو کر فریاد کی کہ روس والے یاجوج، ستھیائے گیلان کے ماجوج کے ساتھ آکر ہر سال ہم کو ستاتے ہیں، اگر آپ کسی ترکیب سے ہمارے اور اُن کے درمیان میں کوئی ایسی روک بنا دیجئے کہ ہم کو یاجوج و ماجوج سے پناہ مل جائے تو ہم چندہ جمع کر کے آپ کو مالی امداد بھی دے سکتے ہیں۔ ذوالقرنین نے اُن سے مالی امداد کا لینا گوارا نہیں کیا، البتہ اُن کے زور بازو اور اُن کی محنت و مشقت سے مدد لیکر کوہ یرال کے پورب طرف اورن برگ[ع] کی گھاٹی کے پاس تیس میل کی لمبی ایک نہایت مضبوط سد (دیوار) کھینچ دی جس سے روسی یاجوج اور گیلانی ماجوج کا ادھر آنا مسدود ہو گیا اور تاتاریوں کو اُن کے شر سے بالکل پناہ مل گئی۔

یاجوج و ماجوج اور ذوالقرنین کی تحقیق اور سد یاجوج و ماجوج کی تاریخ و تعیین ہو چکی تو اب واضح ہو کہ قرآن مجید کی آیات مذکورہ عنوان زیر بحث میں تین عمدہ پیشین گوئیاں ہیں۔

پہلی پیشین گوئی

۔ سد ذوالقرنین کا ٹوٹنا ہے۔

[ع] انگریزی جغرافیہ اورن برگ۔

بعض مفسرین نے جو یہہ لکھا ہے کہ سد قیامت سے پہلے ٹوٹیگی اور اب تک
نہین ٹوٹی ہے بالکل مہمل بات ہے۔

اولاً۔ اس وجہ سے کہ قران و حدیث مین کہین اس کا کوئی اثر نہین ہے۔

ثانیاً۔ اس وجہ سے کہ ابتک نہ ٹوٹنے کا دعوی تو عدم تاریخ دانی کی دلیل ہے۔ رہی یہ بات
کہ قیامت سے پہلے ٹوٹیگی یہہ صحیح ہے چنانچہ اب قیامت سے پہلے ہی ٹوٹ چکی ہے۔

ثالثاً۔ اس وجہ سے کہ قران مجید مین صاف فرمایا گیا ہے۔ فَاِذَا جَاۤءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ
دَكَّاۤءَ (یعنے جب میرے پروردگار کا وعدہ آجائے گا تو وہ سد کو ڈھا کر برابر کر دیگا)
اس ایت مین کہین وقت کی تعین نہیں کی گئی ہے کہ فلان وقت سد ٹوٹیگی بلکہ صرف
ایک پیشین گوئی ہے کہ آیندہ کسی وقت مین سد ٹوٹ جائیگی چنانچہ وہ ٹوٹی اور اب
ٹوٹی ہوئی سیاحوں کو نظر آتی ہے۔

رابعاً۔ اس وجہ سے کہ مفسرین کا یہہ دعوی ایک نہایت صحیح اور صریح حدیث قدسی کے
بالکل خلاف ہے چنانچہ صحیح بخاری مین حضرت ام المومنین زینب رضی اللہ تعالی عنہا
سے روایت ہے:۔

کہا امام بخاری نے کہ

حدثنا ابو الیمان اخبرنا شعیب	حدیث بیان کی ہم سے ابو الیمان نے کہا
عن الزہری ح وحدثنی اسمعیل	اُنھوں نے کہ خبر دی ہم کو شعیب نے زہری سے
حدثنی اخی عن سلیمان عن محمد بن ابی	ح۔ اور حدیث بیان کی مجھ سے اسمعیل نے
عتیق عن ابن شہاب عن عروة بن	کہا اُنھوں نے حدیث بیان کی مجھ سے میرے
الزبیر ان زینب بنة ابی سلمة	بھائی نے سلیمان سے اُنھوں نے محمد ابی عتیق سے
حدثتہ عن ام حبیبة بنت ابی سفیان	اُنھوں نے ابن شہاب سے اُنھوں نے عروہ بن
عن زینب بنة جحش ان رسول اللہ صلعم	زبیر سے کہ زینب بنت ابی سلمہ نے اُن سے

دخل علیہا یومًا فزعًا یقول لا الٰہ الا اللہ ویل للعرب من شر قد اقترب فتح الیوم من ردم یاجوج وماجوج مثل ھذہٖ

حدیث بیان کی ام حبیبہ بنت ابوسفیان سے اُنھون نے زینب بنت جحش سے کہ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز ان کے پاس آئے (خدا کی) پناہ مانگتے ہوئے درآنحالیکہ فرماتے تھے لا الٰہ الا اللہ افسوس ہے عرب کے لیے اُس شر سے کہ جو قریب آگیا کہ آج یاجوج وماجوج کی سد اس (انگلی) کی طرح ٹوٹ گئی

اب اس حدیث نبوی نے صاف طور پر کھلے الفاظ مین صراحت کر دی کہ سد ذوالقرنین یا سد یاجوج وماجوج خود آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک مین ٹوٹ چکی تھی جس کی خبر اس وقت تک کیا معنی ایک زمانہ دراز تک اہل عرب کو نہ معلوم ہوئی اور اب تک مفسرین کا ایک گروہ یہی کہتا چلا جاتا ہے کہ سد ذوالقرنین نہین ٹوٹی بلکہ قیامت سے چند سال پہلے ٹوٹیگی حالانکہ پیغمبرؐ نے اپنے مکاشفہ اور روحانی قوت سے معلوم کر کے اُسی وقت خبر دیدی جس وقت وہ سد ٹوٹ گئی تاتاریون کا ماوی تاتار وغیرہ روس کے پورب طرف واقع ہے اور روس اور تاتار کے بیچ مین کوہ یورال حائل ہے۔ کوہ یورال کی آخری سرے پر دکھن اور پچھم کے کونے پر اورن برگ کی گھاٹی ہے اور اسی گھاٹی مین سے ہو کر روسی یاجوج اور گیلانی ماجوج تاتاریون کے ملک مین اُتر آتے تھے۔ ذوالقرنین نے تاتاریون پر رحم کھا کر اسی گھاٹی کو روک کر تیس میل کی لمبی ایک آہنی سنگین دیوار اور نہایت مضبوط سد تعمیر کر دی جس سے روسیوں کا آنا قطعًا موقوف ہو گیا کیونکہ اب تاتاریون کے ملک مین آنے کے لیے کوئی رستہ باقی نہ رہا تھا۔

اگرچہ قرآن وحدیث کی پیشین گوئی کے مطابق وہ سد تو ٹوٹ گئی مگر اس کے

آثار صریحہ ہنوز باقی ہیں اور ابتک کوہ یرال کے شمال و جنوب میں منزلوں، تین تین میل کے فاصلہ پر ٹوٹے ہوئے قلعہ اور سد کے منہدم آثار موجود و شاہد ہیں* جو سیاحان عالم کے سامنے رسول خدا صلعم کی پیشین گوئی کی صداقت کو پیش کئے بغیر نہیں رہتے

توضیح بیان کے لئے ایک اجمالی نقشہ ناظرین کے سامنے ہے۔

دوسری پیشین گوئی

یاجوج و ماجوج کا تمام دنیا پر پھیل پڑنا۔

ہم یاجوج و ماجوج کی تحقیق میں ثابت کر چکے ہیں کہ یاجوج اہل روس ہیں اور ماجوج اہل یورپ ہیں ماجوج میں سے کچھ لوگ تو (زمانہ آبادی یاجوج ہیں) ستھیا و گیلان میں رہ گئے اور کچھ لوگ جو جرمن و اسپین وغیرہ ممالک یورپ میں جاکر آباد ہوئے ان میں سے گال اور گاتھ دو قومیں بہت زبردست گذری ہیں چنانچہ مورخ ابن خلدون نے طارق اموی کے حریف اسپینیوں کو صاف نسل ماجوج سے لکھا ہے۔ قران مجید یاجوج و ماجوج کے بارہ میں پیشینگوئی کرتا ہے۔ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ یعنے یاجوج و ماجوج کھل کر ہر بلندی سے ڈھلک پڑینگے اور عالم پر پھیل جائینگے۔

اب دیکھو کہ قران کی یہہ پیشینگوئی کس طرح ہماری آنکھوں کے سامنے پوری ہو رہی ہے، کہ یورپ کی قومیں تمام دنیا پر ٹڈی کی طرح چھا رہی ہیں۔ کل کرہ عالم کی حکومت کی باگ اُن کے زبردست ہاتھوں میں ہے۔ جدھر جس خطۂ ارض پر نظر دوڑاؤ، یہی دیکھو گے کہ گویا وہ ہر بلندی پر سے ڈھلکتے ہوئے چلے آرہے ہیں

---

* انگریزی جغرافیہ اودن برگ ۱۳۔



روس
دریاے مالگا
ماسکو
پرم
اورن برگ
دریاے والگا
جھیل ارال
سیحون
ترکستان

کیا مسیحی مشنریان من کل حدب ینسلون کی پوری پوری مصداق نہیں ہیں؟

صحیح ترمذی کی ایک حدیث اس پیشینگوئی کو اور زیادہ صاف کر دیتی ہے کہ:-

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفتح یاجوج وماجوج فیخرجون کما قال اللہ تعالیٰ وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ فیعمون الارض وینحاز منھم المسلمون حتی تصیر بقیۃ المسلمین فی مدائنھم وحصونھم ویضمون الیھم مواشیھم	ابو سعید خدری سے روایت ہے کہا انھون نے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یاجوج اور ماجوج کھولے جائینگے پس وہ نکل پڑینگے جیسا کہ کہا اللہ تعالیٰ نے کہ وہ (یاجوج وماجوج) ہر بلندی سے ڈھلک پڑینگے پس وہ زمین پر عام ہو جاینگے یعنے پھیل جائینگے اور پسپا ہو جائینگے ان سے مسلمان یہانتک کہ ہو جائینگے بقیہ مسلمان اُن کے شہروں میں اور اُن کے قلعون میں اور سونپ دینگے اُن کو اپنے مویشی

کیا روسی یاجوج اور یورپین ماجوج دنیا میں عام نہین ہیں؟ کیا وہ تمام کرہ ارض پر پھیلے ہوئے نہیں ہیں؟ کیا اہل اسلام بہ حیثیت قوت و شوکت اُن یاجوج و ماجوج سے مغلوب نہیں ہیں؟ کیا ان روسی اور یورپین یاجوج و ماجوج کی شہروں میں اور قلعون مین مسلمان آباد و مقہور نہیں ہیں؟ کیا مسلمانون کی مویشی اور جان و مال کے وہ مالک نہیں ہیں؟-

ان سب سوالوں کے جواب ہم کو اثبات میں ملتے ہیں یعنے ایسا ہی ہے اور قرآن و حدیث سے ایک ایسی کھلی ہوئی پیشین گوئی ہے کہ اس کی صحت کے ثابت کرنے کے لئے نہ کسی بینہ کی ضرورت ہے نہ کسی دلیل کی حاجت ہے مشاہدہ ثبوت کا محتاج نہیں ہوا کرتا۔

تیسری پیشینگوئی

بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِي بَعْضٍ - یعنی یاجوج و ماجوج لہروں کی طرح ایک مین ایک گڈمڈ ہو جائینگے -

اخبار - تاریخ اور مشاہدہ تینوں اس پیشینگوئی کے سچے اُترنے کے سچے شاہد اور ایسے بدیہی ثبوت ہیں جن کو ماننے کے سوا چارہ کار نہیں ہے -

اگرچہ اقوام یورپ سب ایک مین ایک گڈمڈ ہیں جیسا کہ ظاہر و مشاہد ہے مگر ان میں بھی روسی یاجوج اور فرانس و انگلستان کے ماجوج کا گڈمڈ ہونا خاص طور پر قابل تماشا ہے -

قرآن مجید کی یہہ دو پیشینگوئیاں ہزار برس کے بعد پوری ہونے شروع ہوئیں اور ہم اس وقت اچھی طرح ان کو پوری ہوتے دیکھ رہے ہیں - کیا ممکن ہے کہ کوئی بشری طاقت ایسا عجیب معجزہ دکھلا سکے ؟ ہرگز نہیں -

پیشین گوئی

(۱۵۷)

ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ علم کے زور سے مسافت ارض باسانی طے ہوگی اور مردوں سے گفتگو ہوگی

جیسا کہ سورۃ الرعد مین ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ	اور اگر قرآن (میں یہہ اثر بھی) ہوتا کہ اُس (کی برکت) سے پہاڑ چلنے لگتے یا اُس (کی برکت) سے زمین (کی مسافت باسانی)

بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۔	طے کیجا سکتی یا اُس (کی برکت سے مردوں کیساتھ گفتگو ہوسکتی (تو بھی کفار راہ راست پر نہ آتے)

ف

اگرچہ آیت میں اس پیشینگوئی کی صراحت نہیں ہے بلکہ الفاظ و معانی پر غور کرنے کے بعد بہ تکلف پیشینگوئی نکلتی ہے لیکن سمجھ میں آجانے کے بعد ایک عجیب و غریب پیشینگوئی ثابت ہوتی ہے۔

کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم سے فرمائیش کی* کہ اگر تم واقعی اپنے دعوے میں سچے ہو اور خدا کے پیغمبر ہو تو مکہ کے ان پہاڑوں کو ہمارے سامنے سے چلا دو یا ہوا کو ہمارے تابع کر دو کہ جہاں جاہیں اُڑے اُڑے پھریں۔ جیساکہ سلیمان پیغمبر کی حکومت ہوا پر تھی یا ہمارے مرے ہوئے لوگوں کو زندہ کردو کہ ہم اُن سے باتیں کریں۔

اس فرمائیش کے جواب میں اللہ تعالی نے یہہ آیت نازل فرمائی کہ اگر پیغمبر اس فرمائیش کو پوری بھی کر دے اور قرآن میں یہہ اثر ہو بھی جائے کہ اسکی برکت سے پہاڑ چلنے لگیں یا زمین کی مسافت منٹوں میں طے ہونے لگے یا زندہ مردوں سے باتیں کرنے لگیں تو بھی یہہ کفار ایمان نہ لائینگے اور بالفرض محال وہ ایمان لائیں بھی تو ان فرمائیشوں کا پورا ہو جانا نبوت کی دلیل نہیں ہوسکتی کیونکہ یہہ اُمور کچھ مافوق العادت اور بشری طاقت سے باہر نہیں ہیں۔

اگر ہم اس مقام پر فکر سلیم سے کام لیں تو صاف کُھل جاتا ہے کہ اللہ تعالی کا ان فرمائیشوں کے پورا کرنے سے انکار کرنا ہی ایک پیشینگوئی ہے۔

اب دیکھو کہ علم کے زور سے ریل۔ موٹر اور ہوائی جہاز وغیرہ کیسی کیسی

---

* دیکھو درالمنثور للسیوطی و ابن کثیر ۱۲

چیزیں ایجاد ہوئیں جن کے ذریعہ سے برسوں کی مسافت مہینوں میں اور مہینوں کی مسافت گھنٹوں اور منٹوں میں طے ہوتی ہے روحانیات اور محاضرات نے وہ ترقی کی کہ مردوں سے دو بدو باتیں ہونے لگیں چنانچہ حال ہی میں یورپ کے ایک روحانی محقق ڈاکٹر جان لوب نے اس بارہ میں ایک عجیب وغریب کتاب ٹاکس وِتھ دی ڈَڈ[۵۹] لکھی ہے جس نے بہت سے معرکۃ الآرا مسائل حل ہی نہیں بلکہ منکشف کر دئے۔ ڈاکٹر موصوف مردوں کی روحوں سے صرف بات ہی نہیں کرتا بلکہ مع الجسم ان ارواح کو بلاتا ہے اور اُن کے فوٹو بھی لیتا ہے۔ دیکھنے والے دیکھتے ہیں۔ پہچاننے والے پہچانتے ہیں کہ یہہ فلاں شخص کی روح ہے پھر ان ارواح سے ہر کوئی بات بھی کر سکتا ہے چنانچہ کتاب مذکور میں بہت سی روحوں یا مردوں کے فوٹو دئے ہیں جن کو طلب کر کے اس نے فوٹو لیا ہے ڈاکٹر موصوف نے بہت سی روحوں سے بات کر کے فائدہ اٹھایا اور معلومات حاصل کئے جن کو اُس نے اپنی کتاب میں شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے۔

تمہیں بتاؤ کہ اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کی فرمائش پر بڑی بڑی مسافتوں کو چند منٹوں میں طے کر دیتے یا مردوں سے گفتگو کرا دیتے تو یہہ باتیں نبوت ورسالت کی دلیل کیونکر ہو سکتی تھیں۔ ممکن تھا کہ اس وقت کے محدود الخیال لوگ انھیں اُمور سے آپ کو رسول ونبی مان لیتے مگر ہزار برس کے بعد آج موجداں یورپ اور ڈاکٹر جان لوب میں اور (محمدؐ) رسول اللہ میں کیا فرق رہ جاتا؟۔

اللہ اور اُس کے رسول برحق کو یہہ باتیں معلوم تھیں۔ اس لئے انھوں نے

---

[۵۹] Talks with the dead

ایسے واہی تباہی اقتراحات کے پورا کرنے سے انکار کر دیا اور بالمعنی یہ پیشنگوئی فرمائی کہ جن امور کو تم لوگ خرق عادت اور معجز سمجھتے ہو وہ ایک زمانہ میں ہو کر رہیں گے۔

پیشنگوئی

(۱۵۸)
سمندر پاٹے جائینگے

جیساکہ سورۃ التکویر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ	جسوقت آفتاب (کے نور کی چادر) کو لپیٹ لیا جائے
وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ	اور جس وقت تارے جھڑ پڑیں۔ اور جسوقت پہاڑ
وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ	(اپنی جگہ سے) چلائے جائیں۔ اور جس وقت
وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ	دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں چھٹی چھٹی پھریں اور
وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ	جس وقت وحشی جانور (مارے ڈر کے بستیوں میں) آ بھریں
وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ	اور جس وقت دریا پاٹ دئے جائیں اور جسوقت
وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ	روحوں کو (ان کے جسموں سے) ملایا جائے
وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ	اور جسوقت لڑکی سے جو زندہ درگور کر دی گئی تھی
بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ	پوچھا جائے کہ کس قصور کے بدلے ماری گئی اور
وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ	جسوقت (لوگوں کے) نامۂ اعمال کھولے جائیں۔

وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا اَحْضَرَتْ	اور جسوقت آسمان کی کھال کھینچی جائے اور جسوقت دوزخ کی آگ بھڑکائی جائے اور جس وقت بہشت قریب لائی جائے (اسوقت) ہر شخص جان لیگا کہ وہ کیا (زادآخرت) حاضر لایا ہے)

ف

اِن آیات کریمہ میں بارہ پیشنگوئیاں ہیں جو آئندہ اپنے اپنے وقت پر پوری ہوتی رہیں گی۔

اول:۔ آفتاب کا بے نور ہوجانا۔

دوسرے:۔ تاروں کا جھڑ پڑنا۔ فلسفۂ حال نے ثابت کیا ہے کہ تمام اجرام میں ایک کشش اور قوت جذب و انجذاب ہے ہر ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس کشاکشی بلکہ کشش کی بدولت سب اپنے اپنے مرکز و محور پر پڑے چکر کھا رہے ہیں جب یہ نظام درہم برہم ہونے کو ہوگا تو کشش رفتہ رفتہ کم ہوتے ہوتے یا ایک دم کسی ناگہانی اثر سے سلب ہوجائے گی اور سب اجرام یا کچھ ایک دوسرے سے ٹکر کھا کر زیر و زبر ہوجائیں گے اس صورت میں تاروں کا جھڑ پڑنا اور سورج کا بے نور ہوجانا عجب نہیں ہے۔

تیسرے:۔ پہاڑوں کا اپنی جگہ پر سے ہٹ جانا۔ ظاہر ہے کہ جب زمین دوسرے اجرام سے ٹکرا کر بگڑ جائیگی تو پہاڑ اپنی حالت پر کیسے قائم رہ سکیں گے۔

چوتھے:۔ گابھن اونٹنیوں کا چھٹی چھٹی پھرنا۔ عرب کے لوگ دس مہینے کی گابھن اونٹنی کو بہت عزیز رکھتے ہیں کیونکہ وہ عنقریب بچہ

دینے والی ہوتی ہے اور وہی ان کا راس المال ہوتا ہے۔ جیسے ہندوؤں میں گائے فرق اتنا ہے کہ ہندو، اس حیوان دگائے ، کو اوتار سمجھتے اور مقدس و متبرک جانکر عزیز رکھتے ہیں اور اہل عرب صرف مال ہونیکی وجہ سے۔ ہندو، اس ترقی و روشنی کے زمانہ میں بھی گائے کے پیشاب وگوبر کو لذیذ غذا کی کیطرح ثواب سمجھکر کھاتے پیتے ہیں اور عرب اس جاہلیت اور اجڈ پنے میں بھی ان نجاستوں سے محترز رہتے تھے۔

آیت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ قیامت کا دن ایسا ہیبت ناک اور نفسی نفسی کا دن ہوگا کہ دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی۔ اور کوئی ان کا پوچھنے والا نہ ہوگا۔

پانچویں :- وحشی جانوروں کا بستی میں آبھرنا۔ اگرچہ وحشی جانوروں کا آبادی میں آنا وحشت کے خلاف ہے مگر روز قیامت ایسا ہولناک ہوگا کہ وحشیوں کو وحشت بھول جائیگی اور وہ آبادیوں میں جہاں موقع ملیگا گھس پڑیں گے۔

چھٹویں :- روحوں کا جسموں سے ملایا جانا یعنی سب جاندار زندہ کردئے جائیں گے۔ تا سب کا حساب و کتاب ہوکر بقدر اعمال نیک و بد جزا و سزا دیجائے

ساتویں :- زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جانا۔

آٹھویں :- نامۂ اعمال کا کھولا جانا۔

نویں :- آسمان کی کھال کا کھینچا جانا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسوقت آسمان نیلا نیلا دکھلائی دیتا ہے قیامت کے دن دراڑیں پڑکر اندر سے اس کی رنگت لال لال نکل آئیگی جیسے کھال کھینچی ہوئی بکری۔ *

---

* حاشیہ مولوی نذیر احمد دہلوی بر ترجمہ قرآن ۱۲

معلوم نہیں مولوی نذیر احمد کے اس فائدہ کا ماخذ کیا ہے۔ آسمان کی کھال کھینچی جانے پر تو ہمارا ایمان ہے مگر وہ کھال کیونکر کھینچی جائیگی! اس کی کیفیت مجہول ہے

دسویں :۔ دوزخ کا دہکایا جانا۔

گیارہویں :۔ جنت کا قریب لایا جانا۔

بارہویں :۔ سمندروں کا پاٹ دیا جانا اس کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو جب قیامت کا سخت بھونچال آئیگا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر گرجائیں گے جیسا کہ بڑے بڑے زلزلوں میں عمارات کا منہدم ہونا دیکھا جاتا ہے۔ دریاؤں کا پانی اچھلکر کسی طرف کو بہہ جائے گا۔ زمین کے نشیب وفراز سب یک ساں ہوجائیں گے دریاؤں میں ادہر ادہر کا ملبہ آبھرے گا جس سے وہ سب پٹ جائیں گے۔

یہ سب پیشنگوئیاں علامات قیامت کی ہیں مگر بارہویں پیشنگوئی، سمندروں کے پاٹ دیئے جائینگی، ایک گونہ پوری بھی ہوگئی ہے۔

بمبئی۔ ایک جزیرہ کی صورت پر بحرعرب کے کنارہ ہندوستان کے مغرب طرف واقع ہے۔ یہ جزیرہ پہلے شاہ پرتگال کے قبضہ میں تھا (۲۸) اگست ۱۶۶۱ء میں جب شاہ چارلس ثانی بادشاہ انگلستان کی شادی، انفنٹا کیتھارینا شاہزادی پرتگال سے ہوئی تو والی پرتگال نے جزیرہ بمبئی کو بیٹی کے جہیز میں دیدیا اور ۱۶۶۲ء سے اسپر انگریز قابض ہوگئے اسوقت سے اس شہر کو روز افزوں ترقی ہونے لگی یہاں تک کہ اب ہندوستان کا سب سے عظیم الشان

ع؎ انسائکلو پیڈیا برٹانیکا۔۱۲۔

اور دولتمند شہر وہی ہے اس شہر میں سب سے عجیب کام یہ ہوا کہ سرکار کی طرف سے قریب ڈیڑھ دو میل کے سمندر کو بالکل پاٹ کر شہر و آبادی میں ملا دیا گیا سمندر کے پاٹے جانیکی غالباً دنیا میں یہ پہلی مثال ہے۔

پیشنگوئی

(۱۵۹)

ایک جانور بات کرنیوالا پیدا ہوگا یعنی

دابّۃ الارض

جیساکہ سورۃ النمل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ

اور جب (خدا کا) وعدہ (قیامت) ان لوگوں پر پورا (ہونے کو) ہوگا تو ہم زمین سے ان کیلئے ایک جانور نکال کھڑا کریں گے کہ وہ ان سے بول دیگا کہ فلاں فلاں آدمی ہماری باتوں کا یقین نہیں رکھتے تھے۔

؎ گلمس آف اولڈ بمبئی مصنفہ ڈاکٹر جیمس ڈانگلاس جے۔ پی۔

ف

قیامت کے آثار میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ مکہ کے صفا پہاڑ سے ایک جانور نکلیگا۔ سلیمان ع کی مہر موسیٰ کا عصا اس کے پاس ہوگا اور وہ ایک نشان خاص سے مسلمانوں اور کافروں کو جدا کردے گا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ الگ پہچان پڑیں گے۔ یہ ایک ایسی پیشگوئی ہے کہ اس کی تصدیق اس کے وقوع ہی سے ہوسکتی ہے دابۃ الارض کے خروج کے بارہ میں بہت سی صحیح حدیثیں بھی وارد ہیں چنانچہ۔

مسلم عن حذیفۃ ابن اسید الغفاری قال اطلع النبی صلی اللہ علیہ وسلم علینا ونحن نتذاکر فقال ما تذاکرون قالوا نذکر الساعۃ قال انھا لن تقوم حتی ترو قبلھا عشر ایات فذکر الدخان والدجال والدابۃ وطلوع الشمس من مغربھا ونزول عیسیٰ بن مریم ویاجوج وماجوج

امام مسلم نے حذیفہ بن اسید غفاری سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ آپس میں کچھ ذکر کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ نے پوچھا تم لوگ کیا ذکر کر رہے ہو، لوگوں نے عرض کیا، ہم قیامت کے متعلق باتیں کرتے ہیں اپ نے فرمایا۔ قیامت برپا نہ ہوگی جب تک اس سے پہلے دس نشانیاں ظاہر نہ ہولیں پھر ذکر کیا آپ نے دھوئیں کا اور دجال کا اور دابۃ الارض کا اور آفتاب کے مغرب سے نکلنے کا اور عیسیٰ بن مریم کے نزول کرنے کا۔ اور یاجوج ماجوج کا اور۔

سنن ابن ماجہ و ابن کثیر ۱۲۔

وثلاثة خسوف خسف بالمشرق وخسف بالمغرب وخسف بجزيرة العرب وآخر ذالك نار تخرج من اليمن تطرد الناس الى محشرهم۔	تین جگہ زمین کے دھنس جانیکا (جن میں) ایک خسف مشرق میں ہوگا۔ دوسرا خسف مغرب میں ہوگا۔ تیسرا خسف جزیرۂ عرب میں ہوگا اور سب سے آخر نشانی ایک آگ ہوگی جو یمن سے نکلکر لوگوں کو مقام حشر تک ہانک لیجائیگی۔



حدیث شریف میں قیامت کی دس علامتیں بتائی گئیں جن میں سے اس مقام پر صرف آٹھ ہی نشانیوں کو فرمایا۔

اول:۔ دھواں۔ اس کی حقیقت تو اللہ ہی کو معلوم ہے مگر دوسری حدیثوں اور آثار صحابہ اور اقوال مفسرین سے جو کچھ پتہ چلتا ہے وہ اسقدر ہے کہ یہ دھواں ایک مصیبت خیز دھواں ہوگا جو تمام عالم پہ چھا جائے گا۔

دوسری نشانی:۔ دجال کا خروج ہے اور اس کا ذکر اس کتاب کے دوسرے حصہ میں بالتفصیل آئے گا۔

تیسری نشانی:۔ آفتاب کا مغرب سے نکلنا ہے اور یہ ممکن الوقوع ہے۔

اولاً:۔ اسوجہ سے کہ اللہ جلشانہٗ صانع مختار ہے اور وہ اپنے مصنوع پر ہر طرح قادر ہے۔

ثانیاً:۔ اسوجہ سے کہ فلسفۂ قدیم و جدید دونوں رو سے اس کا امتناع عقلی ثابت نہیں ہے۔

فلسفۂ قدیم میں آفتاب فلک کے اندر ہے اور فلک کی حرکت مشرق سے مغرب کی طرف ارادی ہے، جب قیامت آنیوالی ہوگی اور موجودہ نظام کی برہمی کا وقت آجائیگا تو بقدرت الٰہی، حرکت فلک مغرب سے مشرق کی طرف ہوجائیگی، اور اسطرح طلوع آفتاب مغرب سے ہوگا۔

ثالثاً:۔ اسوجہ سے کہ فلسفہ قدیم میں ثابت و مسلّم ہوچکا ہے کہ آسمان میں نفوس ہیں اور اس کی حرکت ارادی ہے اور جب وہ اپنے ارادہ سے حرکت کرتا ہے تو ممکن ہے کہ ہزاروں لاکھوں برس کے بعد اپنی اس ارادی حرکت کو بدلدے اور دوسری حرکت اختیار کرکے بجائے مشرق سے مغرب کو جانیکے مغرب سے مشرق کی طرف جائے:

اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آسمان میں نفوس ہیں۔ حرکت افلاک ارادی ہے۔ نفوس بسیط ہیں۔ آفتاب اور ستارے آسمان کے اندر جڑے ہوئے ہیں تو باوجود بساطت تبدیل ارادہ کی وجہ کیا ؟ اور کیا اس سے تمام نظام برہم نہ ہوجائے گا۔

جواب

تبدیل ارادہ کی وجہ کا بتانا ہمارا کام نہیں ہے وجہ تو جب بتائی جاسکتی ہے کہ ان تمام کرون اور عوالم کی سچی کیفیات و ماہیات یقینی طور پر معلوم ہوجائیں۔ ایسا تو نہیں ہے علم ظنی ہے اور ظنی باتوں کے لئے اتنا ہی جواب کافی ہے۔ جب تم اس بات کو تسلیم کرتے ہو کہ آسمان یا آفتاب کی بروج

اور اس کی حرکت ارادی ہو تو یہ صاحب اختیار کی شان ہے کہ وہ اپنی ارادی حرکت کو بدل دے اور تبدیل ارادہ کی کوئی وجہ ہوگی جو اہل عالم کو نہیں معلوم رہی یہ بات کہ تبدیل ارادہ سے نظام برہم ہو جائے گا یہ سچ ہے اور اسی برہمی نظام کا نام قیامت ہے۔

رابعاً:۔ اس وجہ سے کہ فلسفہ جدیدہ میں زمین اپنی محور پر حرکت کرتی ہوئی آفتاب کے گرد گھومتی ہے حرکت مغرب سے مشرق کی طرف ہے پس جب برہمی عالم کا وقت آجائے گا اور جذب انجذاب کی قوتیں کمزور ہو جائیں گی یا مختل ہو جائینگی تو زمین اپنے محور پر مشرق سے مغرب کو حرکت کرنے لگے گی۔

ان اختلاف حرکات سے برہمی عالم لازم آتی ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ قیامت یعنی برہمی عالم کے وقت ایسا ہوگا۔

چوتھی نشانی:۔ حضرت عیسیٰ بن مریم کا اسمان سے نزول فرمانا مسلمانوں کے ایک گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیح علیہ السلام زمین سے آسمان پر زندہ اٹھا لئے گئے وہ آسمان پر اسی دنیاوی جسد کے ساتھ زندہ ہیں قیامت کے قریب جب مسلمانوں پر دنیا تنگ ہو جائیگی تو زمین پر اتریں گے اور امام مہدی کیساتھ ملکر شیوع اسلام میں کوشش کریں گے اور ایک زمانہ کے بعد پھر انکا باضابطہ انتقال ہوگا۔

اگرچہ آسمانوں پر دنیاوی جسد کے ساتھ جانا اور زمانہ دراز تک زندہ رہکر پھر نزول کرنا عقلاً ممتنع نہیں ہے۔

پانچویں نشانی:۔ یاجوج ماجوج کا نکلنا۔ اور اس کی بحث گذر چکی ہے۔

چھٹویں نشانی:۔ تین جگہ زمین کا دھس جانا۔ ایک مشرق میں دوسرے مغرب میں تیسرے جزیرۂ عرب میں۔

ساتویں نشانی :۔ یمن سے آگ کا ظاہر ہونا جس سے ڈر ڈر کر لوگ ایک طرف کو جمع ہو جائیں گے۔

آٹھویں نشانی :۔ دَابَّۃُ الْاَرْضِ ہے۔

قرآن مجید کی مذکورہ عنوان آیت میں تو ان امور کی صراحت نہیں ہے کہ دابۃ الارض، جانور کیسا ہوگا؟ کیونکر نکلیگا؟ کس شان سے ظہور کرے گا؟ موسیٰ کا عصا، سلیمان کی مہر کس لئے اور کس طرح ساتھ رکھے گا، کافروں اور مسلمانوں کو کیونکر اور کس شان سے جدا کرے گا، اور کیونکر بولیگا، البتہ حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے کہ دَابَّۃُ الْاَرْضِ ساٹھ گز لنبا ہوگا۔ اس کا سر بیل کا سا ہوگا۔ آنکھیں سوّر کی سی ہوں گی۔ کان ہاتھی کے سے۔ سینگھیں جنگلی بکروں کی سی۔ سینہ شیر کا سا۔ کوکھ بلی کی سی۔ دم بھیڑی کی سی۔ رنگ چیتے کا سا اور ہاتھ پاؤں اونٹ کے سے ہوں گے۔

اس دَابَّۃُ الارض کے ساتھ حضرت موسیٰ کا عصا اور حضرت سلیمان کی انگوٹھی ہوگی وہ سونگھ کر مسلمانوں کو کافروں سے پہچان لے گا۔ انسان کیطرح کلام اور اسلام کی حقانیت کی تصدیق کرے گا۔

یہ چند سطور جو دابۃ الارض کی تولیف میں لکھے گئے ہیں غالباً اس سے وہ لوگ انکار کریں گے جو قانون فطرت کے دلدادہ ہیں پس اگرچہ یہ مقام ایسے مباحث کے لئے نہیں ہے تاہم بَصَائِرَ لِلنَّاس ہم یہاں کچھ حوالۂ قلم کرتے ہیں۔

اول :۔ دابۃ الارض کا پیدا ہونا مستبعد نہیں ہے۔

اولاً ۔ اسوجہ سے کہ ایسے جانور کے پیدا ہونے کے امتناع پر کوئی دلیل عقلی قائم نہیں ہے اور جب امتناع پر کوئی عقلی دلیل نہیں تو پیدا ہونا باوجود

میں آنا ممکن ہوا۔

دوسرے:۔ اسوجہ سے کہ علامہ ڈارون نے (جس کی تھیوری کو یورپ نے تسلیم کرلیا ہے) یہ بیان کیا ہے کہ انسان ایک کیڑا تھا جو ترقی کرتے کرتے بندر ہوا پھر بندر سے انسان ہوگیا۔ اور یہی حال دوسرے جانوروں کا ہے تو اس تھیوری پر کیوں یہ ممکن نہ ہو کہ کوئی جاندار پیکر بدلتے بدلتے اور ترقی کرتے کرتے دابتہ الارض کی شکل میں نمودار ہو۔

تیسرے:۔ اسوجہ سے کہ علم حیوانات میں محققین نے یہ ثابت کیا ہے کہ بہت سے جانور پہلے تھے اب نہیں ہیں اور بہت ایسے جانور موجود ہیں جو پہلے نہیں تھے اس قیاس پر ممکن ہے کہ آئندہ دابتہ الارض پیدا ہو۔

چوتھے:۔ اسوجہ سے کہ شرعی امور جہانتک تعلیم سے متعلق ہیں، وہ تو عقل کے تابع ہیں اور واقعات و اخبار کو پابند عقل ہونا ضرور نہیں ہے اس لئے کہ عقل، آئندہ امور پر حاکم نہیں ہے تو شارع صادق جب آئندہ امور کی خبر دے گو وہ عقل کے خلاف ہوں مگر ممتنع عقلی نہ ہوں تو اس کو تسلیم کر لینا واجب ہے۔

امر ثانی:۔ دابتہ الارض کا بولنا بھی مستبعد نہیں ہے۔

اولاً:۔ اس وجہ سے کہ محال عقلی ہونے پر کوئی قطعی دلیل قائم نہیں ہے ایسا نہ سننا اور نہ دیکھا جانا وجود آئندہ کے امتناع کی دلیل نہیں ہوسکتی۔

دوسرے:۔ اس وجہ سے کہ حیوانات جن اصوات و اشارات میں اپنے مطالب کا اظہار کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ آئندہ اس کے لئے ایسے قواعد مدوّن ہوں جو اُن کے مطالب کے سمجھنے کے لئے ایسے ہی مفید ہوں جس طرح نطق انسانی مفید ہے چنانچہ چیونٹی کے متعلق ایک یوروپین محقق نے ایک رسالہ لکھا ہے۔

امر ثالث:۔ پھر سونگھ کر مسلمانوں کو کافروں سے پہچان لینا بھی مستبعد نہیں ہے۔

اولاً :- اسوجہ سے کہ اس کے استحالہ عقلی پر کوئی برہان عقلی قایم نہیں ہے۔
دوسرے :- اسوجہ سے کہ ممکن ہے کہ دابۃ الارض کواس قسم کا ادراک دیا گیا ہو اکثر حیوانات کو ایسے ادراکات متنوعہ دیئے گئے ہیں جن کا مدار قوت شامہ ہی پر ہے۔

الحاصل اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ دابۃ الارض میں نطق انسانی نہ ہوگا تو یہ ممکن ہے کہ انہیں ایسا احساس ہو کہ مسلمان کو کافر سے تمیز کرلے۔ اور مسلمانوں کو تمیز کرلینا گویا یہی حقانیتِ اسلام کی شہادت ہے پھر ممکن ہے کہ مخصوص باتیں خاص اشارات میں اس طرح کرے کہ وہ سمجھ میں آجائیں۔

ان دلائل کے علاوہ ہم کہتے ہیں کہ پیشینگوئی کرنیوالے نے پیشینگوئی کے ظہور کا جو وقت بتلایا ہے اس کا انتظار کرو۔ جو اس وقت موجود رہے گا سب کچھ آنکھوں دیکھ لیگا۔ وقت سے پہلے سوالات کرنے اور استبعاد کی دلیلیں قائم کرنی بے وقت ہے۔

پیشینگوئی

(١٦٠)

یہود مسلمانوں کے مارشل لا سے نہ بچ سکینگے

جیساکہ سورۃ البقر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا | (یہی یہود لوگ) ہیں جنہوں نے آخرت (کی زندگی) کے

بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۔	بدلہ میں دنیا کی زندگی مول لی سو نہ تو ان سے عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا اور نہ (کہیں سے) اُن کو مدد ہی پہونچیگی ۔



یہود بنی نضیر جنگ احد میں خلاف وعدہ کفار مکہ کے شریک و مددگار ہوئے اُن کو پیغمبر خدا صلعم نے یک لخت مدینہ سے نکال باہر کردیا[ع۱] - یہود بنی قریظہ نے جنگ احزاب میں ابوسفیان اور سرداران مکہ کو مدد پہنچائی جاسوسی ومکاری کرتے رہے اور اسلام کے مٹانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا آخر یہ قبیلہ کا قبیلہ مارشل لا کے تحت میں آکر قتل ہوا[ع۲] ۔ نہ سرداران مکہ ان کو آکر بچا سکے نہ عبداللہ بن ابی[ع۳] منافق ہی کچھ بنا سکا جس نے اسلام کے مقابلہ کے لئے ان دشمنوں کو بلایا تھا ۔

پیشینگوئی

(۱۶۱)

یہودیوں میں بادشاہت نہ رہیگی

جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے جہاں اللہ تعالی فرماتا ہے ۔

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ	کیا ان یہودیوں کے نصیب میں کچھ بادشاہت ہے

ع۱ لائف آف محمدؐ مصنف سر ولیم میور - ع۲ لائف آف محمدؐ - ع۳ تاریخ ابن ہشام ۱۲

اور اس وجہ سے وہ لوگوں کو تل برابر بھی (اس میں سے) دنیا نہیں چاہتے یا خدا نے جو اپنے فضل سے لوگوں کو نعمت (قرآن) عطا فرمائی ہے اس پر جلے مرتے ہیں۔	فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

ف

اس پیشگوئی کی تصدیق پر کسی برہان و دلیل کے پیش کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے اس وقت تک یہود کو بادشاہت ملی نہ انشاء اللہ آئندہ ملے گی وہ مسلمانوں کو تل برابر جگہ دینا پسند نہیں کرتے تھے سو مسلمانوں کو تو اللہ نے ملک و دولت سے ایسا نوازا کہ باید و شاید اور آج بھی اس کا اثر موجود ہے۔ البتہ یہ بدنصیبی و ذلت خود یہود یوں ہی پر پلٹ پڑی اور وہ ہمیشہ رہے گی۔

پیشگوئی

(۱۶۴)

کفار عرب کا حال فرعونوالوں کا سا ہو گا۔

جیسا کہ سورۃ الانفال میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

کافرو! (تمہاری بھی وہی گت ہو گی) جیسی گت فرعون کی قوم	كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ

مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَكُلٌّ كَانُوا ظَالِمِينَ۔

اور ان لوگوں کی ہوئی جو ان سے پہلے تھے کہ انھوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے بدلے ہلاک کر مارا اور فرعون کے لوگوں کو غرق کر دیا اور یہ سب کے سب سرکش تھے۔

ف

مطلب یہ ہے کہ جس طرح اگلے کفار اور فرعون والوں نے اپنے اپنے نبیوں کو جھٹلایا اور سب کے سب ہلاک اور فرعون والے غرق کر دیئے گئے اسی طرح کفار عرب بھی تباہ ہوں گے پر ہوں گے اور ان کا نشان تک باقی نہ رہے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جو کفار اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے اور اسلام کی مخالفت میں کمربستہ رہے آخر وہ سب ہلاک و برباد ہو گئے اور اسلام روز افزوں ترقی کرتا رہا۔

پیشنگوئی

(۱۶۳)

کفار باوجود اپنی کثرت کے جنگ احزاب میں شکست کھائیں گے

جیسا کہ سورۃ الانفال میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ

(اے اہل مکہ) تم جو فتح مانگتے تھے (کہ جو برسر حق ہو اسکی فتح ہو) تو (لو) فتح تمہارے سامنے آموجود ہوئی (کہ مسلمان غالب ہو گئے) اور اگر (آئندہ شرارت سے) باز رہو گے تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا اور اگر تم پھر (شرارت) کرو گے تو ہم بھی پھر تم پر پلٹ پڑیں گے اور تمہارا جتھا کتنا ہی بہت ہو کچھ تمہارے کام نہ آئے گا۔ اور یہ (جانے رہو) کہ اللہ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

ف

جنگ بدر میں ابو جہل وغیرہ سرداران قریش نے علی الاعلان فتح کی دعا مانگی تھی کہ خداوندا! ہم دو فریق میں سے جو حق پر ہو اس کی فتح ہو لڑائی میں مسلمان فتحیاب ہوئے اور اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئیعہ جس میں انہیں کفار کو مخاطب کیا گیا کہ فتح پر حق وناحق کا مدار تھا تو مسلمانوں کی فتح ہونے کے بعد اب اطاعت میں کیا عذر ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو پیشگوئی فرمائی۔

عہ۔ لباب النقول فی اسباب النزول للسیوطی ۱۲۔

پہلی پیشگوئی

یہ کہ کفار مکہ اگرچہ بدر میں اپنے کئے کی سزا پاگئے مگر وہ پھر شرارت کریں گے (جیساکہ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ سے ظاہر ہے) اور ویسا ہی واقع ہوا یہود بنی نضیر کی شرارتوں سے تنگ آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ سے جلاوطن کر دیا تھا اور وہ حجاز عرب سے نکل کر مختلف مقامات میں آباد ہوئے جن میں سے حی ابن اخطب وغیرہ خیبر میں جاکر متوطن ہو گئے۔

ہجری میں حی بن اخطب وغیرہ نے مکہ آکر قریش کو پیغمبر اسلام کے ساتھ قتال کرنے پر برانگیختہ کیا اور حتی وعدہ کیا کہ محمدؐ کے استیصال میں دامے درمے قدمے ہر طرح ہم تمہاری مدد کریں گے قریش تو آمادہ بیٹھے تھے، یہود پر ایک قسم کا احسان رکھکر لڑنے پر تیار ہو گئے قریش سے عہد و پیمان کر کے یہود قبیلہ غطفان کے پاس دوڑے آئے اور ان کو ترغیب دلاکر یہ ٹی پڑھائی کہ مقابلہ آسان ہے، اگر تم مسلمانوں سے جنگ کروگے تو فتح کے بعد ہم تمہیں ارض خیبر کا ایک سال کا سارا خرما بطور غنیمت کے دیدیں گے۔

قریش نے ایک لشکر جرار فراہم کیا جس میں تین سو گھوڑے ایک ہزار اونٹ تھے یہ لشکر ابوسفیان بن حرب کی سپہ سالاری میں مکہ سے مدینہ کو روانہ ہوا راہ میں اور بہت سے قبائل عرب اسلم - اشجع - ابومرہ - کنانہ - فزارہ غطفان وغیرہ قریش کے ساتھ ہوئے اور یہ سب ملکر دس ہزار سے زیادہ کی جمعیت[1] ہو گئی۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام۔

دوسری پیشنگوئی

یہ فرمائی کہ اگر کفار مکہ پھر اسلام کی مخالفت میں اٹھینگے تو خواہ ان کی کتنی ہی جمعیت وکثرت کیوں نہ ہو، مسلمانوں سے شکست فاش کھائیں گے چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا۔ باوجود اس کے کہ قریش کے ساتھ دس ہزار کا لشکر تھا اور مسلمان کل تین ہزار تھے جن میں صرف چھتیس گنتی کے گھوڑے تھے، شیران اسلام کے مقابلہ میں یہ کثرت جمعیت کچھ کام نہ آئی ساری قوت وشوکت بالائے طاق رہ گئی اور بہادران اسلام نے وہ روز بد دکھایا کہ سوائے بھاگنے کے کچھ بن نہ پڑا عــہ

کفار کا مشہور پہلوان عبدود اسی جنگ میں شیر خدا علی بن ابی طالب کی تلوار کی نذر ہوا اور آخر قریش کی ساری طاقت تار عنکبوت کی طرح توٹ کر رہ گئی۔

پیشنگوئی

(۱۶۴)

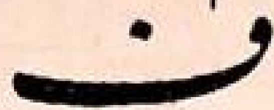
یہودیوں کا کبھی کوئی مددگار نہ ہوگا

جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کے حال پر نظر نہیں کی جن کو کتاب (آسمانی) کا حصہ دیا گیا	اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ

عــہ لائف آف محمد مصنفہ سرولیم میور سے اس جنگ احزاب یا جنگ خندق کی تفصیلی کیفیت ہماری کتاب بارہ امام حصہ اول میں دیکھنی چاہیئے ۱۲

بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا۔	دو سے لگے بتوں کا اور شیطان کا کلمہ بھرنے اور (نیز) مشرکین کی نسبت کہنے لگے مسلمانوں سے تو یہی لوگ زیادہ رو براہ ہیں (اے پیغمبر!) یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے پھٹکار دیا ہے اور جس کو اللہ پھٹکار دے ممکن نہیں کہ تم کبھی کسی کو اس کا مددگار پاؤ۔



جیسا کہ ہم اس سے پہلے کی پیشنگوئی میں تصریح کر چکے ہیں، یہود بنی نضیر میں سے حیّ بن اخطب اور کعب بن اشرف دو یہودی سردار، مدینہ سے مکہ گئے اس غرض سے کہ کفار مکہ کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر آمادہ کریں۔ ابو سفیان وغیرہ مشرکین مکہ نے ان سے پوچھا کہ بھلا حق بجانب کس کے ہے کیا ہم راہ راست پر ہیں یا محمد (صلعم) جنہوں نے سب سے نرالا ایک نیا دین بنا کھڑا کیا ہے۔ یہود کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت تو تھی ہی، مشرکین کی تسکین کو کہدیا کہ مسلمانوں سے تو تم ہی اچھے ہو، حالانکہ توریت وانجیل میں [ع] پیغمبر عرب کی بشارتیں صاف موجود تھیں اور وہ خود بھی

[ع] مولانا حکیم محمد حسن امروہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مقدمہ تفسیر غایۃ البرہان میں تمام صحف انبیاء توریت وانجیل، وید مقدس اور مذاہب بدھ وغیرہ کی کتابوں سے آمد محمد صلعم کی بشارات کو ثابت کر دکھلایا ہے کتاب قابل دید ہے۔

جانتے تھے کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہی رسول برحق ہیں جن کی پیشینگوئیاں کتب قدیمہ میں صراحت کیساتھ کی گئی ہیں اور خاص کر موسی بن عمران اور عیسی بن مریم نے آپکے آنیکی خبریں دی تھیں اور نشانیاں بتلائی تھیں مگر عداوت اور ضد وحسد کا برا ہو کہ وہ حق بات کہنے نہیں دیتی۔

آیت مذکور میں یہود کی اسی بیراہ روی کا بیان کرکے یہ پیشینگوئی فرمائیگئی ہے کہ یہود پر اللہ کی لعنت ہے وہ خدا کی رحمت سے دور ہیں اور اب کبھی کوئی ان کا حامی ومددگار نہ ہوگا۔

یہ صریح پیشینگوئی عہد نبوی سے اسوقت تک پوری ہوتی چلی جارہی ہے پیغمبر عرب نے بنی نضیر کو مدینہ سے نکال باہر کیا کسی نے ان کی حمایت کی جرأت نہ کی حالانکہ کفار مکہ ان کی دوستی ودستگیری کا دم بھرتے تھے یہود بنی قریظہ کی دغابازی سے تنگ آکر آپنے اسی جنگ خندق کے بعد ان کو جا گھیرا، اور سعد کے فیصلہ پر آٹھ سو یہودی قتل کرکے خندق میں پھینکدئے گئے مگر کسی کو ان کی طرفداری میں ایک لفظ منہ سے نکالنے کی توفیق ہوئی نہ جرأت ہوئی حالانکہ انہیں کفار قریش کی ہمخیالی ودوستی میں قریظہ کو یہ برا دن دیکھنا پڑا پھر حضرت فاروق اعظم نے اپنے عہد خلافت میں بچے کھچے یہودیوں کو جزیرہ عرب سے جلاوطن کردیا اور عرب بلکہ تمام دنیا کا کوئی متنفس ان کا مددگار ثابت نہ ہوا۔ اور یہود کی یہی ذلت وکس مپرسی اب تک مشاہدہ ہے دنیا میں جہاں جہاں آباد ہیں ہر جگہ ذلیل ورسوا ہوتے ہیں، مار کھاتے ہیں، نکالے جاتے ہیں مگر نہ تو کوئی ان کی دستگیری پر آمادہ ہوتا نہ کسی طرف سے اُن کی طرفداری وحمایت میں کوئی آواز ہی بلند ہوتی۔

واقعی یہ عجیب وغریب پیشینگوئی ہے۔

پیشگوئی

(۱۶۵)

جنگ میں مسلمان اپنے سے دگنے اور پنج گنے دشمنوں پر غالب ہونگے

جیسا کہ سورۃ الانفال میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَى الْقِتَالِ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًا فَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ

اے پیغمبر! مسلمانوں کو کافروں کیساتھ لڑنے پر برانگیختہ کرو۔ کہ اگر تم (مسلمانوں) میں سے ثابت قدم رہنے والے بیس بھی ہوں گے تو وہ دو سو (کافروں) پر غالب رہیں گے اور اگر تم (مسلمانوں) میں سے (ایسے) سو ہوں گے تو وہ ہزار کافروں پر غالب رہیں گے کیونکہ یہ (کافر) ایسی لوگ ہیں جو (امر عاقبت کو) سمجھتے ہی نہیں (مسلمانو!) اب خدا نے تم پر سے (اپنے حکم کا بوجھ) ہلکا کر دیا اور اس نے دیکھا کہ

يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۔

تم میں (ابھی) کمزوری ہے تو اگر تم میں سو ثابت قدم رہنے والے سو ہونگے تو وہ دو سو (کافروں) پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے (ایسے ایک) ہزار ہونگے تو وہ خدا کے حکم سے دو ہزار (کافروں) پر غالب رہینگے اور اللہ تو صبر کرنیوالوں کا ساتھی ہے

ف

اسلام نے جنگ وقتال میں کبھی سبقت نہیں کی پیغمبر خدا نے کامل دس برس مکہ میں اسلام کی منادی کی اور طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں جو کافروں سے پہونچیں نہایت صبر واستقلال کیساتھ برداشت کرتے رہے یہانتک کہ مشرکین آپ کے مار ڈالنے کے منصوبے کرنے لگے جب یقین ہو گیا کہ یہ سنگدل راہ راست پر نہ آئیں گے اور اب اُن کے ہاتھ سے جان کا بچانا مشکل ہے تو آپ پوشیدہ طور مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے آئے اسپر بھی مکہ والوں کو صبر نہ آیا اور اسلام کی بیخ کنی میں لگے رہے۔ آخر حجت تمام کر کے اعلان جنگ دیدیا گیا۔

آیت میں پہلے تو یہ فرمایا گیا کہ اگر ثابت قدم رہنے والے بیس مسلمان ہونگے تو وہ دو سو کافروں پر غالب ہوں گے اور ایک سو صابر مسلمان ایک ہزار دشمنوں کو بس کریں گے۔

مسلمانوں نے شرطیہ ہدایت کو حکم تصور کر لیا اس لیئے اللہ تعالی نے رفع شک وتصریح سہولت کے لئے بعد والی آیت نازل فرمائی تا شروع کے مسلمان غلطی میں پڑ کر اپنی جانوں پر ظلم نہ کرنے لگیں۔ اور ارشاد فرمایا کہ پہلا حکم شرطیہ ہے۔ اگر ثابت قدمی نبہ سکے لیکن چونکہ اللہ کو معلوم ہے کہ تم شروع کے مسلمانوں

افلاس وفاقہ کشی وغیرہ کیوجہ سے کمزور ہو اور اس صورت میں ایسی ثابت قدمی ہو جو موجب ہلاکت اور وبال جان ہوجائے گی اس لیے موجودہ صورتمیں ایک مسلمان دو دشمن کے لیے بس ہے اور یہ ہدایت موجودہ حالت پر نظر کرتے ہوئے تخفیف رحمت کیلئے ہے ورنہ قوت وشوکت کیوقت تو ایک مسلمان، پانچ بلکہ دس کافروں کو کفایت کریگا

یہ پیشینگوئی دونوں صورت میں پوری ہوگئی۔

ایسا تو سیکڑوں ہزاروں مرتبہ ہوا ہے کہ مسلمان اپنے سے دو گنے تگنے لشکر پر غالب آگئے ہیں خود اسی جنگ احزاب میں تین سو مسلمانوں کا قلیل لشکر دس ہزار کفار پر ایسا غالب آیا کہ ان کو پورب پچھم نظر نہ آتا تھا بس وہی گر تھا کہ ایک مسلمان دس پر، سو، ہزار پر اور تین سو مسلمان دس کفار پر غالب رہے۔

روم۔ مصر۔ شام کی فتوحات میں ایسی بلکہ اس سے بدرجہا زیادہ مثالیں ملتی ہیں۔ جنکو نہ صرف مسلمان مورخین بلکہ یورپ والے بھی حیرت کیساتھ لکھنے پر مجبور ہوتے ہیں یہ کتاب ان واقعات کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ ابن اثیر اور فتوح شام وغیرہ ان واقعات سے پر ہیں۔

مسلمانوں کی اُس تنگی، اُس کمزوری، قلت بضاعت اور اس بیمائیگی کیحالتمیں اس پیشینگوئی کا کرنا کہ ایک کمزور مسلمان دو کافروں پر اور سو کا لشکر دو سو کے لشکر پر پھر ایک قوی ثابت قدم مسلمان پانچ اور دس کافروں پر اور، ایک سو ثابت قدم مسلمان ایک ہزار کافروں پر غالب ہوں گے اور اس پیشینگوئی کا ہُو بہُو پورا اترنا، کیا کم سے کم عجیب وغریب امر نہیں ہے۔

نوٹ۔ اس بیان سے واضح ہوگا کہ مذکورہ دو آیتوں میں سے کوئی آیت منسوخ

ع۔ لائف آف محمد سر ولیم میور ۱۲۔

نہیں ہے جیسا کہ بعض سطحی نظر والوں کا گمان ہے اور اس گمان کو مقصود قرآن سمجھکر آج کل کے متعصب گر بے علم دشمنان اسلام اعتراض کرتے اور قرآن کے منہ آتے ہیں۔

یہ احکام ہر زمانہ کے لئے ہیں کہ جب اپنے میں قوت نہ ہو تو ضرورت سے زیادہ جوانمردی کرکے تھلکہ میں پڑنا نہیں چاہیئے۔ اور بر قوت و شوکت کیوقت زیادہ سے زیادہ ایک مسلمان، دس دشمنوں کا مقابلہ کر سکتا ہے پھر اگر یہ مقابلہ مجبوری درجہ کو کیا گیا ہے اور مذہبی حمایت پر مبنی ہے تو اللہ تعالیٰ نیک نیت اور ثابت قدم مسلمانوں کو مظفر و منصور فرمائے گا اور ضرور فرمائے گا اور اسکی سینکڑوں ہزاروں نظائر سے تاریخی کتابیں لبریز ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک یہ زبردست پیشگوئی اسی طرح پوری ہوتی رہے گی۔

پیشگوئی

(۱۶۶)

جھوٹے مدعیان نبوت کا خروج

جیسا کہ سورہ انعام میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ	اور اس سے بڑھکر ظالم کون ہوگا جو اللہ پہ جھوٹ بہتان باندھے یا دعوی کرے کہ میری طرف

أُوْحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَوْ تَرَى إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ

وحی آئی ہے حالانکہ اس کی طرف کچھ بھی وحی نہ آئی ہو اور (نیز اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا) جو دعوی کرے کہ (قرآن) جس کو (تمہاری پندار میں) اللہ نے اتارا ہے (کہو تو) الیسا ہی میں بھی اُتار دوں اور (اے پیغمبر) کاش تم (ان) ظالموں کو اسوقت دیکھو کہ موت کی بیہوشیوں میں (پڑے) ہیں اور فرشتے (جان نکالنے کیلئے) دست درازیاں کر رہے ہیں (اور کہتے جاتے ہیں) کہ اپنی جانیں نکالو اب تم کو ذلت عذاب کی سزا دیجائیگی اس لئے کہ تم خدا پر ناحق جھوٹ بولتے تھے۔

ف

یہ آیت مکی ہے جو ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اور جھوٹے نبیوں کے خروج کی پیشنگوئی رسول اللہ صلعم کی وفات سے کچھ پہلے سلہ ہ میں واقع ہوئی۔

سلہ ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو مسیلمہ کذاب اسود عنسی عیس بن طرج سجاح بنت حارث طلیحہ بن خویلد چار مفسدوں نے نبوت کا دعوی کر کے

علم بغاوت بلند کیا۔

ان میں سے مسیلمہ بن ثمامہ نے جو کذاب کے موزوں لقب سے مشہور ہوا، نبوت کا دعوی کر کے اپنے کو رحمان الیمامہ کے خطاب سے مشہور کرنا چاہا۔ اور مسلمانوں کے ڈر سے بھاگ کر یمامہ جا رہا جو اس کا مولد و منشا تھا۔ جاہل اور ناسمجھ اعراب کی ایک معتد جماعت مرتد ہو کر مسیلمہ کی ہمنوا ہو گئی مسیلمہ نے اپنی امت پر شراب و زنا کو حلال قرار دیا۔ نماز فجر کو ساقط کر دیا اور قرآن مجید کے جواب میں چند واہی تباہی نامربوط سورتیں بھی بنائیں جن کو اہل علم نے ردی سمجھ کر قابل التفات بھی نہ سمجھا البتہ و لگی بے طور پر لطف اٹھانے کے لئے ان کو کتابوں میں لکھ دیا ہے رسول اللہ صلعم کے انتقال بعد، ایک لاکھ سے زیادہ آدمی اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے آخر ابوبکر صدیق رضؓ نے اپنے عہد خلافت میں خالد بن ولید سیف اللہؓ کو ساٹھ ہزار مردان اسلام کے ساتھ اسکی سرکوبی کیلئے روانہ کیا مسیلمہ نے چالیس ہزار کے لشکر سے اسلام کا مقابلہ کیا اور جنگ عظیم کے بعد اس کو شکست فاش ملی۔ یہ عجیب بات ہے کہ وحشی قاتل حمزہ رضؓ نے جس حربہ سے ایام جاہلیت میں سید الشہدا رحمزہ کو قتل کیا تھا اسی حربہ سے اس نے مسیلمہ کو جہنم واصل کیا۔ مسیلمہ کے قتل ہو جانے کے بعد اس کی امت نے ارتداد سے توبہ کیا اور یہیں یہ مذہب باطل بیخ و بنیاد سے اکھیڑ کر نیست و نابود ہو گیا۔

اسود عنسی کا نام عیس بن مذحج اور لقب ذی الخمار تھا فن کہانت میں استاد تھا میٹھی میٹھی باتوں میں عوام کو پھانس کر دام ضلالت پھیلایا اور آخر نبوت کا دعوی کر بیٹھا صنعاء کے عام لوگ اسود کی نبوت کے قائل ہو کر مرتد ہو گئے۔

عہ تاریخ کامل۔

شہر بن باذان ۔ کو رسول اللہ صلعم نے صنعار کا حاکم کیا تھا ۔ اسود عنسی نے جنگ کر کے صنعار پر قبضہ کر لیا اور ہر طرف ارتداد و فساد کی آگ مشتعل کر دی آخر رسول اللہ صلعم کی وفات سے ایک یا دو یا تین دن پہلے فیروز نے اسود عنسی کو حکمت عملی سے قتل کر دیا اور رسول خدا کی وفات کے بعد یہ خوشخبری مدینہ منورہ میں پہنچی امتیان اسود عنسی بہت تو مارے گئے اور جو باقی بچے تائب ہو کر مسلمان ہو گئے اور اس جھوٹے نبی کے مذہب کا نشان تک باقی نہ رہا ۔ ؎

سجاح بنت حارث قبیلہ بنو ربیع کی ایک تمیمیہ عورت تھی اس نے بنی تغلب میں دعوائے نبوت کیا جاہلوں کی ایک جماعت اس کے گرد ہو گئی یہ مسیلمہ کی ہم عصر تھی اور جہاں اس نے أَنَا النَّبِيَّةُ کی ہانک لگائی تھی اسی نواح میں مسیلمہ نے أَنَا النَّبِيُّ کی صدا بلند کی تھی مسیلمہ کو خوف پیدا ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یمامہ کے لوگ بھی سجاح کی طرف جھک پڑیں اور میری نبوت و حکومت سب معرض خطر میں پڑ جائے یہ سب سوچ سمجھ کر اس نے تحفہ و ہدایا کیساتھ سجاح کے پاس سفارت بھیجی مراسلتوں کے بعد ملاقات کی ٹھیری سجاح نے مسیلمہ کو دعوت دیکر بلایا اور ایک خیمہ میں جس کو اسی غرض کے لئے تکلف فرش و فروش اور انواع عطریات سے اراستہ و پیراستہ کر رکھا تھا مسیلمہ کو مہمان رکھا تین دن تین رات یہ دونوں جھوٹے نبی و نبیہ اس خیمہ میں گرم صحبت رہے آخر سجاح نے مسیلمہ کے دعوائے نبوت کو تسلیم کیا اور اس کے نکاح میں آ گئی مسیلمہ نے مہر نکاح میں اپنی بیوی کی امت پر سے نماز فجر کو ساقط کر دیا ۔ ؎

یہی راز و نیاز کے معاملے چل رہے تھے کہ ناگاہ سیف اللہ خالد بن ولید رض

؎ تاریخ کامل ۔ ؎ تاریخ کامل ۔

بہادر مجاہدین اسلام کا جرار لشکر لئے ہوئے سر پر پہنچ گئے مسیلمہ قتل ہو گیا اور سجاح جو اسوقت بھاگ گئی تھی آخر امیر معاویہ کے عہد خلافت میں توبہ کر کے اپنی امت سمیت مسلمان ہو گئی اور ایک صحابی کی بیوی بنی۔ ؎

طلیحہ بن خویلد قبیلہ بنی اسود کا ایک چالاک شخص تھا۔ رسول خدا کی وفات کے بعد اس نے دعوئے نبوت کے ساتھ خروج کیا چند قبائل اس کی رفاقت میں مرتد ہو گئے حضرت صدیق اکبرؓ کے حکم سے خالد بن ولیدؓ نے اسپر لشکر کشی کی۔ طلیحہ اور اس کے حمایتوں کو شکست فاش ہوئی۔ طلیحہ اسوقت تو شکست کھا کر فرار ہو گیا مگر بعد میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا۔ اور جنگ نہاوند میں جام شہادت پی کر دنیا سے چل بسا رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ۔ ؎

پیشنگوئی

(۱۶۷)

صحابہ کے مابین رنجش کا پیدا اور پھر اس کا صاف ہونا

جیسا کہ سورۃ الاعراف میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ

اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے (اپنے مقدور بھر) نیک عمل کئے (اور ہم تو

؎ مدارج النبوۃ۔ ؎ مدارج النبوۃ۔

نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اُولٰئِكَ
اَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا
خَالِدُوْنَ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ
صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ

کسی شخص پر اس کی سمائی سے بڑھ کر بوجھ ڈالا ہی نہیں کرتے یہی لوگ جنتی ہوں گے کہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جو کچھ انکے دلوں میں (ایک دوسرے کیطرف سے دنیاوی) رنجش ہوگی (اس کو) ہم نکال دیں گے۔



سورۃ الاعراف پانچ یا چھ آیتوں کے سوا جن میں آیت مذکورہ بالا شامل نہیں ہے کل سورہ مکی ہے جو ہجرت رسول سے پہلے نازل ہوئی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نیک عمل والے سچے مسلمانوں میں جو ایک کو دوسرے سے رنجش ہوگی ہم اس کو دور کردیں گے۔ پس اسمیں دو پیشنگوئیاں ہوئیں ایک آپس میں نزاع اور رنجش کا پیدا ہونا دوسرے صلح کا ہو جانا چنانچہ یہ دونوں باتیں واقع ہوگئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کوئی ایسی رنجش یا نزاع صحابہ کرام کے مابین واقع نہیں ہوئی جو قابل ذکر ہو۔ امیر المومنین کا قلیل زمانہ خلافت امن وامان میں ختم ہوگیا امیر المومنین فاروق اعظم کا عہد امامت عرصہ تک رہا مگر آپ کی تدبیر وحسن انتظام نے کسی بدامنی کے ہونے کا موقع ہی نہ دیا۔ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان ذی النورین کا اوائل زمانہ خلافت خوشی ومسرت کا زمانہ تھا لیکن آپ کی حد اعتدال سے گذری ہوئی نیکی ورحم دلی نے مفسدوں کو فساد کا موقع دیا جس کا انجام آپ کی شہادت پر بھی ختم نہ ہوا۔

خلیفہ رابع حضرت علی مرتضیٰ کا زمانہ خلافت فتنہ وفساد کا زمانہ تھا۔

اور اسی عہد میں صحابہ کے مابین نزاع و رنجش کا وقوع ہوا۔
حضرت طلحہ و زبیر نے پہلے حضرت علی سے بیعت کی پھر آخر ناراض ہو کر بیعت کو توڑ دیا جب حضرت علی اور حضرت عائشہ کے درمیان میں میدان کارزار گرم ہوا تو طلحہ و زبیر ام المومنین عائشہ کے طرفداروں میں تھے لیکن آخر اسی جنگ میں اختتام جنگ سے پہلے حضرت علی نے طلحہ و زبیر دونوں کو سمجھایا۔ دونوں حضرات آپ کی تقریر سے متاثر ہوئے گذشتہ باتوں پر نادم و پشیمان ہوئے اور حضرت علی سے عذرخواہ ہوکر میدان جنگ سے نکل گئے ان شاہبازان شہادت کو جنگ سے کنارہ کش پاکر بعض مفسدوں نے تیر مار کر دونوں کو جام شہادت پلا دیا[عـ]
غرض طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما تو خود پشیمان ہوکر صاف ہو گئے اور حضرت عائشہ رض سے بعد جنگ صلح ہوئی حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان دنوں تک آتش جدال و قتال گرم رہی اور اگرچہ یہ لڑائی کسی دلی بغض و کینہ پر مبنی نہیں تھی، صرف رائے کی غلطی جنگ کا سبب تھی تاہم یہ ظاہری جنگ بھی تھوڑے دنوں تک رہ کر مصالحت سے بدل گئی اور دونوں فریق اپنی اپنی جگہ پر آرام سے ساکن رہ گئے حضرت علی کی شہادت کے بعد جناب امام حسن ع کو داعیہ خلافت پیدا ہوا لوگوں کے بھڑکانے سے پھر قریب تھا کہ امام حسن اور امیر معاویہ میں جنگ چھڑ جائے مگر خود امام حسن ع کی صلح پسند طبیعت نے بیجا خونریزی کو پسند نہ کیا اور عین انصاف پسندی سے کام لیکر امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی امر خلافت امیر معاویہ پر مستقل ہو گیا اور اہل ملک

عـ روضۃ الشہدا عـ روضۃ الاحباب۔

ہر طرف امن و امان کی زندگی بسر کرنے لگے ع

یہ تھی قرآن کی پیشنگوئی کہ صحابہ رسول کے درمیان میں رنجش ہوگی اور ہم اس رنجش کو دور کر دیں گے یعنی جنگ کے بعد صلح ہو جائے گی چنانچہ ویسا ہی واقع ہو کر رہا۔

پیشنگوئی

(۱۶۸)

یہود اور نصاریٰ قتل ہونگے

جیسا کہ سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ مِن قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ۔

یہود کہتے ہیں کہ عزیز اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں یہ سب ان کے منہ کی کہن ہے لگے ان ہی کافروں کی سی باتیں بنانے جو ان سے پہلے (ہو گذری) ہیں خدا ان کو قتل (و غارت) کریگا (دیکھو تو) کدھر کو (شیطان کے بھٹکائے ہوئے بھٹکے چلے) جا رہے ہیں

ع ان واقعات کو بارہ امام حصہ اول میں ہم نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔

ف

یہود تو خود رسول خدا ہی کے زمانہ میں اپنی شرارتوں کی سزا پا گئے جسکی تفصیل اس کتاب کے گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے۔ رہے نصاریٰ ان کا قلع قمع حضرت فاروق اعظم کے عہد خلافت میں خوب ہوا۔ نصاریٰ روم و شام کو بہادران اسلام نے جس جس طرح عاجز و مغلوب کیا اور جیسا روز بد ان کو دکھایا اس سے تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں عہ۔ اگرچہ اس بارہ میں عہد بنو امیہ اور عہد عباسیہ بھی کچھ کم ممتاز نہیں رہا مگر سلطان صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کو نصاریٰ کے مقاتلہ اور ان کے سقہور کرنے میں جو خاص شہرت حاصل ہوئی اس کو زمانہ کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ عہ

پیشگوئی

(۱۶۹)

سرداران مکہ عذاب سے چھٹ نہ سکیں گے

یہ پیشگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۂ مریم میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

عہ دیکھو فتوح الشام واقدی، الفاروق اُردو۔ عہ دیکھو حیات صلاح الدین اردو ۱۲۔

قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا اَيُّ
الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ
مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا
وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ
مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ
اَثَاثًا وَّرِئْيًا قُلْ مَنْ
كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ
فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ
مَدًّا حَتّٰى اِذَا رَاَوْا
مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ
وَاِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُوْنَ
مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ
اَضْعَفُ جُنْدًا

(جب ہمارے کھلے احکام لوگوں کو پڑھ کر
سنائے جاتے ہیں تو) کافر (چھیڑ کے
طور پر) مسلمانوں سے پوچھنے لگتے ہیں
کہ (بھلا بتاؤ تو ہم تم) دونوں فریق میں سے
مکانات کس کے اچھے اور مجلسیں کسکی
زیادہ شاندار ہیں حالانکہ ہم ان سے پہلے بہت سی
جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کے ساز و
سامان اور رونمود (ان) سے کہیں عمدہ تھی۔
(تو اے پیغمبر! ان پوچھنے والوں کو) جواب دو کہ
جو شخص گمراہی میں پڑا ہے خدا اسکو ڈھیل ہی
دیتا چلا جاتا ہے یہانتک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے
جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی عذاب
یا قیامت تو اسوقت انکو معلوم ہو جائیگا کہ آج
کسکا مکان برا اور (کس کا) جتھا کمزور ہے

ف

اب اس کی تصریح کی ضرورت نہیں رہی کہ یہ پیشینگوئی کسطرح پوری
ہوگئی، بلاشبہ شروع زمانہ شیوع اسلام میں کفار بہت مالدار اور زبردست تھے
درحالیکہ مسلمان مفلس و نادار اور کمزور تھے لیکن یہ صورت بہت جلد بگڑ گئی اور
معاملہ بالکل برعکس ہو گیا کہ سرداران کفار مسلمانوں کے منہ آکر منہ کی کھا گئے
سب کا قلع قمع ہو گیا جو باقی رہے اور مسلمان نہیں ہوئے وہ ذلیل و خوار

ہو گئے ان کا جتھا نیست و نابود ہو گیا اور مسلمان مالدار اور ان کا جتھا زبردست ہو گیا۔

دوسری آیت سورۃ المومنون میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْئَرُوْنَ۔

لیکن ان لوگوں کے دل ان باتوں کیطرف سے غفلت میں ہیں اور غفلت کے علاوہ ان کے (اور بہت) اعمال ہیں جن کو یہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ہم ان میں سے خوشحال لوگوں کو دھر پکڑیں گے تو یہ فوراً بلبلا اٹھینگے۔

ف

آخر ایسا ہی ہوا کہ جن رؤسائے قریش اور سرداران مکہ نے اسلام کو قبول نہیں کیا اُن کو خدا نے مسلمانوں کے ہاتھ سے دھر پکڑا اور چُن چُن کر سب کا صفایا کر دیا۔ جیسا اُنھوں نے کمزور مسلمانوں کو ستایا تھا ویسا ہی انکی آگے آیا؎ گندم از گندم بروید جو ز جو۔

؎ لائف آف محمدؐ مصنفہ سر ولیم میور۔ ۱۲

پیشنگوئی

(۱۷۰)

ابو نعیم بن عوف بن مالک اشجعی قید سے رہا ہوگا

جیسا کہ سورۃ الطلاق میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَمَنْ یَتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ وَمَنْ یَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ ـ

اور جو شخص اللہ سے ڈرتا رہیگا اس کے لئے اللہ نجات کی کوئی شکل نکالدیگا اور اس کو وہاں سے رزق پہنچائیگا جدھر سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا اور جو شخص اللہ پر بھروسا رکھے گا تو خدا اس کے لئے کافی ہے۔

ف

عوف بن مالک اشجعی ایک مفلس و نادار مسلمان تھا اس کے بیٹے ابو نعیم مالک کو دشمنوں نے گرفتار کر کے قید کر لیا ابو نعیم نے کسی طرح اپنے باپ کو اطلاع دی کہ میں اس طرح دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوں اور مجھکو قید میں تکلیفیں پہنچائی جاتی ہیں۔ تم رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر میری بیکسی کی اطلاع دو۔ عوف بن مالک روتا ہوا پیغمبر خدا کی خدمت میں حاضر ہوا

اور عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ ہم بال بچے والے غریب پہلے ہی سے افلاس و فاقہ کشی میں مبتلا تھے اب میرے بچے کو بھی ان موذیوں نے قید کر کے مبتلائے عذاب کر رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا، صبر کرو، تمہارا بیٹا، خدا نے چاہا تو چھوٹ جائے گا اور تمہارا افلاس بھی جاتا رہے گا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ "جو شخص اللہ سے ڈریگا اللہ اس کی نجات کی کوئی شکل نکال دیگا اور وہاں سے رزق پہنچائے گا جہاں سے پہنچنے کا اس کو وہم و گمان بھی نہ ہو گا۔ عوف بن مالک اشجعی کو اس سے بے فی الجملہ تسکین ہو گئی۔[ع]

ادھر ایسا ہوا کہ بہت دن گذر جانے سے مالک بن عوف سے اسکے گرفتار کرنے والے غافل ہو گئے ایک روز مالک نے اپنی نگرانی کرنیوالونکو اپنی طرف سے غافل جو پایا قید سے نکل کر بھاگ کھڑے ہوئے اور چلتے چلتے دشمنوں کے بہت سے اونٹ اور مویشی بھی ہانک لئے۔

رات کیوقت عوف بن مالک اشجعی مکان میں مغموم بیٹھا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے اٹھکر جونہیں دروازہ کھولا سامنے اپنے عزیز بیٹے کو پایا کہ خوش و خرم کھڑا ہے اور اس کے ارد گرد اونٹوں اور بھیڑیوں کا گلہ ہے۔

قرآن کی دونوں پیشنگوئیاں پوری ہوئیں۔ عوف بن مالک کا بیٹا قید کفار سے رہا ہوا۔ اور اس کے لائے ہوئے مویشیوں سے گھر کا فقر و فاقہ جاتا رہا۔

ع لباب النقول فی اسباب النزول۔

پیشنگوئی

(۱۷۱)

ابوجہل عذاب موت کیوقت کہیگا کاش میں خاک ہوتا

جیساکہ سورۃ النبا میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّا اَنذَرْنَاکُمْ عَذَابًا قَرِیْبًا یَوْمَ یَنظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدَاہُ وَیَقُوْلُ الْکَافِرُ یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرَابًا۔

(لوگو!) ہم نے تم کو عذاب سے ڈرادیا ہے جو عنقریب (آنیوالا) ہے کہ اُسدن آدمی اُن (اعمال) کو دیکھیگا جو اس نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجے ہیں اور (اُسدن) کافر (ابوجہل) چلا اُٹھیگا کہ اے کاش میں مٹی ہوجاتا۔

ف

ابوجہل کے اُس افسوس کی پیشنگوئی ہے کہ جب عفرا کے بیٹوں نے جنگ بدر میں اس کو قتل کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دیکھنے گئے کہ ابوجہل کا کیا حشر ہوا تو ابن مسعود سے اس نے کہا کہ ہائے! مجھکو میرے چچازادوں نے کیوں نہیں قتل کیا۔

عـہ بخاری جلد ثانی۔

اے کاش میں بجائے انسان ہونے کے مٹی ہوتا۔ اور ایسے ادنی لوگوں کے ہاتھ سے قتل نہ ہوتا۔

پیشنگوئی

(۱۷۲)

زمین ہلائی جائیگی اور اس کی دفینے نکالی جائینگے

(۱۷۳)

زمین کی خبریں اخبارات وغیرہ کے ذریعہ سے عام ہونگی

جیساکہ سورۃ الزلزال میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا وَقَالَ الْإِنسَانُ مَا لَهَا يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا۔

جب زمین بڑے زور سے ہلائی جائے اور (یہی) زمین اپنی دفینے (معدنیات وغیرہ) نکال دے اور انسان (یہ عجائبات دیکھکر تعجب سے) بول اُٹھے کہ اسے کیا ہو گیا۔ اسوقت یہ اپنی (تمام) خبریں بیان کرنے لگیگی اس لئے کہ تمہارے پروردگار کا اس کو حکم ہی ایسا ہو گا

ف

اگرچہ عنوان پر ہم نے دو ہی پیشنگوئیاں لکھی ہیں لیکن درحقیقت ان آیات میں تین عجیب پیشنگوئیاں ہیں۔

پہلی پیشنگوئی

زمین کا متزلزل ہونا اور یہ مشاہد ہے کہ ریلوں کی کثرت نے کرۂ ارض کو متحرک کر رکھا ہے۔

دوسری پیشنگوئی

انتقال زمین یعنی معدنیات وغیرہ کا کثرت سے باہر نکالا جانا کون انکار کرسکتا ہے کہ سونا۔ چاندی۔ تانبا۔ لوہا وغیرہ معدنیات اب جس کثرت سے نکالے جارہے ہیں اس کا عشر عشیر بھی کبھی نہ نکالے گئے ہوں گے خصوصاً کوئلے وغیرہ جو بوجھ کے بوجھ ڈھیر کے ڈھیر بلکہ ہزاروں لاکھوں من روزانہ زمین کے اندر سے نکالے جارہے ہیں انھوں نے تو اس پیشنگوئی کو ایسا صاف طور پر صحیح کر دکھلایا جیسے چاند سورج کا وجود مسلم ہے۔

تیسری پیشنگوئی

اخبار عالم کا عام ہونا اور یہ ان دونوں سے زیادہ ظاہر ہے کہ اخبار

تار برقی اور ٹیلیفون نے کس قدر خبروں کو عام کر دیا ہے اور خبروں کے عام ہونے اور ہر طرف پھیل جانے کے کیسے زبردست ذریعے ہیں بھلا آج تیرہ سو برس پہلے کس کے وہم و گمان میں یہ بات تھی کہ ایک زمانہ میں ایسے آلے ایجاد ہو سکیں گے جو ذری ذری خبروں کو بھی دنیا کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک گھنٹوں میں پھیلا کر شائع کرتے رہیں گے

لطیفہ

یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا - میں اَخْبَارَ کا لفظ ایک خاص شان لطافت رکھتا ہے یہ کتنی بڑی لطافت اور قوت کلام ہے کہ تیرہ سو برس پہلے جو پیشینگوئی قرآن نے کی بعینہ اور بلفظہ آج ہمارے سامنے ہے قرآن نے اخبار کا لفظ فرمایا اور آج اخباروں ہی کی کثرت ہے اخبار ہی خبروں کے شائع اور عام ہونے کے اعلیٰ ذریعے ہیں -

کیا ممکن نہیں تھا کہ اس ذریعہ خبر رسانی کا دوسرا کوئی نام رکھا جاتا ضرور ممکن تھا مگر مشیت الٰہی میں تو یہ تھا کہ اس کے کلام لطیف (قرآن) کی پیشینگوئی بلفظہ پوری ہو اور وہ ہو کر رہی اب تو اہل یورپ اس کوشش میں بھی کامیاب ہو گئے کہ بغیر اخبار و تار برقی کے زمین سے خبریں جاری ہو جایا کریں -

کیا ان عجائبات نے اہل عالم کو متحیر نہیں کر دیا ؟ عوام تو عوام خواص بھی تعجب کئے بغیر نہیں رہتے کہ یورپ نے کیسے کیسے عجائب غرائب واقعات دنیا کے سامنے پیش کر دئیے ہیں -

پیشنگوئی

(۱۷۴)

اِن آوازے کسنے والوں کا مال ہرگز نہ بڑھے گا

جیساکہ سورۃ الھمزہ میں ہے جہاں اللہ تعالی فرماتا ہے

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۝ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۝ كَلَّا لَيُنبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ

ہر شخص جو لوگوں کی عیب جوئی کرتا (اور ان پر) آوازے کستا ہے اس کی بڑی تباہی ہے، وہ اس خیالی سے مال جمع کرتا اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے کہ وہ مال کی بدولت ہمیشہ زندہ رہیگا سو یہ تو ہرگز نہ ہوگا (نہ مال ہی رہیگا نہ خود وہی رہیگا بلکہ) وہ ضرور (ایک دن مرے گا اور کفر کی وجہ سے) حطمۃ یعنی آگ میں پھینکا جائیگا۔

ف

اُبی[1] بن خلف ۔ اخنس بن شریق جمیل[2] بن عامر جمحی ۔ اور امیہ[3] بن خلف ان چار مالداران کفار کو اپنے مال و دولت پر بڑا غرہ تھا ۔ اپنی مال و دولت کے بڑائی کی ذکر میں لگے رہتے اور مسلمانوں خصوص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر آوازے کسا کرتے تھے اللہ تعالی نے فرمایا (کلا) کہ یہ سب ہوس خام میں مبتلا ہیں نہ تو ان کی دولت ہی بڑھیگی

عـہ لباب النقول فی اسباب النزول للسیوطی ۱۲۔

نہ وقت پر ان کا موجودہ مال ہی کچھ ان کے کام آئیگا بلکہ یہ سب کے سب ذلیل موت مریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان نالائقوں میں سے کسی ایک کا مال بھی نہ بڑھا اور ہر ایک رسوائی کی موت مرا اور قتل کیا گیا عہ

پیشگوئی

(۱۷۵)

یہ سات شخص کفر پر مریں گے

جیسا کہ سورۃ الکافرون میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قُلْ یَا اَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَلَا اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ وَلَا اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَا اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ۔

(اے پیغمبر ان کافروں سے) کہو کہ اے کافرو! نہ (تو اسوقت) میں (تمہارے) ان معبودوں کی پرستش کرتا ہوں جن کی تم پرستش کرتے ہو اور جس (خدا) کی میں پرستش کرتا ہوں تم بھی (اسوقت) اس کی پرستش نہیں کرتے اور (آئندہ بھی) نہ میں تمہارے۔ ان معبودوں کی پرستش کرونگا جن کی تم پرستش کرتے ہو اور نہ تم ہی اس خدا کی پرستش کرو گے جس کی میں پرستش کرتا ہوں (جاؤ) تمکو تمہارا دین اور مجھکو میرا دین۔

عہ تاریخ کامل ۱۲

ف

عاصؓ بن وائل سہمی - ولیدؓ بن مغیرہ - اسودؓ عنسی ، عبدیغوثؓ - اسودؓ بن عبدالمطلب - امیہؓ بن خلف جمحی اور حارثؓ بن مغیرہ - یہ سات اکابر کفار قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر کہنے لگے کہ آپ کو بہتر سے بہتر حسین عورت، مال و دولت، مکان و عمارت جو کچھ مطلوب ہو، ہم سب مل کر مہیا کر دیں گے، آپ اپنے دعوے سے باز آ جائیے، اگر یہ منظور نہ ہو تو کم سے کم ہمارے معبودوں کو برا بھلا نہ کہیئے اور اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو سب سے آسان بات یہ ہے کہ ایک سال ہم آپکے معبود کی پرستش کریں ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کریں - پیغمبر خدا نے فرمایا، میں اس کے متعلق وحی الٰہی کا انتظار کر کے جواب دونگا - اور اس کے بعد کافروں کے جواب میں یہ سورۃ الکافرون نازل ہوئی جس میں صاف فرما دیا گیا کہ ہم (پیغمبر) تو تمہارے باطل معبودوں کی پرستش اسوقت کرتے نہ آیندہ کریں گے اور اسی طرح تم جو اسوقت ہمارے معبود مطلق سے روگرداں ہو، آیندہ بھی اسی طرح بغاوت پر کمربستہ رہو گے تو فضول مکاری کی باتیں نہ بولو، جاؤ بالفعل تم اپنے دین پر رہو، میں اپنے دین پر رہوں گا -

آخر ایسا ہی ہوا کہ ان سات شریروں میں سے کوئی مسلمان ہوا نہ اپنی شرارت سے باز آیا اور ہر ایک تباہ و برباد ہو کر اسلام کی خونخوار تلوار کا جوہر دیکھتا ہوا دارالبوار کو سدھارا -

---

ع‍ لباب النقول فی اسباب النزول ۱۲

پیشنگوئی

(آئندہ)

آسمانوں کا پھٹنا اور پہاڑوں کا غبار ہونا

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ الرحمٰن میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَکَانَتْ وَرْدَۃً کَالدِّھَانِ ۔

پھر جب قیامت کے دن آسمان پھٹے اور تیل کی طرح (اس کی رنگت) لال لال ہو جائے۔

دوسری آیت سورۃ النباء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَکَانَتْ اَبْوَابًا وَّسُیِّرَتِ الْجِبَالُ فَکَانَتْ سَرَابًا۔

اسوقت صور پھونکا جایگا اور تم لوگ گروہ کے گروہ آحاضر ہوگے اور آسمان (پھٹ کر اس میں) دروازے ہو جائیں گے اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) چلائے جائیں گے تو وہ غبار ہو کر رہ جائیں گے۔

ف

فلاسفہ متقدمین آسمان کو جسم صلب، شفاف، ناقابل خرق والتیام مانتے تھے پھر جب فلسفہ نے مسلمانوں کے گھر میں نیا جنم لیا اور حکمت نے مسلمانوں کے دامن میں پناہ لی تو انھوں نے فلسفہ یونان کے بہت سارے مسائل کو باطل کر کے اور ایک دوسرا فلسفہ بنا کر **علم کلام** اس کا نام رکھا متکلمین یعنی کلام والے حکمائے اسلام نے آسمانوں کا جسم صاف ہونا تو تسلیم کر لیا۔ مگر اس کا غیر قابل

خرق والتیام ہونا نہ مانا اور اس کو بدلائل قاطعہ رد کر دیا۔

قرآن مجید علم ہیئات یا ریاضی یا اس قسم کے علم و فن کی کوئی کتاب نہیں ہے وہ فقط امت کی اصلاح حالت اور درستی اخلاق کیلئے نازل فرمایا گیا چونکہ قرآن عرب خصوصاً قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے اس لئے زبان عرب کی تمام خصوصیات اس میں موجود ہیں اس نے زبان کے مصطلحات کی واقعی غلطی یا صحت سے کوئی تعرض نہیں کیا بلکہ بلاتعرض انہیں کے مصطلحات مسلمہ سے اپنے دعویٰ کو ثابت کرتا رہا مثلاً کفار عرب سات آسمان اور ایک زمین کے قائل تھے قرآن کو اپنا دعوی توحید یا وجود باری ثابت کرنا ہے پس اس امر سے بحث کرنیکی اسے کچھ ضرورت نہیں ہے کہ واقعی آسمان سات ہے یا ایک ہی یا نہیں ہے اور ہے تو اس کی حقیقت کیا ہے کیونکہ قرآن ان مباحث کے طے کرنیکیلئے اترا ہی نہیں تھا وہ اہل عرب کو مخاطب کرتا ہے کہ تم سات آسمان اور ایک زمین کے قائل ہو تو ان عظیم الشان چیزوں کا کوئی خالق ہے یا آپ ہی آپ پیدا ہو گئیں پہلی صورت تو تمہارے ہی عقیدہ کی رو سے باطل ہے اور جب ان چیزوں کا خالق ہونا ضرور ہے اور ہے تو پھر اس کی پرستش کرو اور اس کے ساتھ الوہیت میں بتوں کو شریک نہ گردانو۔ الحاصل عربوں کے جن مصطلحات و معتقدات کو نفس اسلام سے تعلق نہ تھا یا ان کی وجہ سے اسلام میں کوئی مزاحمت نہ ہو سکتی تھی ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا اور بلاتعرض انہیں سے ان کے معتقدین کو قائل کیا۔ البتہ ان کے جو معتقدات اسلام کے خلاف تھے ان کو صاف الفاظ میں باطل گردانا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے مسائل میں ما بین العلماء ہمیشہ اختلاف رہا۔ اور ان جیسے امور کو محققین نے نفس اسلام سے بالکل الگ رکھا قرآن میں جو سات آسمان کہا گیا ہے اس سے واقعی نہ تعدد مقصود ہے نہ

آسمانوں کی ماہیت کا اظہار منظور ہے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ جب آسمانوں کا قابل خرق والتیام ہونا ثابت ہے تو اس کا پھٹنا اور اس میں درزوں اور دروازوں کا ہونا ممکن ہے ہاں یورپ کا فلسفہ جدید سرے سے آسمانوں کے وجود ہی کا قائل نہیں پس اگر یہ ثابت ہو جائے کہ جس صفت کا آسمان مانا جاتا ہے ویسا نہیں ہے تو آسمانوں سے طبقات فضاے بالا مراد ہوں گے اور اس عالم کی ترکیب کے مضمحل ہونے کے بعد وہ طبقات بھی متاثر ہوں گے مثلاً اجزائے ارضی کے طبقات سماویہ میں مل جانے سے رنگ کا تغیر لازم ہے اور انعکاسات کی وجہ سے اس کا لال ہونا ظاہر۔ طبقہ کے بعض بعض حصہ میں جب اجزائے ارضی کی آمیزش اس طرح ہو کہ درمیانی حصہ خالی رہ جائے تو وہی ابواب اور درزیں ہیں فلاسفہ اور اہل شریعت میں سے جو لوگ آسمان کے قائل نہیں ہیں ان کے نزدیک سما دون الارض غیر محدود فضا نہیں ہے دیہ ہو سکتا۔ حکیم فیثاغورث زمین کی حرکت کا قائل ہے اور وجود سماوات کا (جیسا کہ بطلیموس کا مذہب ہے) منکر ہے حکیم بطلیموس سکون زمین اور وجود و حرکت آسمان کا قائل ہے اور اسی کو اہل اسلام نے تسلیم کیا فرق یہ ہے کہ بطلیموس تمام آسمانوں کو ایک دوسرے سے چپکا ہوا مانتا ہے جیسے پیاز کے چھلکے اور شریعت محمدیہ والے ہر دو آسمانوں کے درمیان ایک وسیع فضا پانچ سو برس کے راہ کے مساوی مانتے ہیں آسمان بطلیموس کے نزدیک ناقابل خرق والتیام ہے اور حکمائے اسلام کے نزدیک قابل خرق والتیام ہے دلیل عقلی نہ تو وجود فلک پر قایم ہے نہ اس کے عدم وجود پر اور جو دلیلیں پیش کیجاتی ہیں وہ سب ناقص و کمزور ہیں فیثاغورث کے نظام پر ستارے کچھ ساکن ہیں کچھ متحرک ہیں اور حرکات تابع کشش ہیں آفتاب اس

نظام کیلئے ساکن ہے زمین اور دوسرے سیارے باقتضائے کشش آفتاب کے
گرد پھرتے ہیں۔ زمین کی دو حرکتیں ہیں ایک گرد آفتاب کے جس کے دورہ
کو سال کہتے ہیں دوسری حرکت اپنے محور پر جس سے رات دن پیدا ہوتے
ہیں بطلیموس کے نظام پر سات سیارے سات آسمانوں میں ہیں اور باقی سب
ستارے آٹھویں آسمان میں جڑے ہوئے ہیں۔ نتائج حرکات کے لحاظ سے
ضرور ہے کہ سیارات کے حرکات میں تناسب قائم رہے اس لئے ایک ایک
آسمان کلی میں متعدد آسمان جزئی ماننے پڑے اور ان کے اصول پر اسوقت
(۲۴) آسمان ہیں۔ اب (٦٤) سیارے ثابت ہوے ہیں تو بطلیموسی اصول پر
سیکڑوں آسمان ماننے پڑیں گے اور جتنے سیارات ثابت ہوتے جائیں گے
اسی کے حساب سے آسمانوں کی تعداد بڑہتی جائیگی اس کے علاوہ اب
بہت سے سیارات کیساتھ اقمار (چاند) بھی ثابت ہوئے ہیں اور یہ کہ ایک ایک
کے لئے متعدد بھی ہیں جن کی حرکات کے لئے بطلیموسیوں نے اصول مقرر نہیں
کئے ہیں اور ان میں بہت سے اشکالات ہیں ان بطلیموسیوں نے آسمانوں کو
اجسام کثیفہ اور پیاز کے چھلکوں کی طرح تہ بتہ مانا۔ آخری تہ کا آسمان جو تمام تہوں کو
محیط ہے اور جو ان کے نزدیک تمام مخلوقات کا منتہا ہے اس کا نام فلک الافلاک بھی
اور محدد ہے یہ فلک الافلاک مع اور نوین آسمانوں (مدیر جوزہر۔ مائل) کے
مشرق سے مغرب کی طرف گردش کرتا ہے باقی آسمان مغرب سے مشرق کی
طرف گھومتے ہیں بطلیموسیوں کے گمان میں فلک محدد معمورۂ عالم کا منتہا جسکے پیچھے
خلا ملا کچھ نہیں ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ممالک مقبوضہ کی ایک دیوار کھینچدی
ہے پس بطلیموسیوں کے مذہب پر تمام صنعت خداوندی کا لب لباب آبادی
زمین سے ہے اور فیثا غورثیوں کے ملک پر صنعت خداوندی غیر محدود اور بے انتہا

آبادیاں اور بے انتہا عالم ہیں۔ شان خداوندی کی عظمت نظام فیثاغورثی میں ہے نہ نظام بطلیموس میں آجکل یورپ کے محققین علم ہیئات جو خیال وجود سماوات کی نسبت رکھتے ہیں دراصل وہ خیال قرآن کے مخالف نہیں ہے۔ قرآن نے اگرچہ آسمانوں کو نرا پول قرار نہیں دیا لیکن مادہ سماوی کو جو پول کے اندر بھرا ہے صلب اور کثیف اور مستعصی الخرق بھی نہیں بتایا بلکہ ہوا یا پانی کی طرح نرم اور رقیق مادہ قرار دیا جس میں ستارے تیرتے پھرتے ہیں چنانچہ قرآن کی آیات کریمہ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ اور ثُمَّ اسْتَوٰیٓ اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ سے صاف ظاہر ہے قرآن مجید میں کوئی بات کسی علم و فن کے مسلمہ اصول کے خلاف نہیں ہے بلکہ یا تو ہماری فہم کا قصور ہے کہ ہم نے معانی قرآن میں غور و خوض سے کام نہیں لیا یا خود اس فن کا وہ مسئلہ ہی غلط ہے جسکو قرآن کا مخالف کہا جاتا ہے۔

پیشنگوئی

(آئندہ)

آنکھوں کا پتھرانا۔ چاند گہن۔ چاند سورج کا جمع ہونا

جیسا کہ سورۃ القیامہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یَسْئَلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ	وہ پوچھتا ہے کہ بھلا روز قیامت کب ہوگا تو (اے محمد کہو) کہ جب مارے ہیبت کے آنکھیں پتھرا جائیں اور چاند گہنا جائے اور سورج اور چاند

وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ۔ (دونوں) ایک جگہ جمع کردیے جائیں۔

ف

چاند کے گہن سے بعض لوگوں نے تو یہی گہن مراد لیا ہے جو ہمیشہ ہوا کرتا ہے مگر یہ قول ساقط ہے کیونکہ ایسے گہن کو علامات قیامت سے کوئی مناسبت نہیں ہے بعض مفسرین نے چاند گہن سے اسکی روشنی کا زائل ہونا مراد لیا ہے اور یہی صحیح ہے چاند سورج کے جمع ہونے سے کیا مطلب ہے اس میں بھی بین المفسرین اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ سورج اور چاند دونوں ایک جگہ جمع ہو جائیں گے اور اکثروں کا یہ مسلک ہے کہ چاند سورج دونوں اکھٹے ہوں گے یعنی دونوں کی روشنی زائل ہو جائیگی۔

فلسفی اعتراض کرتا ہے کہ چاند سورج کا اکھٹا ہونا اور چاند میں گہن لگنا دونوں باتیں ایک وقت میں نہیں ہو سکتیں کیونکہ چاند میں گہن اسوقت لگتا ہے جب اس کے اور سورج کے بیچ میں زمین حائل ہوتی ہے تو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ہی وقت میں دونوں اکھٹا بھی ہوں گے اور ایک دوسرے سے ہزاروں لاکھوں کوس کے فاصلہ پر بھی ہوں گے اور یہ اجتماع ضدین محال ہے

جواب

قرآن مجید میں یہ تو نہیں فرمایا گیا ہے کہ چاند گہن اور چاند سورج کا اجتماع ایک ہی آن میں ہوگا بلکہ ان دونوں خبروں کو حرف عاطفہ واو کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو صرف جمع کے لئے آتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ قیامت سے پہلے چاند میں گہن لگیگا اور چاند سورج اکھٹا کیے جائیں گے رہی یہ بات کہ

یہ دونوں واقعات ساتھ ہوں گے یا فصل سے ہوں گے اور فصل ہی ہوں گے تو بیچ میں کتنا وقفہ ہوگا قرآن سے کچھ صراحت نہیں کی اس کے علاوہ چاند گہن کی جو کیفیت بیان کیجاتی ہے وہ موجودہ نظام پر ہے مگر جب یہ نظام ہی درہم برہم ہو جائیگا تو ممکن ہے کہ اسوقت کوئی اور حالت چاند گہن کا سبب ہو اور چاند سورج اسکے بعد بھی ہو جائیں واللہ اعلم۔

پیشنگوئی

(آیندہ)

آسمان کا پھٹنا ستاروں کا جھڑنا۔ سمندروں کا بہ جانا قبروں کا اکھڑنا اور مخلوق کی حالت

پہلی آیت سورۂ الانفطار میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِذَا السَّمَاۗءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ

جب کہ آسمان پھٹ جائے اور جب ستارے جھڑ پڑیں اور جب دریاؤں کو انکی اصلی جگہ سے اچھال کر دوسری طرف کو بہا دیا جائے اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں (اسوقت) ہر شخص جان لیگا کہ اس نے کیسے عمل پہلے ہی (زاد آخرت بنا کر) بھیجے ہیں اور پیچھے چھوڑ آیا ہے

ف

قرآن میں قیامت کی آمد کئی باتوں سے بتائی گئی ہے مثلاً زمین کا زلزلہ۔ پہاڑوں کا اڑے اڑے پھرنا اور ٹکرا کر چکنا چور ہو جانا۔ دریاؤں اور سمندروں کا اپنی حد سے باہر بہ جانا ستاروں کا جھڑ پڑنا۔ چاند سورج کا بے نور ہو جانا وغیرہ۔ یہ بھی ایک حادثہ بتایا گیا ہے کہ سمندر اور دریا اپنا پٹیا چھوڑ دیں گے۔ یا تو ان میں پہاڑوں کا ملبہ آ بھرے گا یا ٹکر کے صدمہ سے پانی اچھل اچھل کر چاروں طرف بہا بہا پھرے گا غرض ہو گی بڑی آفت تفصیلی کیفیت اللہ کو معلوم ہے۔

دوسری آیت سورۃ المرسلات میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ۝ لِیَوْمِ الْفَصْلِ۔

تو جب ستارے ماند پڑ جائیں اور جب آسمان پھٹ جائے اور جب پہاڑ اڑا دئیے جائیں اور جب پیغمبر وقت مقرر پر حاضر کئے جائیں (اسوقت سمجھو کہ قیامت ہوئی لیکن یہ واقعات) کس دن کے لئے ملتوی ہیں؟ فیصلے کے دن کے لئے۔

ف

یہ سب قیامت کے متعلق پیشنگوئیاں ہیں۔ اول ستاروں کا بے نور ہونا دوسرے آسمانوں کا پھٹ جانا۔ تیسرے پہاڑوں کا اڑا دیا جانا۔ چوتھے وقت مقررہ پر پیغمبروں کا حاضر کیا جانا۔

فیثا غورث کے مذہب پر عالم غیر متناہی ہے۔ جس زمین پر ہم آباد ہیں

ایسی اور اس سے زیادہ لاکھوں کروڑوں اور غیر متناہی کرے اور عالم ہیں۔ پس یہ ضرور نہیں ہے کہ ایک ہی وقت میں تمام قیامت آجائے ممکن ہے کہ وقتاً فوقتاً ہر کرہ میں قیامت آتی رہے اور جب کرہ درہم برہم ہوجائے تو اس کے غبار سے ستاروں کا بے نور ہوجانا ظاہر ہے۔

لطیفہ

آیت میں (اِذَا السَّمَاءُ) فُرِجَتْ کا لفظ ہے۔ فرج کے معنی کشادہ کرنے کے ہیں پس اس سے آسمانوں کا نرم اور طبقہ ہوائی ہونا ترشح ہے جیسا کہ محققین اہل یورپ کا مسلک ہے۔

پیشینگوئی

(آئندہ)

زمین کا دھکوں سے چکنا چور ہوجانا

پہلی آیت سورۃ النازعات میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ أَبْصَارُهَا	جب کہ زمین لرز جائے اور (ایک) زلزلہ کے بعد دوسرا زلزلہ آئے اسدن (بہت سے لوگوں کے) دل دھڑک رہے ہونگے (اور مارے رنج) پست ہونگی انکی نظریں۔

خَاشِعَۃٌ ۔	جھکی ہوئی ہونگی ۔

دوسری آیت سورۃ الزلزال میں ہے جہاں اللہ تعالی فرماتا ہے ۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۔	جب زمین بڑے زور سے ہلا دیجائیگی اور (یہی) زمین اپنے دفینے (معدنیات اور مردے وغیرہ سب) نکال کر پھینکدیگی

تیسری آیت سورۃ الفجر میں ہے جہاں اللہ تعالی فرماتا ہے ۔

كَلَّا اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا	ہاں ہاں جس روز زمین مارے دھکوں کے چکنا چور ہو جائے گی ۔

ف

اس زمانہ میں علم ہیأت نے بڑی ترقی کی ہے اور بڑے بڑے پتلے کی دوربینیں ایجاد ہوئی ہیں جن سے کروروں کوس کے فاصلہ کی چیزیں ایسی دکھائی دیتی ہیں جیسے پاس رکھی ہوئی ہیں تو تحقیقات جدیدہ کا نتیجہ یہ ہے کہ تمام اجرام فلکی بڑے بڑے گولے ہیں اور زمین ان میں سے بعض کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے مٹکے کے مقابلہ میں رائی کا دانہ اور یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ ہماری زمین کی طرح اور کرے بھی آباد ہیں خدا نے تمام اجسام میں کشش کی قوت رکھی ہے جس کے ذریعہ سے یہ سب گھوم رہے ہیں ۔

جب ان باتوں کو آثار قیامت سے ملا کر دیکھا جاتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کشش کو سلب کر کے یا کسی اور طرح پر اس تمام انتظام کو درہم برہم کر دے گا ۔ یہ سب ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے اور ایسی

بڑی آفت ہوگی جسکو کوئی فرد بشر سمجھ نہیں سکتا۔ ان چیزوں کے مقابلہ میں ریل کی کچھ حقیقت نہیں ہے لیکن جب کبھی ریلیں لڑ گئی ہیں تو ایسی مصیبت واقع ہوئی ہے کہ بیان میں نہیں آسکتی۔

قدیم فلسفہ والے زمین کو ساکن سمجھتے تھے۔ اب اسکا سیارہ ہونا ثابت مان لیا گیا ہے فلاسفۂ متقدمین کے نزدیک صرف سات سیارے تھے اب ان کے علاوہ اور بھی سیارے ثابت ہوئے ہیں غرض یہ سب صاف دلیلیں ہیں اس امر کی کہ انسان محدود العلم پیدا ہوا ہے وہ ترقی کے کتنا ہی بلند زینہ پر پہنچ جائے پھر بھی اپنی جگہ پر ناقص ہے وہ کبھی دعوی نہیں کر سکتا کہ ہم نے کچھ دریافت کر لیا ہے یہی صحیح اور قطعی ہے یا جہانتک ہم نے ترقی کی ہے یہی ترقی کی آخری ... اب اس سے آگے ترقی نہیں ہو سکتی۔

اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ معلوم شدہ سیاروں اور ستاروں اور اجرام علویہ کے علاوہ معلوم نہیں کتنے اجرام و سیارے ہوں گے جہاں تک انسان کی پہونچ نہیں ہوئی اور ممکن ہے کہ آگے چلکر اور بھی رازوں کا انکشاف ہو۔

ہو سکتا ہے کہ ان اجرام معلوم و نامعلوم میں سے کچھ سیارے ایک ممتد زمانہ کے بعد گردش کرتے ہوئے اس حد تک پہونچیں جن کے قرب سے موجودہ نظام درہم برہم ہو جائے قوت جذب و انجذاب کو نقصان پہنچے اور کرۂ ارض ٹکر کھا کر پرزے پرزے ہو جائے اور پہاڑوں وغیرہ کا وہی حال ہو جائے جیسا کہ قرآن مجید میں مصرح ہے۔

پیشگوئی

(آئندہ)

صور کا پھونکا جانا اور تمام زندوں کا مرکر پھر زندہ ہونا

پہلی آیت سورۃ الزمر میں ہے جہاں اللہ تعالی فرماتا ہے

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ

اور (اول بار) صور پھونکا جائیگا تو جو مخلوقات آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے ان سب (موت کی) بیہوشی طاری ہو جائیگی مگر جس کو خدا چاہے پھر دوبارہ صور پھونکا جائیگا تو سب کے سب ایکدم سے قبروں سے نکلکر اٹھ کھڑے ہو جائینگے (اور) ہر طرف دیکھنے لگیں گے۔

دوسری آیت سورۃ الحاقہ میں ہے جہاں اللہ تعالی فرماتا ہے۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ

پھر جب صور میں (پہلی) ایک پھونک ماردی جائیگی اور زمین اور پہاڑ دونوں کو اٹھا کر ایک ہی بار ان کو ریزہ ریزہ کردیا جائیگا تو قیامت جو چار و ناچار ہونیوالی ہے اسدن ہو جائیگی اور آسمان پھٹ جائیگا اور وہ اسدن بہت بودا ہوگا

تیسری آیت سورۃ القمر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یَوْمَ یَدْعُ الدَّاعِ اِلٰی شَیْءٍ نُّکُرٍ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ کَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ

جسدن بلانیوالا (اسرافیل) انکو ایسی چیز کی طرف بلائیگا جس سے (ان کے ذہن بھی) آشنا نہیں ان کی نظریں جھکی ہوں گی (تو اس روز) قبروں میں سے (اس طرح) نکل پڑینگے کہ گویا یہ ٹڈیاں ہیں پھیلی ہوئی۔

ف

ان آیات میں چار پیشنگوئیاں ہیں۔

پہلی پیشنگوئی

صور کا پھونکا جانا جسکی کیفیت یہ ہے کہ صور کے پہلی مرتبہ کے پھونکے جانے میں زمین اور آسمانوں کی تمام مخلوقات موت کی بیہوشی میں مبتلا ہو جائینگی مگر جن کا بیہوش ہونا اللہ نہ چاہے گا وہ اس سے متاثر نہ ہوں گے پھر جب دوسری مرتبہ صور پھنکیگا تو سب زندہ ہو ہو کر قبروں سے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ لغت میں صور کے معنی سینگڑے کے لکھے ہیں جو پھونک کر بجایا جاتا ہے اب سینگڑے کی جگہ تُرہی یا بگل کام میں لاتے ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ وہ صور جس کے پھونکے جانے سے زمین و آسمان کی ساری مخلوقات بیہوش ہو جائیگی اور دوبارہ پھونکے جانے سے، ابتدائی

ع حدیثوں میں وہ شخص حضرت موسیٰ ہیں۔

آفرینش سے اسوقت تک کے تمام مردے قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ کیا واقعی سینگڑا ہوگا یا کیا۔

ہم کو صور کی حقیقت نہیں بتائی گئی ہے لہذا قرآن کے کلام الٰہی ماننے والوں کو اس پر ایمان لانا لازم ہے کہ صور پھونکا جائے گا اور اس کا یہ اثر مرتب ہوگا اور منکرین کو اس پیشینگوئی کے پورا ہونیکا انتظار کرنا چاہیے تاآنکہ پوری ہو اور وہ دن آجائے جب اُن کو سوائے ندامت و پشیمانی کے کوئی مفر نظر نہ آئیگا صور کا وجود اور اس کا وہ اثر جو قرآن میں بتایا گیا ہے خلاف عقل نہیں ہے نہ اس کے امتناع پر کوئی عقلی بینہ موجود ہے کیا قادر مطلق ایسے ابداع پر قدرت نہیں رکھتا؟ ضرور رکھتا ہے۔

دوسری پیشینگوئی

صور کی پہلی آواز میں تمام جانداروں کا مرجانا اور دوسری مرتبہ میں سب کا زندہ ہوکر قبروں سے نکل پڑنا۔

تیسری پیشینگوئی

زمین اور پہاڑوں کا ایک ہی مرتبہ ملکرا کر ریزہ ریزہ کر دیا جانا۔

چوتھی پیشینگوئی

آسمانوں کا پھٹنا اور اُن کا پھسپھسا ہوجانا۔

یہ پیشینگوئیاں زمانۂ آئندہ اور آخرت سے متعلق ہیں جن کی نسبت

زیادہ بحث کرنے سے ہم نے اعراض کیا ہے کیونکہ وہ قیامت کی پیشگوئیاں ہیں اور اس کتاب میں ہم نے ان پیشگوئیوں کے لکھنے کا وعدہ کیا ہے جو پوری ہوگئیں۔ یا ہو رہی ہیں۔ وقد فعلت کما وعدت بمنہ تعالےٰ وکرمہ وبہ نستعین والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانام الی یوم القیام

تمت



غلطنامہ کتاب حکمت بالغہ جلد اول

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱	۵	اسی طرح	اس طرح
۲	۲۵	۱۴	محقق	متحقق
۳	۳۶	۹	اس عقل	عقل
۴	۵۱	۱۹	بموجب	موجب
۵	۵۷	۱	دنیا کے پڑھنے	پڑھنے
۶	۶۳	۲۰	مشتمل ہیں	مشتمل ہے
۷	۷۳	۱۱	منقیم	مستقیم
۸	۷۶	۱۷	وجود شیوع	وجود و شیوع
۹	۷۹	۱	دشوار دشوار	دشوار
۱۰	۷	۵	محصور ہیں	محصور ہین
۱۱	۸۰	۱	احکام	احکام بھیجے
۱۲	۸۵	۱۲	پاس یعنی	پاس علم یعنی
۱۳	۹۳	۱	مغفرہ	مغفر
۱۴	۱۱۲	۹	منہ اللہ	من اللہ
۱۵	۱۲۵	۹	سندوس	سندس
۱۶	۱۲۵	۱۷	اپنی	انہیں
۱۷	۱۳۵	۱۴	ثابت ہوگا	ثابت ہوگیا
۱۸	۱۳۹	۶	ارباب معرفت	ارباب معرفت کیلئے
۱۹	۱۵۳	۷	فرماتا	فرمایا
۲۰	۱۷۲	۱۱	آرزو	آرزو کرو
۲۱	۱۸۳	۱۰	اروس	روس
۲۲	۱۹۰	۷	منع یعنی سی منع	منع
۲۳	۱۹۶	۲	ہی	بھی
۲۴	۱۹۸	۷	ہزار	ایک ہزار
۲۵	۲۰۵	۱۸	زرد روئی ہی	زرد رو ہی
۲۶	۲۰۶	۱۲	چند دوں	چند دنوں
۲۷	۲۱۰	۱۳	رنگ	زنگ
۲۸	۲۲۵	۱۵	استہزا ہوتا ہے	استہزا ہوتا تھا
۲۹	۲۳۵	۹	توبہت	نوبت
۳۰	″	۳۰	جزیہ ہی جزیہ	جزیہ ہی یا جزیہ
۳۱	۲۴۵	۸	منکم عملوا	منکم و عملوا
۳۲	″	۱۱	وستخلف	استخلف

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۳	۲۴۹	۲	دی جائے	دیا جائے
۳۴	”	۹	حقیقت	حقّیت
۳۵	۲۵۷	۱۲	آخرت اس کی	آخرت اور اس کی
۳۶	۲۵۹	۴	جب	حُب
۳۷	۲۶۸	۱۳	تم اور عیسائی اہل فارس ہم مذہب ہیں اہل فارس ہم مذہب ہیں اس لئے	تم اور عیسائی اور ہم اور اہل فارس ہم مذہب ہیں اس لئے
۳۸	”	۱۰	اہل پر	اہل فارس پر
۳۹	”	۲۱	تم اپنے	تم کو اپنے
۴۰	۲۷۲	۱۱	سیُغلِبُونَ	سَیُغلَبُونَ
۴۱	”	۲۱	فتح ہونا	فتح پانا
۴۲	۲۷۳	۳	ساتوں	ساتویں
۴۳	۲۷۹	۱۰	وَہجرھُم	وَاہجرھُم
۴۴	”	۲۱	دولہ ہی	دولہا ہی
۴۵	۲۸۰	۴	غیران خدا	شیران خدا
۴۶	۲۸۲	۶	پیغمبر خدا کے دب کر کے	پیغمبر خدا ذدب کر کی

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۷	۲۸۵	۵	احدا	احدًا
۴۸	”	۹	لَئِن اُخرِجون معھم	لَئِن اُخرِجُوا لَا یَخرُجُونَ مَعَھُم
۴۹	۲۸۷	۱۳	گھبرا اٹھتے	گھبرا اٹھے
۵۰	۳۱۳	۱۰	فتح مکہ کے دن نکاح	نکاح
۵۱	۳۱۷	۱۳	کمبخت	کمبخت
۵۲	۳۲۳	۳	اللہ تعالیٰ	اللہ تعالیٰ نے
۵۳	۳۲۵	۱۲	مگر نہیں	مگر انہیں
۵۴	۳۳۲	۱	اور اسی	اور وہ اسی
۵۵	”	۱۹	حدیبیہ ہوئی	جنگ حدیبیہ ہوئی
۵۶	۳۳۲	۱۲	انفار اللہ	انتشار اللہ
۵۷	۳۳۸	۳	روندوں	روندن
۵۸	۳۴۲	۱۷	ملک سلطنت	ملک وسلطنت
۵۹	۳۴۵	۹	اور اُن کے	ان کے
۶۰	”	۱۲	پرواے	پردے
۶۱	۳۵۱	۱۵	خو	جو
۶۲	۳۵۲	۳	جنگ کی نسبت	جنگ کی نوبت پہنچی

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۳	۳۵۸	۹	خد	خدا
۶۴	〃	۱۵	در	اور
۶۵	۳۶۰	۵	مسلمان پر	اسلام پر
۶۶	۳۶۱	۱	سورۃ الحلق	سورۃ العلق
۶۷	۳۶۴	۴	کے کئے	کے لئے
۶۸	۳۷۴	۱۳	کرے	کرے گا
۶۹	۳۸۲	۶	جبکہ بلکہ	بلکہ
۷۰	۳۸۴	۱۵	گرٹے	گرٹھے
۷۱	۳۸۸	۳	سزدیگا	سزادیگا
۷۲	〃	۱۳	چیھڑ خانی	چھیڑ خانی
۷۳	۳۹۳	۱۵	بسرکرینگے	بسر کرینگے
۷۴	〃	۱۸	ابلام	اسلام میں
۷۵	۴۰۸	۶	یہودی سوے	یہودی سوا
۷۶	۴۱۹	۹	محاجرین	مہاجرین
۷۷	۴۲۶	۱۵	خدانکون کی	خدان کوان کی
۷۸	۴۴۴	۱	عورتوں کے حسن اور	عورتوں اور
۷۹	۴۴۴	۸	آہستہ	آہستہ آہستہ
۸۰	۴۵۸	۵	سرکار	سردار
۸۱	۴۰۴	۵	اس ناکافی	اس کافی
۸۲	۴۹۰	۷	عور	عورت
۸۳	۴۹۷	۳	رسول اللہ صلعم تھے	رسول اللہ صلعم نے
۸۴	۵۰۳	۱۰	لوگ در	لوگ خود بخود
۸۵	۵۰۴	۷	سب کے	عرب کے
۸۶	〃	۱۲	پورے	پورے اُترے
۸۷	۵۲۲	۶	اکثر تو	اکثر یہ تو
۸۸	۵۲۳	۱۴	۲المومنون	منہم ۲المومنون
۸۹	۵۳۰	۲	مین کے	میں کئی
۹۰	۵۳۷	۵	کہیبی	کھیتی
۹۱	۵۳۸	۱۱	ارہوئی	امرو ہوئی
۹۲	〃	۱۶	حالت میں	حالت میں ہیں
۹۳	۵۴۳	۱۱	مافوق البشریت	مافوق البشر
۹۴	۵۵۱	۲۰	مہمان	مسلمان
۹۵	۵۵۴	۱۸	غامۃ الناس	کافۃ الناس
۹۶	۵۵۸	۵	یہ لحاظ	بلحاظ
۹۷	۵۶۱	۶	زمانکہ موجود	زمانۂ موجود
۹۸	۵۷۶	۱۵	مہذھب	مہذب
۹۹	۵۹۷	۱۸	حدیث یہ	حدیث کی یہ

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۰۰	۶۰۹	۱۷	اگرچہ آسمانوں	آسمانوں
۱۰۱	۶۱۱	۵	بان درا	باندار
۱۰۲	۶۱۵	۱۶	باوا پنی	باوجود اپنی
۱۰۳	۶۲۶	۱۶	اکھیڑ کر	اکھڑ کر
۱۰۴	۶۲۹	۱۳	امیر المومنین کا	امیر المومنین ابوبکر کا
۱۰۵	۶۳۵	۱	روا	رو
۱۰۶	۴۳	۱۲	قرآن	آخر ان
۱۰۷	۶۵۴	۹	ہم نے کچھ	ہم نے جو کچھ
۱۰۸	۶۵۷	۹	عقیل بینہ	عقلی بینہ

مجلس اشاعۃ العلوم حیدرآباد دکن کا مفید سلسلہ اشاعت

حکمت بالغہ جلد دوم - یہ کتاب ایک مقدمہ اور دو بابوں پر ختم ہوئی ہے مقدمہ کتاب میں نبوت کی تکمیل اور نہایت محققانہ تعریف کی گئی ہے۔ محمد رسول اللہ صلعم کی ختم نبوت سے بحث کرکے آیت خاتم النبیین کی لاجواب تفسیر کی ہے پہلے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن سرکرار پیشنگوئیوں کو مرتب کیا ہے جو کتب حدیث کی تدوین کے بعد پوری ہوئیں اور ابتک پوری ہوتی جاتی ہیں۔ دوسرے باب میں اُن پیشنگوئیوں کو لکھا ہے جو تدوین کتب حدیث کے پہلے ہی پوری ہوچکی تھیں پہلی قسم پیغمبر اسلام علیہ السلام کی حقیت نبوت پر ایک قوی بینہ ہے اور دوسری قسم میں معلومات عجیبہ کا بیش بہا ذخیرہ ہے حجم ۲۱۴ صفحہ قیمت فی جلد ۲

حکمت بالغہ جلد سوم - اس کتاب کا مقدمہ، قابل دید اور علامہ مولف کی تبحر علمی کا روشن ثبوت ہے اس میں عقل و نقل اور علماے یورپ کے مستند اقوال سے محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے امی محض ہونے پر ایسے بہترین دلائل قائم کئے گئے ہیں جن سے کوئی ذی ہوش مخالف انکار نہیں کرسکتا اور علماے مسیحی کے اعتراضات کا ایسا کافی جواب دیا گیا ہے کہ پھر انکار کی مطلق گنجائش باقی نہیں رہتی۔ مقدمہ ختم کرچکنے کے بعد قرآن کے کلام آلہی ہونے پر نئی عقلی دلیلیں پیش کی ہیں۔

سفرنامہ حرمین شریفین - از تصانیف عالم باعمل فاضل بے بدل جامع معقول و منقول حاوی فروع و اصول حامی شریعت واقف طریقت عارف حقیقت مولانا الحاج مولوی محمد محی الدین حسین صاحب صدر مدرس مدرسہ لطیفیہ بیلور دام فضلہ وعم فیضہ المو

جس میں قاصدین بیت اللہ وزائرین روضۂ سید کائنات علیہ افضل الصلواۃ والتحیات
کیلئے سفر حجاز کی تسہیلات اور مفید تجربات کے جمع کرنے کے علاوہ بہت سے
تمدنی اور معاشرتی امور میں مورخانہ اور محققانہ روش اختیار کی گئی ہے اور شریف
مباحث سے کتاب کو زینت دی گئی ہے - حجم ۳۴۳ صفحہ قیمت ۱۲/۶

زاد السبیل الی دار الخلیل - مولفہ مولانا مولوی مفتی محمد سعد اللہ خاں صاحب مرحوم
رسالہ حجاج وزائرین بیت اللہ کیلئے نہایت مفید ہے اس میں مناسک
و فضائل حج وعمرہ وممنوعات ومکروہات احرام وخطبہ ہائے حج ومقامات
قبولیت دعا وبقاع متبرکہ وغیرہ معتبر کتب فقہ سے اخذ کر کے نہایت خوبی
کیساتھ لکھے گئے ہیں یہ رسالہ پیشتر دو دفعہ چھپا تھا لیکن اب کے مجلس اشاعۃ العلوم
نے ایک جدید تہذیب اور دلکش طرز سے اسکو مرتب کر کے اپنے سلسلۂ
اشاعت میں داخل کر لیا ہے چھپائی عمدہ - کاغذ سفید چکنا ۵ پونڈی
حجم ۱۳۷ صفحات قیمت ۴/

العروۃ الوثقیٰ - مولفہ جناب مولوی سید غلام محمد برہان الدین صاحب قادری
مہاجر یہ رسالہ عربی زبان میں لکھا گیا ہے مولف سلمہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت مبارک اور فضائل رویت بہت عمدگی
کے ساتھ بیان کئے ہیں اور یہ اپنے رنگ میں بہت عمدہ رسالہ ہے -
حجم ۱۶۴ صفحات قیمت ۴/

الوسیلۃ العظمیٰ مولفہ جناب مولوی سید غلام محمد برہان الدین صاحب
قادری مہاجر یہ رسالہ بھی سلیس عربی زبان میں لکھا گیا ہے مولف سلمہ اللہ نے
اس رسالہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر ولادت باسعادت کے وقت
جواز قیام اور فضائل قیام کا ثبوت دیا ہے اور دلائل عقلیہ ونقلیہ سے اچھی طرح

ثابت کر دیا ہے کہ قیام کی اصل علت اور لم کیا ہے حجم (۱۳۲) صفحات قیمت (۴ر)

مکارم الحفظ - جناب مولوی حفیظ اللہ خانصاحب (مولوی فاضل) کی یہ ایک عمدہ تصنیف ہے قرآن اور حفظ قرآن کتاب کا موضوع ہے۔ حفظ قرآن کے متعلق عمدہ عمدہ نکات اور اس کے تفصیلی آداب وقواعد بیان کئے گئے ہیں بڑے بڑے حفاظ کے دلچسپ تذکرے اور ضمناً دلپذیر لطائف وقصص نے کتاب کو بہت بارونق بنا دیا ہے۔ مطالعہ سے مؤلف سلمہ اللہ کی قابل قدر جانکاہی اور کتاب کی قدر وقیمت ظاہر ہو سکتی ہے ضخامت ۸۰ صفحہ قیمت فی جلد ۳ر

مقاصد الاسلام حصہ پنجم - حضرت مولانا مولوی حاجی حافظ عارف باللہ محمد انوار اللہ صاحب قبلہ مدظلہ کی مفید تصانیف اور ان کے بارکات سے کون واقف نہیں ہے حضرت قبلہ ممدوح کی تصانیف موجودہ زمانہ کے اقتضا کے موافق حمایت اسلام کی کامل ضمانت اور علوم وبرکات اسلام کی اشاعت کیلئے پوری کفیل ہیں۔ مقاصد الاسلام کے نام سے حضرت ممدوح نے ایک مفید سلسلہ تصانیف کی بنیاد ڈالی ہے انعقاد مجلس اشاعۃ العلوم کے پیشتر اس سلسلہ کے چار حصے شایع ہو چکے ہیں اب مجلس نے یہ پانچواں حصہ شایع کیا ہے اور دیگر حصص زیر طبع ہیں - اس حصہ میں تصوف سزا وجزا، فقر وفقیری، خلافت، نبوت اہل بیت وصحابہ کے مفید حالات اور خلفاے راشدین کی خلافت پر نہایت عمدہ پیرائے میں عقلی ونقلی بحثیں کی گئی ہیں اور نہایت محققانہ طرز سے ہر ایک

بات ثابت کی گئی ہے چھپائی عمدہ کاغذ سفید چکنا ۵۰ پونڈی

حجم ۱۹۸ صفحات قیمت ۶/

یہ سب کتابیں ذیل کے پتہ پر ملسکتی ہیں

دفتر مجلس اشاعة العلوم مدرسہ نظامیہ شبلی گنج حیدرآباد دکن

المعلن

ابو البرکات حافظ محمد ولی الدین فاروقی مہتمم مجلس اشاعة العلوم